آنچل
کراچی
سالگرہ نمبر
aanchalnovel.com
aanchalpk.com
READING
Section

اس شمارے میں

ابتدائیہ

دانش کدہ

ہمارا آنچل

سروے

سلسلہ وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

پبلشر: مشتاق احمد قریشی پرنٹر، جمیل حسن/ ابن حسن پرنٹنگ پریس
ہاکی اسٹیڈیم کراچی/ دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز، عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔ 74400

سرورق: افرا ...... آرائش: روز بیوٹی پارلر......عکاسی: موسیٰ رضا

مستقل سلسلے

خط وکتابت کا پتہ: "آنچل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون: 021-35620771/2
فیکس: 021-35620773 یکے از مطبوعات نئے اُفق پبلی کیشنز۔ ای میل info@aanchal.com.pk

حسد سے بچو......
کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے، جس طرح آگ ''لکڑی'' یا ''خشک گھاس'' کو کھا جاتی ہے۔
(سنن ابی داؤد......۴۹۰۵)

سرگوشیاں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مئی ۲۰۱۶ء کا آنچل کا سال گرہ نمبر ۲ حاضرِ مطالعہ ہے۔

اللہ سبحان وتعالیٰ نے اپنی نعمتوں سے جس طرح نوازا ہے اس کا جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہی ہے۔ سال گرہ نمبر کی پسندیدگی نے سیروں خون بڑھا دیا۔ آپ کے محبت بھرے مشورے اور آرا نے مجھے ہی نہیں میری تمام ساتھیوں کو بھی نیا حوصلہ اور ولولہ دیا ہے۔ اللہ سبحان وتعالیٰ کے شکر کے ساتھ اپنی تمام قاری بہنوں و مصنفین کا بھی تہہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں یقیناً یہ آپ کا اپنا رسالہ ہے آپ ہی کے مشوروں کی روشنی اور تعاون سے اسے آراستہ کیا جاتا ہے۔

حجاب بھی آپ کا اپنا پرچہ ہے آپ کی محبت ہی ہے کہ جو اس مختصر عرصے میں اپنے عروج کی جانب گامزن ہو رہا ہے۔ بہت سی بہنوں کا اصرار ہے کہ اگر ان کے خط یا افسانے، شاعری جو وہ آنچل کے لیے ارسال کرتی ہیں اگر آنچل میں کسی سبب نہ استعمال ہو سکیں تو انہیں حجاب میں استعمال کرلیا جائے ایسی تمام بہنوں سے گزارش ہے کہ وہ دونوں ماہناموں کے لیے الگ الگ اپنی نگارشات ارسال کریں چونکہ دونوں ماہناموں کی اشاعت میں خاصہ وقفہ ہے اس دوران ملنے والی ڈاک میں ان کے خطوط غلط ملط ہو جاتے ہیں اگر الگ الگ ہوں گے تو انہیں ان کے مقرر خانوں میں محفوظ کیا جاسکے گا۔ پھر ایک بات اور بھی ہے کچھ بہنیں کسی پرانے پرچے سے کچھ نقل کر کے ارسال کر دیتی ہیں براہ کرم ایسا ہرگز نہ کیجیے اس طرح آپ کی اپنی اور آنچل کی ساکھ متاثر ہوتی ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے کہ پرانے رسالے پڑھے نہیں جاتے جانے کب کون کسی پرانے رسالے کو اٹھا کر پڑھنا شروع کردے اور اسے آپ کی وہ نقل شدہ تحریر کا اصل ماخذ نظر آجائے اس لیے بہتر ہے کہ آپ اپنی صلاحیتوں کو بھی آزمائیں اور اپنے خیالات و ہنر کے ہی سہارے آگے بڑھنے کی کوشش کیجیے اللہ آپ کی حفاظت فرمائے وطن عزیز کو درپیش مسائل و مشکلات کو حل فرمائے آمین۔

تمام بہنیں نوٹ فرمالیں کہ جولائی کا شمارہ عید نمبر ہوگا۔ اسی لیے اپنی نگارشات جلد از جلد ارسال کردیں تاکہ سب بہنوں کی شرکت یقینی بنائی جاسکے۔

اس ماہ کے ستارے

☆ کبھی تو ملیں گے — خوش آئند مستقبل کی امید لیے رفاقت جاوید ایک نئے انداز میں جلوہ گر ہیں۔
☆ اناڑی پیا بڑا اڑیا ہے — چاہت و محبت کے احساسات سے ناآشنا اناڑی پیا کا احوال صائمہ قریشی کے دلکش اسلوب میں۔
☆ میرے لیے صرف تم — محبت کی ایک اور کہانی، نزہت جبیں ضیاء کی زبانی۔
☆ میرا اعتبار لوٹادے — رشتوں کو دولت کے ترازو میں تولتی صدف آصف کی موثر تحریر۔
☆ رنگ دھنک کے — سالگرہ نمبر کے حوالے سے سحرش فاطمہ کی خصوصی تحریر جسے آپ نظر انداز نہیں کرسکیں گے۔
☆ آنچل میں ستارے — سالگرہ کی خوشیوں میں اضافہ کرتی حنا اشرف شریک محفل ہیں۔
☆ احتیاط سے محتاط تک — محتاط زندگی گزارنے کے لیے احتیاط کتنی ضروری ہے جانیے کے ایم نور المشال کے سنگ۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعا گو
قیصر آرا

حمد

اسی کا حکم جاری ہے زمینوں آسمانوں میں
اور ان کے درمیاں جو ہیں مکینوں اور مکانوں میں

ہوا چلتی ہے باغوں میں تو اس کی یاد آتی ہے
ستارے چاند سورج ہیں سبھی اس کے نشانوں میں

اسی کے دم سے طے ہوتی ہے منزل خوابِ ہستی کی
وہ نام اک حرفِ نورانی ہے ظلمت کے جہانوں میں

اس کے پاس اسرارِ جہاں کا علم ہے سارا
وہی برپا کرے گا حشر آخر کے زمانوں میں

وہ کرسکتا ہے جو چاہے وہ ہر اک شے پہ قادر ہے
وہ سن سکتا ہے رازوں کو جو ہیں دل کے خزانوں میں

بچا لیتا ہے اپنے دوستوں کو خوفِ باطل سے
بدل دیتا ہے شعلوں کو مہکتے گلستانوں میں

منیرؔ اس حمد سے رتبہ عجب حاصل ہوا تجھ کو
نظیر اس کی ملے شاید پرانی داستانوں میں

منیرؔ احمد نیازی

نعت

چلو دیارِ نبیؐ کی جانب درود لب پر سجا سجا کر
بہار لوٹیں گے ہم کرم کی دلوں کو دامن بنا بنا کر

نہ ان کے جیسا سخی ہے کوئی نہ ان کے جیسا غنی ہے کوئی
وہ بے نواؤں کو ہر جگہ سے نوازتے ہیں بلا بلا کر

یہی اساسِ عمل ہے میری اسی سے بگڑی بنی ہے میری
سمیٹتا ہوں کرم خدا کا نبیﷺ کی نعتیں سنا سنا کر

ہے ان کو امت سے پیار کتنا کرم ہے رحمت شعار کتنا
ہمارے جرموں کو دھو رہے ہیں حضورﷺ آنسو بہا بہا کر

میں وہ بھکاری ہوں جس کی جھولی میں کوئی حسن عمل نہیں
مگر وہ احسان کر رہے ہیں خطائیں میری چھپا چھپا کر

ہماری ساری ضرورتوں پر کفالتوں کی نظر ہے ان کی
وہ جھولیاں بھر رہے ہیں سب کی کرم کے موتی لٹا لٹا کر

اگر مقدر نے یاوری کی اگر مدینے گیا میں خالدؔ
قدم قدم خاک اس گلی کی میں چوم لوں گا اٹھا اٹھا کر

خالد محمود نقشبندی

editor_aa@aanchal.com.pk
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

مہوش افتخار...... کوئٹہ

پیاری بہن مہوش! سدا سہاگن رہو آپ کی جانب سے خوب صورت کتاب ”جام آرزو“ کے نام سے موصول ہوئی چند سطر پڑھ کر کتاب نے اپنے حصار میں اس طرح جکڑا کہ جب تک اختتام نہیں پڑھ لیا اپنی جگہ سے ہلے نہیں۔ امید ہے کہ آنچل وحجاب کے لیے اپنے مصروف وقت میں سے کچھ پل افسانہ وناول کی صورت ارسال کریں گی۔ ناول ”جام آرزو“ کی کامیابی پر ڈھیروں دعائیں۔

نازیہ کنول نازی...... ہارون آباد

ڈیئر نازی! سدا سہاگن رہو اللہ سبحان وتعالیٰ نے آپ کو ایک بار پھر خوشی سے نوازا ہے آپ کو پھوپی بننے پر بے حد مبارک ہو اللہ سبحان وتعالیٰ آپ سب کو دونوں جہانوں کی خوشیاں عطا فرمائے آمین۔

سمیرا شریف طور...... گوجرانوالہ

پیاری سمیرا! سدا سہاگن رہو یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ آپ کا مقبول زمانہ ومشہور ناول ”یہ چاہتیں یہ شدتیں“ کا ایک حصہ بہت جلد ڈرامے کی صورت ایک الگ پہچان حاصل کرنے میں کامیاب رہے گا۔ امید ہے آنچل میں دوران اشاعت اسے جتنی کامیابی وشہرت ملی اس سے کہیں زیادہ ترقی وعروج اب بھی آپ کے حصے میں آئے گی۔ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو آئندہ بھی بہت سی کامیابیوں اور ترقیوں سے نوازے اور آنچل کے ساتھ آپ کا رابطہ یونہی استوار رہے آمین۔ ادارہ آنچل کی جانب سے اس کامیابی پر آپ کو ڈھیروں مبارک باد۔

اریشہ غزل...... کراچی

عزیزی اریشہ! سدا خوش رہو طویل عرصے بعد نصف ملاقات بہت اچھی لگی۔ بے شک آپ کا کہنا بجا ہے آج کل ہر کوئی ایسی مشکلات والجھنوں میں گھرا ہے کہ کسی کے پاس دوسروں کے لیے وقت اور فرصت نکالنا مشکل ہے۔ آپ نے اپنے قیمتی وقت میں سے چند پل ہمارے نام کیے بے حد اچھا لگا۔ آپ کی تحریر کو جلد شامل کرنے کی کوشش کریں گے امید ہے آئندہ بھی قلمی تعاون یونہی برقرار رہے گا۔

ارج گل رانا...... مظفر آباد

ڈیئر ارج! شاد وآباد رہو آپ کے خط کا جواب حاضر ہے۔ آپ کا افسانہ ”محرم“ پڑھ ڈالا موضوع کا چناؤ بہتر ہے لیکن ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے۔ یہ تحریر اصلاح کے عمل سے گزرنے کے بعد اپنی جگہ بنالے گی لیکن آپ اپنی تحریری قابلیت کو مزید بہتر بنانے کی خاطر مطالعہ پر توجہ دیں اس سے آپ کے اسلوب تحریر میں پختگی آئے گی اور موضوع کے چناؤ میں انفرادیت کا خیال رکھیں۔

مونا شاہ قریشی...... کبیر والہ

پیاری مونا! سدا آباد رہو۔ ”قرض حرمت“ کے عنوان سے آپ کی تحریر موصول ہوئی۔ موضوع کا چناؤ اور اسلوب تحریر کی پختگی کی بدولت کہانی آنچل کے معیار پر پورا اترنے میں کامیاب رہی۔ آئندہ بھی اسی طرح کے موضوعات کو منتخب کرتے اپنے قلم سے علم کی شمع روشن کرتی رہیے گا۔ جلد آپ کی تحریر قارئین کے دلوں میں اپنی جگہ بنالے گی اس کامیابی کے حصول کے بعد مزید محنت اور وسیع مطالع کو اپنا شعار بناتے کوشش جاری رکھیں۔

منزہ ارشد...... جھنگ صدر

ڈیئر منزہ! سلامت رہو پہلی بار بزم آنچل میں شرکت پر خوش آمدید۔ آپ کی لکھی نظم آنچل کی سال گرہ پر آپ کی جانب سے خوب صورت تحفے کی صورت موصول ہوئی۔ پرچے کی پسندیدگی کا شکریہ آنچل میں شرکت کے لیے آپ کو اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ آپ اپنا تعارف ارسال کردیں باری آنے پر ضرور لگ جائے گا دیگر سلسلوں میں بھی آپ شرکت کرسکتی ہیں۔

آسیہ شاہین...... جہانیاں' چکوال

عزیزی آسیہ! سدا مسکراؤ تفصیلی خط کے ذریعے آپ کے علمی شوق ولگن کے متعلق جان کر اچھا لگا۔ آج آپ اپنی ایک نمایاں پہچان بنانے میں کامیاب ہوگئی ہیں بے شک یہ اللہ سبحان وتعالیٰ کی مہربانی اور آپ کی انتھک محنت کا نتیجہ ہے۔ آپ لکھنا چاہتی ہیں تو ضرور قلم اٹھائیں اور اپنی تحریر افسانے کی

صورت قلم بند کرکے ہمیں ارسال کردیں۔ آپ کی نظم پڑھ کر اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ لکھنے کی صلاحیت آپ میں موجود ہے۔

انیسہ ناز...... سیالکوٹ

ڈیئر انیسہ! سدا خوش رہو تحریر کی اشاعت پر ہماری جانب سے ڈھیروں مبارک باد۔ امید ہے آپ کا قلمی سفر جانب منزل گامزن رہے گا۔ آپ دیگر موضوعات پر اپنی تحاریر قلم بند کرکے ارسال کردیں' ہلکے پھلکے اور شگفتہ موضوعات کو بھی اپنے لیے مختص کرسکتی ہیں۔ آئندہ بھی شریک محفل رہیے گا' آپ کی تحریر پڑھنے کے بعد آپ کو اپنی رائے سے آگاہ کردیں گے۔

ثوبیہ شہزادی...... راولپنڈی

ڈیئر ثوبیہ! سدا مسکراؤ' سالگرہ نمبر کی پسندیدگی کا بے حد شکریہ۔ بے شک آپ کے یہ چند تعریفی کلمات ہماری ساری تھکن کافور کردیتے ہیں اور ہم ایک نئے عزم و جوش سے آنچل کو سجانے سنوارنے کا کام شروع کردیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ خوب سے خوب تر' بہتر سے بہترین کا یہ سفر اپنی منزل کی جانب گامزن ہے۔ جہاں تک آپ کی شاعری کا سوال ہے تو جواب حاضر ہے ہر ماہ کثیر تعداد میں آپ بہنوں کی نگارشات موصول ہوتی ہیں پھر اصلاحی عمل سے گزرنے کے بعد ہی ردو قبول کا فیصلہ ہوتا ہے اسی بناء پر تاخیر ہوجاتی ہے امید ہے تشفی ہوپائے گی۔

مریم رانی...... ای میل

عزیزی مریم! آباد رہو آپ کی تحریر ''سوچ'' کے عنوان سے موصول ہوئی بے شک آپ کی تحریر کا موضوع آپ کی پختہ سوچ کی بخوبی عکاسی کررہا ہے اسی بناء پر آپ کی یہ تحریر قبولیت کا درجہ حاصل کرنے میں کامیاب ٹھہری۔ ہماری جانب سے اس کامیابی پر آپ کو ڈھیروں مبارک باد لیکن انداز تحریر میں مزید پختگی کے لیے آپ کو وسیع مطالعہ اور محنت کی ضرورت ہے اس لیے کتابوں سے اپنا ناطہ مزید پختہ کرتے ہوئے محنت و کوشش جاری رکھیں۔

ثوبیہ ملک...... کراچی

ڈیئر ثوبی شاد رہو آپ کی تحریر ''بچھڑنا بھی ضروری تھا'' پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ میں لکھنے کی صلاحیت موجود ہے لیکن اس تحریر کو آپ بے جا طوالت میں الجھ کر سنبھال نہیں پائیں۔ کہانی کے حقیقت سے بعید لگ رہی ہے۔ آپ اس تحریر کو اختصار کے ساتھ لکھ کر از سر نو ارسال کردیں' امید ہے اس ناکامی کو اپنے لیے کامیابی کا زینہ بنانے کی بھرپور کوشش کریں گی۔ اپنے مطالعہ کو وسیع کرتے دیگر رائٹرز کی تحاریر کا بغور مطالعہ کریں اس سے بھی بہتر لکھنے میں مدد ملے گی۔

عاصمہ احمد...... ای میل

عزیزی عاصمہ! سدا خوش رہو آپ کی تحریر ''خدا کی چاہت'' بہتر انداز تحریر اور موضوع کی انفرادیت کے سبب قبولیت کا درجہ حاصل کرنے میں کامیاب ٹھہری لیکن آئندہ بے جا طوالت سے گریز کیجیے گا اس طوالت کی بدولت اکثر جگہ کہانی کی دلکشی و روانی متاثر ہورہی ہے۔ لکھتے وقت اس بات کا خیال ہمیشہ رکھا کریں کہ مختصر مگر موثر لکھیں۔ آپ کی تحریر کردہ چند جملے بھی قارئین کے دلوں پر گہرا تاثر قائم کرسکتے ہیں بشرطیکہ لکھنے کے فن سے آشنائی ہو امید ہے آئندہ اس بات کا خیال رکھیں گی۔

کوثر خالد...... جڑانوالہ

پیاری کوثر! سدا سلامت رہو خوب صورت اشعار و دعاؤں سے سجا آپ کا خط موصول ہوا۔ آپ سے یہ نصف ملاقات بہت اچھی لگی' آپ نازک و حساس جذبات و احساسات کی مالک ہیں' اسی لیے خوب صورت پیرائے میں اشعار کے سانچے میں اپنے احساسات بخوبی قلم بند کردیتی ہیں شاعری کے ساتھ نثر کی طرف بھی توجہ مبذول کیجیے اور اپنے خوب صورت انداز بیان کو ملحوظ رکھتے کسی بھی موضوع پر اپنی تحریر کو صفحہ قرطاس پر منتقل کرکے ہمیں ارسال کردیجیے۔ ان شاء اللہ نظموں کی طرح آپ کی یہ کاوش بھی جلد اپنی جگہ قارئین کے دلوں میں بنالے گی' دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

کوثر ناز...... حیدر آباد

پیاری کوثر! جیتی رہو شکوہ اور شکایت سے بھرپور آپ کا خط موصول ہوا۔ بے شک انتظار کی گھڑیاں طویل اور جانگسل ہوتی ہیں لیکن پھر بھی انتظار کے مراحل سے گزرنا ہی پڑتا ہے۔ آپ کی تحریر ہمارے پاس محفوظ ہے جلد لگانے کی بھرپور کوشش کریں گے دیگر نو آموز رائٹرز بھی انتظار کرکے انہی لمحات سے گزرتی ہیں۔ ان شاء اللہ باری آنے پر یہ تحریر اپنی جگہ بنانے میں کامیاب ہوجائے گی۔

سلمیٰ فہیم گل...... کراچی

ڈیئر سلمیٰ! مانند گل مہکتی رہو طویل عرصے بعد آپ سے

نصف ملاقات بہت اچھی لگی۔ آنچل کی سال گرہ کی آپ کو بھی ڈھیروں مبارک باد۔ آپ کا ناول "راہ ہدایت" منتخب ہوگیا ہے جلد اشاعت کے مراحل طے کرلے گا' اسی طرح آپ کے دیگر ناولز بھی ہمارے پاس محفوظ ہیں۔ گاہے بگاہے انہیں بھی شامل کرتے رہیں گے' آپ کے قلمی تعاون کا بے حد شکریہ' آئندہ بھی بزم آنچل میں شرکت کرتی رہیے گا۔

فصیحہ آصف...... ملتان

ڈیئر فصیحہ! سدا سہاگن رہو' سال گرہ نمبر کی پسندیدگی کا بے حد شکریہ' آپ کا افسانہ جلد لگانے کی کوشش کریں گے البتہ اس بار شامل نہیں کرسکے آپ اپنا ناول مکمل کرکے ارسال کردیں۔ ان شاء اللہ جلد ہی حجاب کی زینت بن جائے گا' دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

سمیرا ایاز...... کراچی

ڈیئر سمیرا! سدا آباد رہو آپ نے اپنی تحریر کی بابت دریافت کیا آپ کی تحریر "معجزہ وقت" پڑھ ڈالی اپنے مخصوص انداز بیاں کی بدولت یہ تحریر قابل قبول ٹھہری۔ ہماری جانب سے اس کامیابی پر ڈھیروں مبارک باد۔ امید ہے آئندہ بھی آپ کا قلمی تعاون آنچل وحجاب کے سنگ رہے گا۔

نامعلوم...... نامعلوم

ڈیئر سسٹر! شاد وآباد رہو آپ کی شرکت آنچل میں بمعہ تحریر بہت اچھی لگی لیکن اس نصف ملاقات میں بھی تشنگی برقرار رہی کیونکہ آپ کی تحریر پر آپ کا اسم گرامی موجود نہ تھا بہرحال آپ کی کہانی "بھوک ناچ" آنچل کے معیار کے عین مطابق ہے جلد اشاعت کے مراحل طے کرلے گی لہٰذا گمنام مصنفہ جلد اپنے نام اور مکمل پتے کے ساتھ بزم آنچل میں شریک ہوجایئے تاکہ اجنبیت کی کٹھن راہ عبور کی جاسکے۔

تحریم اکرم...... ملتان

پیاری تحریم! سدا مسکراؤ' آنچل سے آپ کی والہانہ محبت و چاہت کا اظہار آپ کے بنائے خوب صورت کارڈ سے بخوبی ہورہا ہے۔ آپ کے اس خلوص و محبت پر جزاک اللہ' آپ آنچل فیملی کا حصہ ہیں اور دیگر سلسلوں میں شرکت کے ذریعے آپ ہر ماہ بزم آنچل میں شمولیت اختیار کرسکتی ہیں۔ اس خوب صورت انداز میں سال گرہ کی مبارک باد دینے پر بے حد مشکور ہیں۔

آفرین اعوان...... ای میل

ڈیئر آفرین! جیتی رہو یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ آپ گھریلو امور کے ساتھ ساتھ نادرہ آفس میں بھی اپنی خدمات بطریق احسن انجام دیتی ہیں۔ اس کے ساتھ لکھنے لکھانے اور پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ بھی جاری رکھا ہے' بے شک آپ کے شوق ولگن کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ آپ کی تحریر "ہم کہ مثل چراغ راہ" اصلاحی موضوع کے سبب ہماری منظور نظر ٹھہری البتہ تحریر میں کچھ باتوں میں تضاد موجود ہے بہرحال اصلاح کے عمل سے گزرنے کے بعد آپ کی یہ تحریر جلد شامل اشاعت ہوجائے گی۔ امید ہے آئندہ بھی قلمی تعاون ہمارے سنگ رہے گا۔

مہناز یوسف...... کراچی

ڈیئر مہناز! سدا شاد رہو' خط کے ذریعے آپ کی خوشی کا بے ساختہ اظہار پڑھ کر بے حد اچھا لگا اور یہ جان کر احساس تفاخر بھی ہوا کہ ہمارے لفظوں نے چند پل کے لیے آپ کو سچی وحقیقی خوشی عنایت فرمائی۔ ہر ماہ کثیر تعداد میں آپ بہنوں کی کہانیاں و دیگر نگارشات موصول ہوتی ہیں اسی بناء پر دیر سویر ہوجاتی ہے۔ بہرحال آپ کی کہانیاں جلد حجاب اور آنچل کے صفحات پر اپنی جگہ بنالیں گی "پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ" والا معاملہ درپیش ہے۔

سمیرا محمد رفیق...... کراچی

عزیز سمیرا! جگ جگ جیو' آپ کی تحریریں ہمیں موصول ہوگئی ہیں اور اس بات کا بخوبی اندازہ ہوگیا ہے کہ آپ کے موضوع کے چناؤ عمدہ اور انداز نگارش خوب ہے۔ اسی بناء پر آپ کی دونوں تحریریں آنچل کے صفحات پر جلد آپ کا نام روشن کرنے کا سبب بنیں گی۔ امید ہے اب انتظار کی کلفت الفت میں بدل جائے گی اور تمام گلے شکوے مٹ جائیں گے۔

ماہ زیب...... حافظ آباد

ڈیئر ماہ زیب! مانند اسم بامسمی جگمگاتی رہو' آپ سے یوں نصف ملاقات بے حد پسند آئی۔ جہاں تک آپ نے ہماری خیر خبر وحال احوال دریافت کیا ہے تو جناب سن لیجیے حالات یہ ہیں کہ "ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی کچھ ہماری خبر نہیں آتی" آلام روزگار میں' شب وروز کے افکار میں ہر کوئی ایسے الجھا ہے کہ ایک پل کی بھی فراغت میسر نہیں آتی۔ بہرحال آپ نے اپنے قیمتی لمحات میں سے کچھ پل ہمارے نام کیے بہت اچھا لگا۔ سال گرہ نمبر کی پسندیدگی کے لیے مشکور ہیں' امید ہے سال گرہ نمبر 2 بھی آپ بہنوں کے ذوق و معیار کے عین

مطابق ہوگا۔

مریم مغل...... حیدر آباد

پیاری مریم! خوش رہو آپ کے شوق ولگن کے متعلق جان کر اچھا لگا۔ آپ لکھنا چاہتی ہیں تو ضرور لکھیں جہاں تک آپ کی رہنمائی کا سوال ہے تو ہماری کوشش یہی ہوتی ہے کہ نوآموز لکھاری بہنوں کی زیادہ سے زیادہ حوصلہ افزائی کی جائے اور آنچل کے ذریعے آپ کو ایک ایسا پلیٹ فارم مہیا کیا جائے جہاں سب کو اپنی خوابیدہ صلاحیتیں اجاگر کرنے کا موقع مل سکے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ادارے نے رہنمائی واصلاح کے ذریعے بہت سی رائٹرز کو نہ صرف متعارف کرایا بلکہ شہرت کے بام عروج پر بھی پہنچایا۔ آج اگر وہ ہاتھ چھڑا کر اپنے ہی محسن کے مقابل ہیں تو اتنا جان لینا کافی ہے کہ عزت وذلت دینے والی ذات صرف اللہ سبحان وتعالیٰ کی ہے۔ اپنی تحریر ارسال کردیں اگر معیاری ہوئی تو ضرور حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

فائزہ بھٹی...... پتوکی

ڈیئر فائزہ! جگ جگ جیو' پھولوں کے شہر سے آپ کی چاہت ومحبت کی خوش بو میں بسا طویل عرصہ بعد آپ کا نامہ بر موصول ہوا۔ پچھلے خطوط ہم تک کیوں نہیں پہنچ پائے' وجہ جاننے سے ہم بھی قاصر ہیں غالباً محکمہ ڈاک کی نذر ہوگئے ہیں۔ آپ کی علالت کے متعلق جان کر بے ساختہ لبوں پر یہ دعا ٹھہر گئی کہ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو جلد از جلد صحت کاملہ عطا فرمائے۔ جب تک یہ سطور آپ کی نظروں سے گزریں گی امید ہے آپ آپریشن کے مراحل سے گزر کر روبہ صحت گامزن ہوں گی۔ آئندہ بھی شریک محفل رہیے گا۔

مدیحہ نورین مہک...... برنالی

ڈیئر مدیحہ! جیتی رہو' یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ آنچل اور آپ کا ساتھ پچھلے پانچ سالوں پر محیط ہے۔ اس دیرینہ سفر میں آنچل کے سنگ آج آپ بہت کچھ حاصل کرچکی ہیں' بہت اچھی بات ہے۔ ویسے بھی آپ کی نگارشات ہر ماہ ہی آنچل کی زینت بنتی ہیں اور ہماری مستقل قاری کے بطور ہمیں بھی آپ کی شرکت کا انتظار رہتا ہے۔ اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو دین ودنیا کے تمام امتحانات میں سرخروئی عطا فرمائے آمین۔

سدرہ اقبال...... لاہور

ڈیئر سدرہ! سدا مسکراؤ' چاہتوں اور محبتوں کی خوشبو میں بسا آپ کا نامہ موصول ہوا۔ سال گرہ نمبر کو پسند کرنے اسے سراہنے کا بے حد شکریہ۔ بے شک آپ کی یہ داد وتحسین اور چند تعریفی کلمات نہ صرف ہمارے شوق پرواز کو مزید بلندی عطا کرتے ہیں بلکہ ہماری ساری تھکن دور کردیتے ہیں اور ہم ایک نئے عزم اور ولولے کے سنگ آپ کے آنچل کو بہتر سے بہترین بنانے کے سفر پر گامزن ہوجاتے ہیں' پرچے کی پسندیدگی کا بے حد شکریہ' دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

فائزہ بتول...... ملتان

عزیزی فائزہ! شاد رہو' شکوہ وشکایات سے بھرپور آپ کا خط موصول ہوا' شکوہ کے ساتھ ہی جواب شکوہ بھی سن لیجیے کہ "جو تو نہیں تھا شریک محفل قصور تیرا ہے یا کہ میرا؟" مطلب اس سے پہلے ہمیں آپ کے خطوط ملے ہی نہیں تو شامل کیسے اور کیونکر کرتے یعنی "حالت تو یہ ہے کہ تم ہی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا" ضرور آپ کے پچھلے خطوط محکمہ ڈاک کی غفلت کی نذر ہوگئے ہیں۔

ام ایمان قاضی...... کوٹ چھٹہ

عزیزی ایمان! سدا خوش رہو آپ کی بھیجی شدہ کہانی موصول ہوگئی ہے' ان شاء اللہ جلد لگانے کی کوشش کریں گے۔ آپ موضوع کی انفرادیت کو پیش نظر رکھتے دیگر موضوعات پر قلم آزمائی جاری رکھیں' جلد حجاب اور آنچل کے صفحات پر اپنی جگہ بنالیں گی۔

شمع مسکان...... جام پور

عزیزی شمع! اسم بامسمیٰ بن کر روشنی پھیلاتی رہو' آپ نے تحریر کے ذریعے اپنے جذبات واحساسات کو لفظوں کی مالا میں پرو کر ہمارے سپرد کیا تو ہے لیکن ساتھ ہی "ہمیشہ دیر کردیتا ہوں" پر بھی خوب عمل کیا ہے۔ آپ کی یہ تحریر سال گرہ نمبر کے گزرنے کے بعد موصول ہوئی' اسی بناء پر شامل نہ ہوسکی بہرحال اب پڑھنے کے بعد جلد آپ کو اپنی رائے سے آگاہ کردیں گے۔ اگر تحریر معیاری ہوئی تو ضرور اپنی جگہ بنالے گی اور آئندہ سال گرہ نمبر میں شامل کرلی جائے گی' دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

نگہت غفار...... کراچی

بہن نگہت! سدا خوش رہو آپ کا شکایت نامہ موصول ہوا' کچھ اپنی مصروفیات اور ڈاک تاخیر سے موصول ہونے کے سبب ہم اپنی محفل میں شامل نہیں کرپائے۔ اس کا مطلب ہرگز نہیں کہ آپ کو بھول گئے' آپ کی نگارشات گاہے بگاہے آنچل

وحجاب میں لگتی ہی رہتی ہیں تحریر کے لیے جہاں اتنا انتظار کیا وہاں تھوڑا اور سہی کیونکہ آپ ہمارے لیے ایک ہیرے کی مانند ہیں اور ہیرے کو ٹھیک جگہ نصب کیا جائے تو بہتر رہے گا۔ امید ہے کہ ناراضگی دور ہوگی' آپ کی صحت کے لیے ہمارے ساتھ قاری بہنیں بھی دعا گو ہیں۔

صباء الیاس...... راولپنڈی

ڈیئر صبا! سلامت رہو' آپ کی تحریر ''منزل مل گئی'' اور ''تیرے ہجر میں جلنا مشکل ہے'' موصول ہوئیں پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی مزید محنت کی ضرورت ہے۔ بے شک آپ کے مطالعہ میں نام ور مصنفہ شامل ہوں گی لیکن صرف مطالعہ کو ترجیح دینا ٹھیک نہیں مشاہدہ بھی وسیع کریں۔ آپ کی زیادہ تر تحاریر یکسانیت لیے ہوئے ہیں اور آپ اس موضوع کا انتخاب کرتی ہیں جس پر بہت کچھ اور بہتر انداز میں لکھا جاچکا ہے اچھوتے موضوع کا انتخاب کریں یا جو آج کل معاشرے میں ہورہا ہے' انہیں قلم بند کریں' امید ہے کہ آپ بات سمجھ گئی ہوں گی۔

صائمہ سکندر سومرو...... حیدر آباد

پیاری صائمہ! جگ جگ جیو' آپ کے مفصل خط سے آپ پر گزرنے والے سانحہ کا جان کر بے حد دکھ ہوا۔ بے شک ماں کے ممتا بھرے آنچل سے محروم ہوکر زیست کی کڑی دھوپ کا تنہا مقابلہ کرنا مشکل امر ہے۔ بے شک والدین کا نعم البدل کہیں موجود نہیں اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ کی والدہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور آپ کو صبر و ہمت عطا فرمائے' آمین۔ ان حالات کا جس طرح سے آپ نے مقابلہ کیا ہے بے شک وہ قابل تحسین ہے۔ اللہ سبحان و تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ آزمائش کی ان گھڑیوں کو سمیٹ کر آپ کو صحت و تندرستی سے بھرپور زندگی عطا فرمائے تاکہ آپ اپنی چھوٹی سی گڑیا کے سنگ زندگی کی بہت سی بہاریں دیکھیں' آمین۔ قارئین سے بھی آپ کے لیے دعائے صحت کے ملتمس ہیں۔

ایمان علی...... ای میل

عزیزی ایمان! سدا شاد رہو' آپ کی کہانی ای میل پر موصول ہوئی تھی پر اس میل میں اتنی گڑبڑ تھی کہ باوجود کوشش کے ہم اس کو پڑھ نہیں پائے اس کے بعد کمپوز کرنے کی کوشش جو کامیاب نہ ہوسکی اس لیے آپ سے التماس ہے کہ آپ دوبارہ اس کو ایم ایس ورڈ کی فائنل میں لکھ کر ای میل کردیں تاکہ آپ کی تحریر کو جلد پڑھ کر بتایا جاسکے امید ہے آپ کی تشفی ہو پائے گی۔

ناقابل اشاعت:۔

نیا جنم' کمپرومائز' فجر' ایک لمحہ خواب سا' جنت کا دروازہ' تکمیل زن' رحم یارب' انمول رشتہ' کھلا آسمان' ہماری ادھوری کہانی' خسارہ رتبہ' عشق کی امانتیں حصہ اول' دوم' اعتبار' بھیگا من اپنا' خزاں کے بعد' ہم ہیں ناں' انعام' مسکراہٹ' کاش مجھ سے پوچھا ہوتا' کینسر' رنگ آشنائی' ملن' عید سنگ ساون' لمحہ آ گہی' منحوس' فیصلہ' آنسو' غبارہ' زندگی ہاری' آنچل کی سالگرہ مبارک' ماں کی دعا' تجھے سب سے مانگ لیا' میں تیری یاد سے شرمندہ ہوں' تیرے ہجر میں جلنا مشکل ہے' محبت کی جیت' لاحاصل' لہو رنگ' میری میں' ہی مینوں مار گئی' پہچان' بلاعنوان' ہم نوا' وطن کی مٹی گواہ رہنا' پریشان رات ساری ہے' محبت میں زبردستی کیسی' روحوں کا ملاپ' عزت تری اک نوالہ' سرمایہ۔

مصنفین سے گزارش

☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ حاشیہ لگائیں صفحہ کی ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فوٹو کاپی کرا کر اپنے پاس رکھیں۔

☆ قسط وار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔

☆ نئی لکھاری بہنیں کوشش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔

☆ فوٹو اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔ ادارہ نے نا قابلِ اشاعت تحریروں کی واپسی کا سلسلہ بند کردیا ہے۔

☆ کوئی بھی تحریر نیلی یا سیاہ روشنائی سے تحریر کریں۔

☆ مسودے کے آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام پتا خوشخط تحریر کریں۔

☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتا پر رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعے ارسال کیجیے۔ 7، فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ۔ کراچی۔

السلام علیکم

مشتاق احمد قریشی

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سلام اللہ جل شانہ کا نام ہے اس لئے دار السلام کے معنی اللہ کے گھر کے ہیں اور اللہ کا گھر ہی امن سلامتی کی جگہ ہوسکتی ہے۔

اگر انسان کو قرب الٰہی کی خواہش ہے تو پھر اللہ کی مقرر کی ہوئی سیدھی راہ پر یعنی صراط مستقیم پر چلنا ہوگا اللہ کی اطاعت و بندگی پورے اخلاص اور نیک نیتی سے کرنا ہوگی تب ہی اس کے صلے میں رب کائنات کا قرب حاصل ہونے کی امید کی جاسکتی ہے۔ تب ہی اللہ ایسے صالح اہل ایمان کا حامی و مددگار رہوگا اور جب کسی کو اللہ کا قرب حاصل ہوگا تو اسے از خود دار السلام میسر آ جائے گا جہاں اللہ اہل ایمان کا دوست و ولی ہوگا۔

اس بات کو یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ جس طرح دنیا میں اہل ایمان کفر و ضلالت کے ذلیل راستوں سے بچ کر ایمان و ہدایت کے صراط مستقیم پر چلتے رہے اور سلامت روی سے زندگی گزارتے رہے ایسے ہی آخرت میں بھی ان کے لئے سلامتی کا گھر ہے اور اللہ تعالیٰ بھی ان کے نیک اعمال کی وجہ سے ان کا دوست ہے۔

اس نازک بحث کو سمجھنے کے لئے ہمیں انسان کی عقلی اور منطقی دنیا سے ذرا آگے جانا ہوگا اور عقلی اور فلسفیانہ دنیا سے باہر آ کر ہی انسان کی عملی زندگی کے بارے میں حقیقت حال کا درست اندازہ ہوتا ہے قرآن کریم جس صورت حال کا ذکر کررہا ہے اس کا تعلق انسان کی عملی زندگی سے ہے اس کا تعلق محض عقل' فلسفیانہ مباحث سے نہیں ہے کہ انسان کے شب و روز کس طرح کے ہونے چاہئیں۔ انسان کا عمل ہی اس کا انجام متعین کرتا ہے جس شخص کا فطری میلان اسلام کی طرف ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرماتا ہے اس کا دل اسلام کے لئے کھول دیتا ہے یہ ہے وہ نازک بات کہ اللہ تعالیٰ کیوں اور کس لئے نیک اور صالح افراد کو پسند کرتا ہے اور ان کو سلامتی کے گھر یعنی جنت کی خوشخبری دے رہا ہے یعنی ہمارے اعمال ہی ہمارے لئے قرب الٰہی کا ذریعہ ہوں گے یا عتاب الٰہی کی وجہ بنیں گے۔ صراط مستقیم پر چلنا' عقیدہ توحید پر اپنے شعور کی سچائی سے جمے رہنا' پورے اخلاص سے عبادات الٰہی ادا کرنا ہی ہمیں اللہ کا قرب عطا کرتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دے کر اس لئے ہی بھیجا کہ وہ اپنے بندوں پر واضح کردیں کہ دنیا میں انسانوں کے لئے کون سے اعمال ایسے ہوں گے جن کے کرنے سے انہیں قرب الٰہی اور جنت نصیب ہوگی اور کون سے اعمال ایسے ہیں جن کی وجہ سے جہنم رسید ہونا پڑے گا۔ آنے والی آیت مبارکہ میں ایسے افراد کا بیان ہے جن کے اچھے اعمال اور بد اعمال یکساں یعنی برابر برابر ہوں گے جو جنت و دوزخ کے درمیانی حصے اعراف میں اللہ رب العزت احکم الحاکمین کی طرف سے فیصلے کے منتظر ہوں گے۔

ترجمہ: اور ان دونوں کے درمیان ایک آڑ ہوگی اور اعراف کے اوپر بہت سے آدمی ہوں گے وہ لوگ ہر ایک کو ان کے قیافے سے پہچانیں گے اور اہل جنت کو پکار کر کہیں گے "السلام علیکم! ابھی یہ اہلِ اعراف جنت میں

داخل نہیں ہوں گے اور اس کے امید وار ہوں گے۔'' (الاعراف۔۴۶)
تفسیر: آیت مبارکہ میں تشریح کی جارہی ہے کہ جنت ودوزخ کے درمیان بہت سے لوگ ہوں گے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہاں ان دونوں کے درمیان سے مراد کافر اور مومن ہو اور حجاب یعنی آڑ سے مراد وہ فصیل ہو جس کا ذکر سورۃ حدید میں کیا گیا ہے۔ (الحدید ۱۳) ''پس ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کردی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا۔'' یہی اعراف کی دیوار ہوگی۔ یہ کون لوگ ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی ان کی نیکیاں انہیں جہنم میں جانے سے اور برائیاں جنت میں جانے سے روکیں گی اور وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے کوئی فیصلہ ہونے تک درمیان میں معلق رہیں گے۔ آیت مبارکہ میں بتایا جارہا ہے کہ اہل اعراف اہل جنت کو آواز دے کر انہیں السلام علیکم کہہ کر مخاطب کررہے ہوں گے۔ کیونکہ یہ لفظ السلام علیکم اہل اسلام میں باہم ملاقات کے وقت بطور تحفہ واکرام بولا جاتا ہے اور مسنون بھی ہے یہ کلمہ السلام علیکم جنت میں بھی کثرت سے استعمال ہوگا اور دنیا میں بھی باہمی ملاقات کے علاوہ زیارت قبور کے وقت اور روز محشر جنت میں بھی بولا جائے گا احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں تو السلام علیکم کہنا مسنون ہے لیکن دنیا سے گزر جانے کے بعد بغیر الف لام کے سلام علیکم کہنا مسنون ہے اہل اسلام کے لئے بوقتِ ملاقات اور رخصت السلام علیکم کہنا مسنون ہے اور سلام کا جواب دینا فرض ہے۔ اس لئے اہل ایمان افراد کو یہ احتیاط کرنی چاہئے کہ ہر دو موقعوں یعنی ملاقات اور رخصت کے وقت السلام علیکم ہی کہیں اور دیگر قسم کے آداب وتسلیم سے گریز کریں۔
ترجمہ: ان کے منہ سے یہ بات نکلے گی سبحان اللہ اور ان کا باہمی سلام یہ ہوگا ''السلام علیکم'' اور ان کی آخری بات یہ ہوگی تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو سارے جہاں کا رب ہے۔ (یونس۔۱۰)
تفسیر: حدیث شریف میں آیا ہے کہ ''اہل جنت کی زبان پر تسبیح وتحمید کا اس طرح الہام ہوگا جس طرح سانس کا الہام ہوتا ہے۔ (مسلم کتاب۔ الجنت جلد ثانی صفحہ نمبر ۳۸۰) یعنی اہل جنت اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد و تسبیح میں ہر وقت رطب اللسان رہیں گے یعنی جس طرح بے اختیار سانس کی آمد ورفت رہتی ہے اسی طرح اہل جنت کی زبانوں پر بغیر اہتمام کے حمد وتسبیح الٰہی کے ترانے رہیں گے وہ ایک دوسرے کو السلام علیکم کہیں گے اور فرشتے بھی انہیں سلام عرض کریں گے۔
دنیا کے دارالامتحان سے کامیاب ہوکر نعمت بھری جنتوں میں پہنچ کر اہل جنت کی دلچسپیاں اور مشاغل کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ صالح اہل ایمان جو دنیا میں افکار عالیہ اور اخلاق فاضلہ اختیار کرکے صراط مستقیم پر چلتے ہوئے اپنی خواہشات نفس کو قابو میں رکھتے ہوئے اپنی سیرت وکردار کو پاکیزہ بنا کر اپنے آپ کو قرب الٰہی کی تڑپ واخلاص کے سانچے میں ڈھال کر ایمان کے اعلیٰ ترین مدارج طے کرچکے تھے وہی اوصاف حمیدہ جو دنیا میں انہوں نے پرورش کئے تھے وہاں اپنی پوری شان کے ساتھ ان کی سیرت میں جلوہ گر ہوں گے وہ وہاں جنت میں نہ تو مال اور نہ جاہ ومراتب کے طلب گار ہوں گے وہاں تو وہ سب کچھ پاچکے ہوں گے ہر شخص غنی ہوگا ان کے مشاغل وہاں اللہ کی حمد وثنا کرنا ہوں گے۔ جس سے وہ پہلے ہی دنیا میں خوب مانوس ہوچکے تھے ان میں ایک دوسرے کی سلامتی چاہنے کا جذبہ کارفرما ہوگا جسے دنیا میں ہی انہوں نے اپنے اجتماعی رویوں کی روح بنایا ہوا تھا۔ انہیں ان کے دنیا کے رویوں اور اپنی زندگی صراط مستقیم پر گزارنے کی بنا پر ہی جنت نصیب ہوگی کیونکہ انہوں نے

ایمان کو محض مانا ہی نہیں تھا بلکہ اپنی سیرت وکردار کی روح بنالیا تھا اس لئے جنت میں بھی اہل جنت اور فرشتے انہیں سلام کرتے رہیں گے اور سب کے سب حمد وثنا میں مشغول رہیں گے کہ یہی ان کی غذا اور یہی ان کے مشاغل ہوں گے اللہ کی حمد وثنا ہی سے انہیں تقویت ملے گی۔

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر کی طرف تم کو بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے راہ راست پر چلنے کی توفیق دیتا ہے۔ (یونس۔۲۵)

تفسیر: آیت مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ اہل ایمان کو سلامتی کے گھر یعنی دارالسلام جس سے مراد جنت ہے کی طرف بلا رہا ہے ابدی نجات اور دائمی سلامتی کے گھر کی طرف اس سلامتی کے گھر کی طرف کون لوگ آئیں گے یہ وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے دنیا کی فانی زندگی کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق بسر کیا ہوگا اور وہ صراط مستقیم پر چلتے رہے ہوں گے۔ یہ دعوت اگرچہ عام ہے اور تمام انسانوں کے لئے ہے مگر اس پر لبیک کہنے والے اور اس ندائے الٰہی کو قبول کرنے والے وہی لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے راہ راست یعنی صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائی اللہ تبارک وتعالیٰ جو احکم الحاکمین ہے جو خالق کائنات ہے وہ خود اپنے بندوں کو دعوت دے رہا ہے سلامتی کے گھر کی طرف بلا رہا ہے۔ شہنشاہوں کا شہنشاہ خود اپنے غلاموں کو بلا رہا ہے سلامتی کے گھر کی دعوت دے رہا ہے اگر اس پر فکر کی جائے تو یہ بڑا ہی عبرت کا مقام ہے کہ رب کائنات جو خالق و مالک ہے ہر ہر شے کا' وہ تو اپنی طرف بلا رہا ہے اور اس تک پہنچنے کا سیدھا سچا راستہ بھی بتا رہا ہے لیکن پھر بھی یہ انسان بڑا ہی نادان و نافرمان ہے وہ ناپائیدار فانی دنیا جو کسی کام کی نہیں جس کا قیام عارضی اور وقتی ہے لیکن کم فہم انسان اسی کو اپنا دائمی ٹھکانا سمجھ کر آخرت کی فکر بھول کر مست و مگن ہو کر اللہ اور احکام الٰہی کو بھول کر نافرمانی کی راہ پر چل پڑتا ہے اور ہمیشہ رہنے والی جگہ جو ہر کسی کا آخری اور دائمی ٹھکانا ہوگا اور جو اس دنیا میں کئے گئے اعمال کے بدلے میں ہی میسر آئے گا۔ وہ آخرت کی قطعی فکر نہیں کرتا' وہاں ہر انسان وہی کچھ کاٹے گا جو اس نے اس دنیا میں بویا ہوگا اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ تمام انسانوں کو دارالسلام یعنی سلامتی کے گھر کی دعوت دے رہا ہے یعنی ابدی نجات کی دعوت دے رہا ہے۔

دارالسلام جنت کا نام ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دارالسلام جنت کے سات ناموں میں سے ایک نام ہے جنت کو دارالسلام کہنے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس میں ہر طرح کی سلامتی' امن' چین اور سکون ہوگا اور جنت ہر قسم کی آفات اور رنج وغم' فنا وزوال سے سالم اور دائم باقی ہے نہ وہاں کوئی تکلیف ہے نہ بیماری ہے اور نہ کسی نعمت کے چھن جانے کی فکر اور دوسری وجہ جنت کو دارالسلام کہنے کی یہ بھی ہے کہ اس میں رہنے والوں کو ہمیشہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اور فرشتوں کی طرف سے ''سلام'' پہنچتا رہے گا اور یہ دائمی زندگی کا دائمی سلسلہ ہوگا یہ کون لوگ ہوں گے اس سلسلے میں قرآن حکیم سورۃ حم السجدہ میں اس طرح بیان فرما رہا ہے۔

ترجمہ: (واقعی) جن لوگوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر اسی پر قائم رہے' ان کے پاس فرشتے (یہ کہتے ہوئے) آتے ہیں کہ تم کچھ بھی اندیشہ اور غم نہ کرو' (بلکہ) اس جنت کی بشارت سن لو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ (حم السجدہ۔۳۰)

اس آیت مبارکہ میں بات کھل کر سامنے آ گئی ہے کہ وہ کون لوگ ہوں گے جنہیں رب کائنات

دارالسلام یعنی جنت جو سلامتی کا گھر ہے کی طرف بلائے گا۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو سخت سے سخت حالات میں بھی ایمان وتوحید پر قائم رہے ہوں گے اس سے کسی بھی طرح سے انحراف نہیں کیا ہوگا اور پورے اخلاص سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت وبندگی پر قائم رہے ہوں گے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا مجھے کوئی ایسی بات بتلادیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مجھے کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''کہہ میں اللہ پر ایمان لایا' پھر اس پر استقامت اختیار کر۔'' (صحیح مسلم)

ترجمہ: حکم ہوا ''اے نوح! ہماری جانب سے سلامتی اور اُن برکتوں کے ساتھ اتر' جو تجھ پر ہیں اور تیرے ساتھ کی بہت سی جماعتوں پر اور بہت سی وہ امتیں ہوں گی جنہیں ہم فائدہ تو ضرور پہنچائیں گے لیکن پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔ (ہود۔۴۸)

تفسیر: سورۃ ہود کی یہ آیت مبارکہ بڑی اہم ہے اس میں پوری سورۃ ہود کو سمیٹ دیا گیا ہے۔ اس سورہ میں حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں تفصیل سے ذکر فرمایا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں انتیسویں پارے میں سورہ نوح میں آپ کا ذکر تفصیل سے آیا ہے۔ بہتر ہوگا کہ حضرت نوح علیہ السلام سے متعلق دیگر آیات کی تشریح کی جگہ حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں مختصراً یہاں ذکر کرلیا جائے تاکہ آیت مبارکہ کا مفہوم بہتر انداز میں سمجھا جاسکے۔

حضرت نوح علیہ السلام حضرت آدم کی نویں پشت سے لامخ کے گھر پیدا ہوئے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر حضرت نوح علیہ السلام تک کا زمانہ تقریباً ایک ہزار چھ سو برس کا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے تک دنیا اپنی نشوونما کے ابتدائی دور میں تھی اس دوران جو انبیاء کرام معبوث ہوئے انہوں نے ضروریات معیشت کی تعلیم دی اور صرف توحید الٰہی کی تلقین کی حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں دنیا نے سن شعور میں قدم رکھا۔ حضرت نوح علیہ السلام پہلے نبی ہیں جنہوں نے اپنی قوم کو احکام وشرائع کی تبلیغ کی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو بہت سمجھایا ڈرایا لیکن وہ اپنے عمل اور عقیدے کی گمراہیوں میں اس قدر گرے ہوئے تھے کہ انہوں نے پیغام حق کو قبول نہ کیا اور حق وصداقت کی سیدھی سادی دعوت میں طرح طرح کی مین میخیں نکالتے رہے۔ جس کی تفصیل سورہ ہود میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمادی ہے حضرت نوح علیہ السلام کو جب وحی الٰہی کے ذریعے معلوم ہوگیا کہ میری قوم کی مسلسل بداعمالیوں کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے ان کی حق قبول کرنے کی استعداد ہی سلب کرلی ہے تو انہوں نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا فرمائی۔

(جاری ہے)

ملیحہ احمد

السلام علیکم! تمام قارئین اور آنچل اسٹاف کو میرا پُرخلوص سلام۔ میرا نام ثمینہ ناز ہے اور میں یکم مئی 1996ء کو ضلع ملتان کے ایک گاؤں بستی غوث پور میں پیدا ہوئی۔ ہم چھ بہن بھائی ہیں جس میں میرا نمبر سب سے آخری ہے' بی اے تھرڈ ائیر کی طالبہ ہوں۔ گھر میں سب سے چھوٹی ہونے کی وجہ سے سب کی لاڈلی ہوں۔ اپنے ابو کی تو میں جان تھی (ابو کی وفات ہو چکی ہے دو سال پہلے)۔ خاص کر دوسرے نمبر کی آپی اور مجھ سے جو بڑا بھائی ہے ان سے میری بہت بنتی ہے۔ سب باتیں میں اپنی آپی کے ساتھ شیئر کرتی ہوں' زیادہ تر باتیں میں اپنے دل میں ہی رکھتی ہوں۔ اب آتے ہیں اچھائیوں اور برائیوں کی طرف' اچھائی کون سی ہے یا برائی کون سی ہے' مجھ میں اس کا فرق مجھ سے نہیں ہوتا بس میں آپ کو بتا دیتی ہوں کہ میری عادت کیا ہیں' آپ خود اندازہ لگالیجیے گا تو جناب مجھے غصہ بہت کم آتا ہے اور جو تھوڑا بہت آتا ہے وہ میں کنٹرول کرلیتی ہوں' سب کے ساتھ مل جل کر رہنا اچھا لگتا ہے خصوصاً بزرگوں کے ساتھ بیٹھنا اور ان کی باتیں سننا۔ کسی کے ساتھ آسانی سے گھل مل نہیں سکتی ہاں ان سے بات چیت اس طرح کرتی ہوں کہ میں نے ان سے دوستی کرلی ہے پر اصل میں میں دیکھ بھال کے ہی دوستی کرتی ہوں۔ ظاہری خوب صورتی متاثر نہیں کرتی بلکہ میں ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرتی ہوں جو باطنی طور پر خوب صورت ہوں' پوری کوشش کرتی ہوں کہ پانچ وقت کی نماز ادا کروں' حجاب کرتی ہوں اور یہ اچھی عادت مجھے آنچل کی طرف سے ملی ہے۔ میں نے آج سے چار سال پہلے آنچل پڑھنا شروع کیا تھا اور تب سے ہی حجاب بھی لے لیا تھا ورنہ اس سے پہلے نہ ہماری فیملی میں کوئی حجاب لیتا تھا اور نہ ہی میں' دل سے شکریہ آنچل۔ رنگوں میں فیروزی رنگ بہت ہی زیادہ پسند ہے' چنبیلی اور گلاب کے پھول بہت اچھے لگتے ہیں۔ لباس میں سادہ شلوار قمیص پسند ہے۔ جیولری' چوڑیاں اور مہندی وغیرہ کچھ بھی اچھا نہیں لگتا اس لیے استعمال بھی نہیں کرتی یعنی عام الفاظ میں کہوں تو سادہ سی بندی ہوں۔ کھانے میں جو مل جائے کھالیتی ہوں' شوق سے میتھی اور گوشت کی جو بھی ڈش ہو کھاتی ہوں۔ میٹھا بھی پسند ہے اور میٹھے میں کھیر' کسٹرڈ اور رس گلے پسند ہیں۔ کتابیں پڑھنا اچھا لگتا ہے' مصنفین میں مشتاق احمد' بیگم اختر ریاض اور آنچل میں جو بھی لکھتی ہیں سب پسند ہیں۔ خود بھی ہلکی پھلکی شاعری کرلیتی ہوں اور شاعروں میں علامہ اقبال' مرزا غالب اور امجد اسلام امجد کی شاعری اچھی لگتی ہے۔ پسندیدہ شخصیات میں قائداعظم' سرسید احمد خان' علامہ اقبال اچھے لگتے ہیں اور ایک نام جو ہر مسلمان کو اپنے اہل خانہ اور مال و اولاد سے بھی عزیز ہے۔ میرے لیے بھی وہ نام سب کچھ ہے اور جان سے ماں' باپ سے بڑھ کر ہے' ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ فلمیں دیکھتی ہوں جو اچھی ہوں یہ لو اسٹوریز

وغیرہ مجھے اچھی نہیں لگتیں۔ میری دوستیں عظمیٰ نواز‘ صباء الیاس‘ ثوبیہ احمد‘ انعم نعیم‘ نادیہ بی بی اور شائستہ کنول ہیں ان کے علاوہ ایف اے کی سمعیہ منظور‘ بشریٰ عبدالحکیم‘ حنا ذوالفقار‘ رخسانہ بی بی بھی دوست تھیں اور ان کو میں بہت یاد کرتی ہوں آج بھی۔ اپنے بھانجی‘ بھانجوں اور بھتیجوں سے بھی بہت پیار کرتی ہوں‘ خاص کر دعا سراج‘ شہباز احمد‘ مجاہد حسین‘ شاہدہ اور لائق بلال سے۔ آخر میں اس بات کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ ہمیشہ وہ کام کرو جس سے آپ مطمئن ہو۔ دوسروں کو اگر خوش کرنے کے لیے آپ کوئی کام کرو گے جس میں آپ کی خوشی شامل نہیں تو وہ کام ہمیشہ آپ کے لیے پریشانی کا باعث بنے گا اور دوسرے بھی بہت کم خوش ہوں گے‘ دعاؤں میں یاد رکھنا‘ اللہ حافظ۔

شاہدہ بلال

سب سے پہلے آنچل اسٹاف کو میرا اسلام۔ میرا نام شاہدہ ہے‘ تاریخ پیدائش 10 اکتوبر 2000ء ہے‘ چار بھائیوں کی اکلوتی بہن ہوں اس لیے لاڈلی ہوں۔ میرا مشغلہ کچھ خاص نہیں ویسے تو خالہ کی دی ہوئی کتابیں پڑھنا‘ اگر کتابوں سے دل اکتا جائے تو ٹی وی دیکھنا اور چھوٹے بھائی عبدالئیق کو تنگ کرنا۔ اچھائیوں کا تو پتا نہیں لیکن ہاں برائیاں بہت زیادہ ہیں۔ میٹرک کی طالبہ ہوں‘ میری صرف ایک خاص دوست ہے جو مجھے سب سے عزیز ہے جس کا نام مہرین ہے ویسے تو امیر ہے لیکن بالکل بھی غرور نہیں ہے‘ وکیل کی بیٹی ہونے کا لیکن اس کو غرور اور جھوٹوں سے نفرت ہے۔ یہ میری بھی اچھی عادتوں میں شامل ہے‘ دیکھا جائے تو میں خود کو اچھا نہیں سمجھتی لیکن سب کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ میں اچھی ہوں۔ میری برائیوں کو بس اللہ تعالیٰ بخش دے‘ نماز کی پابند نہیں ہوں میری خالہ‘ امی یہاں تک کہ میری دوست بھی مجھے نماز ادا کرنے کی تاکید کرتی ہیں لیکن پتا نہیں کیوں میں اس وقت دل میں عہد کرلیتی ہوں لیکن اس کو پورا نہیں کرپاتی۔ یہ میری سب سے بری عادت ہے اور میری اچھی عادتوں کی ذمہ دار میری خالہ ہیں۔ میری امی کی سب سے چھوٹی بہن جو بی اے کی طالبہ ہیں‘ میں ہزار مرتبہ اپنی خالہ کا دل سے شکر ادا کرنا چاہتی ہوں۔ میری امی میری دوست ہیں اگر کوئی بات ہو اور میں انہیں نہ بتاؤں پتا نہیں کیسے مگر انہیں معلوم ہو ہی جاتا ہے کہ میں نے انہیں کوئی بات نہیں بتائی‘ ایسی ہوتی ہیں مائیں۔ میرے نانا ابو مجھے بہت پسند تھے‘ تقریباً ڈھائی سال پہلے وہ اس دنیا سے چلے گئے۔ میری خالہ تو ان سے بہت محبت کرتی تھیں جب بھی ہم لوگ نانا ابو کے پاس جاتے تھے وہ بہت پیار سے کہتے تھے میرے بچے آگئے ہیں‘ ہم سے بہت شفقت اور پیار سے بات کرتے تھے۔ کتابیں پڑھنے کا بہت شوق ہے‘ وہ کتابیں جن سے کوئی سبق اور نصیحت ملتی ہے۔ میری خالہ بھی مجھے ایسی کتابیں پڑھنے کی تاکید کرتی ہیں۔ میری زندگی کو درست میری خالہ نے کیا ہے‘ میری خالہ کا نام ثمینہ ناز ہے۔ میں اپنے بارے میں لکھنا تو بھول ہی گئی میرا پسندیدہ کلر بے بی پنک ہے‘ میری تقریباً ہر چیز پنک کلر کی ہے‘ سوائے میرے بیگ

کے۔ سادہ رہنا پسند ہے ہاں کبھی دوسروں کو دیکھ کر ان کی طرح بننا چاہتی ہوں لیکن نہیں بن سکتی اور بعد میں یہ سوچ کر ہنستی ہوں۔ میں اس پیغام کے ساتھ اجازت چاہتی ہوں کہ اگر دنیا میں کچھ بننا اور کچھ حاصل کرنا ہے تو اپنے بڑوں کی اچھی عادتوں اور ان کے اچھے اعمال سے سیکھنا چاہیے۔ زندگی میں وہی کامیاب ہوتے ہیں جو اپنے بڑوں کی عزت اور اپنے بڑوں کا کہا مانتے ہیں۔ دنیا میں ہر کوئی کامیاب ہوسکتا ہے صرف اپنے بڑوں کی دعا اور ان کا پیار اور دل لگا کر محنت کرنا چاہیے۔ آنچل کے تمام اسٹاف اور تمام چاہنے والوں کو دل سے سلام' اللہ حافظ۔

ستارے مشعلیں لے کر ڈھونڈنے نکلیں مجھ کو
میں رستہ بھول جاؤں جنگلوں میں شام ہوجائے
شکیب اپنے تعارف کے لیے بس اتنا ہی کافی ہے
ہم اس سے ہٹ کر چلتے ہیں جو رستہ عام ہوجائے

السلام علیکم! میرا نام نگینہ ممتاز قریشی ہے میرا تعلق ہیر رانجھا کے شہر جھنگ سے ہے۔ مابدولت 10 محرم الحرام کی کڑکڑاتی دوپہر کو پیدا ہوئی۔ تعلیم واجبی سی ہے یعنی میٹرک۔ ہم ماشاء اللہ سے سات بہنیں اور چار بھائی ہیں' میرا نمبر ساتواں ہے۔ بہنوں میں میری دوستی باجی بینا حسینہ سے ہے' والد صاحب بہت سخت ہیں' امی کا رویہ ہمارے ساتھ بہت دوستانہ ہے۔ آنچل سے وابستہ ہوئے کتنا عرصہ ہوا یاد نہیں' آنچل ہر لحاظ سے معیاری ڈائجسٹ ہے۔ میری فیورٹ رائٹرز سمیرا شریف طور اور عفت سحر ہیں۔ پسندیدہ کلرز ریڈ' بلیک ہیں۔ پسندیدہ لباس شلوار قمیص ہے' موسم کوئی بھی پسند نہیں' میں سمجھتی ہوں کہ دل کا موسم اچھا ہو تو باہر کا موسم کوئی معنی نہیں رکھتا۔ بارش میں بھیگنا بالکل اچھا نہیں لگتا کیونکہ بارشیں پسند ہی نہیں۔ میرا کوئی فیورٹ ٹیچر اور سبجیکٹ نہیں جو بھی ٹیچر ملا سب ہی اچھے تھے۔ فارغ اوقات میں آنچل پڑھتی ہوں' ایف ایم سنتی ہوں۔ فیورٹ شاعر محسن نقوی' وصی شاہ اور احمد فراز ہیں۔ سید وصی کی کتاب ''آنکھیں بھیگ جاتی ہیں'' بہت پسند ہے۔ صبح کاذب کا وقت اچھا لگتا ہے' کھانے میں چکن پلاؤ' کسٹرڈ بہت پسند ہیں جو کہ میری باجیاں بنا کر بڑے بڑے خانساؤں کو مات دیتی ہیں۔ پھل سارے شوق سے کھاتی ہوں' سبزیوں میں سرسوں کا ساگ' گوبھی اور کریلے بہت پسند ہیں۔ فیورٹ مشروب ڈیو' روح افزا اور چائے ہیں۔ ہمارے ہاں ہر تہوار جوش وخروش سے منایا جاتا ہے' عیدین اور لوک میلا میں جوش وخروش سے مناتی ہوں۔ کرکٹ کا جنون کی حد تک شوق ہے' دیکھنے کا' کھیلنے کا نہیں۔ فیورٹ کھلاڑی سلمان بٹ' شاہد آفریدی اور عمران نذیر ہیں۔ بلیو لیڈی اور باس میرے فیورٹ پرفیوم ہیں۔ رشتوں میں ماں اور دوستی کا رشتہ پسند ہے۔ پسندیدہ ہستی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے' اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے' آمین۔ فیورٹ کتاب قرآن پاک ہے' ہر انسان کی طرح مجھ میں بھی خامیاں اور خوبیاں ہیں۔ غصہ بہت آتا ہے' ہر ایک پر

بھروسہ بہت جلد کر لیتی ہوں (ویسے یہ خامی ہے کہ خوبی؟) میری دوست کرن کہتی ہے کہ بہت خوش اخلاق ہوں، بہت حساس ہوں، بالکل بھی سگھڑ نہیں ہوں۔ ویسے چائے اور آملیٹ وغیرہ بنا ہی لیتی ہوں، ہم اتنے بھی گئے گزرے نہیں جتنا آپ لوگوں نے سمجھ لیا۔ شاعری سے بہت لگاؤ ہے صرف پڑھنے کی حد تک۔ میوزک ہر قسم کا سنتی ہوں، عاطف اسلم فیورٹ سنگر ہیں۔ آخر میں ایک پیغام تمام لوگوں کے نام، جہاں رہیں خوش رہیں، آباد رہیں، خوشیاں بانٹتے اور سمیٹتے رہیں، جب دعاؤں کے لیے ہاتھ اٹھائیں مجھے ضرور یاد رکھیے گا۔

ثمرہ سحر

السلام علیکم! آنچل اسٹاف اینڈ ڈیئر قارئین کیا حال ہیں؟ امید کرتی ہوں آپ سب خیریت سے ہوں گے۔ ارے ایسے کیا دیکھ رہے ہیں آپ، مانا کہ ہم آپ کے لیے نئے ہیں مگر ہیں انسان ہی (ہاہاہا)۔ جی تو سنئے یہ ہم ہیں ہم...... میرا مطلب ہے مابدولت کا نام ثمرہ سحر ہے مگر جب کوئی ثمر کہہ کر پکارتا ہے تو بہت اچھا لگتا ہے۔ جی تو ہم 7 ستمبر 1996ء کو عیدالفطر کے روز اس دنیا کو رونق بخشنے آئے۔ میرے لاتعداد بہن بھائی ہیں، ارے ارے حیران مت ہوں کہنا یہ تھا کہ میں اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہوں، میں بہت چھوٹی تھی جب ابو کا انتقال ہو گیا۔ اب میں اپنی سویٹ ماں اور نانو کے ساتھ رہتی ہوں، یہی میری کل کائنات ہیں۔ میں اسکول ٹیچر ہوں، آج کل 8th کلاس کی انچارج ہوں، ساتھ میں اسٹڈی بھی جاری ہے۔ پسندیدہ ہستی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فیورٹ کتاب قرآن پاک اور پانچ وقت کی نماز پڑھنے کی پوری کوشش کرتی ہوں۔ جی تو کھانے میں چاول بہت پسند ہیں، فراک پہننا اچھا لگتا ہے۔ فیورٹ کلر بے بی پنک اینڈ بلیک ہے، بھئی جب ہم سنجیدہ ہوتے ہیں تو سنجیدگی کی حد کر دیتے ہیں بالآخر سنجیدگی بھی بول اٹھتی ہے ''او باجی کدی ہنس وی لیا کرو'' ہاہاہا۔ پت جھڑ کا موسم دیوانگی کی حد تک پسند ہے، گرمی میں چائے اور سخت سردی میں ٹھنڈا پانی پینا محبوب مشغلہ ہے۔ ارے یار برے برے منہ مت بناؤ ہر بندے کی اپنی پسند ہوتی ہے۔ فرینڈ بنانا اچھا لگتا ہے مگر جب سے زندگی میں جگر آیا ہے، فرینڈز بنانا چھوڑ دیا کیونکہ وہ بہت اچھی ہے ارے جی ہاں وہ لڑکی ہے آپ کیا سمجھے تھے۔ تو جی آئی لو سوچ جگر اس کا نام فوزیہ کنول ہے کچھ فرینڈز اور بھی ہیں جن میں نورین علوی، ماریہ آسیہ اور شازیہ ہیں۔ طویل خاموشی اور چلتے چلتے صحرا میں کہیں دور نکل جانا، آسمان پر آئے سفید بادلوں کو چھونا، بارش میں نہانا، پینٹنگ کرنا، شعر و شاعری کرنا، اچھی کتابیں پڑھنا اور بہت زیادہ چائے پینا ہر وقت کچھ نہ پڑھتے اور لکھتے رہنا یہ ہیں میری عادات اور خواہشات وہ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ......

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے

خیر لگتا ہے اب آپ لوگ بھی بور ہونے لگے ہیں لو جی جناب، ہم آپ کی جان چھوڑنے ہی لگے مگر ان الفاظ اور دعا کے ساتھ کہ اللہ آپ سب کو ہمیشہ خوش رکھے، میرے پیارے آنچل کو دن دگنی رات چوگنی ترقی دے آمین۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا، اجازت چاہتی ہوں، رب راکھا۔

سروے

اک شمع فروزاں

ندا رضوان

مونا شاہ قریشی......کبیر والہ

۱۔ رواں سال کا مارچ کا ٹائٹل رعنائی سے بھرپور تھا۔

۲۔ مجموعی طور پر ایسا کوئی کردار نہیں کہ ہم بے معنی شہزادت سے اور کردار بامعنی ومقصد سے۔

۳۔ بات درست ہے کہ رسائل پڑھ کے لڑکیاں عموماً آئیڈیل تراش لیتی ہیں اور خوابوں کو آنکھوں میں بھرلیتی ہیں شاید میٹرک یا انٹر تک میں بھی آئیڈلزم کے بُت کو لیے گھومتی تھی مگر وقت کی دھول اور حالات کی گرد نے رموز واسرارِ زمانہ سے ایسا آشنا کروایا ہے کہ سب کچھ اٹھا کے پس پردہ ڈال دیا ہے اور شکر گزار ہوں میں وقت کی جس نے مجھے بنا کسی تلخ تجربہ کے اپنا آئینہ دکھا دیا' خواب' عذاب' چھوڑو جناب!

۴۔ مصنفین آنچل' لفظ چھوٹے لگتے ہیں۔ مختصراً پیرائے غلط لگتا ہے۔ تمام مصنفین بہترین کاوشوں کے ساتھ آنچل کے معیار اعلیٰ کو قائم رکھنے میں مصروف عمل ہیں اور ادارہ ہذا کی عنایت جو اتنا لطیف آنچل ہمیں مہیا کررہے ہیں۔

۵۔ کم وبیش تمام تحریریں جاندار ہوتی ہیں شاید دماغی حافظہ ابھی کام کرنے سے قاصر ہے تو اداس شفق سی تحریریں دریچہ دل میں جھانک رہی ہیں (معذرت)۔

۶۔ ''الف'' سے لے کر''ی'' تک تمام سلسلے بخوبی اپنا تاثر برقرار رکھے ہوئے ہیں۔

۷۔ ذاتی طور پر مجھے دوست کا پیغام آئے اور افسانہ' تین سے چار افسانے لازماً شامل آنچل ہوتے ہیں جو کہ اصلاحی ہونے کے ساتھ اخلاقی بھی ہوتے ہیں۔

فوزیہ سلطانہ.....تونسہ شریف

۱۔ ٹائٹل کے معاملے میں آنچل پر خوب توجہ کی ضرورت ہے۔ بہرحال مارچ 2016ء کا ہی کچھ بہتر محسوس ہورہا ہے۔

۲۔ آئیڈیل تو خیر ہمارا کوئی نہیں ہے ہاں مگر ''جھل کنارہ کنگر'' کی حورعین سے میں بہت متاثر ہوئی تھی (کیونکہ وہ ہمارے معاشرے کا کڑوا سچ تھا) اس کے علاوہ آج کل انا بہت پسند ہے۔

۳۔ میں کچھ نہ کچھ حد تک حقیقت پسند ہوں (مجھے تو ایسا ہی لگتا ہے)۔

۴۔ تھوڑی بہت تنقید تو میرے خیال سے کبھی برداشت کرتی ہوں گی (کوئی خاص قسم کی تنقید تو نہیں ہوتی) ہاں مگر' ہمارے ابو کو رسالے پڑھنا پسند نہیں۔

۵۔ نئی مصنفہ نائلہ طارق کے الفاظ اور اندازِ بیاں نے چونکا دیا' ان کی مزید تحریریں بھی پڑھنا چاہوں گی (ہاں مگر آنچل میں)۔

۶۔ ''سازِ من'' اس تحریر میں تھوڑا بہت مزاح تھا (جو مجھے پسند آیا)۔

۷۔ آنچل میں دوست کا پیغام آئے بہترین سلسلہ ہے کیونکہ اسی سلسلے کی بدولت ہماری ڈھیروں دوستیں بنی ہیں' اوکے اللہ حافظ۔

فرحت اشرف گھمن......سیدوالا

۱۔ گزشتہ سال کے نومبر کے شمارہ کا ٹائٹل بہت پسند آیا کیونکہ ماڈل کے نین نقش بہت تیکھے تھے (بالکل میری طرح) ہیئر اسٹائل بھی پیارا تھا۔

۲۔ ''محبت دل کا سجدہ ہے'' سیاس گل' علی کے کردار میں مجھے اپنے آئیڈیل کی جھلک دکھائی دی۔

۳۔ میری اپنے متعلق یہ رائے ہے کہ میں حقیقت پسند ہوں۔

۴۔ اللہ کا بہت کرم ہے' رسائل کے مطالعہ کے دوران گھر والوں کی جانب سے مجھے کسی بھی تنقید کا سامنا نہیں کرنا پڑتا بس ایگزام کے دوران ماں جی ڈانٹتی تھیں (اب امی کی ڈانٹ بہت یاد آتی ہے)۔ شادی سے پہلے میری بڑی سسٹر نازیہ بھی پڑھتی تھیں۔

۵۔ آنچل کی نئی مصنفین نے مجھے کچھ خاص متاثر نہیں کیا' حمیرا نوشین اچھا لکھ رہی ہیں' امید ہے مستقبل میں کامیابیں حمیرا کے قدم چومیں گی۔ صدف آصف کو بار بار پڑھنا پسند

کروں گی' پتا نہیں نئی ہے یا پرانی۔
۶۔ "اب سفر چاہتوں کا" میں نوی اور کنزٰی کی نوک جھونک نے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر دی۔
۷۔ آنچل کا پسندیدہ سلسلہ دوست کا پیغام آئے ہے کیونکہ وہاں سے مجھے سوئٹ اور کیوٹ فرینڈز ملی۔ سعدیہ رمضان تمہیں زندگی کا نیا سفر بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں بہت سی خوشیوں سے نوازے آمین۔

شبنم کنول......گاؤں پایا نگری

ا۔ میں سمجھتی ہوں کہ اگر ایک یا دو ٹائٹل کی تعریف کی جائے تو دوسرے ٹائٹل کے ساتھ ناانصافی ہوگی گزشتہ سال کے ٹائٹل سب ہی زبردست تھے۔
۲۔ نازیہ کنول نازی کے ناول "شب ہجر کی پہلی بارش" میں سدید میں مجھے اپنے آئیڈیل کی جھلک نظر آتی ہے لوونگ کیرنگ اپنے کام سے محبت کرنے والا۔
۳۔ میری رائے کے مطابق بعض لڑکیاں حقیقت پسند ہونے کی بجائے تخیلاتی دنیا میں رہتی ہیں میں ان لڑکیوں میں سے ہوں کہ جو حقیقت پسند ہوتی ہیں' حقیقت کو تسلیم کر لیتی ہیں کبھی بھی خیالی دنیا میں نہیں رہتیں اور حقیقت سے منہ نہیں پھیرتیں۔
۴۔ میری بہن مہوش کو میرے ہر وقت رسالے کے مطالعہ پر بہت غصہ آتا ہے وہ کہتی ہے کہ کچھ حاصل تو ہوتا نہیں اتنی دیر ہوگئی ہے تم کو لکھتے ہوئے نہ پڑھا کرو پھر بہت جھگڑا ہوتا ہے۔
۵۔ مصنفین نئی ہو یا پرانی سب ہی زبردست لکھتی ہیں۔ سباس گل' راحت وفا' نازیہ کنول نازی' عائشہ نور محمد ان تمام مصنفین کو بار بار پڑھنا چاہتی ہوں۔
۶۔ میرے نزدیک آنچل کا سب سے پسندیدہ سلسلہ نیرنگ خیال دوست کا پیغام آئے ہیں میرے ہاتھ میں جب نیا آنچل آتا ہے تو سب سے پہلے یہ دونوں دیکھتی ہوں' اب اجازت۔

ماریہ مسعود بانٹھ......راولپنڈی

ا۔ آنچل کا اکتوبر کا ٹائٹل مجھے بہت اچھا لگا اس ٹائٹل پر ماڈل کا ہیئر اسٹائل بہت اچھا بنا ہوا تھا۔
۲۔ "صبح نو کا ستارا" جو آپی نادیہ فاطمہ رضوی نے لکھی تھی اس کہانی کے ہیرو کے کردار میں اپنا آئیڈیل کی جھلک دکھائی دی۔
۳۔ میں اپنے متعلق بھی یہی کہتی ہوں کہ میں زیادہ تخیلاتی دنیا میں رہتی ہوں پر حقیقت سے بھی دور نہیں ہوں' کہانیوں سے بھی بہت کچھ سیکھتی ہوں۔
۴۔ رسائل کے مطالعہ کے دوران آج تک گھر والوں میں سے کسی کی جانب سے تنقید کا سامنا نہیں کرنا پڑا' مجھے کافی سال ہوگئے آنچل پڑھتے ہوئے۔
۵۔ آنچل کی نئی مصنفین نے کافی متاثر کیا اور جس کو بار بار پڑھنا پسند کرتی ہوں ان کے نام یہ ہیں آپی سمیرا شریف طور آپی نازیہ کنول نازی' آپی نادیہ فاطمہ رضوی' آپی عشنا کوثر سردار' اقراء صغیر احمد ان سب کو بار بار پڑھنا پسند کرتی ہوں۔
۶۔ "زندگی پھولوں کی راہ" جو آپی فرح طاہر نے لکھی تھی پڑھ کے مسکرائی تھی۔
۷۔ میرے نزدیک آنچل کا سب سے پسندیدہ سلسلہ بیوٹی گائیڈ کا ہے مجھے یہ اچھا لگتا ہے اس میں مجھے بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے۔

ہما انصاری......اٹک

ا۔ جولائی کے شمارے میں ٹائٹل گرل کا نمازی کی طرز میں کیا دوپٹہ' بہت اچھا لگا' تازگی اور ایمان کا تاثر دیتا ہوا۔
۲۔ عائشہ نور محمد کے ناول "عشق تمام مصطفیٰ ﷺ" کے کردار آمن رضا میں مجھے اپنا آئیڈیل نظر آیا۔ میری یہ سوچ تھی کہ میں خود آئیڈیل بناؤں گی میں چاہتی تھی کہ میں بھی کسی کی ہدایت کا ذریعہ بنوں لیکن اللہ کا شکر ہے کہ مجھے بنا بنایا آئیڈیل مل گیا' اب مجھے کسی آئیڈیل کی ضرورت نہیں۔
۳۔ یہ صحیح ہے کہ رسائل پڑھنے سے تخیلاتی دنیا خود بخود بن جاتی ہے میں نے بھی تخیل میں اپنا آئیڈیل بہت تلاشا لیکن میرے ساتھ میرے خیالوں جیسا کچھ نہیں ہوا' اب تو کافی حقیقت پسند ہوگئی ہوں (تخیل میں ٹھوکر کھا کر ہاہا)۔
۴۔ اُف مت پوچھیں اتنی تنقید تو مصنفین کو قارئین سے بھی نہیں ملتی جتنی ہمیں مما جانی اور نانو سے ملتی ہے۔ نانو غصہ

کرتے کرتے خود ہی مسکرا دیتی ہیں (کیونکہ ہم جو ٹھہرے سدا کے ڈھیٹ) اور مما جانی کے غصے کا گراف تب بڑھتا ہے جب ہم نیا رسالہ آنے پر سب کام چھوڑ چھاڑ رسالے میں منہ دے کر بیٹھ جائیں۔

۵۔ آنچل کی ساری رائٹرز ہی متاثر کن تحاریر لکھتی ہیں لیکن سمیرا شریف طور سے اس لیے متاثر ہوں کہ اگر وہ خود رومانٹک مزاج نہیں تو پھر کہانیاں کیسے رومانٹک لکھ لیتی ہیں۔ نادیہ فاطمہ رضوی کے ناول بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔

۶۔ یوں تو بہت سی تحریریں اکثر لبوں پر مسکراہٹ بکھیر دیتی ہیں اور تو خاص یاد نہیں۔ ستمبر کے شمارے میں ندا حسین کا ناول "محبت کا فسانہ" بہت اچھی اور لبوں پر مسکراہٹ لے آنے والی تحریر تھی۔

۷۔ آنچل کا ہر سلسلہ ہی زبردست ہے پر دوست کا پیغام آئے ایسا سلسلہ ہے۔ جس میں ہم اپنے چاہنے والوں سے ان محبتوں یا باتوں کا اظہار بھی کر سکتے ہیں جو ہم زبان سے نہیں کہہ پاتے اور آنچل فرینڈز سے میل جول کا ذریعہ بھی ہے۔

ثوبیہ شاہین......ملتان/ای میل

۱۔ مجھے جنوری کے پرچے کا ٹائٹل بہت پسند آیا تھا۔

۲۔ ویسے تو مجھے آنچل کی ساری ہی کہانیاں بہت پسند آتی ہیں مگر صدف آصف کے ناولٹ "مجھے رنگ دے" کا ہیرو شہریار میرا آئیڈیل ہے۔ بہت سمجھدار اور صاف گو ہے، اسی ناولٹ کی ہیروئن رمان بیگ نے جیسے دل پر قبضہ جمایا ہوا ہے، اس کا کردار نا قابل فراموش ہے۔

۳۔ ایسا بالکل نہیں ہے۔ شاعری پڑھنے والوں کو تخیلاتی دنیا کا باسی سمجھا جاتا ہے مگر ڈائجسٹ پڑھنے والوں کے سامنے اچھائی اور برائی دونوں پہلو اجاگر ہو جاتے ہیں۔

۴۔ ہمارے گھر میں امی، باجی اور خالائیں سب ہی آنچل شوق سے پڑھتی ہیں تو ایسا کوئی مسئلہ پیش نہیں آیا۔

۵۔ ویسے تو آنچل کی ساری مصنفائیں اچھا لکھتی ہیں مگر مجھے اقبال بانو، نگہت عبداللہ، نازیہ اور صدف آصف کو پڑھنا سب سے زیادہ اچھا لگتا ہے۔

۶۔ یادگار لمحے میں بعض اوقات ایسی مختصر تحریر پڑھنے کو مل جاتی ہے کہ بس......

۷۔ بہنوں کی عدالت جس میں ہمیں بہت سارے لکھاریوں کے بارے میں جاننے کو ملتا ہے۔

صباخان......ڈی جی خان/ای میل

۱۔ دسمبر 2015ء کا ٹائٹل بہترین لگا۔

۲۔ آئیڈیل کا تو نہیں پتا مگر صدف آصف کے ناولٹ "عکس جاناں" کے کاشان کا کردار بہت اعلیٰ لگا، اسی کہانی میں ماں فریدہ یوسف کا کردار بھی بہت عمدہ تھا۔

۳۔ یہ بات کسی حد تک درست ہے اسی لیے میرے اندر تخیلاتی دنیا کا حسن آج بھی قائم ہے پر میں حقیقت پسند ہوں۔

۴۔ میرے شوہر نامدار کبھی کبھی آنچل کو رقیب روسیاہ کہتے ہیں۔ وہ پوری توجہ جو اپنی جانب رکھتا ہے۔

۵۔ آنچل کی ساری مصنفائیں اچھا لکھتی ہیں مگر مجھے سمیرا شریف، نگہت عبداللہ، صدف آصف، فاخرہ گل، راحت وفا اور سباس گل کو پڑھنا سب سے زیادہ اچھا لگتا ہے۔

۶۔ دوست کا پیغام آئے بہت اچھا لگتا ہے۔ معصوم سی خواہشات کا اظہار دیکھ کر دل خوش ہوتا ہے۔

۷۔ پورے سال ہونے والے "سروے" جس میں ہمیں بہت سارے لوگوں کے خیالات جاننے کو ملتے ہیں۔

حنا اشرف......کوٹ ادو/ای میل

۱۔ آنچل ڈائجسٹ کا ہر وہ ٹائٹل جہاں لڑکی کے سر پر دوپٹا تھا اچھا لگا مگر نومبر کے شمارے کا ٹائٹل بہت پیارا تھا جو دل کو اور زیادہ پسند آیا وجہ اس میں میرا پیارا سا افسانہ تھا۔

۲۔ سمیرا شریف طور کے ناول "یہ چاہتیں یہ شدتیں" میں سمعان احمد کا کردار بڑا زبردست تھا اور مجھے یہ کردار بہت پسند ہے ویسے آپس کی بات ہے میں آئیڈیل نہیں بناتی۔

۳۔ جی بالکل اور یہ بات کسی حد تک درست بھی ہے کہ لڑکیاں تخیلاتی دنیا میں رہتی ہیں مگر ان لڑکیوں کو چاہیے حقیقت کا سامنا کریں، ہم تو جی حقیقت سے نظریں بالکل نہیں چراتے نہ ہی تخیلاتی دنیا میں رہتے ہیں۔

۴۔ کسی ایک کی جانب سے تنقید کرنے کا سامنا ذرا مشکل

ہے بھئی ہمارے پاس تنقید نہیں ہوتی ہیں۔ کبھی بہنوں کی تو کبھی چھوٹے بھائیوں کی طرف سے ہاں امی جی پہلے ڈانٹتیں تھیں کبھی کبھار اب کچھ بھی نہیں کہتیں اگر چہ وہ بہت کم کوئی ایک آدھ اسٹوری پڑھ لیتی ہیں مگر اب انہیں انتظار رہتا ہے، مجھ سے پوچھتی رہتی ہیں کہ تمہارے ڈائجسٹ کب آئیں گے۔

۵۔ آنچل میں بہت سی نئی مصنفین کا اضافہ ہوا اور ہو رہا ہے ماشاء اللہ سب ہی بہت اچھا لکھ رہی ہیں سب ہی پسند بھی ہیں مگر سیدہ غزل زیدی اور عائشہ نور محمد سب سے زیادہ پسند ہیں۔ صباحت رفیق، ندا حسنین، سحرش فاطمہ، نظیر فاطمہ، نادیہ احمد بھی اچھا لکھ رہی ہیں۔

۶۔ ایسی بہت سی تحریریں ہیں جو لبوں پر مسکراہٹ بکھیر دیں آنچل کی ہر وہ تحریر جو میری پسندیدہ مصنفہ نے لکھی ہو جن میں سرفہرست ام مریم، سمیرا شریف طور، سندس جبیں، نازیہ کنول نازی، صائمہ قریشی، عفت سحر طاہر، فاخرہ گل، صدف آصف، نزہت جبیں ضیا، نادیہ فاطمہ رضوی، عشنا کوثر اور سباس گل شامل ہیں۔

۷۔ مجھے آنچل کے بھی سلسلے پسند ہیں قیصر آرا آپا کی سرگوشیاں، مشتاق احمد قریشی صاحب کا دانش کدہ، ہمارا آنچل میں قارئین کے تعارف، بہنوں کی عدالت میں رائٹرز کا آنا، روحانی مسائل کا حل، بیاض دل، بیوٹی گائیڈ، شمائلہ آپی کے خوب صورت سوال و جواب والی محفل، شہلا آپو کے آئینہ کے زبردست تبصرے، دوست کا پیغام آئے میں دلوں سے نکلی آواز وغیرہ سب بے حد پسند ہیں جب آنچل اچھا تو اس کے سارے سلسلے ہی اچھے۔

صوبیہ بلال صبح......ظاہر پیر

۱۔ گزشتہ سال آنچل کے زیادہ تر ٹائٹل پر دلہنیں نظر آئیں لیکن میرا پسندیدہ سرورق اکتوبر کا ہے اس ٹائل پر ماڈل حجاب اوڑھے بہت پیاری لگ رہی تھی۔

۲۔ اصل میں میں نے کبھی آئیڈیل بنائے ہی نہیں اس لیے کہانیوں میں ڈھونڈے بھی نہیں لیکن "ٹوٹا ہوا تارا" کا مصطفیٰ ایک اچھا کریکٹر ہے اس لحاظ سے۔

۳۔ جب میں ناول پڑھتی ہوں تو اس میں بالکل کھو جاتی ہوں لیکن کہانی اور حقیقت کے فرق کو ہمیشہ ذہن میں رکھتی ہوں۔

۴۔ آنچل کی نئی مصنفین بہت اچھا لکھ رہی ہیں اس لیے کسی ایک کے بارے میں کہنا مشکل ہے۔

۵۔ آنچل کی ساری تحریر بہت اچھی ہوتی ہیں لیکن گزشتہ سال کی پسندیدہ تحریریں "عشق تمام مصطفیٰ ﷺ"، "کروں سجدہ ایک خدا کو" ہے۔

۶۔ آنچل کے سارے سلسلوں کی اپنی اپنی ویلیو ہے اور مجھے نیرنگ خیال بہت پسند ہے کیونکہ مجھے شاعری پسند ہے اس کے ساتھ ہی بہت شکریہ اور اللہ حافظ۔

تنزیلہ افضل......بکنان والا

۱۔ میرے جیسا بندہ جو ظاہری حلیے کی قطعاً پروا نہیں کرتا اس حوالے سے کوئی مستند رائے دے ہی نہیں سکتا۔ میں کوئلے کی ڈھیر سے ہیرے نکالنے پر یقین رکھتی ہوں اس عمل کے دوران سیاہ یا سفید ہیرے نکالنے کے لیے کوئی نہیں پوچھتا۔ مختصراً ٹائٹل کو چونکہ اندرونی صفحات کا آئینہ دار تسلیم کیا جاتا ہے سو میں ٹائٹل سے مایوس ہوں کہ اندر موجودہ جوہر کھونے پر یقین نہیں رکھتی۔

۲۔ میں آئیڈیل نہیں تراشتی آئیڈیل کی ساری خوبیاں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم میں بدرجہ موجود تھیں اور ہیں۔ نیز ہر کہانی کا کردار بہت سی خوبیوں کا حامل ہوتا ہے جس کا مجموعہ ایک شخصیت میں ہونا ناممکن ہے۔

۳۔ حقیقت پسند، تخیلات بھی ذہنی صلاحیتوں کو جلا بخشتے ہیں بالکل ایک حقیقت کے مطابق تخیل کی دنیا میں رہنے والے لوگ بھرپور تخیلاتی صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہیں سو مثبت انداز میں تخیل قلم کو مہمیز دیتا ہے لیکن بلاشبہ رسائل پڑھنے سے حقیقی دنیا نکھر کے سامنے آتی ہے۔

۴۔ کسی کی طرف سے نہیں کیوں کہ میں اب ذمہ داریوں کے تناسب سے وقت کی تقسیم کرنا سیکھ گئی ہوں البتہ امی جی کہتی رہتی ہیں کہ سر درد کرے گا پھر تھوڑا تھوڑا پڑھا کرو لیکن مطالعہ کی عادت پر کوئی تنقید نہیں کرتا۔

۵۔ مارچ 2016ء کے شمارے میں ام اقصیٰ کا افسانہ "مگر" شامل ہے ایسا تعمیری مواد میں بار بار پڑھنا چاہوں گی۔ مسائل بہت سے لوگ کو سامنے لاتے ہیں مسائل کے ساتھ حل ایک منفرد انداز ہے۔ انہیں بار بار پڑھنا چاہوں گی قرۃ العین کا افسانہ "ظلمت شب کی سحر" بھی بہت پسند آیا۔

۶۔ کچھ کہانیوں کا انجام پڑھ کر دلی سکون ملتا ہے جو مسکراہٹ کے جادوئی اثرات سے بھی سوا ہوتا ہے۔ "مجھے ہے حکم اذاں" میں نندنی کا منزل مراد پر پہنچنا ایک مثال ہے۔ مجموعاً تمام مصنفات تشنگی نہیں چھوڑتی لیکن آنچل کے صفحات پر اب قہقہے بکھرنے والے کردار اب آنکھ مچولی بھی کھیلنے نہیں آتے۔ پتا نہیں کیوں؟ شاید ملکی حالات کے اثرات ہیں۔

۷۔ پسندیدہ سلسلے ہیں تین پر اکتفا کرتی ہوئی بریکٹ میں کیوں کہ جواب بھی دے رہی ہوں۔ دانش کدہ (غور وفکر علم کا موتی شاعر صحیح مانو میں تفہیم) آئینہ (فیڈ بیکس پڑھنا اور اپنے خیالات کا دیگر قارئین سے موازنہ کرنا اچھا لگتا ہے نئی بہنوں سے ملاقات بھی بونس میں) کام کی باتیں (وہی مسائل کے ساتھ حل پیش کرنے کی خصوصیات۔

سیدہ لوبا سجاد...... کہروڑ پکا

۱) بہترین ٹائٹل جنوری کا تھا ماڈل کی آنکھیں بہت خوب صورت تھیں۔

۲) دسمبر میں شناخت کے نام سے ایک کہانی چھپی تھی اس میں احمرین کے کردار میں تھوڑی تھوڑی اپنی جھلک نظر آتی ہے اور مصنف کی ہیروئن میں بھی۔

۳) نہیں افسانوی زندگی پر یقین نہیں رکھتی حقیقی زندگی ناولز سے بہت مختلف ہوتی ہے۔

۴) سب ہی اچھی ہیں اور ماشاء اللہ بہت زبردست لکھ رہی ہیں۔

۵) "اناڑی پیا" اسے پڑھ کر بے اختیار ہنسی آگئی۔

۶) دوست کا پیغام آیا اچھا سلسلہ ہے۔ بچھڑے ہوئے دوستوں کو ملانے کا بہت اچھا ذریعہ ہے۔

کوثر خالد...... جڑانوالہ

۱) ٹائٹل ہلکے میک اپ والا دوپٹے والا مگر چونکہ ایسا ہوتا کم ہے تو پھر ہلکے رنگوں والا پسند آجاتا ہے۔

۲) آئیڈیل تو ہم سب کے صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہو سکتے ہیں لہٰذا خود کو آئیڈیل بنانا چاہیے آپ ﷺ کے راستے پر چل کر اور ہم ہر تحریر سے مثبت کردار چن چن کر خود پر فٹ کرنے میں لگے رہتے ہیں۔

۳) جی خواب اپنی جگہ موجود رہتے ہیں مگر ہم سو فیصد حقیقت پسند ہیں۔ ہر قسم کے ماحول کو اپنے خوابوں جیسا کرنے کی صلاحیت موجود ہے ہم میں ماشاء اللہ۔

۴) آنچل سے وابستگی فرحانہ ناز کی مربوط سے ہے حسب معمول شعاع پاکیزہ لیتے وقت آنچل کی ورق گردانی کر رہے تھے کہ فرحانہ کی وفات کی اتنی پذیرائی نے ششدر کر دیا اور پھر آنچل سر سے اترا ہی نہیں۔ گھر والے پہلے تنقید کرتے تھے کہ تمہیں اتنی محنت کر کے کیا ملے گا ہم نے کہا ہم کچھ لینے کے لیے نہیں لکھتے یہ تو شوق اور جنون ہے مگر ہم نے انہیں لے کر دکھا دیا اگر محفل میں نعت پڑھوں ہدیہ مگر ہم نہیں لیتے اگر رخصتی سہرا لکھیں تو بکتا ہے مگر ہم نہیں بیچتے۔ شادی پر میرا تحفہ رخصتی سہرا ہی ہوتا ہے جو دیتی ہوں مگر شادی پر جانا پسند نہیں کرتی۔ سادگی سے نکاح ہونا چاہیے اور قریبی رشتہ دار بس۔

۵) پرانے لکھاری اگر سونا ہیں تو نئے چاندی سے کم ہرگز نہیں اور جو ابھی لوہا ہے تو وہ بھی کسی دن کندن بن ہی جائے گا۔

جسے شوق ہے عرش پہ جانے کا
وہ اک دن جائے گا ضرور ہی

۶) ہنسی......

نہ آئے تو ہنسی کی بات پر نہ آئے
آئے تو ہر بات پہ آجائے ہنسی

اصل میں یہ دل کا معاملہ ہے دل اگر کسی وجہ سے خوش ہے تو ہر تحریر سکون افزا اور مسکراہٹ لیے ہے اگر ناخوش تو پھر لطیفے بھی کسی کام کے نہیں لگتے اور ہمارا موڈ تو کسی کی ناراضگی سے ہی خراب ہو سکتا ہے ورنہ کبھی نہیں اور آج کل تو ناراض ہونے والے ختم شد ہم ہیں رسالے ہیں اور حمد و نعت کا ذخیرہ ہم الف سے ی تک حمد و نعت کی کتاب بنوانے جا رہے ہیں دیکھو کب

تک؟

۷) مجھے آنچل پورے کا پورا ہی پسند ہے سوائے میک اپ اور ڈشز کے صفحات کے مگر شاید اوروں کے لیے بہت ضروری ہے شاید میری سہیلی اس میں حصہ لے اچھا جی رب راکھا۔

سائرہ حبیب اوڈ...... عبدالحکیم

۱) سوری بھئی میرا حافظہ اب اتنا بھی تیز نہیں کہ ایک ایک ٹائٹل یاد رکھوں۔ بس ایک نظر دیکھ لیا اور آگے بڑھ گئے اس حوالے سے تو سوری پہلے ہی بول دیا مجھے کچھ یاد نہیں۔

۲) جس نے مجھے سروے میں حصہ لینے پر مجبور کیا' آئیڈیل صرف خوابوں میں ملتے ہیں۔ حقیقت بہت تلخ ہوتی ہے میں آئیڈیل پر یقین نہیں رکھتی کسی کی قسمت ہوگی زور آور کہ وہ اپنے پسندیدہ شخص کو پالے ہر کوئی بخت آور تھوڑا ہوتا ہے۔

۳) پہلے میں بھی خوابوں میں زندہ رہنے والی لڑکی تھی لیکن زندگی کے ایک ہی جھٹکے نے سارے خواب توڑ دیئے جیسے جیسے کہانی پڑھتی تھی ایسے ہی خیالوں میں کھو جاتی تھیں پر اب حقیقت پسند بن گئی ہوں۔

۴) ہائے...... کیا سوال پوچھ لیا' آپ یہ پوچھیں کہ کس نے تنقید نہیں کی۔ ہر ایک سے ڈانٹ کھائی تھی امی سے تو مار بھی کھائی۔ سب کی ایک ہی رٹ کہ پہلے پڑھائی مکمل کرلو پھر پڑھتی رہنا۔ ان خرافات کے لیے تو ساری زندگی پڑی ہے۔ توبہ...... یہ خرافات ہیں' خیر ہم بھی ڈھیٹ تھے بلا کے۔ گھر والوں کو ہار ماننی پڑی میں باز نہیں آئی ہاہاہا۔ آخر کو اپنی بھی کوئی زندگی ہے۔

۵) اچھا لکھ رہی ہیں نئی آنے والی رائٹرز اور رہا سوال کس نے متاثر کیا۔ کسی ایک کا نام نہیں لوں گا' جو اچھا لکھتی ہے وہ متاثر بھی ضرور کرتی ہے اور میں تو بس پڑھ لیتی ہوں جس کے لفظوں میں جان ہو وہ پسندیدہ لسٹ میں شامل ہو جاتی ہے۔

۶) کئی کہانیاں ایسی ہیں جنہوں نے مسکرانے پر مجبور کیا۔

۷) بیاض دل...... نئے نئے شعر پڑھنے کو ملتے ہیں اور ہم سے پوچھئے' شمائلہ آپی بہت ہنساتی ہیں۔ ہر انسان دکھوں کا مارا ہے' ہنسنے کو ترس گیا۔ دل تو جانے کب سے مردہ ہو گیا ہے۔ شرارتیں' ہنسی' مذاق سب بچپن کے ساتھ ہی رخصت ہو جاتے ہیں۔ بہت کوشش کرتا ہے انسان کے دل سے قہقہے لگائے' ہر دکھ کو ہنسی میں اڑا دے۔ لیکن دکھ ایسے بھی ہوتے ہیں بھلا انسان کی زندگی ساتھ لے جاتے ہیں۔ میں نے مٹی بھی جمع کی' کھلونے بھی لے کر دیکھے۔ زندگی پھر بھی نہ مسکرائی' بچپن کی طرح سوری جذباتی ہو گئی۔ بس شمائلہ آپی ہمیں ہنسا دیتی ہیں بلکہ ہنسنے پر مجبور کر دیتی ہیں' تھینکس آپی! یونہی ہر ایک کو ہنساتی رہیں' اجازت چاہوں گی' والسلام۔

ثوبیہ شاہین...... ملتان' ای میل

۱۔ مجھے جنوری کے پرچے کا ٹائٹل بہت پسند آیا تھا۔

۲۔ ویسے تو مجھے آنچل کی ساری ہی کہانیاں بہت پسند آتی ہیں مگر صدف آصف کے ناولٹ ''مجھے رنگ دے'' کا ہیرو شہریار میرا آئیڈیل ہے۔ بہت سمجھدار اور صاف گو، اسی ناولٹ کی ہیروئن رمان بیگ نے جیسے دل پر قبضہ جمایا ہوا ہے، اس کا کردار نا قابل فراموش ہے

۳۔ ایسا بالکل نہیں ہے۔ شاعری پڑھنے والوں کو تخیلاتی دنیا کا باسی سمجھا جاتا ہے مگر ڈائجسٹ پڑھنے والوں کے سامنے اچھائی اور برائی دونوں پہلو اجاگر ہو جاتے ہیں۔

۴۔ ہمارے گھر میں امی، باجی اور خالائیں۔ سب ہی آنچل شوق سے پڑھتی ہیں تو ایسا کوئی مسئلہ پیش نہیں آیا۔

۵۔ ویسے تو آنچل کی ساری مصنفائیں اچھا لکھتی ہیں مگر مجھے اقبال بانو، نگہت عبداللہ، نازیہ اور صدف آصف کو پڑھنا سب سے زیادہ اچھا لگتا ہے

۶۔ یادگار لمحے میں بعض اوقات ایسی مختصر تحریر پڑھنے کو مل جاتی ہے کہ بس......

۷۔ بہنوں کی عدالت جس میں ہمیں بہت سارے لکھاریوں کے بارے میں جاننے کو ملتا ہے۔

چراغ خانہ
رفعت سراج
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

ہَوا کے دوش پہ رکھے ہوئے چراغ ہیں ہم
جو بجھ گئے تو ہَوا سے شکایتیں کیسی
نہ صاحبانِ جنوں ہیں نہ اہلِ کشف و کمال
ہمارے عہد میں آئیں کثافتیں کیسی

گزشتہ قسط کا خلاصہ

بے ہوشی کے باعث پیاری بہشتن بوا کا آخری دیدار کرنے سے محروم رہ جاتی ہے۔ کفن دفن کا سارا کام دانیال کرتا ہے۔ جب کہ کمال فاروقی صاحب گھر چلے جاتے ہیں۔ سعدیہ کو بیٹے کی فکر گھیر لیتی ہے جس پر وہ کمال فاروقی صاحب سے الجھ جاتی ہیں۔ کمال فاروقی صاحب مانو آپا کو ہسپتال بھیجنے کا کہہ کر دانیال کو گھر آنے کا کہتے ہیں جس پر سعدیہ کچھ نرم پڑ جاتی ہیں' دانیال کو بھی تسلی ہوجاتی ہے۔ پیاری قبل مسیح کی ممی کی طرح چت لیٹی ہوتی ہے دانیال عالم وارفتگی میں پیاری کا ہاتھ تھام لیتا ہے لیکن پھر نرس کے آنے پر ہاتھ چھوڑ کر ایک طرف کھڑا ہوجاتا ہے نرس اسے کاؤنٹر پر مزید پیسے دینے کا کہتی ہے۔ سعدیہ کو اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ پیاری کا صرف مشہود کے علاوہ آگے پیچھے کوئی نہ تھا۔ ساتھ یہ بات بھی ہولا رہی تھی کہ کہیں بیٹا اس کے عشق میں گرفتار نہ ہوجائے۔ مانو آپا (دانیال کی پھوپو) ہسپتال پہنچ کر دانیال کو گھر روانہ کردیتی ہیں اور خود پیاری کے پاس رک کر اس کے لیے دعا کرنے لگتی ہیں۔ دانیال کئی راتوں کا جاگا ہوا تھا اس لیے بے سدھ سوگیا تھا لیکن نیند سے بیدار ہوتے ہی اسے پہلا خیال پیاری کا آیا تو فون پر خیریت معلوم کرنے کے بجائے دانیال ہسپتال پہنچ جاتا ہے۔ پیاری کے ہوش میں آنے پر مانو آپا اللہ کا شکر ادا کرتی ہیں۔ مانو آپا اپنی نیک طبیعت کے باعث پیاری کا خیال رکھ رہی تھیں لیکن انہیں پیاری اپنے بیٹے عالی جاہ کے لیے پسند آجاتی ہے۔ عالی جاہ کو بھی پیاری اچھی لگتی ہے جبکہ ابھی مانو آپا نے عالی جاہ کو صرف لڑکی دکھائی تھی جبکہ ابھی وہ دانیال کے دلی جذبات سے بے خبر ہوتی ہیں۔ سعدیہ دانیال کو ہسپتال جانے سے روکتی ہیں لیکن اس بار دانیال ماں کی بات ماننے کو تیار نہیں ہوتا ہے اور ہسپتال کے لیے روانہ ہوجاتا ہے جس پر سعدیہ پچھتاتی ہیں اور خود ہسپتال جانے کی ٹھان لیتی ہیں۔ مانو آپا پیاری کو اپنے گھر لے جانا چاہتی ہیں ان کی نظر میں بے سہارا لڑکی کا اکیلے گھر میں رہنا کسی خطرے سے خالی نہیں تھا۔ سعدیہ کمال فاروقی صاحب سے ہسپتال کا پتا معلوم کرتی ہیں' کمال فاروقی صاحب کو حیرت ہوتی ہے لیکن وہ بیگم کو ہسپتال کا نام بتا کر ایڈریس سمجھا دیتے ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)

❀......❀......❀

"اس کے آنے جانے کا کوئی پتا چلتا ہے' وہ گھر میں ہوتا تو میں آپ کو فون کیوں کرتی؟" سعدیہ نے الٹا سوال کیا۔

"اوہ....." کمال فاروقی تو اس وقت گندھی ہوئی نرم مٹی میں ڈھل گئے تھے' ان کی بیگم آخر سمجھ دار ہوگئی تھیں' انسانیت کے مظاہرے پر تل گئی تھیں۔ بڑے اچھے اور مہربان انداز میں رہنمائی کرنے لگے۔

"اتنے مہنگے ہسپتال میں علاج ہورہا ہے' بل کون بھر رہا ہے؟ بھائی بے چارہ تو لاپتا ہے اور کوئی آگے پیچھے نہیں۔ خیر پیسے والے لگتے ہیں' جب ہی تو بھائی کو تاوان والے اٹھا کر لے گئے۔" اندیشوں کی یلغار کا زور فوراً ہی ٹوٹ گیا کیونکہ

انہیں فوری ریلیف چاہیے تھا۔ اتنے مہنگے ہسپتال کے بل ادا کرنے کا تصور ہی بہت لرزا دینے والا تھا۔

ایک مخیر ادارے کو ہر ماہ کمال فاروقی باقاعدگی سے چندہ دیتے تھے۔ سعدیہ کے حساب سے وہ اپنی دولت کو ہر مہینے پاک کرلیتے تھے مزید کچھ کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

"پتا سمجھ کر ہسپتال روانہ ہونے میں انہوں نے چنداں تاخیر نہ کی۔" لشتم پشتم روانہ ہوگئیں۔

"جاکر دیکھیں تو سہی' کیا کھیل تماشہ ہورہا ہے' بیٹا باہر ہی کا ہو کر رہ گیا۔"

❁......❁......❁

دانیال جیسے ہی کمرے سے باہر گیا پیاری اٹھ کر بیٹھ گئی' سب سے پہلے تو اس نے اپنا دوپٹہ سنبھالا اور پھر سوئی ہوئی مانو پھوپو کی طرف دیکھا۔

"بے چاری میری وجہ سے کتنی بے آرام ہورہی ہیں' کتنی اچھی ہیں۔ زندگی میں کبھی نہیں ملیں مگر حق ایسے ادا کررہی ہیں جیسے خون کا رشتہ ہو۔" وہ مانو پھوپو کی طرف دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

"یہ اچانک اور حادثاتی طور پر ملنے والا رشتہ ناتا آخر اسی شخص کا تو مرہون منت تھا جسے اس نے اس طرح ٹھکرادیا تھا جیسے غلط نقشے پر آرکیٹیکٹ نے خود ہی خط تنسیخ پھیر دی ہو۔" ذہن اب دانیال کے تصور میں کھو گیا تھا۔

اسے دل کا وہ میٹھا میٹھا درد یاد آنے لگا جو دانیال کی آہٹوں سے یوں ابھرتا تھا۔ جیسے دن ڈھلنے کے بعد پورے چاند کی روشنی آہستہ آہستہ بڑھتی محسوس ہوتی ہے پھر یہ ایک دم سے کیا ہوگیا؟ سوچ اس کی ذات سے ہٹتی نہیں' دل ہے کہ مانتا نہیں۔ آخر دانیال نے اسے کیا سمجھا تھا...... اس نے اتنی ہمت کیسے کی؟ لیکن...... اس سے زیادہ ہمت تو میں نے کی' کیسا صاف انکار کیا۔ یہ الگ بات کہ انکار کے بعد زندگی پہلے سے زیادہ مشکل نظر آنے لگی۔

دل پہلے چھلکتا ہوا پیمانہ تھا' اب خالی پن کا احساس وحشت زدہ کرنے لگا ہے' پہلے چاہے جانے کا غرور تھا اس غرور میں ایک سرور تھا۔ اب گزشتہ پر ندامت کا زخم ہے۔ ستاروں کی راہ چلتے چلتے گم کردہ راہ ہونے کا احساس ستم بالائے ستم ہے اس نے بہت احتیاط سے آنکھوں کے کناروں پر آئے اشک انگلیوں کی پوروں سے جھٹکے۔

حادثات کے دھوبی پٹکے' اکیلی جان' تنہائی کا احساس' منزل کے نشان معدوم' کوئی تر و تازہ کردینے والی سوچ نہیں آئی تھی۔ جو خیال آتا تھا دل ہولانے والا' غیب کی خبر جیسا کہ جو وہم وگمان میں نہ ہو اور سامنے آجائے وہ غیب ہی تو ہے۔ غیب جس کی پیش گوئی نہیں کی جاسکتی اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔

اس کی نظر پھر مانو آپا کی سمت گئی کیونکہ انہوں نے گہری نیند میں کروٹ لی تھی۔ ان کو ہلتا جلتا دیکھ کر وہ محتاط ہوگئی مبادا وہ از خود جاگ پڑی ہیں مگر چند لمحے بعد ہی ان کے ہلکے ہلکے معصومانہ خراٹے گواہ ہوئے کہ وہ بے خبر سورہی ہیں۔ رت جگا اور دن بھر کی تھکاوٹ اتنی گہری نیند عین فطرت تھی۔ اس کی نظریں ہنوز مانو آپا پر تھیں کہ دروازہ آہستہ سے کھلا اور دانیال اندر داخل ہوا۔ دانیال کو دیکھ کر اس نے نظریں جھکالیں' دانیال کی پہلی نظر پیاری پر اور دوسری مانو آپا پر پڑی تھی۔ وہ آہستہ خرامی سے چلتا ہوا پیاری کے بیڈ کے نزدیک آکھڑا ہوا' پیاری کی نظر اس کے سیاہ جوتوں پر پڑی تو بے اختیار سر اٹھایا...... وہ اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

مانو آپا کی وجہ سے اس نے لب کشائی کے بجائے اشارے سے پیاری کا احوال دریافت کیا۔ اس کے دونوں ہاتھ ابھی فضا میں معلق تھے اور پیاری گردن کے اشارے سے کہہ رہی تھی کہ "میں ٹھیک ہوں" کہ دروازہ کھلا' دروازہ کھلنے کی آہٹ پر دانیال نے بے اختیار پیچھے پلٹ کر دیکھا۔ اس کے دونوں ہاتھ ابھی بھی "ہینڈز اپ" کے انداز میں تھے۔

پیاری کی گردن ٹیڑھی کی ٹیڑھی رہ گئی کیونکہ سامنے سعدیہ بڑے کڑے تیور کے ساتھ دونوں کو گھور رہی تھیں۔

دانیال ماں کو یوں اچانک سامنے پاکر دم بخود رہ گیا اس پر طرح ان کی آنکھوں میں شکوک کی نرم آگ کی لپٹیں...... آخر ان کی اولاد تھا' ان کے چہرے سے ہیڈ لائن پڑھ لیتا تھا۔

"آئیے ممی...... ! یہ تو سرپرائز ہے۔" وہ اب خجل انداز

میں مسکرا کر یوں کہہ رہا تھا گویا کوئی جرم کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہو۔ لفظ ممی کا منہ سے نکلنا تھا کہ پیاری گھبرا کر بیڈ سے اترنے کی کوشش کرنے لگی۔ ایک تو ہسپتال کا لباس دوسرے گھبراہٹ گویا کوئی نئی افتاد آ پڑی ہو۔

دانیال کا انداز محتاط اور آواز دبی ہوئی تھی' سعدیہ نے مگر اپنی مخصوص ٹون میں کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ دانیال نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر مانو پھوپو کی طرف اشارہ کیا کہ پھوپو سو رہی ہیں۔

''یہ تیمارداری ہو رہی ہے کہ فل عیش ہو رہے ہیں۔ گھر بار چھوڑ چھاڑ مزے سے پڑی سو رہی ہیں۔'' سعدیہ کا خون کھول رہا تھا۔ حریف میں کبھی کوئی خوبی نظر نہیں آتی' تنقید و کدورت کی عینک سے ہر خوبی گدلی اور دھندلی نظر آتی ہے۔

''اچھا تو یہ ہے وہ...... اس کی طبیعت تو کہیں سے خراب نہیں دکھتی۔ خوب آرام سے بیٹھی اشاروں میں باتیں کر رہی ہے۔'' سعدیہ نے پھٹ پڑنے والی قوت کو بمشکل لگام ڈالیں اور دبے دبے لہجے میں گویا ہوئیں۔

''ممی...... یہ ہسپتال کا روم ہے' گھر کا بیڈ روم نہیں۔'' دانیال نے شرمندگی سے زرد پڑتی پیاری کی طرف دیکھ کر خجالت آمیز انداز میں کہا اور بڑی بے اختیاری میں کہا تھا اس لیے اس مرتبہ آواز بھی نارمل تھی۔

''کون......؟'' مانو آپا نیند میں کسمسائی تھیں۔

''کیا وقت ہو گیا ہے پیاری؟ ارے میں سوتی رہ گئی' اللہ توبہ استغفار۔ بیٹا...... مجھے جگا دیا ہوتا۔'' وہ نیند بھری آنکھیں بمشکل کھولتی اٹھ کر بیٹھ رہی تھیں اور سرہانے پڑا دوپٹہ ہاتھ بڑھا کر اٹھایا۔ پیاری کی قدرے جان میں جان آئی۔

''السلام علیکم پھوپو! سوری...... میری آواز سے آپ کی نیند خراب ہو گئی۔''

''وعلیکم السلام میرا بیٹا...... پیاری آرام کر رہی تھی نرس نے انجکشن بھی لگا دیا تھا میں نے سوچا......'' مانو آپا کا جملہ تان سین کی کوئی تان بن گیا۔ یک دم نظر سعدیہ پر پڑی تھی جنہوں نے اپنی بدمزگی چھپانے کے لیے نظروں کا رخ موڑ کر بڑی بے دلی سے سلام کیا تھا۔

''السلام علیکم آپا! مجھے تو بہت شرمندگی ہو رہی ہے' آپ آرام کر رہی تھیں اور میری وجہ سے آپ کے آرام میں خلل پڑ گیا۔'' سعدیہ کے طنز کو مانو آپا نے شاید محسوس نہ کیا ہو کیونکہ ابھی وہ نیند کے اثر میں تھیں مگر پیاری کو ضرور محسوس ہوا کہ جملہ مہربان مگر لہجہ ظالم ہے۔ دانیال کے لیے یہ انداز نئے ہوتے تو وہ ضرور غور کرتا۔

''ماشاءاللہ...... روم تو وی آئی پی ہے' ہر طرح کی سہولت ہے۔ مہنگا بھی ہوگا۔'' سعدیہ کی نظر اب دانیال پر تھی۔

''ارے اللہ دشمن کو بھی اس وی آئی پی کمرے میں نہ لائے' ہسپتال کا تو نام ہی برا۔'' مانو آپا نے جھک کر سلیپر پاؤں میں پھنساتے ہوئے اللہ سے پناہ مانگی۔

''اس لڑکی کی طبیعت تو اب ٹھیک لگ رہی ہے' کب ڈسچارج کرنے کا کہتے ہیں؟'' سعدیہ نے گہری تفصیلی نگاہ پیاری پر ڈالی۔

''بچی کو اللہ نے نئی زندگی دی ہے' گھنٹوں بعد ہوش آیا ہے۔ وہ تو زمانے بھر کے انجکشن گھونپ گھونپ کر لیٹے سے بٹھایا ہے' پانچ سات تو ابھی تک ڈرپ لگی ہیں۔ ڈاکٹر بھی حیران بچی کے جسم سے پانی کہاں گیا؟ شکر ہے اللہ نے رحم کر دیا۔ تم کھڑی کیوں ہو' بیٹھ جاؤ۔'' مانو آپا واش روم منہ پر چھینٹے مارنے جا رہی تھیں۔ چلتے چلتے خیال آ گیا کہ سعدیہ ساری باتیں کھڑے کھڑے کر رہی تھیں اور سعدیہ تھیں کہ پیاری کو دیکھ کر ہراساں ہی ہو گئی تھیں۔

''کیا ٹوٹ کر جوانی آئی ہے اس لڑکی پر' سر سے پاؤں تک سات سروں کا راگ' اسی لیے بھاگا دوڑا پھرتا ہے راتوں کو۔''

''نہیں بس اب میں چلوں گی' میں تو مریضہ کی عیادت کرنے آئی تھی' تھینک گاڈ یہاں تو سب ٹھیک ٹھاک ہیں۔'' بولتے بولتے ان کی سلگتی ہوئی گلہ آمیز نظریں دانیال پر تھیں جو ماں کے لب و لہجے اور نظروں کے انداز بہت اچھی طرح محسوس کر رہا تھا اور بظاہر ٹرالی پر رکھی دوائیوں اور انجکشن کے عمیق مطالعے میں مصروف نظر آ رہا تھا۔ پیاری بھی سعدیہ کے شاہانہ جاہ و جلال کو محسوس کر کے اپنی ساری خود اعتمادی

سے دست بردار ہوئی بیٹھی تھی۔ دل کی دھڑکنوں کی دھمک کانوں کے پردوں سے ٹکرا رہی تھی جو دل کی ہنگامی کیفیت کا اعلان تھا' نظریں اٹھانا توبہ...... یوں لگتا تھا گویا کسی نے زمین کا ڈھکن کنارے سے پلٹنے کا کہہ دیا ہو۔

''دانیال...... چل رہے ہو؟'' سعدیہ نے قدم بڑھاتے ہوئے کڑے تیور سے بیٹے کی طرف دیکھا۔ مانو آپا ابھی واش روم میں ہی تھیں۔

''آپ چلیں ممی...... آتا ہوں تھوڑی دیر میں۔'' آخر وہ بھی بیٹا تو سعدیہ کا تھا۔ فطرت کا اصول ہے' جواب گھر سے ہی پیدا ہوتے ہیں جو جواں مرد ہر طرح کا رشتہ موجود ہوتے ہوئے اپنی پسند کی لڑکی سے شادی کرنے کا فیصلہ کرسکتا ہے وہ پھر جراتوں کے سلسلے دراز بھی کرسکتا ہے۔

خوف تو پہلی چھلانگ کے وقت ہوتا ہے اس کے بعد تو کھائی' کنویں' پہاڑ سب پھلانگے جاسکتے ہیں۔ سعدیہ کھولتی ہوئی باہر چلی گئیں اور اپنی انا میں دروازہ چوپٹ کھول گئیں گویا کسی کے باپ کی نوکر نہیں ہوں کہ دروازے بھی بند کروں دانیال نے ان کے جانے کے بعد آگے بڑھ کر درواہ بند کیا۔ پیاری کو دانیال کی متوقع نظروں سے الجھن ہونے لگی' اس نے بے اختیاری کیفیت میں واش روم کے دروازے کی طرف دیکھا غالباً مانو پھوپو وضو کررہی تھیں۔

''میری بات ہوئی ہے ڈاکٹر سے وہ ایک دن مزید آپ کو رکھیں گے۔ ڈاکٹر کا خیال ہے آپ کا لیور قدرے متاثر ہے' بلڈ ٹیسٹ ہوا ہے رپورٹ شام تک آئے گی۔'' پیاری نے نظریں جھکا کر صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ اسی لمحے مانو پھوپو واش روم سے باہر آگئیں۔ دروازہ بند کرکے پلٹیں تو سعدیہ کو نہ پاکر حیرت سے دانیال کی طرف دیکھا۔

''سعدیہ چلی گئیں۔''

''جی پھوپو' شاید ان کو کچھ اور کام بھی تھے۔'' دانیال نے چیئر پر بیٹھتے ہوئے بات بنانے کی کوشش کی۔

''کمال ہے عیادت کے لیے آئی تھیں کچھ دیر تو بیٹھتیں۔'' مانو پھوپو نے دوپٹہ ٹھیک سے لپیٹتے ہوئے بڑبڑاہٹ کے انداز میں کہا۔

''بس پھوپو...... آپ کو تو پتا ہی ہے ممی کا تو لائف اسٹائل ہی ایسا ہے ہر وقت مصروف رہتی ہیں۔'' ماں کا بھرم رکھنا بھی بہت ضروری ہوتا ہے۔ وہ پیاری کے سامنے یہی کہہ سکتا تھا' پیاری یوں بیٹھی تھی گویا کانوں پر ڈھکن چڑھے ہوئے ہوں۔

''آج تو چھٹی کا منع کردیا ہے۔'' مانو پھوپو دانیال کے قریب آکر گویا ہوئیں۔

''جی' میری بات ہوئی ہے ڈاکٹر سے۔'' پھوپو کی موجودگی میں وہ بہت محتاط تھا کہ غلطی سے بھی پیاری پر نظر نہ پڑے۔ پھوپو نے تو اس کے دیکھنے کو دیکھنا تھا۔

''دیکھو بیٹا...... میں نے بہت سوچ کر فیصلہ کیا ہے کہ اس بچی کو اپنے گھر لے جاؤں' اکیلے گھر میں اس کا رہنا ٹھیک نہیں۔ ابھی نئے نئے صدموں کا دماغ پر اثر ہے اور اکیلے میں انسان کو ہر طرح کی سوچ آتی ہے۔'' مانو پھوپو دانیال کو آئندہ کا لائحہ عمل بتارہی تھیں۔ دانیال نے چونک کر پھوپو کی شکل دیکھی۔

''جی......؟''

''سیدھی سی بات ہے سعدیہ تو شاید ذمہ داری اٹھانا پسند نہ کریں' اب مجھے تمہیں ہی تو اس کا سوچنا ہے۔'' مانو پھوپو نے پیاری کی طرف دیکھتے ہوئے بڑی اپنائیت سے کہا۔ پیاری بھی اب بہت پریشانی کی کیفیت میں مانو پھوپو کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''پھوپو ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہیں' اس کے سوا راستہ ہی کوئی نہیں۔'' دانیال کے دل نے حالات کے پیش نظر فوراً ہی تصدیق کی۔

''بس اب تمہیں چکر لگانے کی ضرورت نہیں' کل ڈسچارج کردیں گے تو میں گھر سے گاڑی منگوا کر اسے ساتھ لے جاؤں گی بلکہ راستے میں اس کے گھر سے اس کے کپڑے اور ضروری چیزیں بھی لیتی جاؤں گی۔'' مانو پھوپو نے دیوار پر نصب وال کلاک کی طرف دیکھا وہ نماز کے وقت کا اندازہ بھی ساتھ ساتھ لگارہی تھیں۔

''میں آجاؤں گا پھوپو...... کوئی مسئلہ نہیں۔'' دانیال نے

جز بز ہو کر کہا۔ یہ کیا ہونے جارہا تھا؟ پھوپو کے آنے کے بعد اب اس کی ضرورت ہی نہیں وہ الجھنے لگا۔

"بیٹا...... ابھی تم نے اپنی ماں کا موڈ دیکھا؟ تم ماں کو سنبھالو میں اس بچی کو سنبھال لوں گی اب اس کی طرف سے تم بے فکر ہو جاؤ۔" مانو پھوپو پورا زور صرف کر کے دانیال کو مطمئن کر رہی تھیں۔ پیاری سر جھکائے یوں بیٹھی تھی جیسے وہ دونوں کسی اور کی بات کر رہے ہوں اس کا اس سارے قصے سے کوئی تعلق ہی نہ ہو۔

"وہ آپ کہہ رہی ہیں کہ پیاری کو گھر سے ضروری چیزیں بھی لینا ہیں کافی سامان ہوگا میں آجاؤں گا پھوپو۔"

"بیٹا ڈرائیور ہوگا ناں اٹھا رکھنا کرلے گا۔ تمہیں بھی تو اپنے کام کرنے ہوتے ہیں۔ جس جگہ تمہاری ضرورت پڑے گی میں خود فون کر کے تمہیں بلالوں گی اب تم سکون سے اپنے کام کرو۔" مانو پھوپو محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر بھتیجے کو ہلکا پھلکا کر رہی تھیں ان بے چاری کو کیا خبر تھی کہ وہ دیوار چین تعمیر کر رہی ہیں۔ پیاری دانیال کی کیفیت خوب اچھی طرح جانچ سکتی تھی۔ دانیال کا لاجواب ہونا اس کی حس لطیف کو گدگدا رہا تھا۔

یوں بھی غزل میں محبوب کا طرح دینا سنگ دل ہونا نگاہ پھیرنا آس بندھا کر توڑنا۔ دل چیک کر کے کسی کام کا نہ ہونے کا اعلان کرنا قسم کے موضوعات چھیڑے جاتے ہیں۔ عاشقانِ نامراد کے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے تو غزل کا فارمیٹ ایجاد ہوا۔ محبوب کی کیمسٹری تو روزِ ازل سے ایک ہی کلیہ یا فارمولے پر ہے اور رہے گی۔ کیمیائی تبدیلی آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا فطرت اپنے آپ کو منوانا جانتی ہے۔

"ٹھیک ہے پھوپو! مگر بہتر ہے کہ پیاری سے بھی پوچھ لیا جائے۔ آپ نے اپنی طرف سے جو تعاون کیا اس کا صلہ تو کوئی دے ہی نہیں سکتا مگر جس کی پرابلم ہے اس سے بھی مشورہ کرنا یا اس کی رضامندی معلوم کرنا بہت ضروری ہے۔" دانیال کو اچانک سوجھی کیونکہ وہ مانو پھوپو کے ساتھ پیاری کی زندگی کے اہم فیصلے کر رہا تھا۔ یہ تو پتا کرنا چاہیے کہ وہ خود اپنے بارے میں کیا سوچ رہی ہے؟

"بیٹا...... یہ اکیلے گھر میں رہنے کی ضد بھی کرے گی تو میں اس کی نہیں سنوں گی اللہ کو بھی جواب دینا ہے۔ آج کل ایسے حالات ہیں کہ جوان جہان بچی اکیلے ڈھنڈار گھر میں رہے؟ یہ میری تمہاری اخلاقی ذمہ داری ہے ایسے مشکل وقت میں ہی تو رشتے اور ناتے نبھائے جاتے ہیں۔" مانو پھوپو کا اٹل ارادہ ان کے فیصلہ کن لہجے سے جھلک رہا تھا۔

دانیال نے بے اختیار نظر اٹھا کر سوالیہ انداز میں پیاری کی طرف دیکھا۔ پیاری بہت ہلکی پھلکی سی نظر آرہی تھی۔ جس کا سیدھا سا مطلب تھا وہ مانو پھوپو کے فیصلے سے مطمئن اور خوش ہے۔ ظاہر ہے وہ تکلیف میں کسی قسم کا رسک لینا نہیں چاہتی تھی۔

"اب تم نے اپنی ماں کا رویہ تو خود ہی دیکھ لیا یہ وہاں تو کسی صورت نہیں رہ پائے گی۔"

"کسی صورت؟" مانو پھوپو کے اٹل انداز نے دانیال کو دہلا کر رکھ دیا۔ مستقبل کے امکانات مایوس کن ہوں تو دل ویسے ہی ویران ہو جاتا ہے۔ مانو پھوپو کے اس بے ساختہ فقرے پر تو پیاری کے سکون میں بھی دراڑ پڑی تھی۔

دانیال اسے فیصلے سنا رہا تھا اور ماں کا یہ حال تھا اسے ایک زخم سا دل پر محسوس ہوا۔ ساتھ ہی احساس تشکر بھی کہ اس نے ایک جرأت مندانہ فیصلہ کر کے خود کو اور دانیال کو ایک بڑی مصیبت سے بچا لیا تھا۔

"ٹھیک ہے پھوپو اب میں چلوں گا میری ضرورت ہو تو فون کر لیجیے گا۔" پیاری کو یوں لگا بظاہر وہ مانو پھوپو سے مخاطب ہے دراصل اسے سنا رہا ہو۔

"جگ جگ جیو تمہاری ضرورت تو قدم قدم پر ہے۔ ارے آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں تمہیں دیکھ کر۔ اللہ سے دعا کرو ساتھ خیریت کے پیاری کا بھائی بہن سے آملے اور ہم امانت اس کے حوالے کردیں۔ وہ جہاں ہے اللہ اس کی حفاظت کرے بری بلا سے بچائے آمین۔" مانو پھوپو ہاتھ اٹھا کر دعا کر رہی تھیں آواز میں رقت تھی۔ ایک جھماکا ہوا مشہود سامنے آن کھڑا ہوا۔

پیاری کے دل میں مانو پھوپو کی قدر و قیمت کا احساس یوں اترا جیسے پیاسی زمین پر بارش کا پہلا قطرہ، جسے زمین کا ذرہ ذرہ یوں سمیٹتا ہے جیسے آفت میں لوگ جمع پونجی سنبھالتے ہیں۔

''کتنی انسانیت ہے دوسرے کا دکھ اپنے دکھ کی طرح محسوس کرتی ہیں۔'' پیاری کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی۔ اس لمحے اسے یہ خیال نہ آیا کہ مانو پھوپو اسے دانیال کے توسط سے ملی ہیں، یہ دانیال کی دور پار کی نہیں سگی پھوپو ہیں۔

❀......❀......❀

''بھئی اپنی تو سمجھ میں نہیں آئی یہ ڈرامہ بازی۔ بیمار فریش بیٹھے اشاروں میں باتیں کررہے تھے، تیماردار لمبی تان کر سو رہے تھے۔ ارے کوئی سیریس بیمار ہوتا تو سنبھلتے سنبھلتے ہفتہ تو لگ ہی جاتا ہے۔ میں تو بڑی ہمدردی میں عیادت کرنے گئی تھی مگر......''

''اب سانس بھی لے لو۔'' کمال فاروقی نے ہاتھ میں پکڑا اسیل فون سینٹر ٹیبل پر رکھتے ہوئے بہت صبر و برداشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے نارمل انداز میں بریک لگائے۔

''اچانک بڑے صدمے سے بندے کا نروس بریک ڈاؤن ہوجاتا ہے، سیکنڈوں میں بات بنتی یا خدانخواستہ بگڑ جاتی ہے۔ چلتا پھرتا کام کرتا انسان ہاتھوں میں آجاتا ہے۔ اللہ نہ کرے وہ بچی کوئی دائمی مریضہ نہیں ہے۔'' کمال فاروقی نے خود پر کنٹرول کرتے ہوئے سمجھانے کی کوشش کی ان کے پیش نظر بہت کچھ تھا۔

پیاری کی دیکھ بھال اور حفاظت کا مرحلہ تھا، جو ظاہر ہے دانیال ہی کو طے کرنا تھا اور سادہ سا مطلب تھا کہ دانیال کو اپنی فیملی کی مورل سپورٹ کی قدم قدم پر ضرورت پڑنا تھی اس کے لیے ضروری تھا سعدیہ سے بنا کر رکھی جائے اسی وجہ سے وہ بڑے ضبط کا مظاہرہ کررہے تھے۔

''کچھ بھی ہو مریضہ کہیں سے نہیں دکھتی اور جو کچھ میں دیکھ کر آرہی ہوں اس سے بہتر تھا کہ نہ ہی جاتی۔ کم از کم دماغ کو کچھ سکون تو ہوتا۔''

''اب میں یہ تو ہرگز نہیں پوچھوں گا کہ تم وہاں کیا دیکھ کر آرہی ہو؟ مگر یہ ضرور سمجھتا ہوں کہ اس وقت اس بچی کو حقیقی تعاون اور مدد کی ضرورت ہے اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ دانیال اس کے ساتھ کچھ زیادہ ہی ہمدردی کررہا ہے، جو تمہارے حساب سے نہیں کرنا چاہیے تو بھی کوئی حرج نہیں۔'' کمال فاروقی نے سعدیہ کی بے معنی طویل بات سے بچنے کے لیے قطع کلامی کی۔

''دانیال کی شادی کرنا ہے ناں، آج نہیں کل سہی اگر مشہود کی بہن کے لیے سوچ لیا جائے تو اچھی بات ہے۔'' کمال فاروقی سعدیہ کے سلگتے تبصرے سے بہت کچھ اخذ کرچکے تھے انہوں نے بیگم کو کھل کر بولنے کا موقع نہیں دیا کہ پرائی بچی کی عزت پر زد و ضرب ان کی حیادار طبیعت کو گوارا نہ تھی۔ کمال فاروقی تو کہہ گئے مگر سعدیہ کی حالت اتنی غیر ہوئی کہ منہ کھلا کا کھلا رہ گیا، آنکھیں استطاعت بھر پھیل کر کمال فاروقی کے چہرے پر ٹک گئیں۔ ہر معاملے میں قینچی کی طرح چلتی زبان جیسے کوئی قینچی سے کتر گیا تھا۔ کمال فاروقی نے عالم تحیر دیکھ کر خاموشی اختیار کرلی آخر انہیں بھی تو کبھی کبھی لاجواب کرنے کا کریڈٹ ملنا چاہیے تھا۔

''ماں کا پتا نہ باپ کا، ہم کیوں لینے لگے؟'' بالآخر ایک انگارے کی طرح دہکتا جملہ فضا میں گونجا۔

''بھائی کا تو پتا ہے؟ خاندانی لڑکیوں کے بھائی بھی ہوتے ہیں اور بھائی بھی کوئی گیا گزرا نہیں، جم کر کما رہا تھا۔ کام تو اس نے میرے ساتھ بھی کیا ہے ناں؟ میری وجہ سے تو اس کی دانیال سے ملاقات ہوئی، جب سے دانیال آفس میں ذمہ داریاں سنبھالنے لگا تو وہ دونوں ساتھ ہوگئے میں درمیان سے خود بخود ہٹ گیا۔ لائق فائق گولڈ میڈلسٹ انجینئر، چالیس سال سے ڈیڈ فیکٹری کو زندہ کرنا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ میرے دل میں تو اس کی بہت قدر ہے اس وقت وہ آفت ناگہانی میں مبتلا ہے۔ میں اس کے بارے میں کچھ غلط سوچنا بھی نہیں چاہتا، اللہ اس کی حفاظت کرے، خاندانی بچہ ہے۔'' کمال فاروقی ایک کامیاب اور مدبر انسان تھے، وہ جانتے تھے جب اپنی بات منوانا ہو یا کسی خواہش کی تکمیل مطلوب مقصود ہو تو جنگ کا راستہ اعلیٰ درجہ کی دیوانگی و حماقت

ہے ورنہ عام حالات میں وہ صاف صاف لگی لپٹی بات کرنے کے عادی تھے جس کی وجہ سے ماحول میں گرمی پیدا ہوجاتی تھی۔

لفظ خاندانی پر جس طرح کمال فاروقی نے وزن ڈالا تھا وہ وزن دراصل سعدیہ کے کلیجے پر پڑا تھا۔ ایک یہی نقطہ اختلاف تھا جو کمال فاروقی نے پانی پر لکھے کی طرح مٹادیا۔

''میں چاہتی ہوں میرے بیٹے کا بھرا پُرا اسرال ہو سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دینے والے ساس سسر ہوں۔'' سعدیہ کو فوراً ہی نئی منطق سوجھی۔

''آپ کچھ نہیں چاہتیں سعدیہ بیگم..... آخر میں نے آپ کے ساتھ رہتے ہوئے ہی یہ سر کے بال سفید کیے ہیں' مجھ سے سنئے آپ کیا چاہتی ہیں؟''

''مجھے کچھ نہیں سننا آپ نے اپنے پرانے کینے کپٹ نکالنا ہیں تو یہ بہت اچھا موقع ہے۔ بولیے میں سن رہی ہوں۔'' سعدیہ کا جواب ترکی بہ ترکی تھا' طنز کی آتش سے آتش افشانی تھی۔

''آپ چاہتی ہیں کہ جو آپ چاہیں وہی سب چاہیں' آپ کی خوش قسمتی کی انتہا یہ ہے کہ آپ کے دماغ کی لگام دل نے تھام رکھی ہے' خیال کیجیے دل پر اتنا کام ڈالنا ٹھیک نہیں۔ خیر یہ ایک سیریس معاملہ ہے اس پر دانیال کو ساتھ بٹھا کر بات کریں گے۔'' کمال فاروقی نے فطری فراست سے قصہ کوتاہ کیا اور ٹیبل سے اپنا موبائل اٹھا کر لان کی طرف چل پڑے۔ سعدیہ جاتے ہوئے شوہر کو یوں گھور رہی تھیں گویا وہ ان کے خزانوں کی چابیاں جیب میں بھر کر لیے جارہے ہو۔ ساتھ کہہ رہے ہوں کہ پیچھے نہ آنا ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔

❀......❀......❀
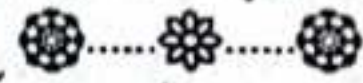
شام کے سائے میں دھوپ کی آمیزش ہلکی پڑی تو مانو آپا پیاری کو روم سے نکال کر لان میں لے آئیں۔ ہسپتال کے کپڑوں میں لان میں واک کرنا پیاری کو گوارا نہ تھا اس کا حل مانو پھوپو نے یہ نکالا کہ اپنی نماز کی آف وائٹ چادر اسے اوڑھا دی اور چادر اوڑھتے ہی پیاری کو احساس ہوا گویا وہ کسی پنجرے میں قید تھی۔ ذرا سا راستہ ملا تو اڑان بھرنے کو خود بخود طبیعت مچلی۔

وسیع وعریض سبزہ زار میں آ کر اس نے کھل کر سانس لیا' افق پر اترنے والی شفق (جو قدرت کی شاہکار صناعی ہے) کو دیکھ کر اسے احساس بے بسی کی کیفیت سے یک دم آزادی محسوس ہوئی۔ کھلا آسمان' امیدوں کی وسعت کا استعارہ بن گیا۔

''میں مری تو نہیں' زندہ ہوں۔ مجھ جیسے بے شمار انسان کیا کچھ نہیں کررہے' کسی نے میرے ساتھ کچھ نہیں کیا۔ غلطی تو میری ہے' میں نے اپنی بے بسی کا اظہار کیا تو کسی نے کوئی راستہ نکالا۔ نہ میں کمزور پڑتی' نہ کسی کی ہمت ہوتی۔ قصوروار تو میں خود ہوں جو بھی کسی زندہ لاش کو دیکھے گا کچھ نہ کچھ تو کرے گا۔ لاش کو کوئی پوچھے نہ پوچھے زندہ لاش کو تو ردعمل ہدیہ ہوں گے۔''

مانو آپا اس کے ساتھ واک کرتے ہوئے تسبیح پڑھ رہی تھیں' ہر گرتے دانے پر پیاری کو خود کو کوسنے کے لیے نیا لفظ مل جاتا تھا۔

''اس کو دیکھو صاف کورا جواب پا کر بھی دوستی کی شرم میں ابھی تک ساتھ دے رہا ہے۔'' وہ کتنا شرمندہ ہوگا۔

''ذمہ دار تو میں ہوں۔'' مانو آپا کی تسبیح اور پیاری کی خود کو ملامت ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ دانیال تو سعدیہ کے جاتے ہی بغیر کچھ کہے غائب ہوگیا تھا۔ مانو آپا کا خیال تھا سعدیہ اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتی گئی تھیں جبکہ پیاری کا خیال تھا کہ اب وہ پیاری کے سامنے زیادہ دیر بیٹھ ہی نہیں سکتا۔

''اللہ نے چاہا تو تمہارا بھیا ساتھ خیریت کے ساتھ جلد تم سے آن ملے گا۔'' پیاری کی خود فراموشی کی کیفیت سے مانو پھوپو نے یہی اندازہ لگایا کہ اس وقت وہ اپنے بھائی کی یاد میں گم ہے۔

بوا تو مکانِ ابدی میں جابسیں' جس کا صبر ہر انسان کو اپنے پیارے کی دائمی جدائی پر آ ہی جاتی ہے۔ صبر اس کا نہیں آتا جو پیارا ہو اور لاپتا بھی' اسی وجہ سے مانو آپا کے لہجے میں قطعیت اور تسلی میں زور تھا۔

"جی.....؟ جی جی....." پیاری چونک کر خیالات کے بحرِ ذخائر سے باہر آئی۔ ایک تازیانہ افق میں ڈوبتے سورج نے یوں رسید کیا' جیسے کوئی ادھار چکایا ہو۔ پیاری لال پڑتے سورج پر ہی نظریں جمائے ہوئے تھی۔ مانو آپا کا جملہ ساعت سے ٹکرایا اور دن بھر قہر کی طرح برستا سورج افق میں یوں معدوم ہوگیا گویا اپنی ساری توانائیاں' روشنیاں زمین کو پاتال تک دان کرکے خالی ہوگیا ہو۔ غیر محسوس طور پر سورج ماں جائے کا استعارہ بن گیا۔

"بہت چمک رہا تھا میرا بھائی.....کہیں کہیں....." وہ مانو آپا کی طرف وحشت زدہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ یہ کیا ذکر کردیا پھوپو' ڈوبتے سورج کے ساتھ میرا دل بھی ڈوبنے لگا۔

"وہم کیوں آیا.....؟ دل اس انداز میں کیوں دھڑکا؟"

"دونوں وقت مل رہے ہیں بیٹا..... دعا کرو بڑے کہتے ہیں یہ قبولیت کا وقت ہے۔" پیاری نے بے ساختہ دونوں ہاتھ اٹھادیئے' جیسے کوئی نونہال ماں کے سکھائے پر چل رہا ہو۔

"مشہود بھائی آجائیں' یا اللہ میرا بھائی..... میرا باپ' میری ماں' میرا دوست جہاں ہو تیری پناہ میں ہو۔ یا اللہ انہیں میری دعاؤں کے سائے میں چھپالے۔ اپنی حفاظت میں لے لے۔" آنسوؤں کے پھندوں نے الفاظ گم کردیئے مگر معنی آسمان پر ستاروں کی طرح چمک رہے تھے۔

❁ ❁ ❁
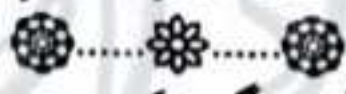
دانیال خاموشی سے گھر آکر سیدھا اپنے بیڈروم میں چلا گیا تھا' اس کی گھر آمد کا پتا سعدیہ اور کمال فاروقی کو نہیں تھا۔ دونوں اپنے تئیں سوچ بیٹھے تھے کہ وہ ابھی ہسپتال میں ہوگا۔ مانو پھوپو کے تعاون نے اسے بہرحال ذہنی طور پر ہلکا پھلکا کردیا تھا اب اسے یہ فکر نہیں تھی کہ وہ ہسپتال میں اکیلی ہے۔

ذہن کو سکون میسر آیا تو وہ آگے کا لائحہ عمل سوچنے لگا۔ مانو پھوپو اسے اپنے گھر لے جانے پر بخوشی آمادہ تھیں مگر وہ سوچ رہا تھا کہ پیاری پھوپو کے گھر زیادہ سے زیادہ کتنے دن قیام کرسکتی ہے؟ مشہود کی طرف سے مکمل خاموشی تھی۔

پولیس تسلیاں دے رہی تھیں کہ مغوی کی تلاش جاری ہے' جس نمبر سے کئی کالز آئی تھیں۔ وہ بھی پولیس کو دے دیا تھا اور پولیس اسی نمبر کو بیس بنا کر اپنا کام کررہی تھی مگر اس ملک میں محکمہ پولیس کی جو کارکردگی چلی آرہی تھی اسے پیش نظر رکھ کر کوئی امید دل کو تقویت نہیں دیتی تھی اور ذہن مسلسل واہموں و اندیشوں میں الجھا رہتا تھا اور اتنے دن کی خاموشی سے تو مشہود کا خیال آتے ہی عجیب سی وحشت طاری ہونے لگتی تھی۔

"مانو پھوپو کا احساسِ ذمہ داری اپنی جگہ مگر پیاری خود بھی زیادہ دن ان کے گھر ٹھہرنا پسند نہیں کرسکتی۔" وہ ہنوز سوچ رہا تھا۔

پیاری فیصلہ سنا چکی ہے اس کے فیصلے کے بعد دوسرا حل نکالنا بھی دانیال ہی کی ذمہ داری تھی اور دوسرا حل تو یہی تھا کہ وہ سر دھڑ کی بازی لگا کر میدان میں کود جائے اور اعلان کردے کہ اسے ہر قیمت پر پیاری سے شادی کرنا ہے۔ وہ اس انتہا تک ہی سوچ سکتا تھا اس کے بعد اگر اسے کہہ دیا گیا کہ ہم تمہاری خواہش پر چلنے کے پابند نہیں تو وہ یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ ٹھیک ہے پھر میں خود ہی کرلیتا ہوں' خود ہی کرنہیں سکتا تھا۔ خود کرنے کی بات کی تھی تو پیاری نے صاف انکار کیا تھا اب سوچ پھر الجھنے لگی' الفاظ منتشر ہونے لگے۔

"کیا کرنا ہوگا..... کیا کرنا چاہیے؟" اس سے آگے ذہن صاف سلیٹ بن رہا تھا۔

❁ ❁ ❁

روم میں واپس آکر مانو پھوپو تو فوراً مغرب کی نماز ادا کرنے لگیں۔ پیاری کے قدم لڑکھڑا رہے تھے تھوڑی دیر کی واک سے ہی اسے اندازہ ہوگیا کہ تھکن سے انگ انگ ٹوٹنے لگا ہے اسے سمجھ نہ آئی کہ وہ اتنی کمزور کیوں ہوگئی ہے؟ اسے ابھی یہ ادراک نہیں تھا کہ انسان کا اعصابی نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہونے لگے تو جسمانی توانائی ایسے بھاگتی ہے جیسے اعلیٰ درجے کے خوف میں ہر طرح کا نشہ ہرن ہوتا ہے۔

جسمانی توانائی اعصابی قوت کا دوسرا نام ہے' اعصابی نظام مضبوط ہو تو جذبے بیدار ہوتے ہیں اور روح طاقت ور

ہوتی ہے اور جذبے کی قوت کے بغیر انسان زندہ لاش بن جاتا ہے۔ اسے اپنا سر چکراتا ہوا محسوس ہو رہا تھا مگر اس نے مانو آپا پر اپنی کیفیت ظاہر نہیں ہونے دی اور کمال مہارت سے خود کو کھینچ کھانچ کر بیڈ کے کنارے تک پہنچایا مانو پھوپو وضو کے لیے واش روم گئیں اور وہ بھر بھری مٹی کی طرح بیڈ پر ڈھے گئی اور آنکھیں بند کرلیں۔ ہتھیلیاں جل رہی تھیں' کانوں پر تیز دھڑکن کی دھمک پڑ رہی تھی۔

وہ خود کو سنبھالنے کی تگ ودو میں لگ گئی' عجیب بے بسی کی کیفیت تھی۔ مشہود کی یاد نے اسے لمحوں میں توڑ کر رکھ دیا تھا۔ ہنستا مسکراتا پیارا بھائی آس پاس ہی محسوس ہو رہا تھا' بھائی کے تصور کے سوا اور کوئی تصور نہیں تھا۔ بھائی کی تصوراتی' خیالی تکلیفیں دل میں درد کی ٹیسیں اٹھا رہی تھیں۔

اسے قطعی ہوش نہیں تھا کہ مانو آپا واش روم سے کب باہر آئیں اور کب عالی جاہ دروازہ کھول کر اندر آیا۔ عالی جاہ نے ماں کو خشوع خضوع کے ساتھ نماز ادا کرتے دیکھا اور پھر بے اختیار پیاری کی طرف' وہ بے ترتیب سے انداز میں لیٹی ہوئی تھی تھوڑی آڑی ترچھی تکیہ سر سے دور بیڈ کے کنارے پر دراز۔ بیڈ بائیں جانب اتنا خالی تھا کہ برابر میں کوئی اور بھی آرام سے سو سکتا تھا۔

پیاری کے لیٹنے کا انداز غیر معمولی تھا۔ آنکھیں بھی بند تھیں' عالی جاہ قدرے تشویش میں مبتلا ہوا' چند قدم مزید آگے بڑھا پھر رک کر ماں کی طرف دیکھا۔ وہ رکوع میں تھیں' عالی جاہ قدرے تذبذب میں مبتلا ہونے کے بعد مزید آگے بڑھا اور پیاری کی کلائی پر دو انگلیاں رکھ کر نبض چیک کرنے لگا۔

پیاری کو مانو آپا کا گمان ہوا اس لیے کہ وہ اپنا نڈھال ہونا خود محسوس کررہی تھی۔ یہی خیال آیا کہ مانو آپا کو کچھ محسوس ہوا ہے اس لیے نبض چیک کررہی ہیں۔ اس نے ہمت مجتمع کرکے آہستگی سے آنکھیں کھولیں تاکہ مانو آپا کو تسلی ہو مگر آنکھیں کھولتے ہی اس کے وجود کو زوردار جھٹکا لگا۔ یہ جرأت تو دانیال بھی نہ کرسکا تھا۔

''عالی جاہ......! تم کب آئے......اور وہاں کیا کررہے ہو؟'' مانو آپا نے سلام پھیرتے ہی حیرت سے عالی جاہ کو متوجہ کیا جو ماں کی آواز سنتے ہی دو قدم پیچھے ہٹ گیا تھا۔ پیاری کا آنکھیں کھولنا اور مانو آپا کی آواز ماحول میں گونجنا دونوں عمل ایک ساتھ وقوع پذیر ہوئے تھے۔

''اماں جان مجھے لگا یہ بے ہوش ہیں' آپ ایک نظر دیکھیے۔ بیڈ پر اس طرح لیٹی ہیں جیسے بیڈ پر کھڑے کھڑے گر گئی ہوں۔'' عالی جاہ جو پیاری کے آنکھیں کھول کر چونکنے پر پہلے ہی شرمندہ شرمندہ سا تھا جلدی سے صفائی پیش کرنے لگا۔ حیا کی قوت نے پیاری کو اٹھا کر بٹھا دیا' اس نے اوڑھی ہوئی بے ترتیب چادر کو سر پر سنبھالا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں پھوپو' آپ آرام سے نماز پڑھیں۔'' پیاری نے مانو آپا کو پرسکون کرنا چاہا۔

''اللہ تمہیں صحت کاملہ عطا فرمائے' آمین۔ بیٹا برا مت ماننا' یہ ذرا لاابالی سا ہے' بات کرتا ہے تو پتھر پھوڑتا ہے۔ سیدھا کرنا چاہتا ہے تو الٹا ہوجاتا ہے۔'' یہ بھی ماں کی محبت کا ایک انداز ہے' بظاہر اولاد پر تنقید کررہی ہوتی ہے در حقیقت یہ اولاد کی تعریف وتوصیف کے ضمن میں ہی ہوتا ہے۔ سمجھنے والے سمجھ جاتے ہیں کہ اپنے بچے کو سیدھا سادہ بھولا بھالا کہا جارہا ہے۔

''آئی ایم سوری' مجھے لگا آپ کونشس نہیں ہیں۔'' عالی جاہ بہت مہذبانہ انداز میں اپنی جسارت پر معذرت کررہا تھا۔

''نو پرابلم۔'' پیاری کو بھی کہنا پڑا' بہرحال وہ عالی جاہ کی ماں کے احساس سے زیر بار تھی۔

سو فیصد مشرقی دوشیزہ کا سراپا' کھلتا رنگ' روشن کشادہ آنکھیں ہلالی ابرو' خمیدہ ہونٹ' الجھے ہوئے بالوں کی دراز چوٹی' بڑی سی چادر میں لپٹا ہوا وجود۔ چادر سنبھالتے ہوئے اس نے چوٹی کو جھٹکا دے کر پیچھے کیا تھا اور یہ ایک لمحے کا عمل دیکھنے والے کی نظر کی مکمل تصویر کشی تھی۔ لمحات جھلک کے بعد سب کچھ چادر میں چھپ گیا مگر نظر و دل اسی لمحے میں قید ہوکر رہ گئے۔

اب جو دو لفظ منہ سے انگریزی کے ادا ہوئے تو کیمبرج

بڑھا ہوا پوش ایریا کا باشندہ نہال ہی ہوگیا۔ عالی جاہ کی کیمسٹری کے مطابق اس کا آئیڈیل زمانے بھر کا حسین ہو مگر اس کو فراٹے سے انگریزی بولنا بھی آنا چاہیے ورنہ ایلیٹ کلاس ایڈیٹ سمجھتی ہے اور عالی جاہ جنیٹری یا ایلیٹ کلاس سے کم پر سوچنا بھی پسند نہیں کرتا اور اسی وجہ سے بزنس بڑھانے کے لیے انتھک دوڑتا رہتا تھا جسے مانو پھوپو "مارے مارے پھرنا" گردانتی تھی۔

کبھی زیادہ ہی برہم ہوتیں تو عالی جاہ بڑی شانِ بے نیازی سے کہتا۔

"ماں......! عالی جاہ نام کیوں رکھا تھا؟ غلام حسین یا فقیر رکھ دیتیں۔ اب تو مجھے بزنس ایمپائر بنانا ہے۔" یہ سن کر مانو آپا نے سر ہی پیٹ لیا تھا پھر سوچتی تھیں ہم مائیں بھی تو حد ہی کردیتی ہیں۔

چھ سات پونڈ کا بچہ گود میں آتے ہی اسے کسی ریاست کا بادشاہ بنانے کا سوچنے لگتی ہیں۔ راجہ، شہزادہ، بادشاہ، شہنشاہ، نواب...... بچہ دس ملی لیٹر دودھ بھی نہیں پی رہا۔ اونچے اونچے خواب دیکھے جانے لگے، وہ تسلیم کرتی تھیں کہ شادی کے چھ سال بعد پیدا ہونے والے بیٹے کا نام انہوں نے ہی بہت اہتمام سے عالی جاہ رکھا تھا۔ اس لیے کہ چھ سال تک تو سسرال والوں سے بے اولادی کے طعنے سنتی رہی تھیں۔ سسرال کی بزرگ خواتین اکثر ان کے سامنے ٹھنڈی آہیں بھر کر کہتی تھیں کہ بے چارے ثناء اللہ کو ابھی تک وارث نہیں ملا۔

سو بیٹا جنم دیتے ہی لاشعوری طور پر مانو آپا نے عالی جاہ نام رکھ کر سب سے بدلہ لے لیا کہ اب سب خوش ہوجائیں، ثناء اللہ کو ولی عہد مل گیا ہے۔ یہ تو ان کے فرشتوں کے گمان میں بھی نہ تھا کہ نام کا اس درجہ اثر ہوگا۔ عالی جاہ تو خود کو سچ مچ عالی جاہ ہی سمجھتا تھا بچپن ہی میں گول بیڈ جس کے چاروں طرف حریری پردے پڑے ہوئے تھے۔ بیڈ کے اوپر رنگ برنگے غباروں کے مماثل فانوس روشن ہوتا تھا جب وہ عالم شیر خواری میں پاؤں کے انگوٹھے پکڑ کر ٹکٹکی باندھ کر روشن فانوس کو دیکھا کرتا تو مانو آپا سو جان سے فدا ہونے لگتیں۔

مگر اب سوچتی تھیں کہ حد سے زیادہ آرام و آسائش دینے کی وجہ سے عالی جاہ بہت نازک مزاج ہوگیا ہے اور یہ ان دونوں میاں بیوی کا قصور ہے مگر اب وہ سختی سے روک ٹوک کرتی تھیں جسے عالی جاہ ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیا کرتا تھا۔

باپ کے انتقال کے بعد البتہ اس کی زندگی میں نمایاں تبدیلی آئی تھی باپ کا جما ہوا کاروبار اس نے بری مشاقی سے سنبھال لیا تھا۔ یہ شعور بھی بدرجہ اتم موجود تھا کہ لگژری لائف گزارنے کے لیے کھلا پیسہ چاہیے اور کھلا پیسہ دن رات کی محنت ہی سے ہاتھ آتا ہے۔ باپ دادا کاروباری تھے، خون میں کاروباری سوجھ بوجھ ورثے میں ملی تھی۔ جوان تھا، پرجوش اور صحت مند بھی۔ ایک کاروبار سے کئی کاروبار بنالیے، اب پیسے کا نشہ تھا، نام کا سرور تھا۔ اکلوتے پن کے اعزاز کا احساس تھا، ہر شے منتخب کرتا تھا۔ سب کچھ دوسروں سے مختلف چاہیے تھا۔

"یہ لڑکی تو کمال ہے، خوب صورت تو بہت سی لڑکیاں ہوتی ہیں پھر اس میں ایسی خاص بات کیا ہے، جو نگاہ بار بار دیکھنا چاہتی ہے؟ ایسی بیوی تو اسٹیٹس سمبل ہوتی ہے۔ یہ پرانی سی چادر اوڑھ کر چونکا سکتی ہے، برانڈڈ ڈریسز میں کیا غضب ڈھائے گی؟" وہ اب ماں کے قریب بیٹھا سوچ رہا تھا۔ جو اسے گم صم پاکر اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے بیڈ تک کھینچ کر لے گئی تھیں اور خاصی جزبز ہورہی تھیں ایک طرح سے شرمندگی محسوس کررہی تھیں۔

"ہم کل گھر جائیں گے، تم یہاں سے گھر جاؤ گے یا کوئی اور پروگرام ہے۔" مانو آپا نے کمرے میں طاری سکوت درہم برہم کیا۔ ماں کی موجودگی کے احساس سے اب عالی جاہ بہت محتاط تھا اور مسلسل اپنے بالی شوز کا جائزہ لے رہا تھا۔

"گھر جاؤں گا اماں جان! کل ویک اینڈ ہے پرسوں سنڈے، بس انہی دو دنوں میں لیٹ آور تک بزی ہوتا ہوں۔" بڑے دنوں بعد وہ ماں کو اچھے بچوں کی طرح بڑی تمیز اور سکون سے جواب دے رہا تھا۔

"تو پھر ٹھیک ہے، اب تم سیدھے گھر جاؤ۔ شفیق سے کہنا

وہ میز لگا دے گا‘ کھانا کھا کر وقت سے سو جانا۔“ مانو آپا یوں تاکید کر رہی تھیں گویا وہ کوئی آٹھ نو سال کا بچہ ہو۔

”ٹھیک ہے اماں جان‘ میں تو آپ کی وجہ سے آ گیا تھا کہ شاید آپ کا گھر چلنے کا پروگرام ہو۔“ عالی جاہ یوں ٹانگوں پر زور ڈال کر اٹھا گویا گود میں اناج کی بوری رکھے بیٹھا ہو۔

”اٹھنے کا کس کمبخت کا دل چاہ رہا تھا مگر بیٹھ بھی نہیں سکتا تھا کوئی جواز ہی نہیں بنتا تھا۔ مانو آپا دل ہی دل میں شکر ادا کر رہی تھیں۔

یا اللہ تیرا شکر ہے اتنی عقل تو ہے کہ پرائے لوگوں کے سامنے کس طرح بات کرنا ہے‘ ورنہ تو وہ بولتی ہوئی پیچھے پیچھے جاتی تھیں اور وہ یوں جاتا تھا گویا روئی کا گالا ہوا میں اڑا جا رہا ہو۔

”خدا حافظ اماں جان۔“ اس نے نظر بچا کر پیاری کو دیکھا جو مسلسل سر جھکائے بیٹھی اپنے پیروں کا جائزہ لے رہی تھی۔ اس کی بے آرامی کو محسوس کر کے ہی مانو آپا نے بیٹے کو ٹہلایا تھا۔ عالی جاہ چلا گیا‘ مگر اس کا خدا حافظ دروازے کی چوکھٹ میں ہی کہیں پھنس گیا تھا۔ اس خدا حافظ میں اصل مخاطب کی جان سولی پر لٹک گئی۔ پھوپو کے گھر جانا ہے اور پتا نہیں کب تک رہنا ہو۔

”صبح سے رات تک گھر سے باہر رہتا ہے‘ آج پتا نہیں کیسے ماں کا خیال آ گیا۔“ مانو آپا کے بے ساختہ جملے نے فوراً ہی اس کی الجھن رفع کر دی۔

”صبح سے رات تک گھر سے باہر رہتا ہے پھر تو مسئلہ نہیں۔“ اس نے گویا سکون کی سانس کھینچی تھی ورنہ تو جانے والے کا معنی خیز خدا حافظ سن کر تو یوں لگا تھا کہ بس اس کا تو اللہ ہی حافظ ہے۔

عورت کے خمیر میں فطرت نے یہ احساس بہت اہتمام سے گندھا ہے کہ وہ مرد کی نگاہ اور لہجے کو سمجھنے میں خاطر نہیں کھاتی۔

❀......❀......❀

کمال فاروقی نے تو ہمدردی کی انتہا پر جا کر سعدیہ کی نیندیں ہی ویران کر دی تھیں۔ بلال کے لیے حسین سپنے سجائے اس نے امریکن سے شادی کر لی۔ اس کا روشن مستقبل دیکھ کر بلا آخر خود کو سمجھا لیا آخر اس کی وجہ سے تو اب ان کے پاس دو ملکوں کی سٹیزن شپ تھی جب چاہے آب و ہوا کی تبدیلی کی غرض سے امریکہ جا سکتی تھیں اپنے سرکل میں مزید قد اونچا ہو گیا تھا لیکن جب دانیال کے لیے حسین خواب سجائے تو یہ بھیانک تعبیر نکلی۔ وہ تو کمال فاروقی کے بزنس سرکل سے کوئی بااثر خاندان تاک رہی تھیں جس کی وجہ سے وہ شہر میں مزید معتبر ہو جائیں۔ رشنا بیوروکریٹ کی بیٹی تھی اور بیوروکریٹ بھی نرالا جو رشوت و سفارش سے کوسوں دور بھاگتا تھا مگر سعدیہ کو تو ان کے اس زہد و تقویٰ کی بھنک نہیں تھی۔ انہوں نے تو بس یہ سنا کہ رشنا کا باپ ایک یورپین ملک میں سفارت خانے کی بااثر شخصیت ہے۔ سنتے ہی لوٹ پوٹ ہو گئیں کہ اصل اسٹیٹس تو ان کا ہے جو کسی بیوروکریٹ سے رشتہ داریاں بگھاریں۔ یہاں مانو آپا نے خاردار تاروں کی باڑ لگا دی‘ دن رات کی چخ چخ سے یہ سوچ کر جان چھڑائی۔

”ہونہہ بیوروکریٹ ہی تو ہے‘ پرائم منسٹر تو نہیں۔ اب مانو آپا کو اپنی طاقت دکھاؤں گی‘ کسی بہت ہی اونچے خاندان سے بہو لاؤں گی۔“ ذرا دل کو ڈھارس بندھی تو یہ پیاری ٹپک پڑی جس کا بھائی اغوا ہو چکا تھا۔ گمان غالب یہی تھا کہ جائیداد کسی بھی وقت فروخت ہو سکتی ہے۔ ”خدا جانے کتنا تاوان مانگ لیں۔“ بستر پر کانٹے اُگ آئے تھے۔ کمال فاروقی کی طرف کروٹ لیتے ہوئے طبیعت مکدر ہوتی تھی‘ شکل پر نظر پڑتے ہی تن بدن میں آگ بھڑک رہی تھی۔

”یہ مجھے ہی پتا ہے کس طرح اس شخص کے ساتھ میں نے اتنے سال گزارے ہیں۔ میری جگہ کوئی اور ہوتی تو کب کی جان چھڑا لیتی۔ یہ تو میں ہی ہوں جو اولاد کی خاطر اس شخص کو نبھاتی چلی آ رہی ہوں۔ اگر میں شروع ہی میں چھوڑ کر چلی جاتی تو یہ شخص اس وقت تین بیویوں کی اولادوں کا خرچہ دے رہا ہوتا اور خود کے پاس آج ایک بیوی نہ ہوتی۔ یہ تو میرا جگرہ ہے یہ تو میں ہی ہوں‘ یہ شادی تو چلی ہی میری وجہ سے ہے۔“ مارے جذبات کے کروٹ بدلی تو رخ سوئے

ہوئے کمال فاروقی کی طرف ہوگیا۔ جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئیں گویا کوئی بھیانک جرم سرزد ہوگیا ہو۔ شوہر کا رخ روشن نہ دیکھا ہوا آدھی رات کو بھوت کی شکل دیکھ لی ہو۔ خون کا درجہ حرارت مزید بڑھ گیا۔

"ضروری تو نہیں شادی کے بعد ڈبل بیڈ پر سویا جائے۔ غصے کی شدت سے ہارٹ فیل بھی تو ہوسکتا ہے۔ ظالم شوہر گہری نیند سو رہا ہو اور بیوی کو رت جگا لگا ہو تو ایسا ہی ہے جیسے کسی نے اندھے کنویں میں الٹا لٹکا دیا ہو۔" انہوں نے پھول جیسے ہلکے سلیپر پاؤں میں پھنسائے اور باہر کی راہ لی۔

"بہت برداشت کرلیا اگر اب اپنی سی کی تو میں بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے امریکہ چلی جاؤں گی۔ کریں بیٹے کی شادی بلکہ دو تین بے سہارا عورتوں سے خود بھی نکاح کرلیں۔" ہائی بلڈ پریشر زندہ انسان کو ہوش و حواس میں جہنم کا ذائقہ چکھاتا ہے سعدیہ کی کنپٹیوں کی رگیں پھڑک رہی تھیں۔

سناٹا' تنہائی' احساسِ دشمنی کے ساتھ بیڈ شیئر کرنا کوئی مذاق تو نہیں ہوتا۔ انہوں نے دروازہ بند کرتے ہوئے ناچاہتے ہوئے بھی ایک نظر کمال فاروقی پر ڈالی۔ مدھم روشنی میں چہرے پر واضح سکون ناقابل برداشت تھا' جھٹ دروازہ بند کردیا۔ رخ کچن کی طرف تھا ٹھنڈا نیکٹر پی کر خود کو سنبھالنا چاہتی تھیں۔ درحقیقت اس وقت وہ خود بھی اپنی کیفیت کو سمجھنے سے قاصر تھیں یوں بھی شوہر کے سونے کے بعد بستر چھوڑ کر لاؤنج کے صوفے پر ڈھیر ہونا گھریلو جنگی قوانین میں سے ایک موثر قانون ہے۔ زبردست مینٹلی ٹارچر شہری ماڈرن عورت چمٹا بیلن نہیں اٹھاتی مگر مینٹلی ٹارچر دینا چاہے تو اس کمال کا دیتی ہے کہ شوہر اپنے آپ سے وعدہ کرتا ہے کہ وہ اچھا بچہ بننے کی کوشش کرے گا جس اچھے بچے کے خواب اس کی ماں دیکھا کرتی تھی۔ شریف مرد عموماً شادی کے بعد اپنی ماں کی دیرینہ خواہش پوری کر ہی دیتے ہیں۔

سعدیہ انہی حربوں سے کمال فاروقی کو آج تک زچ کرتی آئی تھیں وہ ایک حد پر آکر چپ سادھ ہی لیتے تھے۔ ٹھنڈا ٹھنڈا پائن ایپل نیکٹر دو گلاس پینے کے بعد دماغ کے انگارے جھڑنا شروع ہوئے۔

"میں کیوں جاؤں امریکہ؟ یہ کروڑوں کا گھر میں نے وارداتیوں کے لیے بنایا ہے؟ میرے گھر میں میری اجازت کے بغیر کوئی پاؤں رکھ کے تو دکھائے۔" بکھرا ہوا اعتماد بحال ہونے لگا۔ دشمن جاں کا رخ روشن بھی سامنے نہیں تھا' طبیعت سنبھلنے لگی۔

❁......❁......❁

صبح تو آنکھ لگی تھی یا تو نیند نہیں آرہی تھی آئی تو پھر ہوش نہ رہا۔ موبائل فون کی رنگ نے جگایا تو پتا چلا سورج طلوع ہونے کے بعد خوب گرم ہوا اور اب زوال کے مرحلے میں ہے۔ دن کے یا دوپہر کے بارہ بجنے والے تھے۔

مانو پھوپو کی کال آرہی تھی' اس نے بے تابی سے ریسیو کی۔

"السلام علیکم پھوپو!" گہری نیند ٹوٹی تھی آواز میں بھاری پن تھا۔

"وعلیکم السلام بیٹا! تمہیں یہ بتانے کے لیے فون کیا ہے کہ ان شاء اللہ ایک گھنٹے تک ہم ہسپتال سے نکل جائیں گے۔"

"جی؟" دانیال اب ٹھیک طرح سے جاگا تھا۔

"لگتا ہے سو رہے تھے مگر تمہیں بتانا بھی ضروری تھا' یہاں سے میں پیاری کو لے کر اس کے گھر جاؤں گی اس نے اپنی استعمال کی ضروری چیزیں اور کپڑے وغیرہ لینے ہیں پھر اسے لے کر اپنے گھر آجاؤں گی۔ شام کو تمہیں وقت ملے تو چکر لگا لینا' اچھا بیٹا باقی بعد میں فون کرکے بتادوں گی اگر کوئی بتانے والی بات ہوئی۔"

"ٹھیک ہے پھوپو۔" روشن دن تھا مگر وہ ابھی رات کے حواس کی گرفت میں تھا۔ سر جھٹک کر نیند کا تاثر زائل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"پیاری نے سارا حساب کتاب کرلیا ہے' بےفکر رہو' اللہ حافظ۔" تسلی کے ساتھ ہی الوداعی کلمات بھی ادا ہوئے اور رابطہ منقطع ہوگیا۔

"پیاری نے سارا حساب کتاب کرلیا ہے۔" مانو پھوپو کی آواز دل کے گنبد میں بازگشت بن گئی تو وہ مسکرادیا' جملہ واقعی

دل کو چھو گیا تھا۔

"حساب کتاب کرنا تو کوئی تم سے سیکھے۔ اتنی تو کبھی پاس بھی نہ آئی تھیں جتنی دور ہوگئی ہو۔ مگر میں نے بھی محبت کی ہے' محبت محبت ہے کوئی مذاق نہیں۔ ایک لاکھ ایک کروڑ مرتبہ انکار کرکے دیکھ لو سائے کی طرح ساتھ ہوں۔" دانیال کو محبت کی قوت نے پھر سنبھالا دیا تھا۔

جو پاسکا نہ تجھ کو تو کھودیا خود کو
یہ میرا عجز بھی ہے یہ میرا کمال بھی ہے

جانے کب کا سنا پڑھا شعر حافظے میں کرن کی طرح چمکا۔

"تمہیں پاکر خود کو کھونا ہے پیاری...... میں تمہارے بغیر بے رنگ ہوجاؤں گا' تم بے ہوش ہوئیں تو مجھے ٹھیک سے ہوش آیا۔ تمہارے انکار نے تو مجھے بدحواس کردیا تھا۔ تم بے ہوش تھیں' ڈاکٹر خطرہ بتارہے تھے مجھے یوں لگا تم روشنی کی لکیر کی صورت آسمان کی طرف جارہی ہو۔ میں کھڑے کھڑے مرنے لگا' مگر اب ہم دونوں زندہ ہیں' تم مجھ سے الگ ہوکر تو دکھاؤ۔" قوت یقین اور محبت کی سرشاری نے اسے ازسر نو تروتازہ کردیا تھا۔

"شام تو بہت دور ہے پھوپو' بس پہنچتا ہوں تھوڑی دیر میں۔" اس نے خوب اہتمام سے انگڑائی لی اور بیڈ سے اتر گیا۔

❁......❁......❁

"دانیال کا کچھ اتا پتا ہے؟" سعدیہ نے کمال فاروقی کو آفس کے لیے تیار ہوکر باہر جاتے ہوئے گویا انہیں سنانے کی غرض سے ملازم بشیر سے سوال کیا۔ کافی کا بڑا سا مگ ان کے ہاتھ میں تھا جس کا ابھی تک صرف ایک گھونٹ ہی لیا تھا۔ کمال فاروقی نے سعدیہ کا جملہ سن لیا مگر یوں طرح دے گئے گویا کچھ سنا ہی نہ ہو۔

"جی بیگم صاحبہ...... چھوٹے صاحب ناشتا کرکے ابھی ابھی اوپر اپنے کمرے میں گئے ہیں۔" بشیر مودبانہ انداز میں جواب دے رہا تھا۔

"یعنی گھر میں ہے تھینک گاڈ......! آج گھر میں تو ہے۔" یہ کہہ کر انہوں نے کافی کے گھونٹ لینا شروع کیے درحقیقت ان کا ذہن اپنی باتوں میں الجھا ہوا تھا۔ کافی کا جھاگ ان کے دماغ پر چڑھا ہوا تھا جس پر وہ پھونکیں مار کر ظاہر کررہی تھیں کہ وہ کافی پی رہی ہیں۔

کمال فاروقی نے نکلتے نکلتے بشیر کا جواب بھی سن لیا تھا اپنے تئیں وہ فکر مند ہوئے کہ اس بچی کا کیا بنا؟ دانیال اس وقت گھر میں کیسے؟ مگر اس وقت خاموشی کا مطلب سو فیصد امن تھا چنانچہ اپنے ڈرائیور کے پیچھے چلتے ہوئے کار کی بیک سیٹ کے قریب جا پہنچے۔ ڈرائیور نے کار کا ڈور کھول کر صاحب کو بٹھایا پھر ان کا لیدر بیگ فرنٹ سیٹ پر رکھ کر خود بھی بیٹھ گیا۔

"ایک منٹ سلیم...... پہلے ہسپتال چلو۔"

"ہسپتال...... کون سے ہسپتال صاحب؟" ڈرائیور نے مرر میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"ہسپتال...... ہاں اوہ...... ذرا میں ایک کال کرلوں پھر تمہیں بتاتا ہوں۔" یہ کہہ کر انہوں نے جیب سے سیل فون نکالا اور مانو آپا کا نمبر ڈائل کرنے لگے چند سیکنڈ کے انتظار کے بعد کال ریسیو ہوگئی۔

"ہاں چندا...... کیسے ہو؟" مانو آپا کمال فاروقی سے پورے آٹھ سال بڑی تھیں مگر لب و لہجہ ماں جیسا تھا اور شروع سے تھا۔ ان سے چھوٹے دو بھائی دیار غیر میں بسیرا کیے ہوئے تھے۔ لے دے کے مانو آپا کا کل میکہ کمال فاروقی ہی تھے۔

"السلام علیکم آپا! آپ سنائیں کیسی ہیں' صورت حال کیا ہے؟" کمال فاروقی نے بھی مودبانہ لہجے میں سلام کے ساتھ ہی سوالات بھی جڑ دیئے۔

"مالک کا احسان ہے' سب خیریت ہے۔ ہسپتال سے نکل گئی ہوں پیاری کے گھر جارہی ہوں۔"

"پیاری......" ایک لمحے کو کمال فاروقی الجھے۔

"ارے دانیال کے دوست مشہود کی بہن کی بات کررہی ہوں آج ڈسچارج کردیا ہے۔" مانو آپا نے جواب دیا۔

"تو وہ اکیلی وہاں رہے گی؟" کمال فاروقی کے انداز

میں تفکرات واضح تھے۔

"ارے نہیں اسے تو آج میں اپنے گھر لے جارہی ہوں' آخر اسے اپنی روزمرہ ضرورت کی چیزیں کپڑے لتے بھی تو لینا ہیں۔" مانو آپا نے وضاحت کی۔

"اوہ گڈ...... اچھا اچھا' یہ آپ نے اچھا فیصلہ کیا۔ گھر پر تو آپ اکیلی ہوتی ہیں' اس بچی کی وجہ سے آپ کا دل بھی بہل جائے گا۔ یہ تو بہت اچھا ہوگیا' گڈ ویری گڈ۔" کمال فاروقی کی دلی مسرت ان کے گڈ کی تکرار میں چھپی ہوئی تھی۔ اعلیٰ درجہ کی طمانیت ان کی روح میں اتر گئی۔ درحقیقت وہ یوں محسوس کررہے تھے گویا کسی اہم فرض سے سبکدوش ہوگئے ہوں۔

"اب کچھ تو کرنا تھا کمال...... جوان جہان بچی کو اکیلے ڈھنڈار گھر میں کیسے چھوڑ دیں خود ہی کہو؟"

"جی آپا...... مجھے تو سن کر بہت ہی خوشی ہوئی' یہ تو آپ اپنی بخشش کا سامان کررہی ہیں' جزاک اللہ۔" وہ بہن کی حوصلہ افزائی کررہے تھے۔

"بس اس کے رحم وکرم کے محتاج ہیں' پلے تو کچھ نہیں۔ صبح کھاتے ہیں شام گنواتے ہیں' نیکیاں کرتے تو ہیں پھر خود ہی ضائع بھی کردیتے ہیں' بس اس کے رحم وکرم پر ہی آسرا ہے۔" مانو آپا بڑے جذبے سے بول رہی تھیں۔ کمال فاروقی کی روح کمال آمادگی سے بہن کی تائید کررہی تھی یوں محسوس ہورہا تھا دنیا کی سب سی مخلص عورت ان کی بہن ہے۔ بہن پر پیار بھی آیا اور فخر بھی محسوس ہوا۔

"ٹھیک ہے آپا...... آج آپ کی طرف آنے کی کوشش کرتا ہوں' اللہ حافظ۔" کمال فاروقی نے سلسلہ کلام تمام کیا۔

"صاحب کون سے ہسپتال؟" ڈرائیور ابھی تک اپنی منزل کے نشان سے نابلد تھا۔

"نہیں...... نہیں' بس آفس چلو۔ اب ہسپتال نہیں جانا۔" انہوں نے کسی گہری سوچ کے درمیان جواب دینے کی مہلت نکالی تھی۔

❀......❀......❀
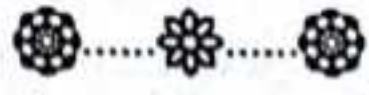
اپنے گھر پر نظر پڑتے ہی پیاری کے دل کو کچھ ہوا۔ بمشکل لاک کھولا اور مانو آپا کے ساتھ اندر قدم رکھا۔ پورچ میں لان سے اڑ کر آنے والے سوکھے پتوں کا ڈھیر' پرندوں کی بیٹیں' بلی کے ہتھے چڑھ جانے والے کبوتر کے نچے ہوئے پَر...... چھوٹی چھوٹی ٹوٹی ہوئی یا چبائی ہوئی ہڈیاں' خون کے دھبے جو سیاہی اختیار کرچکے تھے۔ دھول میں اٹی ہوئی مشہود کی کار' بوا کی چپل...... مانو آپا بھی بہ نظر غائر گھر کا جائزہ لے رہی تھیں۔ پیاری نے جیسے بمشکل خود کو گھسیٹتے ہوئے اندورنی دروازے کا لاک کھولا اور دھکا دے کر دروازہ کھولا' سامنے نیم تاریک لاؤنج تھا سینٹر ٹیبل پر بوا کی تسبیح' پانی کا کٹورا' سرہانے رکھی تھی جس پر نظر پڑتے ہی ضبط کا یارا نہ رہا۔

"مار ہماری نیند ویران ہوگئیں مگر بھیا کو فکر نہیں۔ اگلے وقتوں میں بچی نہانے دھونے لگتی تھی تو میا باوا کے حلق میں نوالے پھنستے تھے۔ اب تو بھیا لوگ بچیوں کو خاندانی فوٹو کی طرح سجا کر رکھتے ہیں۔" خالی گھر میں بوا کی بڑبڑاہٹ سنائی دے رہی تھی یا ان کی فکر اس کمال کی تھی کہ گئے دنوں کے فقرے دیواروں میں جذب تھے اور بازگشت کی طرح پیچھا کررہے تھے۔

پیاری فرش پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی اور گھٹنوں میں سر دے کر بلک بلک کر رونے لگی۔ مانو آپا جو ٹکٹکی باندھ کر پیاری کے ماں باپ کی یادگار فریم شدہ فوٹو دیکھ رہی تھیں' ہڑبڑا کر متوجہ ہوئیں۔

"ارے بیٹا دل کو سنبھالو' اللہ اللہ کرکے طبیعت سنبھلی ہے۔ سوگ تین دن کا بیٹا' غم عمر بھر کا۔ صبر کی نیت کرو اللہ صبر دے گا۔" مانو آپا پیاری کا بازو پکڑ کر کھڑا کرنے کی کوشش کررہی تھیں۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

سانسوں کی مالا پہ
اقرا صغیر احمد

مٹھی بھر لوگوں کے ہاتھوں میں لاکھوں کی تقدیریں ہیں
جُدا جُدا ہیں دھرم علاقے ایک ہی لیکن زنجیریں ہیں
آج اور کل کی بات نہیں ہے صدیوں کی تاریخ یہ ہی ہے
ہر آنگن میں خواب ہیں لیکن چند گھروں میں تعبیریں ہیں

"میرے ہوتے ہوئے تم چوری کر کے کہاں جاسکتی ہو؟" اس نے ایک جھٹکے سے اس کے منہ سے ہاتھ ہٹایا اور ہاتھ میں پکڑا بیگ چھینا تھا اور اسی ٹائم تمام لائٹس آن ہوگئی تھیں' دونوں کی نگاہیں بے ساختہ ٹکرائی تھیں۔ ایک میں وہم وخوف بھرا تھا' دوسرے میں وحشت وطاقت چمک رہی تھی۔

"میں نے پاور ہاؤس کمپلین کردی ہے آج صبح سے ہی بجلی آجا رہی ہے۔ باہر سے وائرز میں کچھ فالٹ ہوگیا ہے۔" وہ دور سے بولتے ہوئے آئے تھے' قریب آئے تو صورت حال دیکھ کر گھبرا کر گویا ہوئے تھے۔

"بیٹا......! یہ جنت ہے' اماں بی کے لیے آئی ہیں۔ کل وہ خاتون جو آئی تھیں' اپنی بیٹی کی ملازمت کی بات کر کے گئی تھیں یہ وہ ہی صاحب زادی ہیں۔" رمضان بابا نے ان تک پہنچتے پہنچتے پوری وضاحت دی تھی۔

"میں اس عورت کو دیکھتے ہی سمجھ گیا تھا' وہ نمبر ون چالاک وجعلساز ہے اور دیکھ لو اس کی بیٹی نے آتے ہی واردات بھی کر ڈالی۔ اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر بیگ میں کیا بھر کر لے جا رہی تھی۔" اس نے پریشان کھڑی جنت پر قہر آلودہ نگاہیں ڈالتے ہوئے کہا اور بیگ کی زپ کھول کر الٹ دیا تھا۔ دوسرے لمحے ماربل کے چمک دار فرش پر اس کے پرانے ملبوسات بکھر گئے تھے جن کو اس نے جوتے کی نوک سے ادھر اُدھر اچھالا تھا اور اطمینان سے آگے بڑھ گیا تھا کیونکہ ان کپڑوں میں کم مائیگی وغربت کی پرچھائیوں کی علاوہ کچھ نہ ملا تھا۔

"خیال نہیں کرنا بیٹی...... چند روز قبل ہی ملازمہ نے دھوکہ دیا ہے' اسی لیے صاحب کو غلط فہمی ہوگئی تھی۔ وہ ہی مثال ہے سانپ کا ڈسا رسّی سے بھی خوف زدہ رہتا ہے۔" رمضان بابا کے لہجے میں کچھ شرمندگی تھی۔

"جی بابا۔ میں سمجھتی ہوں غلطی میری ہے کمرے میں اندھیرا دیکھ کر میں گھبرا کر باہر نکلی تھی۔ کچھ دیر روشنی ہونے کا انتظار کر لیتی تو ایسا نہیں ہوتا۔" وہ اپنے مخصوص انداز میں اپنی ہی غلطی مان رہی تھی رمضان بابا کو وہ دبلی پتلی کھڑے نقوش وسانولی رنگت کی لڑکی خاصی بے ضرر اور پرخلوص لگی تھی اور ایک ہفتے میں ہی ان کے ساتھ ساتھ اماں بی جنت کی سادگی' وفاداری اور خدمتوں کی گرویدہ ہوگئی تھیں۔

❀......❀......❀
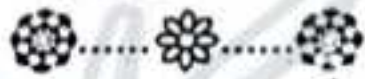
ابوبکر کے ساتھ کئی ملاقاتوں میں اسے پتا ہی نہیں چلا تھا کہ وقت کس طرح سے پنکھ لگا کر اڑنے لگا تھا۔ اس کی سنگت میں دنیا بے حد دلکش وحسین ہوگئی تھی۔ اس کی مدھر ٹپکاتی باتیں' شوخیاں وشرارتیں' مستقبل کے سہانے سپنے اور ان سپنوں کی رانی بنی وہ اردگرد سے اس قدر بے خبر ہوگئی کہ گھر میں موجود ماما کو بھی بھول گئی کہ وہ اور پاپا اس سے بے حد محبت کرتے تھے مگر ماما کی محبت میں صرف محبت ہی نہ تھی' وہ اس پر کڑی نظر بھی رکھا کرتی تھیں۔ شروع میں بہت محتاط روی سے وہ اس کا جائزہ لیتی رہی تھیں اور اس کی حالت سے بہت کچھ ان پر منکشف ہوچکا تھا۔ وہ اس دن ابوبکر سے ملنے جا رہی تھی اور دل اس سے ملنے کے لیے اتنا اندھا ہو رہا تھا کہ وہ ماں کے بگڑے تیوروں کا اندازہ ہی نہ

لگا پائی تھی۔

"ادینہ...... مجھے آپ سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔" وہ آئینے کے سامنے کھڑی بار بار اپنا جائزہ لے رہی تھی معاً وہ آ کر گویا ہوئی تھیں۔

"جی ماما۔" اس نے ان کے سخت وسنجیدہ لہجے پر چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

"میں کئی روز سے دیکھ رہی ہوں آپ بہت بدلی بدلی لگ رہی ہیں۔ ہمارے درمیان ہوتے ہوئے بھی آپ ہمارے پاس نہیں ہوتی۔ آپ کا ہر انداز ایک نئے روپ میں بدل گیا ہے' آپ مجھ سے کچھ چھپا رہی ہیں؟ پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا بیٹی۔"

"اوہو ماما...... آپ کو ہر وقت میری فکر لگی رہتی ہے' اب میں کوئی دودھ پیتی بچی تھوڑی ہوں۔ میں بڑی ہوگئی ہوں' کچھ چینج تو مجھ میں آئے گا نا۔" ماں کے لہجے میں اسے شک وشبہات محسوس ہوئے تو قدرے چڑ کر کہنے لگی۔

"مجھے احساس ہے بیٹا آپ بڑی ہوگئی ہیں' اسی لیے کہہ رہی ہوں آپ کی یہ ہر وقت کی بے چینی' بے قراری' بلاوجہ ہنسنا' تنہا تنہا مسکرانا' بڑبڑانا مجھ سے مخفی نہیں ہے پھر میں دیکھ رہی ہوں تمہارا دل جو کبھی گھر سے باہر جانے کو نہ چاہتا تھا اب تم اکثر ہی کسی نہ کسی دوست کے گھر جانے کو تیار رہتی ہو۔ ایسا لگتا ہے گویا تمہیں میری اور اپنے پاپا کی فکر ہی نہیں رہی ہے' اس گھر سے تمہاری دلچسپی وانسیت دن بدن ختم ہوتی جارہی ہے۔"

"ارے...... ایسا کچھ بھی نہیں ہے ماما آپ تو......"

"مجھے نا سمجھ نہ سمجھو ادینہ...... تمہاری عمر سے میں بھی گزری ہوں۔ جوانی کی رنگوں بھری شام سے میں بھی گزر کر بڑھاپے کی اندھیری رات میں داخل ہوئی ہوں۔ تمہارے اس من میں کل تک جو ماں وباپ کے لیے محبت کے دیے روشن تھے ان چراغوں میں کسی نئے چراغ کا اضافہ ہوگیا ہے' جس کی چمک میں تمہاری آنکھوں میں بھڑکتی ہوئی دیکھ رہی ہوں۔" ادینہ نے کم گو وسنجیدہ ماں کے لبوں سے جو یہ سچائی بھری گفتگو سنی تو چند لمحے سُن ہو کر رہ گئی اس کی ماں کون سا جادو جانتی تھی۔

"شاید تم نے مجھے صرف اپنی ماں ہی سمجھا کبھی دوست نہیں سمجھا۔ مجھے اپنی دوست سمجھو بیٹا...... ماں سے بڑھ کر کوئی بھی سچا ہمدرد و پیار کرنے والا نہیں ہوتا...... مردوں پر کبھی اعتبار نہ کرنا' بہت کم مرد پروانوں کی مانند شمع پر نثار ہونے کی جرأت ووفا رکھتے ہیں وگرنہ ہمارے معاشرے میں زیادہ تر تعداد مردنما بھنوروں کی ہے' جن کا کام ہی ایک کے بعد دوسرے پھول کا رس پی کر تیسرے کی تلاش ہے۔"

وہ ماں تھیں اور ماں تو اولاد کے چہرے وچال کے انداز سے ہی اس کے دل کی کیفیت واحساسات کو سمجھنے کے ہنر سے واقف ہوتی ہے مگر اولاد سمجھتی ہے وہ سب کی طرح اپنے دل کا بھید ماں سے بھی چھپالے گی اور یہی بھول ہوتی ہے۔ وہ بھی دل میں چور چھپائے برابر ان کو انکار کرتی رہی تھی' نا معلوم ان کو یقین آیا یا نہیں مگر ان کی آنکھوں میں گہری سوچ کی پرچھائیاں تھیں۔

❁......❁......❁

وہ کھڑکی سے دیکھ رہا تھا' جنت اطمینان سے لاؤنج میں بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھی اس نے وال کلاک کی طرف دیکھا پھر پانچ منٹ تک کھڑا کچھ سوچتا رہا تھا۔ جنت جو فیشن ایڈیشن ملبوسات کے ڈیزائن دیکھنے میں مصروف تھی ایک دم ہی چہرے پر ٹھنڈا پانی پھینکے جانے پر ہڑبڑا کر کھڑی ہوئی تھی اور سامنے کھڑے ابوبکر کو دیکھ کر خوف وبوکھلاہٹ کا شکار ہو کر کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔

"نانی جان کی میڈیسن کا ٹائم ہو چکا ہے اور تم یہاں مزے سے بیٹھی اخبار پڑھ رہی ہو' یہ ڈیوٹی ہے تمہاری؟" وہ اس طرح دبے پاؤں اندر آیا تھا کہ نہ اس کی آہٹ محسوس ہوئی تھی اور نہ ہی وہ اسے قریب رکھی ٹیبل سے پانی سے بھرا گلاس اٹھاتے دیکھ سکی تھی جو بڑی اشتعال انگیزی سے وہ اس کے چہرے پر اچھال چکا تھا۔

"میں...... میں اماں بی کو میڈیسن دے چکی ہوں۔" اس کی سرخ نظروں کی کاٹ اس کا رواں رواں گھائل کردیتی تھی۔

''کیا...... ٹائم سے پہلے؟ تم اتنی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کیسے کرسکتی ہو؟ ٹائم تو اب ہوا ہے اور تم......''

''دوائیں ٹائم پر کھا چکی ہوں۔ جنت دوا دے کر ہی یہاں آئی تھی ارے یہ پانی......'' وہ اس کے بولنے کی آواز سن کر اندر آئی تھیں اور جیسے ہی نگاہ ان کی جنت کے بھیگے چہرے پر پڑی وہ سرعت سے قریب آ کر اپنی گرم شال سے اس کا چہرہ صاف کرتی ہوئی غصے سے گویا ہوئیں۔

''یہ یقیناً تمہاری حرکت ہوگی ابوبکر......! اتنا غصہ اچھا نہیں ہوتا۔''

''نانی جان...... یہ آپ کیا کررہی ہیں؟ آپ کی شال گیلی ہورہی ہے' ٹھنڈ لگ جائے گی آپ کو۔'' اس نے بڑھ کر ان کو اس سے دور کرنا چاہا۔

''میری طرح یہ بچی بھی انسان ہے اس کو بھی ٹھنڈ لگ رہی ہے۔'' انہوں نے خفگی سے اس کا بڑھا ہوا ہاتھ دور کر کے کہا۔

''جاؤ جنت...... کپڑے بدل کر آؤ' گیلے ہوگئے ہیں۔'' وہ اس سے نرمی سے گویا ہوئی تھیں جو گم صم سی کھڑی تھی۔ ان کے حکم پر اس کے حلق سے آواز نہ نکل سکی' وہ سر ہلاتی وہاں سے چلی گئی۔

''غیروں کا بڑا خیال ہے آپ کو اپنی کوئی فکر نہیں ہے خوامخواہ آپ نے شال بھگو ڈالی۔ حد ہوتی ہے کسی سے ہمدردی کرنے کی بھی۔''

''اور کسی غریب کے ساتھ بے رحمی سے پیش آنے کی بھی حد ہوتی ہے۔'' وہ بھی اسی کے انداز میں گویا ہوئیں۔

''اس لڑکی کی ماں کو منہ مانگے پیسے دیئے گئے ہیں اور آپ نے اسے سر پر بٹھالیا ہے۔ ڈیئر نانی جان...... نوکروں کو اتنا سر نہیں چڑھاتے پھر وہ سر کا درد ہی بن کر رہ جاتے ہیں۔'' وہ اپنی بات پر قائم تھا۔

''ارے چھوڑو ان باتوں کو جنت پر تو اس کی مکار ماں کی پرچھائی بھی نہیں پڑی' بڑی بھولی بھالی بچی ہے۔ چہرہ نہیں دیکھتے کتنا معصوم ہے؟'' وہ سر پر دوپٹہ درست کرتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ ''معصوم چہرہ!'' اس کے اندر ایک الاؤ سا بھڑکا۔

''معصوم چہرے والے ہی تو اندر سے دنیا جہاں کے چالاک و مکار ہوتے ہیں۔'' وہ کہتا ہوا اٹھا تھا' اس کی آنکھوں میں سرخی پھیلنے لگی تھی۔

''یہ کیا بات ہوئی؟ ابھی آئے ہو اور جارہے ہو؟'' وہ حیران ہوئیں۔

''سوری نانی جان ایک کام یاد آ گیا ہے' ڈنر پر ملاقات ہوتی ہے۔''

❁......❁......❁

ماضی کیا ہے؟ گزرا ہوا کل اور اسے وہ گزرا ہوا کل...... کل نہیں آج محسوس ہوتا تھا۔ اس بیتے کل نے اسے برسوں بعد بھی بے کل رکھا تھا۔ ملک ملک' قریہ قریہ' شہر شہر گھومنے کے بعد بھی جلسں زدہ یادوں کی گھٹن سے نہ دل آزاد ہوا تھا نہ روح کو قرار مل پایا تھا۔ یادیں بن بلائے مہمانوں کی مانند آتی تھیں اور زور آوری سے دل و دماغ پر قابض ہوجاتیں پھر ان کی تواضع یادوں کے رستے زخم ہی ہوا کرتے تھے۔ اس وقت بھی نانی کی سادگی سی کی گئی بات اس کے کسی زخم کو تازہ کرگئی تھی پھر وہ ان کے پاس بیٹھا نہ تھا۔

کار دوڑاتا بہت دور نکل آیا تھا' شام ابھی دور تھی مگر چاروں طرف پھیلے پہاڑوں نے سورج کو پشت کے پیچھے دھکیل دیا تھا جس نے ماحول میں سرمئی اجالا بکھیرا ہوا تھا۔ پہاڑوں سے گرتے جھرنوں نے زمین پر تیز رو پانی کی ندی بنادی تھی۔ ہر سو ہریالی تھی اور تیز چلتی ہواؤں نے ماحول میں خنکی پھیلا رکھی تھی اس کو اس خنکی کا احساس نہ تھا۔ اس نے کار سے نکل کر بہتی ندی کے کنارے پڑے بڑے بڑے پتھروں میں سے ایک پر بیٹھ کر دوسرے سے ٹیک لگالی تھی اور ذہن چکی کی مانند گھومنے لگا تھا۔

وہ نانی کے کمرے میں آیا تو وہاں سب گھر والوں کے علاوہ رباب کی بہن وردہ بھی موجود تھی۔ وہ سلام کرتا ہوا نانی کے قریب ہی بیٹھ گیا تھا۔

''کیا بات ہے ابوبکر...... آج تو اتوار ہے اور آپ آج

بھی گھر سے غائب تھے۔ ہم لوگ آپ کا سارا دن انتظار کرتے رہے اور آپ نہ جانے کہاں سیر سپاٹوں میں گم رہے۔ لگتا تھا گھر آنے کو دل ہی نہیں چاہ رہا تھا۔" اس کے بیٹھتے ہی خالد ماموں نے پیار بھرے لہجے میں شکایت کی تھی۔

"کچھ خاص نہیں ماموں کچھ دوست مل گئے تھے ان کے ساتھ وقت گزرنے کا کوئی احساس ہی نہیں ہوا۔" اس کی نگاہوں میں ادینہ کا حسین سراپا لہرایا تھا اور لبوں پر ایک جاندار مسکراہٹ ابھر آئی تھی۔

"ہوں اس خاص دوست کا نام کیا ہے؟ جس کی سنگت میں تم کو وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوتا؟" وہاں موجود ہارون نے مسکراتے ہوئے ذو معنی لہجے میں کہا تھا۔ وہ اسے گھور کر رہ گیا جبکہ سب مسکرا رہے تھے معاً رباب گویا ہوئی تھی۔

"ارے یہ کیا بات کی آپ نے ہارون ہر ایک کی زندگی میں کوئی نہ کوئی خاص دوست ضرور ہوتا ہے اسی طرح ابوبکر کے فرینڈ پر آپ کو شک نہیں کرنا چاہیے۔ اماں بی ٹھیک کہہ رہی ہوں نہ کچھ غلط تو نہیں کہہ دیا میں نے؟"

"تم بھلا کبھی غلط کہہ سکتی ہو بہو تمہاری باتیں تو ہمیشہ ہی کھری ہوتی ہیں البتہ نفیسہ بہو اپنی ایثار پسندی و نرم طبیعت کے باعث عموماً اختصار سے کام لے لیتی ہیں لیکن میں فخر سے کہتی ہوں۔ میری دونوں بہوئیں لاکھوں میں ایک ہیں ان کی بدولت ہی میرا گھر مسرتوں کا گہوارا ہے۔" ان کے لہجے میں طمانیت و آسودگی تھی ایک مکمل خوش حال گھرانے کا سکھ تھا۔

"آج کوئی اسپیشل بات ہے سب بہت خوش واقعی ہیں؟"

"سرپرائز ہے تمہارے لیے گیس کرو کیا ہے وہ؟" ہارون نے کہا تھا۔

"میرے لیے سرپرائز؟" اس نے حیرانی سے سب کے چہرے دیکھے تھے۔ سب مسکرا رہے تھے رباب کے برابر میں وردہ بیٹھی تھی بالوں کی اونچی پونی بنائے چیونگم چباتی ٹانگ پر ٹانگ رکھے اس کے سرخ لبوں پر گہری مسکان تھی۔

"ہاں سرپرائز! میرے بھائی سرپرائز۔"

"ہارون! مت تنگ کرو بھائی کو اماں بی! یہ خوش خبری آپ ہی دیں تو زیادہ اچھے لگے گا۔" نفیسہ ہارون کے بعد اماں بی سے مخاطب ہوئی تھیں اور پھر جو خوش خبری اماں بی کی زبانی اس تک پہنچی تھی۔ اس خبر سے اسے اپنے لیے ساری خوشیوں کے راستے مسدود ہوتے محسوس ہوئے تھے پھر یہ بحث طول اس لیے نہ پکڑ سکی تھی کہ کچھ اچانک آنے والے مہمانوں کی وجہ سے اماں بی کے علاوہ ان سب کو ہی وہاں سے لیونگ روم میں جانا پڑا تھا۔ اماں بی کی جہاندیدہ نگاہوں نے اس کے چہرے پر پھیلتے ناپسندیدگی کے رنگ پہچان لیے تھے۔ اس کی رائے جاننے کے لیے وہ دانستہ وہاں سے نہ گئی تھیں۔

"مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے تم اس رشتے سے خوش نہیں ہو؟" ان کے سوال پر وہ سر جھکائے لب بھینچے خاموش بیٹھا رہا تھا۔

"خاموشی بھی انکار کی صورت ہوتی ہے۔" انہوں نے اس کی طویل خاموشی کے بعد سنجیدگی و ملائمت سے کہا تھا۔

"لیکن میں پوچھوں گی آخر تمہارے انکار کی کیا وجہ ہے؟ وردہ اچھی اور وقت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی لڑکی ہے۔ اس دور میں ایسی خوب صورت و ماڈ لائف پارٹنر کی تلاش ہر لڑکا کرتا ہے۔"

"سوری نانی جان مجھے کبھی بھی وردہ جیسی لڑکی کی تلاش نہیں رہی جو ہر جگہ ہر وقت کیٹ واک کرتی فضول و بے ہودہ ایٹی ٹیوڈ دکھاتی نظر آتی ہے نہ ان میں مشرقیت ہوتی ہے اور نہ مذہبیت میں ایسی نمائشی لڑکی سے شادی کر کے اپنی آنے والی نسلوں کو تباہ و برباد نہیں کرنا چاہتا۔" نہ اس کی آواز دھیمی تھی نہ وہ کوئی سمجھوتہ کرنا چاہتا تھا۔ ممانی کی اس بہن کو وہ اکثر و بیشتر یہاں دیکھتا تھا اور ہر بار وہ نامعقول لباس میں ملبوس ہوتی تھی۔

اس کے کپڑوں میں جینز ٹائٹس اور شارٹ شرٹس ہوتی

تھیں جن میں عموماً سلوز آؤٹ ہوتی تھی۔ وہ بے تکلفی سے باتیں کرنے اور اونچے اونچے قہقہے لگانے کی عادی تھی۔ لڑکیوں سے زیادہ ہارون، وارث اور مونی سے اس کی بنتی تھی۔ اس سے بھی اس کی علیک سلیک تھی، مگر وہ فری نہ ہوا تھا۔

''مذہب کی بات تو تم ایسے کر رہے ہو بیٹا' جیسے خود بڑے مولوی ہو تم؟ جمعے کے علاوہ کوئی نماز تم سے ادا نہیں کی جاتی اور اس پر انگلی اٹھا رہے ہو؟'' اماں بی کے لہجے میں پریشانی و تفکر تھا۔

''کوشش یہی ہے کوئی بھی نماز قضا نہ ہو' ان شاء اللہ ایک دن ایسا ہوگا۔''

''اللہ پر تم کو اتنا یقین ہے بیٹے' پھر ایسی فساد والی بات کیوں کر رہے ہو؟ جب تمہیں اللہ کی طرف سے ہدایت ملے گی' وردہ کو بھی مل ہی جائے گی۔ ویسے بھی عورت موم کی طرح نرم فطرت والی ہے جس سانچے میں ڈھالنا چاہو گے وہ ڈھل جائے گی۔ تم فکر نہ کرو' بس ہاں کر دو۔''

''موم اور سانچہ......'' وہ تمسخرانہ انداز میں مسکرا کر گویا ہوا۔

''وہ ایسی بلا ہے جو سانچہ ہی توڑ کر رکھ دے گی نانی جان۔''

''میری بات سمجھنے کی کوشش کرو ابوبکر......اب اس گھر کی خوشیوں کا دارومدار صرف تمہاری ہاں پر ہے۔ اگر تمہارے ناں کی خبر رباب تک پہنچ گئی تو پھر سمجھو' کچھ بھی سلامت نہیں رہے گا۔ رباب کی خصلت میں ناگن پن ہے اس سے دوستی رکھنا ہی سب کی خوشیوں کی علامت ہے وگرنہ اس کا زہر نہ زندہ رہنے دے گا' نہ مرنے کے قابل چھوڑے گا۔''

''آئی ڈونٹ کیئر اینڈ مائی فٹ۔'' وہ کچھ سننے کو تیار نہ تھا۔

''زندگی ایک بار ملتی ہے......اور شادی بھی ایک بار ہی کرنے کا حامی ہوں میں۔''

''ہوں......تو صاف کہو نہ تم نے کوئی لڑکی پسند کر لی ہے اور اس کے لیے ہی تم کسی کی بھی پروا نہیں کر رہے ہو بہت خوب۔''

''میں آپ سے بعد میں بات کروں گا' ابھی آپ غصے میں ہیں۔'' وہ کہہ کر اٹھا اور تیزی سے نکل گیا۔ اندرونی دروازے کے پردے کے پیچھے کھڑا باتیں سنتا وجود مجسمہ آگ ہی آگ بنا ہوا تھا' دہکتی و بھڑکتی آگ......

❁......❁......❁
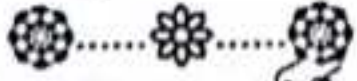
''بنڈل آف تھینکس آپو' آپ نے میری لائف خوشیوں سے بھر دی ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی' ابوبکر جیسا ویل آف ڈیشنگ' چارمنگ مرد میرا بن جائے گا اور وہ میرا بن گیا۔ اس کا سارا کریڈٹ آپ کو جاتا ہے سو نائس آف یو مائی سویٹ سسٹر!'' اس نے موقع ملتے ہی رباب کا رخسار چومتے ہوئے کہا تھا۔

''اسٹرابری شیک پیو گی تم؟'' وہ فریج سے باؤل میں رکھیں سرخ سرخ اسٹرابری نکالتی ہوئی سنجیدگی سے گویا ہوئی تھی۔

''ارے میں اتنی ایکسائٹڈ ہو رہی ہوں اور آپ تو خاصی ٹینس لگ رہی ہیں' کیا ہوا آپو؟ کوئی بات ہوئی ہے کچھ دیر قبل جب آپ نے ہمارے رشتے کی بات کی تھی تب آپ بے حد خوش تھیں۔ بڑی بے صبری سے ابوبکر کا ویٹ کر رہی تھیں' اب ایسا کیا ہوا جو آپ کا موڈ آف ہو گیا ہے؟'' وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر فکرمندی سے پوچھنے لگی۔

''بس اچانک ہی سر میں درد شروع ہو گیا ہے اور پھر مہمان بھی آ گئے ہیں دونوں ملازمہ چھٹی پر ہیں۔ بھابی مہمانوں کو کمپنی دے رہی ہیں اس لیے کچن کی ذمہ داری میری ہے۔'' وہ شیک کا سامان کاؤنٹر پر رکھتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''مہمانوں کے لیے اس قدر تکلف کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ ہر چیز بازار میں تیار ملتی ہے کچھ بھی منگوا کر ان کے سامنے رکھ دیں کیا ضرورت پڑ گئی دوسروں کے لیے خود کو تھکانے کی۔'' وہ منہ بنا کر بولی۔

"اس گھر میں اماں بی کے رائج کردہ اصول کے پابند ہیں سب' ان اصولوں میں یہ اصول بھی شامل ہے کہ مہمانوں کی خاطر تواضع گھر سے بے مشروبات اور کھانوں سے کی جائے خواہ بازار سے چیزیں منگوا کر آپ ٹیبل بھردیں مگر گھر سے بنی کوئی ڈش و مشروب مینو میں شامل ضرور ہونی چاہیے۔"

"ہونہہ' بوڑھے لوگ ایسے ہی کریزی ہوتے ہیں دراصل ان کو خود تو کچھ کرنا نہیں ہوتا ہے صرف بیٹھ کر حکم چلانا ہوتا ہے۔" وہ شانے اچکا کر گویا ہوئی۔

"ٹھیک کہہ رہی ہو تم' اماں بی ایسی ہی فطرت کی مالک ہیں۔ مہمانوں کے آنے سے بہت خوش ہوتی ہیں' مجھے تو لگتا ہے کچھ عرصے بعد وہ گھر کو گیسٹ ہاؤس ہی بنا ڈالیں گی۔" وہ جوسر بلنڈر میں دودھ' شوگر وغیرہ ڈالتی بولیں۔

"ایسا کچھ نہیں ہوگا آپو۔" وہ آئس کیوبز نکالتی مسکرا کر بولی۔

"چند ماہ بعد ہی میں ابوبکر کی زندگی میں داخل ہو جاؤں گی اور پھر......" اس نے دانستہ بات ادھوری چھوڑ کر رباب کی طرف دیکھا تھا اور رباب اندر ہی اندر سلگ رہی تھی کیونکہ ابوبکر کی آنکھوں و چہرے سے جھلکتی ناپسندیدگی وہ بھانپ گئی تھی پھر اسی اندیشے کی تصدیق کے لیے وہ پردے کی اوٹ میں کھڑی ہوگئی تھی اور اندیشے سچ ثابت ہوئے تھے۔ اس نے بڑی بے مروتی سے اپنے اور وردہ کے قائم ہونے والے نوزائیدہ رشتے کو نہ صرف ٹھوکر ماری تھی بلکہ کسی لڑکی کو پسند کرنے کا اقرار بھی کر گیا تھا اور اس کا انکار وردہ کی ہی نہیں خود ان کی بھی توہین تھی۔

"پھر کیا تیر مارلو گی تم؟ ابوبکر کو حاصل کرنا تو گویا لوہے کے چنے چبانا ہے' چبا سکو گی؟" وہ مسلسل اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

"یہ..... یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟ کوئی گڑبڑ ہوگئی ہے کیا آپو؟"

"تم ابھی اپنے روم میں جاؤ' میں وہیں آکر بات کرتی ہوں۔"

"نہیں نہیں' مجھ سے برداشت نہیں ہوگا میں ویٹ نہیں کرسکتی۔ آپ مجھے ابھی بتائیے کیا ہوا ہے' ابوبکر کو کوئی اعتراض ہے اس نے کچھ کہا ہے؟" کم عقل تو وہ بھی نہ تھی پھر ابوبکر کی خاموشی و سنجیدگی نے اسے کوئی خوش کن احساس نہ بخشا تھا اور وہی دھڑکا دھڑکنوں کو ڈرانے لگا تھا۔

"اس نے اس رشتے سے انکار کردیا ہے وردہ......" وہ گہری سانس لے کر گویا ہوئیں۔

❀......❀......❀

اماں بی کو ایک چپ سی لگ گئی تھی' ابوبکر کو بھی گویا نہ ان کی چپ کی پروا تھی اور نہ رباب کی بڑبڑاہٹوں کی جو اس کی اور اماں بی کی موجودگی میں کچھ زیادہ ہی بلند و ترش ہو جایا کرتی تھی۔ وہ گھر جس کو اماں بی جنت سے تشبیہ دیا کرتی تھیں' ابوبکر کے انکار نے اس گھر کے ماحول کو بدل کر رکھ دیا تھا گو کہ ابھی یہ بات صرف گھر کے بڑوں تک محدود تھی اور ابوبکر کو بھرپور طریقے سے راضی کرنے کی سعی بھی کی جارہی تھی مگر رباب کو کسی پل چین نہ تھا وہ گیلی لکڑی کی طرح سلگتی جارہی تھی۔ اس کی انا پرست و خود پسند طبیعت احساس توہین سے مضطرب تھی اس کے غصے اور خفگی کو دیکھتے ہوئے اس نے اسے سمجھانے کی کئی بار کوشش بھی کی۔

"مجھے افسوس ہے ممانی' میں آپ کی خواہش پوری کرنے سے قاصر ہوں۔ دراصل کچھ عرصہ قبل ہی میں کسی لڑکی کو پسند کر چکا ہوں' اس سے جیون بھر ساتھ نبھانے کا وعدہ نہ کیا ہوتا تو......" وہ تنہائی میں انہیں سمجھا رہا تھا۔ "شرمندہ ہوں' لیکن کیا کروں؟ میں نہ ادینہ کو دھوکہ دے سکتا ہوں اور نہ وردہ کو جھوٹے وعدوں کے رشتوں میں باندھ سکتا ہوں آپ میری بات سمجھ رہی ہیں نا؟"

"سب سمجھ رہی ہوں میں اچھی طرح سے وہی بات ہے ڈگ جس تھالی میں کھاتے ہیں سوراخ بھی اسی تھالی میں کرتے ہیں۔ ارے اتنے سے تھے تم جب تمہاری ماں مرگئی تھی' تمہیں پالا پوسا اتنا بڑا ہم نے کیا اور جب اس درخت کے پھل دینے کا وقت آیا تو مالی کوئی اور بن بیٹھا

ہے۔" وہ ہاتھ کے اشارے سے بتاتے ہوئے جتانے لگی تھیں۔

"مائنڈ یور لینگویج' میری پرورش نانی جان نے کی ہے' آپ لوگوں کا کوئی احسان نہیں ہے۔ کس احسان فراموشی کا طعنہ دے رہی ہیں آپ مجھے؟" اس نے ہمیشہ خود مختار زندگی گزاری تھی' کبھی ایک پیسے کے لیے بھی ان کے آگے ہاتھ نہ پھیلایا تھا۔ الٹا ان کی خواہشات پر ہی پیسہ لٹا رہا تھا پھر ان کے رعب میں کیوں آتا بھلا۔

"ایسا ہی ہوتا ہے وقت نکلنے پر سب یوں ہی آنکھیں دکھاتے ہیں اور میری بہن کے لیے تم ہی کوئی دنیا کے آخری مرد نہیں بچے ہو۔ بہت ہیں ایسے مرد جو اس سے شادی کرنے کے لیے بے تاب رہتے ہیں۔ وہ تو میں ہی بے وقوف تھی جو تمہارا خیال کر بیٹھی' دیکھنا کیسے دھوم دھام سے وردہ کی شادی کرتی ہوں۔" وہ اسے گھورتی ہوئی وہاں سے چلی گئیں۔

❀......❀......❀

دھوپ اپنی سنہری شعاعیں سمیٹ رہی تھی اونچے پہاڑوں کی چوٹیوں پر سرمئی غبار چھانے لگا تھا۔ وہ کھڑکی میں کھڑی باہر بکھرے سبزے کو دیکھ رہی تھی۔ یہاں آئے اسے کئی ہفتے ہوگئے تھے' شروع شروع میں یہاں بھی اسے خاصی الجھن' پریشانیاں برداشت کرنی پڑی تھیں۔ اماں بی کا انداز لیا دیا سا تھا' رمضان بابا نے بھی محتاط روی اختیار کی ہوئی تھی بلکہ وہ چھپ چھپ کر اس کی ہر جگہ نگرانی کیا کرتے تھے اور یہ بات انہوں نے معذرت کرتے ہوئے چند دن قبل بتائی تھی کیونکہ وہ ان کے اندازوں سے بھی زیادہ بھولی و بے ضرر ثابت ہوئی تھی۔ کم کھانا' کم بولنا اور خدمت کرنے کے لیے ہر وقت حاضر رہنا' کسی بھی وقت کوئی بھی مشقت والا کام ہو وہ بنا منہ بنائے' بن جتائے سعادت مندی سے کرنا شروع کردیتی تھی۔

سوتیلی ماں کے ظلم سہہ سہہ کر بلا چوں وچرا اس غلامی کرنے کی اس کی عادت پختہ ہوگئی تھی۔ اماں بی جیسی نرم طبیعت و پرخلوص عورت اپنی طبیعت پر زیادہ جبر نہ کرسکی تھیں۔ جنت کی خدمتوں و محبتوں کا اعتراف صرف زبانی ہی نہیں' مالی طور پر کرنے لگی تھیں اور وہ ہر بار انکار کردیا کرتی تھی۔

"بہت عجیب لڑکی ہو تم' پیسوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے ایسے خوف زدہ ہوجاتی ہو گویا یہ نوٹ نہ ہوں سانپ و بچھو ہوں۔" آج بھی انہوں نے کچھ بڑے نوٹ اس کی طرف بڑھائے تو اس نے انکار کردیا تھا۔

"مجھے ان پیسوں کی ضرورت نہیں اماں بی...... یہ آپ چھوٹی ماں کو دیجیے گا۔"

"تمہاری چھوٹی ماں کو تو دوں گی چند ہفتے رہتے ہیں سیلری دینے میں۔ یہ تو میں اپنی خوشی سے دے رہی ہوں جب سے آئی ہو یہ دو تین سوٹ دھو دھو کر پہن رہی ہو رمضان کے ساتھ مارکیٹ سے کپڑے وغیرہ لے آؤ اور پریشان نہ ہونا میں یہ پیسے سیلری میں سے نہیں کاٹوں گی۔" وہ شفقت سے مسکرائی تھیں۔

"میرے کپڑے ٹھیک ہیں اماں بی۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"خاک ٹھیک ہیں بار بار دھلنے سے رنگ پھیکے پڑگئے ہیں اور پھر تمام کپڑے آؤٹ آف فیشن ہوگئے ہیں۔ تم کیوں خود پر بڑھاپا طاری کررہی ہو جنت۔ ارے ایسے کپڑے اس عمر میں بھی نہیں پہنتی ہوں' پھر تمہاری عمر ابھی شوخ رنگوں کی بارش میں بھیگنے کی ہے' چڑیوں کی طرح چہچہانے کی ہے۔ تم تو دنیا کو بالکل ہی خیر آباد کہہ کر بیٹھ گئی ہو۔" وہ اس کے دوپٹے کے حصار میں لپٹے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھیں جہاں گہری اداسیاں ڈیرے ڈالے ہوئی تھیں۔ وہ ٹکر ٹکر ان کی صورت دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

"یہ ایک عمر رسیدہ عورت جس کے لہجے سے امرت ٹپکتا ہے جس کی آنکھوں میں ممتا ہر وقت روشنی بن کر موجود رہتی ہے۔ ایسی مٹھاس' ایسی چمک کی تلاش اس کی روح کو ہمیشہ رہی تھی۔ آج ملی تھی تو اسے بہت عجیب سا احساس ہوتا تھا' کیا محبت خریدی جاسکتی ہے' کیا احساس

فروخت ہوتے ہیں؟ وہ یہاں ملازمہ تھی اپنی خدمت کے عوض رقم لیتی تھی وہ اس محبت کی اہل نہیں ہے اس شفقت کی مستحق نہیں ہے۔ اسے تو غلامی کے بدلے میں بھی جھڑکیاں، گالیاں و مار اور طعنے ملتے تھے۔ اماں بی کی دنیا شریفہ کی دنیا سے بالکل مختلف وخوب صورت تھی ماسوائے ایک شخص کے جو ظلم وزیادتی میں شریفہ سے بھی آگے تھا۔"

"اپنا خیال رکھا کرو بیٹی، تم اپنا خیال نہیں رکھو گی تو کوئی بھی نہیں رکھے گا تمہارا خیال، یہ لوگوں کے دستور بھی بڑے عجیب ہوتے جارہے ہیں۔ کسی کو کسی کا خیال ہے اور نہ ہی پرواہ ہے، جب ہی تو لوگوں کے ہجوم بیکراں میں ہر کوئی تنہائی وا کیلے پن کا شکار ہورہا ہے۔" انہوں نے اس کے چہرے پر پھیلی یاسیت دیکھتے ہوئے رنجیدگی سے کہا۔

"اماں بی...... ابھی دنیا قائم ہے اور میں سوچتی ہوں جس دن دنیا میں ایک بھی اچھا انسان نہ رہا۔ اسی دن دنیا فنا ہوجائے گی ان اچھے لوگوں میں آپ کا بھی شمار ہوتا ہے آپ بہت اچھی ہیں اماں بی۔" عقیدت بھرے لہجے میں کہتے ہوئے اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

"اچھی تو تم بھی ہو بیٹی۔ اچھے لوگوں کو ہی دوسروں میں اچھائی دکھائی دیتی ہیں ورنہ لوگ دوسرے لوگوں کو بھی برائیوں میں مبتلا کرکے خوش ہوتے ہیں۔"

"میرا دل کرتا ہے کاش میرے ہاتھ میں کوئی جادو کی چھڑی آجائے اور اس چھڑی کو میں گھما کر دنیا کو نفرت و لالچ سے پاک کردوں پھر ہر جگہ محبت کے پھول مہکتے ہوں، ہر سو خلوص وچاہت کے رنگ بکھرے ہوں پھر دنیا کس قدر خوب صورت ہوجائے گی زندہ رہنا کس قدر اچھا لگے گا۔" وہ آنکھیں بند کرکے تصور کی جنت میں گم کہہ رہی تھی اس بات سے بے خبر ابوبکر دروازے کے پاس کھڑا سب سن رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں سخت ناگواری تھی۔ وہ ان کے بالکل قریب بیٹھی ہوئی تھی اور اسے یہ بے تکلفی کہاں پسند تھی۔

"نانی جان..... آپ نے مجھ سے پرامس کیا تھا بھول گئی آپ؟" اسے دیکھ کر جنت برق رفتاری سے کھڑی ہوئی تھی۔ ان کی بھی حالت ایسی تھی گویا چوری کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑی گئی ہوں اس کا انداز بھی پولیس والا ہی تھا۔

"تم کہاں غائب رہنے لگے ہو بیٹا۔ دن بدن تمہاری مصروفیات میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔" وہ شکایتی انداز میں گویا ہوئیں۔

"میرے سوال کا جواب گول کرنے کی کوشش نہ کیجیے نانی جان۔"

"جنت...... کافی بنا کر لاؤ اور دیکھنا رمضان رات کے لیے کیا پکا رہا ہے؟" وہ اڑی اڑی رنگت والی جنت سے مخاطب ہوئی تھیں تاکہ وہ منظر سے غائب ہو اور حکم ملتے ہی وہ حسب عادت سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گئی تھی۔

"آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ کسی بھی ملازم کو آپ فری نہیں کریں گی اور کچھ دنوں میں ہی آپ سب بھول کر وہ ہی پرانی روش اختیار کیے ہوئے ہیں۔ کیا ضرورت ہے آپ کو اس دو ٹکے کی ملازمہ کو اپنے قریب بٹھانے کی؟" وہ بیٹھا نہیں تھا سینے پر ہاتھ باندھے ان کے قریب ہی کھڑا تھا۔

"جنت کو ملازمہ مت کہا کرو میرے دل کو ٹھیس لگتی ہے ابوبکر۔"

"ملازمہ کو ملازمہ نہیں تو ملکہ کہوں نانی جان، دل کو قابو میں کیجیے اپنے' دھوکے پر دھوکے کھاتی آرہی ہیں آپ اپنوں سے نہ غیروں سے پھر بھی ہر کسی پر یقین کرنے بیٹھ جاتی ہیں۔" عجیب سا لہجہ تھا اس کا با ادب بھی اور معترض بھی۔

"میں نے جب بھی محبت کی ہے فقط محبت کی ہے۔ کبھی بھی نفع ونقصان، سود وضیاع کا حساب نہیں رکھا۔ میرا ایمان ہے، جو ہم دیتے ہیں وہ ہی ہمیں ملتا ہے۔ گلاب کے بدلے گلاب' خار کے بدلے خار محبت بانٹو گے محبت پاؤ گے۔ بےزاری کے جواب میں بےزارگی۔"

"گزر گئے وہ دن نانی جان، جب پیار کے بدلے پیار اور چاہت کے بدلے چاہت ملتی تھی۔ اب دینے والے

دیتے رہتے ہیں اور لینے والوں کو لینے کی لت پڑ جاتی ہے وہ بڑی ڈھٹائی سے دوسروں کا حق بھی اپنا مال سمجھ کر چھین لیتے ہیں' آپ غاروں کے دور سے باہر تشریف لے آئیے۔"

"ارے کھڑے کھڑے بحث کیے جاؤ گے یا بیٹھو گے بھی۔"

"گستاخی معاف' میں بحث نہیں کررہا صرف آپ کو سمجھانے کی سعی کررہا ہوں کہ اس ملازمہ پر زیادہ بھروسہ نہ کریں۔" وہ ان کے قریب بیٹھ گیا۔

"خود تو آدھی آدھی رات تک غائب رہتے ہو جب دل چاہتا ہے کھڑے کھڑے میری خیریت پوچھنے کو آجاتے ہو۔ تمہیں نہ میری تنہائی کا خیال ہے نہ اکیلے پن کا احساس اور اگر جنت سے کچھ دل کی بات کرلوں تو اس پر بھی اعتراض ہے۔ ارے اس سے اچھی تو میں کراچی میں ہی تھی وہاں تنہائی کا احساس تو نہ ہوتا تھا۔ مجھے واپس بھیج دو وہاں پر بس۔" وہ بھرے بادلوں کی مانند برستی چلی گئیں۔

"سب جانتا ہوں' وہاں کتنی چاہت ملتی تھی آپ کو باہر سے آنے والی آوازوں کو سن کر تنہا بیٹھ کر خوش ہوتی ہوں گی آپ۔" اس کے لہجے میں بالکل بھی طنز نہ تھا دکھ کی گہری کاٹ تھی۔

"اگر میری پروا کرتے ہو تو......"

"شادی کرلوں تاکہ جو آپ کے ساتھ میرا سکون بھی برباد کردے۔" وہ ان کی بات قطع کرکے سنجیدگی سے کہہ اٹھا۔

"لو......اب بات بھی پکڑنے لگے ہو میری۔" وہ سخت برامان گئیں۔

"ارے...... اللہ میری توبہ' جو میں آپ کی بات پکڑوں۔" اس نے دھیمے سے مسکرا کر دونوں کان پکڑتے ہوئے کہا۔

"دراصل آپ کی باتیں مجھے اس قدر ازبر ہوگئی ہیں کہ بلاارادہ ہی منہ سے نکل جاتی ہیں ابھی بھی اسی طرح ہوا۔"

"پھر تو مان کیوں نہیں جاتا شادی کرلے گا سب کی زبانیں تیرے خلاف زہر اگلنا بند کردیں گی۔" وہ پھر مصر ہوئیں۔

"نانی جان...... دنیا میں اور بھی غم ہیں شادی کے سوا۔"

"اونہو...... غلط بات نہ کرنا' شادی کرنا تو سنت ہے۔"

"آپ سنت و نفل کو کیوں لارہی ہیں باتوں کے درمیان' بات کیا ہورہی تھی اور آپ کہاں پہنچ گئی ہیں۔ میں نے یہ کہنا تھا کہ کل ملازمہ کی والدہ کو آنا ہے' سیلری دینی ہے اسے ویسے میری کوشش یہی ہوگی گھر میں رہوں بالفرض کسی ایمرجنسی میں مجھے کہیں جانا بھی پڑ گیا تو آپ ہوشیار رہیے گا وہ عورت خطرناک ہے۔"

"تم فکر مت کرو میرا کچھ نہیں کرسکتی وہ۔"

"خیر' یہ مجھے بھی پتا ہے وہ کچھ نہیں کرسکتی......تمام ملازمین اور واچ مین کو میں نے اس عورت کے مطابق سخت ہدایات پہلے ہی دے رکھی ہیں۔ آپ سے گزارش ہے کہ اس لالچی عورت کے آگے اپنی رحم دلی و سخاوت کے مظاہرے کم ہی کیجیے گا۔"

"تم کیا سمجھتے ہو' تمہاری دولت میں آنکھیں بند کرکے لٹا رہی ہوں؟"

"جس طرح چاہیں لٹائیں آپ کی ہی دولت ہے۔ مگر اچھے لوگوں پر لٹایئے' لٹیروں پر نہیں۔" وہ اطمینان سے گویا ہوا۔

❁......❁......❁
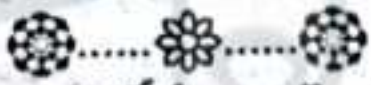
رمضان بابا کے ہاتھوں کافی بھیج کر وہ کاؤنٹر پر رکھی سبزیاں کاٹنے کھڑی ہوگئی تھی۔ دل کی حالت ابھی بھی سنبھلی نہیں تھی ابوبکر کو دیکھ کر وہ ہمیشہ ہی ایسے خوف و دہشت کا شکار ہوجاتی تھی کیونکہ پہلے دن سے اس نے اس کے انداز میں خونخواری و سفاکیت دیکھی تھی۔ چھوٹی ماں نے بتایا تھا وہ بدمزاج ہے غریبوں کی عزت نہیں کرتا مگر وہ شاید کسی کی بھی عزت کرنا نہیں جانتا تھا۔ کل کی ہی بات تھی اس کے کسی ریلیٹو نے کوئی وعدہ خلافی کی تھی اور جواباً اس نے اسے ایسی ایسی باتیں سنائی تھیں کہ وہ بے چارہ اب خواب میں بھی وعدہ خلافی کرنے کی جرأت نہ

کرے گا۔ وہ پہلے ہی اس کے رعب کا شکار تھی اور دن بدن اس کی سخت مزاجی و تیوروں کی گرمی نے اسے سہما کر رکھ دیا تھا۔

"ارے بیٹی...... تم یہ کیوں کاٹنے کھڑی ہوگئیں؟ میں کاٹ لوں گا۔" وہ کافی دے کر آئے تو اس سے مخاطب ہوئے۔

"آپ کوئی اور کام کرلیجیے اچھا ہے جلدی کام ہوجائے گا پھر آپ نماز پڑھنے مسجد چلے جائیے گا۔" وہ گاجر کاٹتے ہوئے بولی۔

"خوش رہو بیٹی! جب سے تم آئی ہو خاصی آسانی ہوگئی ہے مجھے، لیکن خدانخواستہ چھوٹے صاحب کو کسی دن معلوم ہوگیا کہ تم، اماں بی کے علاوہ گھر کے دوسرے کاموں میں بھی حصہ لیتی ہو تو......" وہ ایک جھرجھری لے کر چپ ہوگئے۔

"بے فکر رہیں بابا آپ، ان کو پتا نہیں چلے گا۔ بابا...... چھوٹے صاحب کیا ہمیشہ سے ایسے ہیں؟" وہ بے ساختہ پوچھ بیٹھی۔

رمضان بابا جو چکن کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ رہے تھے اس کے سوال پر چند لمحے گم صم ہوئے پھر دکھی لہجے میں گویا ہوئے۔

"نہیں بیٹی، چھوٹے سرکار جیسا ہنس مکھ، شرارتی و شوخ و چنچل کوئی نہ تھا۔ وہ اس قدر باتونی اور ملنسار تھے جس محفل میں جاتے تھے ڈھیروں دوست بنا کر آتے تھے۔ گھر میں بھی ہر وقت ان کے قہقہوں کی آوازیں گونجتی تھیں۔"

"کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں بابا؟" وہ سخت حیرانی سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ بہت عجیب بات کررہے تھے ناقابل یقین سچ۔

"بالکل سچ...... ساری بات وقت کی ہے وقت کب کس کے ساتھ کیا چال چل دے، کسی کو خبر نہیں ہوتی۔" وہ آنکھیں صاف کرتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

❁......❁......❁

بہت اداس ہے کوئی شخص تیرے جانے سے
ہو سکے تو لوٹ آ کسی بہانے سے
تو لاکھ خفا سہی مگر ایک بار تو دیکھ
کوئی ٹوٹ گیا ہے کس قدر تیرے جانے سے

"واؤ یار......! کیا بیوٹی ہے کون ہے یہ مس ورلڈ؟" ہارون کے ہاتھ میں اس کا سیل فون تھا اور وہ اس میں گیلری چیک کررہا تھا۔ باتھ لے کر نکلتے ابوبکر نے جھپٹ کر اس سے موبائل چھینتے ہوئے کہا۔

"شرم نہیں آتی بنا اجازت کسی کی پرائیویسی میں گھستے ہوئے؟"

"ہم تم تو لنگوٹیا یار ہیں، اب تم مجھ سے بھی پردہ کرو گے؟ شرم تو تم کو آنی چاہیے ایسی باتیں کرتے ہوئے۔"

"تم میری فیورٹ ہر چیز چھین لیتے ہو سوری، میں تمہیں نہیں بتانے والا۔" وہ آئینے کے سامنے کھڑا خود پر باڈی اسپرے کرتا ہوا بولا۔

"بتادو یار...... میں تمہاری پسندیدہ چیزیں ہضم کرنے کا عادی ہوں مگر یہ لڑکی ہے کوئی فروٹ یا چاکلیٹ نہیں ہے جو میں ہڑپ کرجاؤں۔"

"تم اتنے بے قرار کیوں ہورہے ہو، وہ جو بھی ہے میری ہے۔"

"میں نے کب کہا میری ہے؟ مگر جو بھی ہے بہت خوب ہے۔"

"ہوگئے نہ لٹو، یہ تمہاری پرانی عادت ہے جہاں کوئی اچھا مکھڑا دیکھا اور تم اسی طرح لٹو ہوجاتے ہو لیکن اس سے نگاہ اٹھالو وہ ادینہ ہے مائی لو یعنی تیری ہونے والی بھابی۔" وہ خاصا مسرور لگ رہا تھا۔

"جانتا ہوں میری ہونے والی بھابی ہے مگر جلدی سے بتا، بھابی کی کوئی چھوٹی بہن بھی ہے؟" وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"اونہوں...... وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہے۔"

"اکلوتی...... اومائی گاڈ، یہ تو ظلم ہے میرے ساتھ۔"

"افسوس ان غنچوں پر جو بن کھلے مرجھا گئے۔"

"دیکھ میرا مذاق اڑانے کی ضرورت نہیں، ایک اتنا لمبا

ہاتھ مارلیا پھر میرا دل بھی جلا رہا ہے یہ دوستی تو نہ ہوئی نہ۔‘‘
’’اب تجھے جو سمجھنا ہے سمجھ میں جارہا ہوں ادینہ سے ملنے۔‘‘ اس نے تیار ہوکر ٹیبل سے چابیاں اٹھائیں۔
’’ہوں..... ٹھیک ہے۔‘‘ وہ کسی گہری سوچ میں گم تھا۔

❀.......❀.......❀
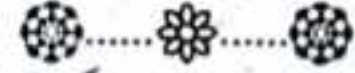
’’کیا بات ہے خاصی پریشان وفکر مند لگ رہی ہو کیا ہوا ادینہ؟‘‘ لہریں ان کے قدموں کو بھگوتی آگے بڑھ رہی تھیں دھوپ کا سنہری عکس اس کے چہرے کو مزید دلکش بنا رہا تھا۔
’’یہی سوال میں تم سے پوچھنا چاہتی ہوں۔‘‘
’’کیا مطلب..... میں پریشان نہیں ہوں تم بتاؤ خیریت ہے؟‘‘
’’نہیں پہلے تم بتاؤ کیا بات ہے کیوں چھپا رہے ہو مجھ سے؟ میں اس لائق نہیں ہوں یا اپنی پرابلمز شیئر کرنا نہیں چاہتے؟‘‘ وہ اس کی آنکھوں کو دیکھ رہی تھی جہاں کوئی طوفان چھپا ہوا تھا اس کی آنکھوں کی وحشت مسکراہٹ کا ساتھ نہیں دے پا رہی تھی۔
’’اوہ..... تم نے کیسے فیل کیا کہ میں پریشان ہوں؟‘‘ اس نے ہتھیار ڈالتے ہوئے پوچھا وہ دھیمے سے مسکرا کر بولی۔
’’جس طرح تم نے محسوس کیا کہ میں پریشان ہوں۔‘‘
’’پھر بتاؤ نہ تم اتنی اپ سیٹ کیوں لگ رہی ہو؟‘‘ وہ ساحل پر ایک ٹوٹی چٹان پر بیٹھے ہوئے تھے دھوپ ہر سو پھیلی ہوئی تھی۔
’’ابوبکر..... مما کو بہت پہلے شک ہوگیا تھا کہ میری زندگی میں کوئی مرد داخل ہوچکا ہے وہ بہانوں سے مجھ سے پوچھنے کی سعی کرتی رہی ہیں اور میں ان سے اس لیے چھپاتی رہی کہ میں جانتی تھی وہ مجھے تم سے ملنے کی اجازت نہیں دیں گی۔ آج بھی بڑی مشکل سے مجھے اجازت ملی ہے اور کچھ پرپوزلز کی چھان بین بپا کررہے ہیں۔‘‘
’’اچھا یہ بات ہے۔‘‘ وہ گہری سانس لے کر گویا ہوا۔
’’ہماری راہوں میں سماج دیواریں کھڑی کرنے کی کوشش کررہا ہے۔‘‘
’’کیا..... کیا تمہارے گھر والے بھی تمہارے لیے لڑکی تلاش کررہے ہیں؟ میں سوچ کر آئی تھی تم سے کہوں گی اپنے گھر والوں کو میرے گھر بھیجو تاکہ ماما اور پپا اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکیں مگر.....‘‘ اس نے بات ادھوری چھوڑی اور چہرہ چھپا کر رونے لگی۔
’’اوہو..... ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ ممانی جان نے ایسے ہی اپنی بہن کی بات چھیڑ دی تھی اور میں نے منع کردیا اور ساتھ ہی نانی جان کو بھی تمہارے متعلق بتادیا کہ تم کو پسند کرتا ہوں اور شادی بھی تم سے ہی کروں گا۔‘‘ اس کے انکار کو لے کر آج کل گھر میں کتنی ٹینشن پھیلی ہوئی ہے یہ سب وہ اس سے چھپا گیا تھا۔
’’تم نے ان سے بات کی وہ راضی ہیں ہمارے رشتے پر؟‘‘ وہ رونا بھول کر بھیگے چہرے کے ساتھ پراشتیاق لہجے میں گویا ہوئی۔
’’توبہ..... کتنی بے شرم لڑکی ہو۔‘‘ اس کی رگ شرارت پھڑکی اور ادینہ کو بھی اپنی بے تکلفی کا احساس ہوا تو وہ بلش ہوکر رہ گئی۔
’’اب میں بات نہیں کروں گی تم سے۔‘‘
’’ٹھیک ہے پھر میں تمہیں بیٹھا دیکھتا رہوں گا اعتراض نہ کرنا۔‘‘ اس نے کہا اور ٹکٹکی باندھ کر اس کے چہرے کو محبت سے دیکھنے لگا۔ وہ بھی کچھ دیر تک اس کی طرف نہ دیکھتے ہوئے منہ پھلا کر بیٹھی رہی۔ مگر کب تک وہ اس کی ضوفشاں نگاہوں کی حدت برداشت کرتی مسکراتی ہوئی وہاں سے اٹھی وہ بھی ساتھ ہی کھڑا ہوگیا پھر رات تک وہ مستقبل کے سہانے سپنے بنتے رہے تھے۔

❀.......❀.......❀

رمضان بابا کی زبانی اس پر اس حقیقت کا ادراک ہوا تھا کہ ابوبکر اور اماں بی کا تعلق اس بنگلے سے تھا جہاں وہ چھوٹی ماں کے ساتھ دو تین بار سلائی کے کپڑے دینے گئی تھی اور جب آخری بار وہ گئی تھی۔ رخشی رابیکا وغیرہ نے بتایا تھا ان کی انیکسی میں بھیڑیا رہتا ہے جو عورتوں کا شکاری ہے۔ وہ

بھول کر بھی اس طرف نہ جائے اور شومئی قسمت وہ لائٹ جانے اور راستوں سے واقف نہ ہونے کے سبب انیکسی کے لان میں چلی گئی تھی اور تب ہی برگد کے درخت کے پیچھے سے اس نے دہکتی ہوئی شعلوں کی طرح آنکھوں والے شخص کو دیکھا تھا۔ وہ لمحوں کی بات تھی۔ قسمت نے یاوری کی تھی وہ شیر کی کچھار میں جا کر بھی سلامت آ گئی تھی اور چند دنوں میں اس کا چہرہ اس طرح بھول گئی کہ یہاں دیکھنے کے بعد بھی اس کو یاد نہ آیا کہ وہ کتنا خطرناک شخص ہے اور اس سے بچنے کی تلقین بہت شدت سے کی گئی تھی اور وقت نے دوسری بار بڑی بے دردی سے اسے اسی کی جاگیر میں قید کر ڈالا تھا۔ جب تک آنکھیں اندھیرے میں ڈوبی رہتی تھیں تو سانپ کو بھی رسی سمجھ کر دل کو ڈھارس رہتی ہے اور جب آنکھیں روشنی سے مانوس ہو جائیں تو رسی پر بھی سانپ کا گمان ہوتا ہے اور اس کو بھی حقیقت کا ادراک ہو گیا تھا' اس کی ساری رات کروٹیں بدلتے گزری تھی۔

دل وسوسوں کا شکار ہو رہا تھا ہر آہٹ اسے خوف زدہ کر رہی تھی۔ رات اس نے یہاں سے ہر حال میں جانے کا فیصلہ کر لیا تھا اور یہ سوچ کر کچھ مطمئن ہو گئی تھی کہ چھوٹی ماں کل صبح آنے والی تھی' رات بھاری گزری تھی اور شریفہ کو بھی ہرے و نیلے نوٹوں کی کشش نے رات بھر جگایا تھا گویا رات کی صبح بڑی مشکل سے ہوئی تھی۔ اماں بی عادتاً اس سے خلوص سے ملی تھیں اور بہترین ناشتے سے اس کی تواضع کی گئی تھی۔ کرارے نئے نوٹوں کی گڈی انہوں نے اس کے ہاتھ میں رکھتے ہوئے اسے جنت سے ملنے کا کہا تھا۔ ویسے تو جنت سے اس کی ملاقات آتے ہی ہوئی تھی' وہ اس کے سینے سے لگ کر بچوں کی طرح رونے لگی تھی اور اس وقت اماں بی کی نگاہیں وہ اپنے اوپر شدت سے محسوس کر رہی تھی۔ اتنے ماہ کی دوری تھی اس کا دل منوں تو کر سکتی تھی رونا جیسے آتا مگر اماں بی کی متوجہ نگاہوں کو بھی تو دیکھنا ہی تھا سو بڑی مشکل سے دو قطرے آنسو کھینچ کر آنکھوں میں لائی اور خوب زور زور سے آنکھیں شال کے پلو سے

رگڑ رگڑ کر لال کر لیں تھیں۔ اب پتا نہیں وہ متاثر ہوئی تھیں کہ نہیں؟ مگر ان دونوں کو تنہائی میں ملنے کا موقع دیا تھا وہ ان کے حکم پر اپنے کمرے میں لے آئی تھی۔

''آ...... ہا...... تُو تو بھئی بڑی شہزادیوں کی طرح رہ رہی ہے۔ بڑا خوب صورت کمرہ ہے تیرا' بڑے ٹھاٹ ہیں تیرے۔ ایسا کمرہ میں نے خواب میں بھی نہیں دیکھا اور تو اس میں رہ رہی ہے۔'' شریفہ نے آتے ہی کمرے کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے ہوئے رشک آمیز لہجے میں کہا۔

''چھوٹی ماں...... مجھے یہاں سے لے جاؤ' میں یہاں کام نہیں کروں گی۔''

''کیا...... کیا کہہ رہی ہے' دماغ خراب ہو گیا ہے تیرا' پاگل ہو گئی ہے کیا؟ ایسے محل جیسے گھر میں شہزادی بن کر رہ رہی ہے۔ یہ کمرہ ہی دیکھ' کبھی خواب میں بھی سوچا تُو نے ایسی جگہ پر رہنے کا اور اس بڑھیا کو دیکھا ہے تُو نے کتنا پیار کرنے لگی ہے تجھ سے' جب وہ تیری طرف دیکھتی ہے کیسا محبت کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہے اس کی آنکھوں میں اور تو...... سدا کی ناشکری ابھی بھی یہاں سے جانے کی باتیں کر رہی ہے؟'' اس نے جنت کی بات کاٹ کر آہستگی سے غراتے ہوئے کہا۔

''وہ سب ٹھیک ہے چھوٹی ماں' مگر...... مگر یہاں میری عزت محفوظ نہیں۔'' اس نے روتے ہوئے کراچی میں رابرکا اور رخشی کی زبانی سننے والی گفتگو اس کو سناتے ہوئے کہا وہ کچھ توقف کے بعد بولی۔

''تین مہینے ہو گئے ہیں تجھے یہاں رہتے ہوئے اور اتنے دنوں میں تُو نے اس کھڑوس میں کوئی ایسی ویسی بات دیکھی ہے...... اس نے کبھی ہاتھ پکڑا ہے تیرا؟'' وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''نہیں' ایسا کبھی نہیں ہوا......'' بہت سوچنے کے بعد بھی کچھ یاد نہ آیا۔

''اچھی طرح سے یاد کر۔''

''نہیں' کبھی بھی ایسا نہیں ہوا مگر پھر بھی مجھے ڈر لگ رہا

ہے۔"

"ارے اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے جنت' وہ کھڑوس بہت پیسے والا ہے۔ میں کہتی ہوں اس سے ڈرنے کے بجائے اس پر ڈورے ڈالنے کی سعی کر' اپنے بس میں کر اسے تُو بڑی موہنی صورت والی ہے اور مرد کتنے ہی کٹھور کیوں نہ ہوں۔ خوب صورت لڑکیوں کے آگے موم ہوجاتے ہیں۔"

"چھوٹی ماں......! یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟" وہ سخت متحیر ہوئی۔

"ٹھیک کہہ رہی ہوں میری بچی' جس طرح سے بھی تُو اس کو اپنی مٹھی میں کر' جو وہ کہے مانتی چلی جا۔ قسم سے پیسہ پانی کی طرح برسے گا' ہمارے سارے دلدر دور ہوجائیں گے دیکھ لینا۔" وہ کسی اور ہی ڈگر پر چل پڑی تھی۔ جنت کی آنکھوں سے بہتی برکھا میں مزید روانی آگئی تھی۔ اس عورت نے اسے ملازمہ بنادیا تھا اور اب کیا بنانا چاہ رہی تھی۔ وہ جس دیوار کو سہارا سمجھے بیٹھی تھی وہ ہی اس پر گر رہی تھی اور اس کا وجود دبتا جارہا تھا۔

"بہروز کا مالک ہوٹل بیچ کر چلا گیا ہے وہ بے روزگار گھوم رہا ہے اور صدف اس کی حالت بہت بری ہے دن بدن خون کی کمی اس میں بڑھتی جارہی ہے۔ زچگی کے دن قریب آتے جارہے ہیں اور ایسے میں بہروز کا کام بھی چھوٹ گیا ہے اور نئی مصیبت یہ پڑی ہے کہ تمہارے ابا کا کام بھی چھوٹ گیا ہے اور سچ تو یہ ہے تمہارے ابا کی اب ہمت بھی نہیں ہے۔" اس کے گھائل اور احساسات سے بے خبر اپنے ہی راگ الاپ رہی تھی۔

"بس...... تُو آنکھیں بند کرکے میری باتوں پر عمل کر' پیسہ ہر دکھ ہر عیب کو چھپا دیتا ہے۔ کوئی فکر کرنے کی بات نہیں ہے کوئی اونچ نیچ ہوجائے میں تیرے ساتھ ہوں۔" وہ دھندلائی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"تُو نے ثابت کردیا ہے سوتیلے بھی سگے بن جاتے ہیں' اب تیری محنت سے ہی گھر چل رہا ہے ہمارے بڑھاپے کا سہارا تُو ہی ہے جنت۔"

❁......❁......❁

شریفہ اسے مردوں کو قابو کرنے کے کئی گر بتا کر سمجھا کر گئی اور جاتے جاتے بھی بار بار اس کی یہی تاکید تھی وہ فوراً اس کھڑوس کو قابو میں کرے۔ وہ لق ودق صحرا میں تنہا کھڑی تھی' نہ کوئی ہمنوا تھا نہ ہمراز...... فقط آنسو آہیں ہی اس کی ہمراز تھیں۔

"جنت...... جنت......!" رمضان بابا دروازہ ناک کرتے اندر آئے اور اسے کارپٹ پر بیٹھے زاروقطار روتے دیکھ کر الٹے قدموں واپس ہوگئے اور چند لمحے بعد لاٹھی کا سہارا لیے اماں بی ان کے ہمراہ آئی تھیں۔

"ارے بیٹی کیا ہوا' کیوں اتنا رو رہی ہو؟" وہ بھی اس کو شدومد سے روتا دیکھ کر سخت پریشان ہوگئی تھیں۔

"ارے بتاؤ تو سہی کیا ہوا' کسی تکلیف میں مبتلا ہو؟" وہ رمضان بابا کے ہاتھ سے پانی کا گلاس لے کر اسے پلاتے ہوئے بولیں۔ وہ کچھ نہیں بولی' پانی پی کر دل کو قرار سا ملا تھا' یا یہ ان کے شفقت بھرے قرب کی تاثیر تھی' آنسو تھمنے لگے تھے۔

"رمضان...... چائے بنا کر لاؤ' دیکھو تو سہی کیا حالت بنالی ہے اس نے اپنی رو رو کر' نا معلوم ایسا کیا ہوا؟" وہ ٹشو سے اس کا چہرہ صاف کرتی ہوئی گویا ہوئیں' وہ سر ہلاتے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔

"یقیناً تمہاری ماں آئی تھی' وہ کوئی فتنہ پھیلا کر گئی ہوگی۔ کیا کہہ کر گئی ہے ذرا مجھے بھی بتاؤ۔"

"کچھ نہیں اماں بی' آپ دعا کریں' میں مر جاؤں موت آجائے مجھے۔" وہ ہذیانی انداز میں کہہ رہی تھی اور چیخ چیخ کر رونے لگی۔

"ارے موت آئے تمہارے دشمنوں کو' مریں وہ لوگ جو تمہیں دکھ دینے کا باعث بنتے ہیں میری بچی' تم کیوں کسی کی خاطر موت کی آرزو کرنے لگی ہو۔ ابھی میں زندہ ہوں' تمہیں چاہنے والی' میری محبت ایک طرف اور ساری دنیا کی محبت ایک طرف' تمہارے روپ میں مجھے ایک بیٹی مل گئی ہے۔" انہوں نے پورے خلوص سے اس کے آنسو

صاف کیے، گلے سے لگایا مگراس کے اندر جوآگ لگی تھی وہ کسی پل بجھ کر نہ دے رہی تھی۔ ساری زندگی وہ ان کی خدمت کرتی چلی آئی تھی اپنا چین وآرام سکھ وخوشیاں ان سوتیلے رشتوں پر وارتی چلی آئی تھی صرف اس امید پرآج نہیں تو کل وہ ان کے دل میں اپنی جگہ بنالے گی۔ ایک نہ ایک دن وہ اس کو اپنا سمجھنے لگیں گے مگر سب لاحاصل رہا اور ثابت ہوگیا کانٹوں کے بطن سے کبھی بھی پھول جنم نہیں لیا کرتے۔ کانٹوں سے کانٹے ہی وجود پایا کرتے ہیں۔

''نہیں بتانا چاہ رہی ہو کوئی بات نہیں' نہیں بتاؤ۔ ضرور ایسی کوئی بات ہوگی جو بتانے والی نہیں ہوگی' بس آئندہ تم بالکل بھی خود کو تنہا نہیں سمجھنا' جو بھی کہنا ہے مجھ سے کہو۔'' وہ خاصی دیر تک بیٹھیں اس کی دلجوئی کرتی رہی نامعلوم ان کو اس سے انسیت ہوگئی تھی یا وہ ان کی ضرورت بن گئی تھی۔

❁......❁......❁

وہ لوگ سوچ رہے تھے اماں بی اور ابوبکر کے جانے کے بعد سکون سے رہ سکیں گے لیکن یہ خوش گمانی بہت بڑی خام خیالی ثابت ہوئی تھی۔ اماں بی ایک ایسے درخت کی مانند تھیں جس کی گھنی چھاؤں نے انہیں باہر کے گرم وسرد سے محفوظ رکھا ہوا تھا اور اس آشیانے کے ہٹتے ہی وہ لوگ کڑی دھوپ میں آ گئے تھے۔ نامعلوم وہ اماں بی کے وجود کی برکت تھی یا ان کی عبادتوں کا ثمر۔ ابوبکر کے علاوہ ان لوگوں نے آپس میں کبھی بھی ایک دوسرے پر انگلی نہیں اٹھائی تھی اور اب ان کی غیر موجودگی میں ان لوگوں میں ذاتی اختلافات جنم لینے لگے تھے۔ رباب کی لمبی زبان کے آگے نفیسہ بیگم کی کم گوئی بھی دراز ہونے لگی تھی۔ عورتوں کی عداوتیں مردوں کے کانوں سے دلوں تک پہنچنے لگی تھیں۔ وردہ نے بھی رباب کے پاس ہی ڈیرے ڈال لیے تھے۔ اس کے ساتھ جو حادثہ گزرا تھا اس حادثے نے سب کی ہمدردیاں اس کی جانب مبذول کردی تھیں۔ اسے بہت زیادہ اہمیت ملنے لگی تھی اور اس وی آئی پی پروٹوکول نے اس کو اس قدر اعتماد دیا تھا کہ وہ بے دھڑک گھر کے ہر معاملات میں بھی بولنے لگی تھی۔ پہلے تو کسی کو بھی اس کا بولنا برا نہ لگتا تھا مگر اب ان بگڑتے تعلقات کو ہوا دینے میں اس کا زیادہ عمل دخل تھا خصوصاً اس کی چپقلش ادینہ سے چلتی تھی۔

شروع شروع میں ادینہ اس کی فضول باتوں کو کوئی اہمیت نہ دیتی تھی لیکن کب تک وہ اس کی آگ لگاتی باتوں کو نظر انداز کرسکتی تھی۔ اس کے الٹے سیدھے سوالات برداشت کرسکتی تھی۔ نوبت اس حد تک آ گئی تھی کہ ہارون اس کی باتوں میں آ کر اس پر بے اعتبار ہونے لگا تھا۔

''کہاں کھوئی کھوئی رہتی ہو؟'' وہ ذرا خاموش ہوتی تو وہ استفسار کرتا۔

''میں کہاں کھوؤں گی؟ یہی موجود ہوں۔'' وہ چونک کر کہتی۔

''بہت نوٹ کررہا ہوں میں ابوبکر کے جانے کے بعد سے تم گم صم رہنے لگی ہو۔''

''وہاٹ...... کیا کہا آپ نے؟''

''وہ ہی جو تم نے سنا' اپنے پریمی کو بے حد مس کررہی ہونا؟''

''ہارون...... دماغ خراب ہوگیا ہے آپ کا؟'' وہ حیرت سے چیخ اٹھی۔ ''آپ کو معلوم بھی ہے کیا کہہ رہے ہیں آپ؟''

''چیخو مت' چوری اور سینہ زوری۔'' وہ اس سے زیادہ چیخا۔

''کیا چوری کی ہے میں نے؟'' ہر وقت کی بک بک سے وہ عاجز آ گئی تھی۔

''میرا اعتماد' میرا اعتبار' میری محبت......'' وہ جنونی ہونے لگا۔

''ٹھیک کہتی ہے وردہ! تم نے مجھ سے محبت کی نہیں ہے اور نہ ہی کروگی۔ تم کل بھی ابوبکر کی تھیں آج بھی اور ہمیشہ رہوگی۔''

''وردہ...... وردہ...... وردہ...... لڑکی ہے یا بدروح جب سے یہاں آئی ہے ہماری زندگی پر اس کا آسیب ہو

گیا ہے۔ ہر وقت کرب' اذیت اور مشکل میں زندگی پھنس گئی ہے اور ایک آپ ہیں اس کی ہر بات پر اس طرح یقین کرتے ہیں گویا ساری دنیا کی سچی ایک وہی لڑکی ہے۔"

"ہاں ہاں وہ سچی ہے اس کی سچائی تمہارے منہ سے بیان ہو رہی ہے۔ کس طرح چوری پکڑے جانے پر ماہی بے آب کی مانند تڑپ رہی ہو۔"

"ہارون...... کچھ خدا کا خوف کریں' خدا کے لیے مجھ پر ایسے گھٹیا الزام لگاتے آپ کو ذرا شرم نہیں آرہی ہے' بیوی ہوں میں آپ کی۔"

"مجھے شرم کیوں آئے گی' شرم تو تم کو آنی چاہیے۔ میری بیوی ہو کہ مجھے دھوکہ دے رہی ہو اور شرم کا تقاضہ بھی مجھ سے کر رہی ہو واہ۔" ان کے لڑنے کی آوازیں نفیسہ تک بھی پہنچ گئی تھیں وہ وہاں آکر غصے سے ان دونوں کی طرف گھورتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"اب کیا ہو گیا ہے؟ کس بات پر شور کر رہے ہیں۔ گھر میں پہلے ہی رات دن تماشے کم ہو رہے ہیں جو تم بھی شروع ہو گئے ہو۔"

"مما...... مما' میں نے اس لڑکی سے شادی کر کے زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی ہے' اپنی زندگی خود جہنم بنالی ہے میں نے۔"

"آج احساس ہوا ہے تمہیں؟" لہجہ بھرپور طنزیہ تھا۔ "میں تو پہلے دن سے کہہ رہی تھی' مت چاٹو کسی کا تھوکا' مگر تم نے میری ایک نہ سنی اور آج پچھتا رہے ہو۔" وہ سفا کی سے کہہ رہی تھی۔

"عورت اور جوتی میں کوئی فرق نہیں ہے میری نظر میں' پاؤں میں دبی جوتی اگر کاٹنے لگے تو اسے بدل لیا جاتا ہے۔" وہ سخت لہجے میں بولا۔

"اور مت بھولیں جب یہی جوتی سر پر پڑتی ہے تو دماغ روشن بھی ہو جاتا ہے۔" ادینہ بھی بلا خوف و خطر طنزیہ لہجے میں گویا ہوئی۔

"خاموش ہو جاؤ سب۔" ان کی تیز آوازیں خالد صاحب کو بھی وہاں کھینچ لائی تھیں۔

"سنا آپ نے کتنی لمبی زبان ہے اس لڑکی کی؟ کیسے پٹر پٹر چل رہی ہے نہ شوہر کا خیال' نہ ساس کا لحاظ' ذرا دیر میں اس نے اپنی ذات دیکھا دی۔" وہ اسے گھورتی ہوئی گویا ہوئیں جس کا ضبط سے چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور آنکھیں آنسوؤں سے لبالب بھری برسنے کو تیار تھیں۔

"بہو نے اپنی ذات دکھائی ہے تو تعارف آپ نے بھی اپنا کروا دیا ہے۔ کیا ضروری ہوتا ہے آپس کے اختلاف سب کو سنانا' ساتھ بیٹھ کر بھی معاملہ حل ہو سکتا ہے ایک دوسرے کو قائل بھی کیا جا سکتا ہے۔"

"آپ ایسی ہی باتیں کرتے ہیں نہ سوچتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں۔" خالد صاحب نے ایک نہ سنی وہ ادینہ کو سمجھانے کے بعد بیوی اور بیٹے کو سمجھانے لگے۔ وہ وہاں سے اٹھ کر ٹیرس پر آگئی تھی اور وہیں کرسی پر بیٹھ کر گزرے ماضی کے تانے بانے بننے لگی۔

❀......❀......❀

وہ ایگزامز سے فارغ ہوئی تو شیما ایک ماہ کے اندر اندر شادی کے بندھن میں بندھ کر کینیڈا چلی گئی تھی۔ گھر والوں کو اس کی فکر لگی تھی کئی رشتے تھے مگر خوش قسمتی سے ان میں کوئی نہ کوئی خامی رہ جاتی تھی اور وہ وقتی طور پر سکھ کا سانس لیتی تھی کہ ابوبکر کے سوا کسی دوسرے مرد کا تصور بھی محال تھا اور ابوبکر بھی اس کے حالات سے پوری طرح باخبر تھا روز فون پر اسے بے فکر رہنے کی تلقین کیا کرتا تھا۔ انہیں ملاقات کیے بھی خاصے دن ہو گئے تھے نامعلوم وہ کن کاموں میں الجھا ہوا تھا۔ فون پر بھی وہ بہت مختصر بات کرتا تھا اور یہ ہفتہ پورا گزر گیا تھا اس کا ایک فون تک نہ آیا تھا وہ بری طرح سے پریشان ہو گئی تھی' عجیب وسوسے آرہے تھے بھی اس کی صحت کی طرف سے' وہ پریشان ہونے لگتی کبھی یہ خیال آجاتا کہ ابوبکر کے رشتے کی بات چل رہی ہے۔ کہیں پکی نہ ہو گئی ہو؟ ایسا بھی ہو سکتا ہے ماموں یا نانی نے جذباتی دباؤ ڈال کر اس کی شادی نہ کر دی ہو۔ یہ خیال کسی تیز دھار آلے کی مانند جسم ہی نہیں روح کو بھی گھائل

کررہا تھا۔ اس کا سیل فون مسلسل آف جارہا تھا معاً اس کے ذہن میں ابوبکر کے کزن کا نام ابھرا تھا۔ کچھ عرصے قبل ہی ابوبکر نے اپنے اس کزن سے ملوایا تھا اور پہلی ہی ملاقات میں وہ ہارون کی اعلیٰ شخصیت‘ خلوص ومروت کی قائل ہوگئی تھی اور اس کے سیل فون میں اپنا نمبر سیو کرتے ہوئے اس نے شوخی سے کہا تھا۔

”یہ کانٹیکٹ نمبر ہے میرا آپ کو جب بھی اس بندے سے کوئی جاسوس کروانی ہو تو پلیز مجھ سے رابطہ کیجیے گا۔“ اس وقت اس کی بات مذاق میں اڑادی گئی تھی۔ وہ نمبر ابھی بھی موبائل میں سیوڈ تھا اور واقع آج ابوبکر کی جاسوسی کروانے کا دن آچکا تھا‘ ماما‘ پپا کسی عزیز کی عیادت کرنے گئے تھے۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے ہارون سے رابطہ کیا تھا۔

”زہے نصیب...... آخرکار آپ کو ہماری یاد آ گئی۔“ دوسری بیل پر کال ریسیو کی گئی اور شوخی سے جملہ کہا گیا تھا۔

”ہارون بھائی...... آئی ایم ادینہ کالنگ۔“ وہ نروس ہورہی تھی۔

”جی بولیے آپ کا نمبر میرے پاس سیو ہے۔“

”ابوبکر کہاں ہے...... وہ خیریت سے تو ہے؟“ کوشش کے باوجود وہ اپنے آنسوؤں کو ضبط نہ کرسکی کہ دل کی حالت بہت بری تھی۔ دوسری طرف ہارون نے پٹیوں میں جکڑے دواؤں کے زیراثر بے سدھ پڑے سوتے ہوئے ابوبکر کو دیکھا اور موبائل اٹھائے باہر آ گیا تھا۔

”بتائیے نا ہارون بھائی...... ابوبکر کہاں ہے؟ اس نے ایک ہفتہ سے مجھ سے رابطہ نہیں کیا اور اس کا سیل بھی آف جارہا ہے۔“

”کیا آپ کو نہیں معلوم؟“

”کیا...... کیا ہوا...... ابوبکر ٹھیک تو ہے نا؟“

”جی...... جی وہ بالکل خیریت سے ہے اور یہاں نہیں ہے۔ بزنس ٹور پر گیا ہوا ہے آپ کو بتا کر نہیں گیا وہ؟“

”کب گیا ہے اور کہاں گیا؟“ وہ بے یقینی کا شکار ہوئی۔

”سنڈے کو گیا ہے اور نہ معلوم کہاں کہاں جائے گا وہ۔“

”یہ کیسے ہوسکتا ہے وہ مجھے بتائے بغیر چلا جائے۔“

”ادینہ بی بی...... اس دور میں سب کچھ پاسبل ہے اچھا اچھا آپ روئیں نہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ مجھ سے ملنے آئیں؟“ اس نے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے محتاط لہجے میں کہا۔

دوسری طرف اس کی روہانسی سنجیدہ آواز میں اقرار تھا۔ ہارون نے مسکراتے ہوئے اسے ٹائم اور جگہ کا نام بتادیا تھا‘ اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔ وہ خاصی دیر تک اسکرین پر نظر آتے ادینہ کے نام کو گھورتا رہا پھر روم کی طرف بڑھ گیا۔

”تھینکس گاڈ! ہوش آ گیا تمہیں۔“ اسے آنکھیں کھولے دیکھ کر وہ محبت سے اس کی طرف بڑھا اور ہاتھ تھام کر گویا ہوا۔

”کیسا فیل کررہے ہو...... یہ ایکسیڈنٹ کیسے ہوا یار؟“

”وہ ایک ڈمپر تھا جو گاڑی کو ہٹ کرکے چلا گیا اور گاڑی دور تک لڑھکتی گئی تھی۔ زندگی تھی میری جو ڈرائیونگ ڈور کھلنے سے باہر جا گرا اور مجھے پھر کوئی ہوش نہ رہا تھا۔“ وہ دھیمے لہجے میں بتارہا تھا۔

”پورے آٹھ دن بعد پوری طرح سے ہوش میں آئے ہو تم‘ کوئی فریکچر نہیں ہوا ہے تمہارا‘ کسی کی دعاؤں سے ہڈیاں سلامت ہیں تمہاری‘ البتہ سر میں شدید چوٹ آئی ہے اس لیے ڈاکٹرز نے تمہیں زیادہ تر غنودگی میں ہی رکھا ان کا کہنا تھا کہ زخم خشک ہوگا تو تم خودبخود ہوش میں آجاؤ گے۔“

”نانی جان کیسی ہیں...... تم نے ان کو میرے متعلق خبر تو نہیں دی؟“ اس کے ہاتھ پاؤں اور سینے پر پٹیاں تھیں‘ پیشانی بھی پٹی میں جکڑی تھی۔

”دادی جان‘ پاپا اور انکل کے ہمراہ رخسار کے سسرال پنڈی گئی ہوئی ہیں اور وہیں سے وہ کچھ عزیز واقارب سے ملنے اسلام آباد بھی جائیں گی۔ واپسی میں ان کو دو سے تین ہفتے لگیں گے اب تم فون پر ان سے کانٹیکٹ رکھنا ان کے

گھر آنے تک بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے ویسے میں نے گھر میں کسی کو بھی اس حادثے کے بارے میں نہیں بتایا یہی کہا ہے تم بزنس ٹور پر ملک سے باہر گئے ہوئے ہو۔"

"یہ بہت اچھا کیا تم نے ہارون، میں نہیں چاہتا کوئی میری وجہ سے پریشان ہو۔ میرا سیل فون بھی ایکسیڈنٹ میں کہیں گر گیا ہے ادینہ سے بھی کوئی رابطہ نہیں ہوا وہ بہت پریشان ہو رہی ہوگی۔ تم اپنا سیل فون دو مجھے میں اس سے بات کر کے دیتا ہوں۔" وہ دھیمے لہجے میں گویا ہوا۔

"وہ...... سیل فون...... میں گھر بھول آیا ہوں۔" وہ بُری طرح گھبرایا۔

"اچھا، رات میں آؤ گے پھر لیتے آنا۔" وہ شدید تکلیف میں مبتلا تھا۔ اس کی بوکھلاہٹ پر توجہ نہ دے سکا اور چند لمحوں بعد پھر غافل ہو گیا تھا۔ ہارون نے اس کی غفلت پر سکون کا سانس لیا کہ عام حالت میں وہ اس کی چوری و جھوٹ آسانی سے پکڑ لیتا، ڈاکٹرز چیک اپ کے لیے آئے تھے انہوں نے اس کی کنڈیشن پہلے سے تسلی بخش بتائی تھی۔ وہ ہسپتال سے گھر آیا تو رباب کو اس نے ابوبکر کے ایکسیڈنٹ کا بتایا تھا جس پر وہ منہ بنا کر بولی۔

"بڑا ڈھیٹ لڑکا ہے مرا نہیں زندہ بچ گیا۔" چند گھنٹے بعد وہ تک سک سے تیار ہو کر مسکین سی صورت بنائے ادینہ کے ساتھ ایک پارک میں بیٹھا تھا وہ بھی لیمن اور وائٹ پرنٹڈ سوٹ میں ملبوس پریشان سی اس سے فاصلے پر بیٹھی تھی۔

"بتائیے کیا بات ہے؟ آپ کا لہجہ کہہ رہا تھا کوئی خاص بات ہے اسی لیے میں آپ سے ملنے آئی ہوں۔ سچ سچ بتائیں وہ مجھ سے ملے بغیر کیوں چلا گیا؟ ایک کال بھی نہیں کی اس نے جانے سے قبل۔" ہارون نے اس کی طرف دیکھا شاید وہ یہاں آنے سے پہلے روتی رہی تھی اس کی خوب صورت آنکھیں گلابی ہو رہی تھیں۔ سادگی میں بھی اس کا حزن آمیز حسن نگاہوں کو خیرہ کر رہا تھا۔ اس کے دل میں اس کو پانے کی چاہ کسی ضدی بچے کی مانند مچلنے لگی۔

"آپ کا کیا خیال ہے وہ بنا آپ کو بتائے کیوں گیا؟ کیا آپ کو پتا ہے آج کل ممانی کی سسٹر وردہ سے اس کے رشتے کی بات چل رہی ہے؟"

"جی ہاں مجھے معلوم ہے کیا ان کا میسٹر فکس ہو گیا؟" وہ ہمیشہ کی طرح جلد باز لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

"اگر میں کہہ دوں "ہاں" تو آپ کو میری بات پر یقین آ جائے گا؟" اس کی آنکھوں میں چھپی بے اعتباری و لہجے سے عیاں ہوتا عدم اعتماد ہارون کے حوصلے بلند کرنے لگا اور وہ پھر ابوبکر اور اس کے درمیان فاصلے پیدا کرتا چلا گیا۔ وہ بچپن سے اس کی چیزیں ہڑپ کرتا آیا تھا مانگ کر یا چوری کر کے جس طرح سے بھی موقع ملتا وہ فائدہ اٹھالیا کرتا تھا اب بھی تقدیر اس کا ساتھ دے رہی تھی۔

جہاں محبت ہوتی ہے وہاں اعتبار بھی کمال کا ہوتا ہے اور بے اعتباری بھی غضب کی ہوتی ہے۔ یہ اعتبار اور بے اعتباری کے اتار چڑھاؤ کا رشتہ ہے، یہاں ایک فریق کی بے اعتمادی محبت کی کشتی کو غرق کر دیتی ہے۔ ادینہ سدا کی بے صبری، جلد باز اور کسی پر بھی اعتماد نہ کرنے والی لڑکی تھی۔ ابوبکر سے بار بار ملنے کے باوجود اس پر اعتبار نہ کر سکی تھی اور اس کی یہ بے اعتباری ہارون کی خواہش کو حقیقت کا روپ دینے لگی تھی وہ اسے پانے کے لیے ابوبکر کے خلاف اسے ورغلاتا رہا اور وہ اس کی باتوں کو مانتی چلی گئی ہارون باتوں سے دل میں اترنے کا ہنر جانتا تھا۔ پہلی ملاقات میں وہ اسے ابوبکر سے کانٹیکٹ کرنے سے منع کر چکا تھا اور یہی ادینہ کی بھول ان کے راستے جدا کرنے کا باعث بنی تھی۔

❁......❁......❁

شام تک بارش کے کوئی آثار نہ تھے۔ وہ اماں بی کو میڈیسن دے کر آئی تھی پھر نماز سے فارغ ہونے کے بعد خاصی دیر تک نیند آنکھوں سے اچاٹ رہی تھی۔ دھیان گھر کی طرف جا رہا تھا یہاں ملازمت کرتے ہوئے اسے چار ماہ گزر گئے تھے اور اس دوران ابا کو اس کی ایک بار بھی یاد نہ آئی تھی اور اس کا دل تھا کہ رہ رہ کر ان سب بے وفاؤں کو یاد کر رہا تھا یہاں تک کہ خالہ بننے کی خوشی وہ اپنے اندر ابھی

گھر آنے تک بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے ویسے میں نے گھر میں کسی کو بھی اس حادثے کے بارے میں نہیں بتایا یہی کہا ہے تم بزنس ٹور پر ملک سے باہر گئے ہوئے ہو۔"

"یہ بہت اچھا کیا تم نے ہارون، میں نہیں چاہتا کوئی میری وجہ سے پریشان ہو۔ میرا سیل فون بھی ایکسیڈنٹ میں کہیں گر گیا ہے ادینہ سے بھی کوئی رابطہ نہیں ہوا وہ بہت پریشان ہو رہی ہوگی۔ تم اپنا سیل فون دو مجھے میں اس سے بات کر کے دیتا ہوں۔" وہ دھیمے لہجے میں گویا ہوا۔

"وہ...... سیل فون...... میں گھر بھول آیا ہوں۔" وہ بُری طرح گھبرایا۔

"اچھا رات میں آؤ گے پھر لیتے آنا۔" وہ شدید تکلیف میں مبتلا تھا۔ اس کی بوکھلاہٹ پر توجہ نہ دے سکا اور چند لمحوں بعد پھر غافل ہو گیا تھا۔ ہارون نے اس کی غفلت پر سکون کا سانس لیا کہ عام حالت میں وہ اس کی چوری و جھوٹ آسانی سے پکڑ لیتا' ڈاکٹرز چیک اپ کے لیے آئے تھے انہوں نے اس کی کنڈیشن پہلے سے تسلی بخش بتائی تھی۔ وہ ہسپتال سے گھر آیا تو رباب کو اس نے ابوبکر کے ایکسیڈنٹ کا بتایا تھا جس پر وہ منہ بنا کر بولی۔

"بڑا ڈھیٹ لڑکا ہے مرا نہیں زندہ بچ گیا۔" چند گھنٹے بعد وہ نک سک سے تیار ہو کر مسکین سی صورت بنائے ادینہ کے ساتھ ایک پارک میں بیٹھا تھا وہ بھی لیمن اور وائٹ پرنٹڈ سوٹ میں ملبوس پریشان سی اس سے فاصلے پر بیٹھی تھی۔

"بتائیے کیا بات ہے؟ آپ کا لہجہ کہہ رہا تھا کوئی خاص بات ہے اسی لیے میں آپ سے ملنے آئی ہوں۔ سچ سچ بتائیں وہ مجھ سے ملے بغیر کیوں چلا گیا؟ ایک کال بھی نہیں کی اس نے جانے سے قبل۔" ہارون نے اس کی طرف دیکھا شاید وہ یہاں آنے سے پہلے روتی رہی تھی اس کی خوب صورت آنکھیں گلابی ہو رہی تھیں۔ سادگی میں بھی اس کا حزن آمیز حسن نگاہوں کو خیرہ کر رہا تھا۔ اس کے دل میں اس کو پانے کی چاہ کسی ضدی بچے کی مانند مچلنے لگی۔

"آپ کا کیا خیال ہے وہ بنا آپ کو بتائے کیوں گیا؟ کیا آپ کو پتا ہے آج کل ممانی کی سسٹر ورده سے اس کے رشتے کی بات چل رہی ہے؟"

"جی ہاں مجھے معلوم ہے کیا ان کا میٹر فکس ہو گیا؟" وہ ہمیشہ کی طرح جلد باز لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

"اگر میں کہہ دوں 'ہاں' تو آپ کو میری بات پر یقین آ جائے گا؟" اس کی آنکھوں میں چھپی بے اعتباری و لہجے سے عیاں ہوتا عدم اعتماد ہارون کے حوصلے بلند کرنے لگا اور وہ پھر ابوبکر اور اس کے درمیان فاصلے پیدا کرتا چلا گیا۔

وہ بچپن سے اس کی چیزیں ہڑپ کرتا آیا تھا مانگ کر یا چوری کر کے جس طرح سے بھی موقع ملتا وہ فائدہ اٹھالیا کرتا تھا اب بھی تقدیر اس کا ساتھ دے رہی تھی۔

جہاں محبت ہوتی ہے وہاں اعتبار بھی کمال کا ہوتا ہے اور بے اعتبار بھی غضب کی ہوتی ہے۔ یہ اعتبار اور بے اعتباری کے اتار چڑھاؤ کا رشتہ ہے' یہاں ایک فریق کی بے اعتمادی محبت کی کشتی کو غرق کر دیتی ہے۔ ادینہ سدا کی بے صبری' جلد باز اور کسی پر بھی اعتماد نہ کرنے والی لڑکی تھی۔ ابوبکر سے بار بار ملنے کے باوجود اس پر اعتبار نہ کر سکی تھی اور اس کی یہ بے اعتباری ہارون کی خواہش کو حقیقت کا روپ دینے لگی تھی وہ اسے پانے کے لیے ابوبکر کے خلاف اسے ورغلاتا رہا اور وہ اس کی باتوں کو مانتی چلی گئی ہارون باتوں سے دل میں اترنے کا ہنر جانتا تھا۔ پہلی ملاقات میں وہ اسے ابوبکر سے کانٹیکٹ کرنے سے منع کر چکا تھا اور یہی ادینہ کی بھول ان کے راستے جدا کرنے کا باعث بنی تھی۔

❁......❁......❁

شام تک بارش کے کوئی آثار نہ تھے۔ وہ اماں بی کو میڈیسن دے کر آئی تھی پھر نماز سے فارغ ہونے کے بعد خاصی دیر تک نیند آنکھوں سے اچاٹ رہی تھی۔ دھیان گھر کی طرف جا رہا تھا یہاں ملازمت کرتے ہوئے اسے چار ماہ گزر گئے تھے اور اس دوران ابا کو اس کی ایک بار بھی یاد نہ آئی تھی اور اس کا دل تھا کہ رہ رہ کر ان سب بے وفاؤں کو یاد کر رہا تھا یہاں تک کہ خالہ بننے کی خوشی وہ اپنے اندر ابھی

سے محسوس کررہی تھی۔
اس کی فطرت گلاب جیسی تھی جوان ہاتھوں میں بھی خوشبو چھوڑ جاتے ہیں جو ان کو مسل کر پھینک دیتے ہیں جو دینے کا اعلیٰ ظرف رکھتے ہیں پھر وہ دیتے ہی رہتے ہیں خواہ وہ دعا‘ خدمت یا محبت جو بھی ہو‘ نا معلوم رات کا کون سا پہر تھا جب اس کی آنکھ عجیب سی آواز سے کھلی تھی۔ پہلے غنودگی کی حالت میں پڑی رہی تھی پھر اس کا ذہن بیدار ہوا تو برق رفتاری سے اٹھ کر بیٹھی تھی‘ دروازے پر زوردار دستک ہورہی تھی۔ اس نے دروازہ کھولا تو سامنے ابوبکر کھڑا تھا۔ سرخ انگارہ آنکھیں اسے اپنے وجود میں گڑتی ہوئی محسوس ہوئیں اس نے گھبرا کر دروازہ بند کرنا چاہا تھا تب ہی اس نے درمیان میں پاؤں رکھ کر بند ہوتے دروازے کو دھکا دیا تھا۔ وہ جو پہلے ہی بُری طرح خوف زدہ ہوگئی تھی دروازے کو دھکا لگنے سے بے توازن ہوکر گری تھی۔ باہر موسم ہی ایسا تھا گھن گرج کے ساتھ موسلا دھار بارش ہورہی تھی‘ کھڑکیاں دروازے سب بند ہونے کے بعد بھی گرج وچمک‘ بارش کی بلند آوازیں آرہی تھیں۔ ایسے موسم میں آدھی رات کو اس کا آنا اور وہ بھی اس انداز میں اس کے کانوں میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگی تھیں یعنی وہ وقت آگیا تھا جس سے بچنے کی اس کو تلقین کی گئی تھی۔ وقت بھی ایسا تھا کہ مدد کو کوئی نہیں آسکتا تھا‘ رمضان بابا کا کمرہ اوپر تھرڈ فلور پر تھا اور اماں بی کا کمرہ قریب ہی تھا مگر وہ میڈیسن کھا کر گہری نیند سونے کی عادی تھیں۔ دوسرے ملازم شام میں چلے جاتے تھے‘ دو چوکیدار تھے جو گیٹ پر پہرہ دیا کرتے تھے۔
”آ...... آپ...... چلے جائیں یہاں سے۔“
”وہاٹ...... دماغ خراب ہوگیا ہے تمہارا؟“ وہ اس کی سراسیمگی وخوفزدگی پر خاصا حیران سا ہوکر سرد مہری سے بولا۔
”آپ...... آپ کا اس ٹائم آنے کا مقصد؟ میں یہاں مجبوری میں جاب کررہی ہوں‘ آپ کا شکار بننے نہیں آئی ہوں۔“ وہ ہمت کرکے کھڑی ہوئی۔
”شکار...... کیا بکواس کررہی ہو تم‘ ہوش میں نہیں ہو کیا؟“ وہ تعجب سے کہہ رہا تھا اس کی آنکھوں میں‘ اس کے لہجے میں الجھن تھی۔
”میں آپ کے بارے میں اچھی طرح جانتی ہوں‘ رخسار آپی نے سب بتا رکھا ہے مجھے۔“
”اوہ......“ اس نے ایک گہری سانس لی وجیہہ چہرے پر دھواں سا بکھر گیا‘ آنکھوں کی سرخی گہری ہوگئی‘ ہونٹ بھنچ گئے تھے۔
”آپ جاتے ہیں یا......“
”شٹ اپ......“ اس کے ہونٹوں سے شعلے برآمد ہوئے تھے۔ ”خود کو کیا سمجھتی ہو‘ ملکہ حسن ہو تم؟ میں تمہیں پانے کے لیے مرے جارہا ہوں جیسے......“ وہ نفرت سے ہونٹ سکیڑ کر کہہ رہا تھا۔ ”مائی فٹ...... تم دو ٹکے کی نوکرانی ہو‘ یہ ہمیشہ یاد رکھنا۔“ یہ کہہ کر وہ کمرے سے تیزی سے نکل گیا تھا۔
وہ چند لمحے گم صم بیٹھی رہی اس کے کہے گئے نازیبا لفظ اسے برے نہ لگے مگر وہ اس کی سوچوں کے برعکس نکلا تھا۔ اسے بتایا گیا تھا اس کی ہوس سے ملازمائیں بھی محفوظ نہیں ہیں اور سچ بھی یہی ہوتا ہے کہ ہمیشہ کمزور ہی طاقتور کا ہدف بنتے ہیں۔ وہ ہوس کا پجاری تھا پھر کیوں اسے چھوڑ گیا تھا؟ وہ اس کے لیے آسان ترین شکار تھی۔ جب سے وہ اسے پہچان گئی تھی تب سے نہ راتوں کو سکون سے سو سکی تھی نہ ہی دن میں سکون سے رہ سکی تھی۔ اس کی آہٹ پر بھی کانپ جایا کرتی تھی۔
”شاید وہ کسی اور اچھے موقع کے انتظار میں ہو؟ اپنی شرافت دکھانے کے لیے بنا مقصد پورا کیے چلا گیا۔“ دل سے آواز آئی۔
”اس سے اچھا موقع بار بار تو نہیں ملتا۔ وہ سوچ رہا ہوگا‘ اس پر اعتماد کرنے لگوں گی پھر وہ موقع سے فائدہ اٹھائے گا۔“ اس کے اندر گویا جنگ جاری تھی مثبت ومنفی رحجان کی۔
”جنت...... ایسا کچھ نہیں ہے اگر وہ اپنی من مانی کرنا

چاہے تو کون روک سکتا تھا؟ پھر انہوں نے صاف لفظوں میں واضح کردیا ہے کہ میں نوکرانی ہوں اور اپنی اوقات کبھی نہ بھولوں۔" ابوبکر کے خلاف جو اس کے دل میں خوف ودہشت تھی وہ خاصی حد تک کم ہوگئی تھی لیکن دل کہہ رہا تھا۔ وہ اس پر فوراً ہی بھروسہ کرکے نہ بیٹھ جائے ہوسکتا ہے اس میں بھی کوئی چال ہو اس کی، کچھ شکاری شکار کو اعتماد دے کر بھی شکار کرتے ہیں۔

❁......❁......❁
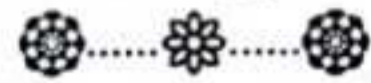
"رات سوتے سوتے اچانک ہی بری طرح کھانسی شروع ہوگئی تھی، وہ تو اللہ بھلا کرے ابوبکر کا جو رات کو سونے سے قبل میرے پاس شب بخیر کہنے ضرور آتا ہے۔ رات آیا تو میری بری حالت تھی، بدحواسی میں اسے سیرپ دکھائی نہیں دیا پھر وہ دوڑا ہوا تمہارے روم کی طرف گیا کہ معلوم کرے سیرپ کہاں رکھا ہے۔" اس دوران پھر ان کی کھانسی شروع ہوگئی تھی۔ وہ پریشان ہوگئی جو اس نے کیا ابوبکر نے سب ان کے گوش گزار کردیا ہوگا اور اب ان کا پیار بھرا رویہ بدل جائے گا۔

"ابوبکر نے دروازہ بہت ناک کیا مگر تمہاری آنکھ ہی نہیں کھلی پھر اس نے دوبارہ دیکھا تو سیرپ مل گیا تھا۔ وہ پلایا اس نے تو کھانسی کم ہوئی۔" وہ مخصوص شفقت بھرے لہجے میں کہہ رہی تھیں۔ جنت کی جان میں جان آئی کہ جن کی آنکھوں میں محبت دیکھتے ہیں ان آنکھوں میں نفرت دیکھنا موت کے مترادف ہوتا ہے۔

"معاف کردیجیے اماں بی...... میری وجہ سے آپ کو تکلیف اٹھانی پڑی۔" ابوبکر کے آنے کا مقصد جان کر اور ان کی تکلیف کے خیال سے وہ رو پڑی۔

"نہ...... نہ جنت، مجھے معلوم ہے ساری دن کی تھکی ہوئی ہوتی ہو میری خدمت میں ہی لگی رہتی ہو۔ رات میں آنکھ نہیں کھلی تو کوئی بات نہیں میں تمہیں بتا رہی ہوں، شکایت تھوڑی کررہی ہوں۔"

"نہیں اماں بی...... یہ میری کوتاہی ہے، یہاں میں آپ کی خدمت کے لیے آئی ہوں مجھے ایسی نیند نہیں سونا چاہیے۔ آپ تکلیف سے تڑپیں اور میں بے فکری سے سوؤں۔" اس کے لہجے میں ندامت وشرمندگی تھی۔

"خود کو دوش مت دو بیٹی...... اب جو ہونا تھا ہوگیا، پچھتانے سے کیا ہوگا۔" وہ پیار سے اس کا ہاتھ تھپتھپاتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

❁......❁......❁

اکبر بغیر اطلاع کے صدف کے گھر آگیا تھا آتے ہی پہلے اس نے جنت کے متعلق پوچھا۔ وہ دونوں ماں بیٹی پریشان تھیں کیونکہ انہوں نے اکبر کو جنت کی ملازمت کی اطلاع نہیں دی تھی وہ اس کی طرف سے اس لیے بے فکر تھیں کہ اس نے کبھی بھی جنت کی پروا نہیں کی تھی۔ آج آکر وہ جس بے تابی وبے قراری سے اس کا پوچھ رہا تھا اس سے قبل ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ ان سے جواب ہی نہیں بن پڑ رہا تھا۔

"تم نے تو آتے ہی جنت جنت کی رٹ لگادی ہے ایسا کیا ہوگیا ہے؟ صدف کو بھی تو پوچھ لو وہ بھی تمہاری ہی بیٹی ہے۔" شریفہ نے گھبرائے لہجے میں کہا۔

"صدف کو پوچھ چکا ہوں اور تجھے بھی...... تم دونوں یہیں نظر آرہی ہو وہ کہاں ہے؟" اکبر نے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

"ابا...... وہ پڑوس میں قرآن خوانی میں گئی ہے ابھی آجائے گی۔" صدف نے ماں کو پرسکون رہنے کا اشارہ کرکے اس سے کہا۔

"پڑوس میں تم رہتی ہو اور قرآن خوانی میں اس غریب کو بھیج دیا، یہاں بھی تم لوگوں نے اس کو اپنا غلام بنا رکھا ہے۔"

"ارے واہ، کون سا بھوت چڑھ گیا ہے بیٹی کی محبت کا؟ صدف کی حالت دیکھ رہے ہو وہ کہیں جانے کے قابل ہے اور میں صدف کو تنہا چھوڑ کر کیسے جاسکتی تھی عقل سے تو سوچو۔" وہ غصے سے کہہ رہی تھی۔

"عقل تو اب آئی ہے مجھے ایک عرصے سے میں اپنی بیٹی سے غافل رہا نہ معلوم کیوں میری آنکھوں پر نفرت کی پٹی بندھ گئی تھی۔ اپنی محبت، اپنی رفعت کی پہلی اور آخری

نشانی کی میں نے بالکل قدر نہ کی۔" وہ گویا کسی گہری نیند سے بیدار ہوا تھا' خیالوں کی عمیق گہرائیوں سے نکلا تھا۔ ایک طویل عرصے بعد سوکن کا نام وہ بھی اس انداز میں حسد وجلن' شریفہ کی رگ وپے میں لاوا دوڑنے لگا تھا۔

"مرد اور موسم کب بدل جائیں ان کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ اماں' تم ابھی ابا سے الجھنے کی کوشش مت کرو' یہ سوچو ابھی تو بہانہ کردیا ہے قرآن خوانی کا مگر شام کو کیا بتائیں گے؟ ابا تو بالکل ہی بدلے ہوئے لگ رہے ہیں۔ ایسا لگ رہا ہے وہ صرف جنت کے ابا ہیں ہمارا ان سے کوئی تعلق ہے نہ واسطہ' جب سے آئے ہیں جنت جنت پکارے جارہے ہیں۔" اکبر کی آنکھ لگی تھی صدف شریفہ سے مخاطب ہوئی۔

"ایسا کیا ہوا جو باسی کڑی میں ابال آنے لگے ہیں؟ آج سے پہلے تو اس نے کبھی بھی جنت کو اس انداز میں پکارا نہ تھا' جو میں کہتی گئی اس پر یقین کرتا چلا گیا اور آج تو اس کے تیور بدلے ہوئے ہیں۔"

"مجھے بھی ڈر لگ رہا ہے اماں' جب ابا کو اصل بات پتا چلے گی پھر کیا ہوگا' مجھے لگتا ہے بڑا ہنگامہ ہونے والا ہے۔" اس کے پھولے پھولے چہرے پر پریشانی بکھری ہوئی تھی۔

"مجھے بھی فکر ہے اس کایا پلٹ پر پھر ایک عرصے بعد عیش وآرام نصیب ہوا ہے اکبر اسے کام پر سے ہٹا دے گا اور ہمارے ہاتھ آنے والی وہ موٹی رقم چھن جائے گی۔" شریفہ کو سب سے زیادہ نوٹوں کی فکر تھی۔

"اماں...... ابا ہمارا حشر کیا کرے گا یہ بھی سوچو؟ سچ مجھے تو آج ابا سے بہت ہی ڈر لگ رہا ہے پہلے کبھی ابا کو اتنے غصے میں نہیں دیکھا۔"

"ہاں یہ تو ہے مگر تو بے فکر رہ' میں کوئی نہ کوئی ایسا چکر چلا وں گی جس سے سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔"

❀......❀......❀

"میں آپ سے معافی مانگنا چاہتی ہوں۔" وہ لاؤنج میں بیٹھا لیپ ٹاپ میں مصروف تھا جب وہ موقع دیکھ کر وہاں آ کر گویا ہوئی۔

"کس بات کی معافی؟" اس کی نگاہیں لیپ ٹاپ پر ہی مرکوز تھیں۔ انگلیاں کی بورڈ پر تھرک رہی تھیں آواز میں پہاڑوں جیسی سختی تھی۔

"اس رات میں نے آپ کو انجانے میں بہت کچھ کہہ دیا تھا' بہت شرمندہ ہوں میں۔ بے حد افسوس ہے میں نے آپ کے ساتھ برا سلوک کیا اور آپ نے اماں بی کو نہ بتا کر میری لاج رکھی۔ ان کی نگاہوں سے مجھے گرنے سے بچالیا اگر اماں بی مجھے دھتکار دیتیں' خفا ہوجاتیں پھر مجھے تو کہیں اماں نہ ملتی یہ آپ کی مہربانی ہے جو......"

"اٹس اوکے' تم جاسکتی ہو۔" اس کے انداز میں وہی سرد مہری تھی اس کے لیے یہی کافی تھا' اس نے اسے معاف کردیا تھا اور وہ شاید اتنی آسانی سے معاف کرنے کا عادی تھا۔

اماں بی کی طبیعت ان دنوں خاصی ناساز تھی' ہارٹ پیشنٹ ہونے کے باعث وہ کولیسٹرول' شوگر اور ہارٹ بیٹ کی کبھی کمی وزیادتی کا شکار ہونے لگی تھیں۔ اس ہفتے ان کی طبیعت سنبھل کر نہ دے رہی تھی۔ ڈاکٹر نے کئی بار سنجیدگی سے ہسپتال ایڈمٹ کرنے کا مشورہ دیا تھا مگر اماں بی ڈاکٹرز سے خوف زدہ رہتی تھی اور ہسپتال ایڈمٹ ہونے سے گویا ان کی جان جاتی تھی۔ ڈاکٹر کے مشورے اور ابوبکر کا اصرار وہ ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیا کرتی تھیں۔

"نانی جان! آپ کو اپنی فکر نہیں ہے تو میری فکر ہی کرلیجیے۔ آپ کے سوا میرا کون ہے؟ میری خاطر آپ کو بیماریوں کو شکست دینی ہے' زندہ رہنا ہے۔" ان کی نہ کی رٹ سے وہ شکستہ ہوکر بولا۔

"ان ہسپتالوں کے چکروں سے اللہ بچائے' آج کل ڈاکٹر تو مانو قصائی بن گئے ہیں اور ساتھ ہی پیسہ کمانے کی مشین بھی۔ بندہ مر بھی رہا ہو تو ان کو جان بچانے کی نہیں صرف اپنے ٹیسٹوں کی فکر ہوتی ہے۔"

"نانی جان......! وہاں سب میرے جاننے والے ہیں ایسا کوئی بے ایمان ڈاکٹر نہیں ہے آپ ایک بار چلیں تو سہی میرے ساتھ۔" وہ رات سے ان کو ہسپتال لے جانے کی سعی میں مگن تھا ایک وہ تھیں کہ چکنی مچھلی کی مانند گرفت میں آنے سے قبل پھسل جاتی تھیں۔

"اگر تم چاہتے ہو میں ٹھیک ٹھاک ہو جاؤں تم کو میری فکر نہ رہے میری طرف سے تم بے فکر رہ سکو ایسا کرنے کے لیے میرے پاس ایک ترکیب ہے تم مانو تو بات بن جائے گی۔" اس وقت وہ دونوں روم میں تھے کچھ دیر قبل ہی جنت وہاں سے گئی تھی ان کی فرمائش پر گرین ٹی تیار کرنے ان کی بات پر وہ فوراً بولا۔

"واؤ......! یہ بہت فنٹاسٹک ترکیب ہے جلدی سے بتائیے۔"

"شادی کرلو تم۔" وہ اطمینان سے گویا ہوئیں۔

"شادی کرلوں؟" اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

"ہاں ہاں شادی کرلو اس میں سر پکڑ کر بیٹھنے والی کیا بات ہے؟ میں نے کوئی انہونی بات نہیں کی ہے سب ہی مرد شادی کرتے ہیں۔"

"لیکن میں شادی نہیں کرنا چاہتا۔" اس کے انداز میں جھنجھلاہٹ تھی۔

"پھر مجھ سے بھی اب مت کہنا علاج کروانے کی۔" وہ دوبدو گویا ہوئیں۔

"یہ بے معنی ضد ہے آپ کی پلیز یہ ضد چھوڑ دیجیے۔" وہ ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر احترام سے گویا ہوا۔

"اپنے اور باپ کے نام کو گمنام رکھو گے؟ کیا میری بیٹی کا خاندان آگے نہیں بڑھے گا؟ تم پر ذمہ داری ہے اس خاندان کو آگے بڑھانے کی۔" وہ اس کو جذباتی انداز میں سمجھا رہی تھیں لیکن اس کا دل کسی پتھر میں تبدیل ہو چکا تھا۔ ان کی ہر بات دل و جان سے ماننے والا ان کی اس بات کو نہیں مان رہا تھا۔ شدت سے ان کی خواہش کو رد کر رہا تھا اور اس بار تو وہ بھی تہیہ کر چکی تھیں کسی نہ کسی طرح اس کو راضی کریں گی۔ وہ ابھی اس بحث میں الجھے ہوئے ہی تھے معاً رمضان بابا نے آ کر اطلاع دی تھی جنت کے ماں باپ کے وہاں آنے کی۔

"ان کو واپس بھیج دیجیے بابا! جس دن سیلری لینے آئیں جب ہی اس سے مل سکتے ہیں اس کے علاوہ نہیں یہ بات پہلے سے طے ہے۔" ابوبکر نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا۔

"ٹھہرو رمضان!" اماں بی ان کو جاتے دیکھ کر گویا ہوئیں۔

"ان کو ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ اور جنت کو خبر کرو۔"

"جی بہتر۔" وہ سر ہلاتے ہوئے چلے گئے۔

"نانی جان......میں نے کہا تھا ان لوگوں کو رعایت نہ دیں۔"

"اس پر پہلا حق اس کے والدین کا ہے جنت یہاں ملازم ضرور ہے غلام نہیں۔ ملازمت اور غلامی میں فرق ہوتا ہے۔"

❁......❁......❁

اکبر کے سینے سے لگی جنت کو یہ ایک خواب کی مانند لگ رہا تھا وہ دعا کر رہی تھی اگر یہ کوئی خواب ہے تو اس رات کی صبح کبھی نہ ہو۔ اگر سچ ہے تو یہ وقت یہیں ٹھہر جائے دنیا یہیں ختم ہو جائے۔ شریفہ نے جھوٹ کے پلندوں اور مجبوریوں کی گٹھری اکبر کے آگے کھول دی تھی یہاں صدف نے بھی رونے دھونے میں ماں کا ساتھ دیا تھا اور اکبر کو غصے سے بھڑکنے کے بجائے دم سادھے دیکھ کر اطمینان ہوا تھا کہ وہ ہمیشہ کی طرح اس کی باتوں پر خاموشی کی مہر لگا چکا تھا۔

شریفہ کے انکشاف نے اس کا سر جھکا دیا تھا وہ خود سے شرمندہ تھا صدف سوتیلی بہن تھی اور شریفہ سوتیلی ماں ان سے کسی خیر کی توقع ہی عبث تھی پھر اس نے کون سا حق نبھایا تھا وہ سگا باپ تھا سارا قصور اس کا تھا۔ اس نے کیوں سوتیلے رشتوں کے رحم و کرم پر جنت کو چھوڑ دیا تھا؟ صدف و شریفہ مجرم تھیں تو ان سے بڑا مجرم وہ خود بھی تھا۔ وہ

نا معلوم کب تک اس کی طرف سے غافل رہتا وہ تو پچھلے دنوں اچانک جگر میں ہونے والی تکلیف اسے ڈاکٹر کے پاس لے گئی تھی پھر مختلف مراحل و ٹیسٹ وغیرہ سے گزرنے کے بعد جو رپورٹ آئی تھی وہ اس کو ہوش میں لانے کے لیے کافی تھی اس کو جگر کا کینسر ہوگیا تھا جو لاسٹ اسٹیج پر تھا۔ آناً فاناً موت اسے قریب محسوس ہونے لگی اور جب موت سامنے ہو پھر سارے گناہ اور تمام زیادتیاں یاد آنے لگتی ہیں، سب سے پہلے اس کی زیادتیوں کا شکار رفعت بنی تھی۔

رفعت جو اعلیٰ خاندان کی خوب صورت لڑکی تھی، باپ کے سائے سے محروم ماں اور بھائی جس کے سرپرست تھے۔ وہ ماں و باپ دونوں سے محروم تھا، قسمت سے تنہا تھا اور پڑھا لکھا شکل و صورت سے کسی اچھے گھرانے کا فرد لگتا تھا۔ وہ ایک خراب لمحہ تھا جب اصغر نے اسے گھر میں ڈرائیور کی نوکری دی تھی اور بہت جلد وہ کالج سے پک اینڈ ڈراپ کرتے ہوئے سنجیدہ سی رفعت کے دل پر قابض ہوگیا اور محبت تو مشک کی مانند ہوتی ہے جس کی خوشبو چھپائے نہیں چھپتی ہے وہ بھی دل و جان سے اس پر فدا تھا۔ جب یہ خبر رفعت کے بھائی اور ماں کو ملی تو انہوں نے اس کو نوکری سے نکال دیا اور رفعت پر بھی خوب پہرے لگائے گئے مگر جب محبت کا دریا چڑھتا ہے تو راستے میں آنے والی ہر رکاوٹ، ہر بند کو توڑ دیتا ہے۔ سنجیدہ و بے ضرر سی رفعت بھی جب محبت کے جنون میں خاندان کی عزت پامال کرنے کے درپے ہوئی تو پھر اصغر اور اس کی ماں نے سادگی سے اکبر سے نکاح کرکے اسے خالی ہاتھ رخصت کردیا تھا اور ہمیشہ کے لیے تعلق بھی توڑ لیا تھا اور اسی دن سے اس کی بدقسمتی کا آغاز ہوا تھا کیونکہ اکبر نے دولت کی لالچ میں اس سے شادی کی تھی اور سوچ رہا تھا رفعت کے گھر والوں کا وقتی غصہ ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ اتر جائے گا مگر جب وہ شادی کے ایک ہفتے بعد وہاں پہنچا تو معلوم ہوا وہ لوگ وہاں سے کوٹھی بیچ کر جاچکے ہیں۔ کہاں گئے ہیں کسی کو بھی معلوم نہ تھا انہوں نے جو کہا تھا وہ کرکے دکھایا تھا۔ اس کو رفعت کے حسن سے کوئی سروکار نہ تھا وہ اس کے ذریعے ملنے والی دولت کا شیدائی تھا، جوئے کی لت اسے ورثے میں ملی تھی۔ چند دنوں میں ہی رفعت کی محبت کا نشہ ہرن ہوگیا تھا وہ ناز و نعم میں رہتی آئی تھی غربت و افلاس کی مار اور اکبر کی محبت نفرت میں بدلتے دیکھ کر وہ ایک سال کے اندر ہی اندر ایک بچی کو جنم دے کر دنیا سے منہ موڑ گئی تھی۔ اس کے بدلے کی بچی ہوئی محبت و اذیت وہ جنت کو دیتا آیا تھا جس کی حد آج بیس سال گزرنے کے بعد ختم ہوئی تھی۔

"بیٹی......! جو اس دنیا میں غلط کرتا ہے وہ اسے یہیں بھگت کر جانا پڑتا ہے۔ میں رفعت جیسی پرخلوص محبت کرنے والی بیوی کی قدر نہ کرسکا۔ بدلے میں مجھے شریفہ جیسی لالچی و خودغرض بیوی ملی اور بیٹی بھی بالکل ماں کی طرح کم ظرف و نافرمان ملی ہے۔ اپنے کیے کی سزا میں پا رہا ہوں اور جو باقی رہ گئی ہے وہ یہ بیماری پورے کردے گی۔" اماں بی کی منشاء پر رمضان بابا نے ان کی اچھی تواضع کی تھی شریفہ جو اکبر کے بولنے کے دوران بگڑے موڈ سے خاموش بیٹھی ہوئی تھی البتہ کھانے کے لیے اس کا منہ کھلا اور پھر وہ ہر چیز سے انصاف کرتی چلی گئی تھی۔

"جنت بیٹی...... میرے ساتھ چلو، میں تمہیں لینے آیا ہوں جو گزر گیا وہ گزر گیا، میرے ساتھ گھر چلو۔" وہ محبت سے اس سے مخاطب ہوئے تھے۔

"ابا......! ابھی تو میں گھر نہیں جاسکتی۔" اس نے آہستگی سے کہا۔

"کیوں بیٹی......! ابھی بھی ناراضگی دور نہیں ہوئی ہے کیا؟" وہ کچھ ہراساں دکھائی دینے لگے۔

"نہیں ابا...... ایسی کوئی بات نہیں۔"

"پھر کیا بات ہے بیٹی، کیا تمہیں اپنی مالکن سے ڈر لگ رہا ہے؟ اگر ایسی بات ہے تو میں تمہاری مالکن سے بات کرلیتا ہوں۔"

"اماں بی تو بے حد اچھی ہیں ابا۔" وہ جلدی سے گویا ہوئی۔

"اچھا...... اچھا تمہیں اس کھڑوس مغرور کا ڈر ہوگا۔" شریفہ نے معنی خیز لہجے میں ٹوکا' اکبر نے چونک کر پوچھا۔
"کون ہے وہ...... کس کی بات کررہی ہو؟"
"نہیں نہیں چھوٹی ماں...... میں اماں بی کی بات کررہی ہوں' ان دنوں ان کی طبیعت بہت خراب ہے ابھی میں ان کو چھوڑ کر نہیں جاسکتی۔"
"جب تمہیں یہاں کام کرنا ہی نہیں ہے پھر کیوں پروا کرتی ہو بیٹی...... رہی بات سیلری کی تو میں لات مارتا ہوں ایسے روپوں پر۔" اکبر بے حد جذباتی ہوکر گویا ہوا۔
"ابا...... بات پیسوں کی نہیں' مروت و ذمہ داری کی ہوتی ہے۔ اماں بی نے مجھے اس وقت سہارا دیا محبت دی جب محبت و اپنائیت کی مجھے سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ اب انہیں میری ضرورت ہے اور ایسے میں ان کو تنہا چھوڑ کر جانا احسان فراموشی کے مترادف ہے۔" اس نے آہستگی سے اپنے احساسات بیان کیے۔
"بڑے لوگ غریبوں کو اتنی اہمیت کہاں دیتے ہیں جو تم برسوں کے بعد ملنے والی باپ کی محبتوں کو ٹھکرا رہی ہو۔ چلی چلو ہمارے ساتھ۔" شریفہ نے بھی از راہ مروت کہا تھا ویسے بھی وہ اپنے جھوٹ کے سچ ہونے پر پشیمان تھی۔ جنت کے لیے ملازمت حاصل کرنے کے لیے اس نے اماں بی سے جھوٹ بولا تھا کہ اس کا خاوند سخت بیمار ہے ڈاکٹروں نے جواب دے دیا ہے اور کاتب تقدیر نے اسی وقت اس کی زبان پر مہر لگادی تھی۔
"چلو میں تمہاری مالکن سے بات کرتا ہوں۔" وہ ان کے ہمراہ اماں بی کے کمرے میں آئی تھی ابوبکر بھی وہاں موجود تھا کیونکہ وہ محتاط طبیعت کا مالک تھا اور شریفہ کی حرکتیں اسے بھی مشکوک لگا کرتی تھیں پھر وہ اپنے خاوند کے ہمراہ آئی تھی اور وہ آدمی کس نیچر کا ہوگا' ایسے میں اسے اماں بی کو تنہا چھوڑنا مناسب نہ لگا تھا۔
رمضان نے بتایا تھا جنت کا باپ اماں بی سے کوئی ضروری بات کرنا چاہتا ہے۔ اماں بی نے حسب عادت اس کو ملنے کی اجازت دے دی تھی مگر اسے سخت اعتراض تھا' اس کا خیال تھا ایسے لوگوں سے وہ نہ ملا کریں' اس آدمی کی بات اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ وہ سیلری بڑھانے کا ہی کہے گا۔ ہمیشہ کی طرح اماں نے اس کی بات کو رد کردیا تھا اور کچھ دیر بعد وہ اس کے سامنے موجود تھے۔ سب کو سلام کرتے اس بندے میں ایسی کچھ کشش تھی جو ابوبکر جیسے کسی کو اہمیت نہ دینے والے بندے کو بھی چونکا گئی تھی۔ چونک تو کچھ اماں بی بھی گئی تھیں ان کو وہ شخص کچھ کچھ شناسا سا لگ رہا تھا۔ اکبر نگاہیں جھکا کر بیٹھا تھا ان کی پروقار و بارعب شخصیت کے سامنے وہ کچھ کہنے کی ہمت ہی پاسکا تھا وہ بات کرنے کے لیے لفظوں کے تانے بانے میں الجھا ہوا تھا معاً شریفہ نے پکارا تھا۔
"اکبر...... بات کرو نہ بیگم صاحبہ سے جو کرنے آئے تھے۔"
"اکبر......؟" اماں بی کی سماعتوں میں دھماکے سے ہوئے تھے۔
"جلال اکبر...... تم جلال اکبر ہو؟" وہ اس کی طرف دیکھتی ہوئی کانپتی آواز میں استفسار کرنے لگی تھیں۔ ان کا چہرہ عجیب سا ہوگیا تھا۔
"جی...... جی ہاں...... میں جلال اکبر ہوں۔ آپ میرا پورا نام کیسے جانتی ہیں؟" اکبر سخت حیران ہوا' ابوبکر بھی حیرانگی سے اماں کی طرف دیکھ رہا تھا یہی حالت شریفہ اور قریب کھڑی جنت کی تھی۔
"میں حاجرہ ہوں...... رفعت کی سگی خالہ...... رفعت کہاں ہے؟" ان کے کمزور سے وجود میں کپکپی طاری ہوئی وہ پھولے ہوئے سانسوں کے درمیان بے قراری سے اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ رفعت کے نام پر وہاں موجود تینوں افراد کے چہروں پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے تھے۔
"تم مجھے نہیں جانتے مگر میری بہن صابرہ نے مجھے تمہاری تصویر دی تھی۔"
"رفعت تو جنت کی پیدائش پر فوت ہوگئی تھی' میں نے صابرہ آنٹی اور اصغر بھائی کو ڈھونڈنے کے لیے پورا

حیدرآباد چھان ڈالا تھا مگر وہ لوگ ایسے غائب ہوئے کہ کبھی ملے ہی نہیں پھر میں حیدرآباد چھوڑ کر کراچی شفٹ ہوگیا اور وہاں جاکر رفعت چند ماہ ہی جی سکی تھی۔" وہ کہہ رہا تھا اور اماں بی کے آنسو بے آواز رخساروں پر بہنے لگے تھے وہ یک ٹک گم صم کھڑی جنت کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ جنت کے لیے آج کا سورج بہت سارے انکشافات لے کر ابھرا تھا۔

"رفعت نے ڈرائیور سے شادی کرکے خاندان کے نام پر جو کالک لگائی تھی' اس کے خوف سے ہی وہ آدھے دام میں گھر فروخت کرکے ساہیوال چلے گئے تھے۔ صابرہ بیٹی کی جدائی چند ماہ بھی برداشت نہیں کرپائی تھی۔ اس نے مرنے سے چند دن پہلے تمہاری تصویر دے کر کہا تھا' تم کبھی مل جاؤ تو اس کا پیغام پہنچادوں' اس نے تمہیں اور رفعت کو معاف کردیا ہے مگر تم کہاں ہو یہ کسی کو پتا نہ تھا پھر صابرہ کی موت کے بعد ہی اصغر اور بلقیس تین سال کے ابوبکر کو لے کر یوکے چلے گئے اور تین سال بعد پاکستان آئے تو ایک حادثے میں اللہ کو پیارے ہوگئے تھے۔" اماں بی گویا ماضی میں گم بول رہی تھیں اور بولتے بولتے وہ بے ہوش ہوکر گرگئی تھیں' فوراً انہیں ہسپتال شفٹ کیا گیا اور وہاں ڈاکٹرز نے تصدیق کردی ان کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔

وہ انتہائی نگہداشت کے یونٹ میں ایڈمٹ تھیں آئندہ چوبیس گھنٹے ان کے لیے بڑے اہم تھے۔ اکبر اور شریفہ کو اس نے گھر سے چلتا کردیا تھا گو کہ تقدیر نے ان لوگوں سے بڑا اہم رشتہ استوار کردیا تھا۔ ایک انجان آدمی اس کی اکلوتی پھوپو کا خاوند نکل آیا تھا اور وہ لڑکی جو کل تک اس گھر میں ملازمہ کی حیثیت سے رہ رہی تھی' یکلخت ہی وہ اس کی پھوپی زاد کزن نکل آئی تھی اور رشتے دار بن بیٹھی تھی اور اماں بی اس لڑکی کی اس قدر گرویدہ ہوگئی تھیں کہ وہ خواہش کے باوجود اس کو ان کے ساتھ روانہ نہ کرسکا تھا۔

تین دن بعد ان کی حالت سنبھلی تو ان کو روم میں شفٹ کردیا گیا تھا' ان کی حالت خطرے سے باہر تھی بیٹھتے ہی انہوں نے پہلے جنت کو سینے سے لگایا تھا اس کی پیشانی پر بوسے دیئے تھے۔

"میں نے تمہیں پہلے دن دیکھا تھا اور دیکھتی رہ گئی تھی' مجھے لگا تھا میرے سامنے رفعت آکر کھڑی ہوگئی ہو' وہ بالکل تمہاری جیسی تھی۔"

"غور سے دیکھ لیجیے نانی جان! یہ کہیں رفعت پھوپی کی روح تو نہیں۔" بار بار ان کو یہی فقرے دہراتے ہوئے دیکھ کر وہ چڑ کر بولا۔

"ارے روح کیوں ہونے لگی رفعت کی؟ یہ بیٹی ہے اس کی اور اکثر بیٹیاں ماں کی مشابہت لے کر پیدا ہوتی ہیں۔"

"دعا کریں صرف مشابہت لے کر ہی پیدا ہوئی ہوں کردار نہیں۔" اس کی زبان پر کوئی سینسر نہیں تھا وہ اسی طرح بے لگام بولا کرتا تھا۔ اماں بی اور جنت چپ ہوگئیں۔ عورت غلطی ایک بار کرتی ہے مگر سزا تاحیات ہی نہیں مرنے کے بعد بھی اس کی نسلوں کو وہ سزا بھگتنی پڑتی ہے۔

"نانی جان...... پلیز آپ زیادہ گفتگو نہ کریں ڈاکٹر نے سختی سے منع کیا ہے آپ صرف آرام کریں زیادہ سے زیادہ۔" وہ ان کی جذباتی حالت سے بے خبر کہہ رہا تھا۔

جنت ان کو سوپ پلا رہی تھی۔ ابوبکر اسے اماں کا خیال رکھنے کا کہہ کر وہاں سے چلا گیا تھا۔ اکبر ان کی عیادت کو آیا تھا اماں بی کو سلام کرنے کے بعد جنت سے بڑی محبت سے ملا تھا۔

اماں بی کے کہنے پر اس نے جوس کا گلاس اکبر کی طرف بڑھایا تھا اور خود کچھ فاصلے پر رکھے صوفے پر بیٹھ گئی اور باپ کو محبت سے دیکھنے لگی تھی۔ اس کے باپ کی صحت بہت اچھی تھی' گھنیرے بال اور رنگت سرخ و سفید ہوا کرتی تھی لیکن ان چند ماہ کے عرصے میں وہ بالکل بدل کر رہ گیا تھا' رنگت زرد پڑ گئی تھی۔ جسم گھل گیا تھا اور بالوں کی مقدار برائے نام رہ گئی تھی۔ وہ رو رہا تھا زار و قطار معافیاں مانگ رہا تھا اور باپ کو روتا دیکھ کر وہ بھی خود پر قابو نہ پاسکی تھی۔ آنسو چھپانے کے لیے باہر گیلری میں چلی گئی تھی۔

"اماں بی...... میں اپنی ساری غلطی' ساری بھول مانتا

ہوں ایک ایک خطا کی میں نے بہت اذیت اٹھائی ہے اور اٹھا رہا ہوں۔"

"میں نے تمہیں معاف کیا جلال! اللہ بھی تمہیں معاف کرے۔" وہ سچے دل سے اسے معاف کرتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"جزاک اللہ! اماں بی بس میری ایک التجا ہے آپ سے۔" وہ آنسو صاف کرتا ہوا گویا ہوا۔

"ہاں کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟" وہ پوری طرح متوجہ تھیں۔

"آپ نے دیکھا' شریفہ نے میری غیر موجودگی میں میری لاعلمی کا فائدہ اٹھا کر جنت کو ملازمت پر لگا دیا تھا۔ میں اب صرف چند دنوں کا مہمان ہوں' پھر میرے جانے کے بعد اس لالچی عورت کو کسی کا بھی ڈر نہیں ہوگا اس سے کچھ بعید نہیں وہ نوٹوں کے لالچ میں جنت کو بیچ بھی سکتی ہے۔" اماں پوری توجہ سے اس کی باتیں سن رہی تھیں۔

"میں آج اور ابھی سے اس کا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں دیتا ہوں' اب اس کی ذمہ داری آپ پر ہے کسی نیک اور شریف لڑکے سے بیاہ کرنا آپ کی ذمہ داری و فرض ہے۔ آپ رفعت کی خالہ ہیں۔ خالہ ماں ہوتی ہے اور کوئی بھی ماں بچوں کا برا نہیں چاہتی' مجھے شریفہ پر نہیں آپ پر اعتماد ہے۔" اکبر نے اپنا بوجھ اتار کر ان کے ناتواں کاندھوں پر ڈال دیا تھا۔ طبیعت کچھ بہتر ہوئی تھی وہ منت سماجت کرکے ہسپتال سے گھر آ گئی تھیں۔ جنت ان کی خدمت میں پہلے سے زیادہ لگ گئی تھی' وہ آج کل دل ہی دل میں اس کے لیے لڑکے تلاش کر رہی تھیں لیکن کوئی بھی لڑکا ان کو جنت کے ساتھ جچا نہیں تھا۔ رات اچانک ان کے دل میں ایک خیال بجلی کی مانند کوندا تھا۔

"ارے میں کہو دوسروں کے بچوں کے بارے میں سوچ رہی ہوں' جنت جیسی لڑکی ہی ابوبکر کی بے رنگ زندگی میں رنگ بھر سکتی ہے۔ وہ میرے ابوبکر کی دلہن بنے گی ہاں میرے ابوبکر کی۔" مسرت سے جھومتے ہوئے انہوں نے نہ صرف سوچا بلکہ رات کو ہی وہ آیا تو اسے بھی فیصلہ سنا ڈالا تھا۔

"نانی جان......! یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ ایسا ممکن نہیں ہے ہرگز نہیں۔" ان کے جذباتی فیصلے پر وہ شاکڈ رہ گیا تھا۔

"اگر اس بار تم نے میری بات نہ مانی تو میرا مرا منہ دیکھو گے۔"

"نانی جان......! مجھے امتحان میں نہیں ڈالیے خدارا۔" ان کا عزم و حوصلہ اسے بوکھلائے دے رہا تھا۔

"جلدی فیصلہ کرو' شادی یا نانی کی موت۔"

"خدا کے واسطے مجھے فیصلہ کرنے کے لیے موقع دیجیے۔"

"اب کوئی موقع تمہیں نہیں ملے گا' صرف آدھا گھنٹہ ہے تمہارے پاس سوچ سمجھ لو ہاں...... نہ......؟" وہ کچھ سننے کو تیار نہ تھیں' وہ وہاں جنت کے پاس آیا تھا جو کچن میں سوپ بنا رہی تھی۔

"سنو...... تم کو معلوم ہے نانی جان کیا کرنے جا رہی ہیں؟"

"جی......جی ہاں۔" اس کا چہرہ جھکا ہوا آواز دھیمی تھی۔

"پھر تم نے کیا جواب دیا...... کیا تم مجھ سے شادی کرنے پر راضی ہو؟"

"میں نے اپنی تقدیر اماں بی کے ہاتھوں میں سونپ دی ہے۔"

"بہت برا کیا ہے تم...... بہت برا...... ابھی بھی وقت ہے تم جا کر ان کو خود اس شادی سے انکار کردو ورنہ دوسری صورت میں یاد رکھنا میں تمہارا وہ حشر کروں گا' تم میرے نام سے بھی کانپو گی۔"

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

موم کی محبت
راحت وفا

یہ حقیقت سراب ہے پیارے
ظلمتوں کا یہاں بسیرا ہے
وقت کے سب غلام ہیں ورنہ
کون تیرا ہے، کون میرا ہے

﴿گزشتہ قسط کا خلاصہ﴾

عارض کو اپنے رویے پر دکھ پہنچتا ہے۔ عارض شرمین کو کسی بھی صورت کھونا نہیں چاہتا تھا۔ کشف (صبیح احمد کی بہن) اب اذان کو جلد از جلد شرمین سے حاصل کرنا چاہتی ہے اور نئے نئے منصوبے بناتی ہے۔ کشف شبانہ سے شرمین کے حوالے سے پوچھتی ہے۔ صفدر ایک بار پھر کٹھور پن کا مظاہرہ کرتا ہے اور زیبا سے بظاہر لاتعلق ہو جاتا ہے جب کہ اب اذان بھی صفدر کو پہچاننے لگا تھا اور محبت سے اس کی طرف لپکتا تھا جسے صفدر نظر انداز کر دیتا تھا۔ عارض زندگی کی طرف لوٹ آتا ہے اور بابا (آغا صاحب عارض کے والد) ان کا بزنس سنبھالیتا ہے۔ ننھی کی شادی کی تاریخ رکھ دی جاتی ہے۔ زیبا اور ننھی مارکیٹ شادی کی خریداری کرنے جاتی ہیں وہاں زیبا کو عارض نظر آ جاتا ہے عارض اور زیبا کے درمیان تلخ کلامی ہو جاتی ہے۔ جس پر عارض اسے دھکا دے کر چلا جاتا ہے۔ زیبا کے سر پر چوٹ دیکھ کر جہاں آرا بیگم پریشان ہو جاتی ہیں۔ جس پر ننھی پیر پھسل جانے کا جھوٹ گھڑ دیتی ہے۔ شرمین کشف کے بار بار فون کرنے سے پریشان ہو جاتی ہے۔ وہ کشف کو بتاتی ہے کہ اذان صبیح احمد کی وصیت کے مطابق اس کے پاس ہے۔ کشف اذان کو اپنے بیٹے کی سالگرہ میں بلانا چاہتی ہے لیکن شرمین گفٹ بھیج کر معذرت کر لیتی ہے۔ عارض اذان سے ملنے آتا ہے جس پر شرمین تلملا جاتی ہے۔ شرمین اس وقت اذان کو سب سے دور رکھنا چاہتی تھی لیکن عارض اذان کو اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ صفدر بچ جانے کے لیے زیبا کو عارض کے سامنے لے کر آتا ہے جہاں زیبا اسے اپنا گناہ گار قرار دیتی ہے جب کہ عارض اس بات سے انکاری ہو کر آصف کا نام لیتا ہے۔ جس پر صفدر کے سامنے زیبا کی ایک نئی کہانی آتی ہے۔

﴿اب آگے پڑھیں﴾

❀.......❀.......❀.......❀

حاجرہ بیگم کو شادی کے انتظامات نے بری طرح تھکا دیا تھا۔ زیبا نے گھر پہنچتے ہی سب سے پہلے انہیں میڈیسن دیں اور آرام کرنے کے لیے لٹا دیا۔ جہاں آرا نے بھی آرام کا مشورہ دیا تھا۔ خود وہ عبدالصمد کو لیے باہر صحن میں بیٹھ گئیں تھیں۔ ننھی کے کمرے میں آ کر زیبا نے اسے بھی سب کام چھڑوا کر لیٹنے کو کہا اور خود باورچی خانے میں آ گئی۔ برتن دھوئے، چائے کا پانی چولہے پر رکھا۔ دوپہر کے کھانے کے لیے کچھ ضروری تیاری کر رہی تھی کہ صفدر آ گیا۔ جہاں آرا خوش ہو گئیں۔

"اچھا کیا جو آ گئے، کوئی مرد تو ہونا چاہیے۔" وہ بولیں...... مگر وہ تو اپنی ہی سوچ میں کھڑا تھا۔

"امی...... آپ عبدالصمد کو لے کر گاڑی میں بیٹھیں۔"

"ہیں......! کیا مطلب؟ ابھی تو آئے ہیں۔" جہاں آرا کو سخت حیرت ہوئی۔ شام کو شادی ہے۔ وہ تین آدمی جمع ہیں ان

میں سے بھی اگر وہ چلی جائیں تو کیا بچے گا؟''

''آپ کو گھر جانا ہے، اور زیبا کہاں ہے؟'' اس نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔

''وہ شاید باورچی خانے میں ہے۔ مگر تم اتنے سنجیدہ کیوں ہو؟'' انہوں نے فکرمندی سے پوچھا۔

''امی..... پلیز سوال نہیں کریں۔''

''تم کمال کرتے ہو، حاجرہ، بہن بیمار ہوگئیں ہیں۔ معصوم، بے سہارا بچی کی شادی ہے اور تم کیوں اتنے ظالم اور بے حس ہو گئے ہو۔'' جہاں آرا برس پڑیں۔

''اچھا رکیں، رہیں یہاں۔ خود ہی لوٹنا پڑے گا'' وہ یہ کہہ کر باورچی خانے کی طرف آ گیا۔ زیبا کچن کے کاموں میں منہمک تھی۔ اس کے آنے کی خبر نہ ہوئی تو وہ خود بولا۔

''میرے ساتھ چلو'' وہ چونکی۔

''آپ آ گئے۔'' وہ کچھ خوش سی ہوئی۔

''میرے ساتھ چلو''

''کہاں؟''

''عارض کے گھر۔''

''مجھے وہاں نہیں جانا۔''

''وہاں تمہارا عاشق آ چکا ہے۔'' وہ طنزیہ مسکرایا۔

''پلیز..... آپ تو ایسے نہ کہیں۔''

''بے کار باتوں کا وقت نہیں چلو میرے ساتھ۔''

''ننھی کی آج شادی ہے۔'' وہ لفظ چبا چبا کر بولی۔

''تو کوئی بات نہیں۔''

''کوئی اور یہاں نہیں ہے۔ مجھے ہی دیکھنا ہے۔''

''چند منٹوں کی کہانی ہے پھر آ جاؤ گی یہاں۔'' وہ عجیب سے انداز میں بولا تو زیبا پریشان ہوگئی۔

''آپ سے استدعا ہے کہ کل پر رکھ لیں۔''

''نہیں زیبا بیگم..... میں اور عارض اس قصے کو آج ہی ختم کرنا چاہتے ہیں۔''

''قصہ.....'' وہ بڑبڑائی۔

''چلو آ ؤ۔'' وہ کہہ کر باہر آ گیا۔

''اماں اور ننھی کو تو بتا آ ؤں۔''

''ٹھیک ہے میں، امی اور عبدالصمد باہر انتظار کر رہے ہیں۔'' وہ کہہ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا باہر نکل گیا۔ اور وہ حواس باختہ سی بھاگ کر ننھی کو بتا کر باہر آ گئی۔

ننھی کی خود آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس کے پیچھے پیچھے وہ باہر دروازے تک آئی تو گاڑی کی پچھلی سیٹ پر جہاں آرا اور عبدالصمد کو دیکھ کر اور زیادہ فکرمند ہوئی۔ مگر پھر صفدر کے تیکھے تیور دیکھ کر دروازہ بند کر کے اندر آ گئی۔

❁.......❁.......❁.......❁

پرنسپل نے اسے کال کیا تھا۔ اذان اپنی کلاس میں چلا گیا اور وہ پرنسپل آفس میں آ گئی۔

"آیے مسز صبیح احمد بیٹھیے۔"
"مس شرمین۔" اس نے بڑی آہستگی سے اپنا تعارف کرایا۔
"وہاٹ؟" پرنسپل چونکی۔
"جی میں مسز صبیح احمد نہیں ہوں۔"
"اوہ......! آئی سی، مگر......"
"مگر اذان یہی سمجھتا ہے۔ اس کو پلیز پتا نہ چلے۔"
"اوکے......مگر اذان کی پھوپو غالباً کشف آئی تھیں، وہ بھی اشاروں میں ایسا کچھ ہی کہہ رہی تھیں۔ اور اذان کو لے جانا چاہتی تھیں۔" پرنسپل نے بتایا۔
"وہ مجھے اور اذان کو تنگ کرنا چاہتی ہیں۔ بہر کیف...... آپ کسی کے ساتھ بھی اذان کو کہیں جانے نہیں دیں۔"
"اور اذان ہر وقت بچوں سے اپنے ڈیڈی اور عارض انکل کی باتیں کرتا ہے۔ انہیں بہت مس کرتا ہے۔"
"اس کے ڈیڈی کی حقیقت تو آپ کو پتا ہی ہے۔ اذان کو یہ نہیں پتا کہ وہ مرچکے ہیں۔" اس نے کہا۔
"اور عارض انکل کون ہیں؟ اذان کی باتوں سے لگتا ہے وہ انہیں بہت پسند کرتا ہے۔"
"جی عزیز ہیں، اذان کو کمپنی دیتے ہیں شاید اس وجہ سے۔"
"اچھا......بس آپ سے یہ دو باتیں شیئر کرنی تھیں۔"
"تھینک یو......بس اذان ڈسٹرب نہ ہو۔"
"آپ پلیز...... اذان کی پھوپو سے مل کر ضرور بات کریں کہ وہ ہمارے لیے پرابلم کھڑی نہ کیا کریں۔"
"جی ضرور...... پلیز بس میرے بیٹے کو کچھ پتا نہ چلے۔"
"ویسے......آپ اسے حقیقت بتادیں تو بہتر ہے۔" پرنسپل نے کہا۔
"میں اس پر غور کررہی ہوں۔" اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔
"اچھی بات ہے۔"
"اللہ حافظ۔"
"اللہ حافظ۔" وہ آفس سے باہر نکل آئی۔ مگر ذہن صبح ہی صبح بری طرح الجھ گیا۔
کشف کا شر تیزی سے پھیل رہا تھا۔ اذان کو بتانے کا شاید وقت آ گیا تھا۔ اس کا سر درد سے پھٹنے لگا تھا۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے، کہاں جائے؟ گاڑی چلاتے ہوئے بھی کچھ سمجھ میں نہیں آنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ گاڑی تیز رفتار آٹو رکشے سے ٹکرا گئی۔ سر پر چوٹ آئی اور سیدھے ہاتھ کو زوردار جھٹکا لگا جس کی وجہ سے درد سے کراہ اٹھی۔
پیشانی سے خون بہنے لگا، رکشہ ڈرائیور تو کپڑے جھاڑ کر اٹھا اور خوف زدہ ہوکر بھاگ نکلا۔ جب کہ اس کی گاڑی کے اردگرد لوگ جمع ہوگئے۔ ٹریفک وارڈن نے سب کو منتشر کیا۔ اس کے لیے ایمبولینس بلوائی۔ اس کا بازو شدید درد کے باعث ہل بھی نہیں رہا تھا۔ قریبی اسپتال میں اس کو لے جایا گیا۔ نیم بے ہوشی کی سی حالت میں اس نے نرس کو اپنا فون دیا اور صفدر بھائی کو فون کرکے اطلاع دینے کو کہا۔

❁......❁......❁......❁
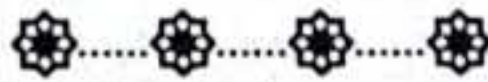
صفدر اس وقت عارض کے پاس زیبا سمیت پہنچا ہی تھا کہ شرمین کے فون نمبر سے نرس نے شرمین کے زخمی ہونے کی اطلاع دی۔ صفدر پریشان ہوگیا۔ عارض نے پوچھا۔

"خیریت؟"

"شرمین بہن کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے۔ مجھے فوری طور پر وہاں پہنچنا ہے۔" صفدر نے جلدی سے بتایا۔

"اوہ......! کہاں...... کیسے؟" عارض تو اس سے زیادہ پریشان ہوگیا۔

"جا کر دیکھتا ہوں۔"

"میں بھی ساتھ چلتا ہوں۔" عارض بھی تیار ہوگیا۔

"اور یہ قصہ......" صفدر نے تیکھے تیوروں کے ساتھ زیبا کو گھورا

"وہ یہیں ہے، بھابی کو ساتھ لے چلتے ہیں۔" عارض نے کچھ جھجکتے ہوئے زیبا کے لیے کہا۔

"ٹھیک ہے، جانے کیوں میری زندگی کے سکھ مجھ سے دور ہوتے جارہے ہیں۔" صفدر نے بڑا گہرا طنز کیا۔ زیبا کی آنکھیں بھر آئیں۔ مگر ضبط کرگئی۔

"صفدر...... حوصلہ پلیز......" عارض نے نرمی سے کہا۔

"یہ تم کہہ رہے ہو، جانتے ہوئے بھی کہ نتیجہ کیا ہوگا؟" صفدر نے بڑی سختی سے اسے کہا۔

صفدر نے زیبا کو ساتھ لیا اور پہلے اپنی گاڑی نکالی۔ زیبا آصف کا نام سن کر احساس توہین سے رودی۔ دل چاہا کہ اس کی بوٹیاں نوچ ڈالے۔ محبت کے کلمے بولنے والے کی زبان کھینچ لے مگر صفدر ترچھی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"ضبط نہیں ہورہا، عاشق اتنا پاس ہو اور ملاقات نہ ہو۔" بڑا استہزائیہ انداز تھا۔ وہ تڑپ اٹھی۔

"آپ کی سوچ پر افسوس ہے۔"

"صرف افسوس......! بہت غصہ آنا چاہیے، کچھ سر میں دے مارو میرے۔" وہ گاڑی دوڑاتے ہوئے بولا۔

"اللہ نہ کرے۔"

"چلو اب نہیں تو، کچھ دیر بعد ہی سہی، مارنے کو ہی دوڑو گی۔" صفدر نے کہا۔

"کیوں...... کیوں سوچتے ہیں آپ ایسا؟"

"ایک معشوق کی منزل عاشق ہوتا ہے۔ عاشق آچکا ہے۔" اس نے یہ جملہ اسپتال کی پارکنگ میں داخل ہوتے ہوئے ادا کیا اور پھر تیزی سے گاڑی سے اتر تیزی سے اندر کی جانب بڑھ گیا۔ وہ چاروناچار پیچھے پیچھے چل دی۔

عارض اپنی گاڑی پارک کرکے اس کے پیچھے تھا۔ وہ قریب سے آگے گزر گیا۔ اسے دیکھ کر زیبا وہیں رک گئی۔ عارض نے پلٹ کر دیکھا اور پھر اس کے پاس آ گیا۔

"بھابی جی! آپ میرے لیے قابل احترام ہیں، اطمینان رکھیں۔ آصف اگر مجرم ہے تو پوری سزا دوں گا۔"

"اوہ آپ تو بہت پارسا ہیں۔" وہ بولی۔

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"میں بات کرنا نہیں چاہتی۔" وہ خاصے غصے میں کہہ کر آگے بڑھ گئی۔ عارض افسردہ ہوا مگر اس وقت شرمین اس کے لیے بہت اہم تھی۔

❁......❁......❁......❁

شرمین کی پیشانی پر تو مرہم پٹی کردی گئی تھی۔ بازو پر کہنی تک پلستر کردیا گیا تھا۔ صفدر اور عارض دونوں ہی بہت فکر مند ہورہے تھے۔

"شرمین۔"

"صفدر بھائی...... مجھے گھر چھوڑ دیں۔"

"گھر...... اس حالت میں؟"

"میں اب ٹھیک ہوں، پلستر تو تین ہفتوں بعد کھلے گا۔ ڈاکٹر نے مجھے اجازت دے دی ہے۔" اس نے بتایا۔

"لیکن ابھی یہاں رہنا بہتر ہے۔" عارض نے خود سے کہا تو صفدر نے بھی تائید میں گردن ہلادی۔ مگر وہ بضد تھی۔

"پلیز...... سمجھا کریں، اذان کی چھٹی کا وقت ہوگیا ہے۔ ابھی اسے بھی لینا ہے۔"

"او کے...... صفدر میں شرمین کو لے جاتا ہوں، تم اذان کو پک کرلو، بھابی کو بھی گھر ڈراپ کردو۔" عارض نے رائے نہیں پروگرام بنایا۔

"مجھے اپنے گھر جانا ہے۔"

"ہاں نا!" عارض نے جلدی سے کہا۔

"صفدر بھائی......" اس نے بے زاری سے کچھ کہنا چاہا، مگر صفدر نے آنکھوں کے اشارے سے چپ رہنے کو کہا۔ عارض نے بڑھ کر شرمین کو سہارا دیا اور پھر دھیرے دھیرے چل کر باہر آ گئے۔

"مجھے سہارے کی ضرورت نہیں، میں چل سکتی ہوں۔" باہر نکلتے ہی اس نے خود کو الگ کرتے ہوئے کہا۔

"شاید مجھے ہو۔" اس نے پھر بڑھ کر ہاتھ تھام لیا۔ لوگ دیکھ رہے تھے۔

"کیا......؟"

"سہارے کی ضرورت۔"

"ہوگی۔" وہ بے پروائی سے بولی۔

اس نے بڑے آرام سے اسے گاڑی میں بٹھایا۔ گاڑی اسٹارٹ کی اور مین روڈ پر گاڑی ڈال دی۔ وہ چپ رہی، نقاہت اور کمزوری سی محسوس کررہی تھی۔ آنکھیں موند لیں...... کچھ دیر بعد گاڑی رکی تو آنکھیں کھول دیں۔ گاڑی ایک ڈرنک کارنر کے سامنے رکی تھی۔ عارض نے اس کے لیے اورنج جوس منگوالیا۔

"مجھے طلب نہیں۔" اس نے کہا۔

"خاموشی سے پی لو، ورنہ مجھے پلانا پڑے گا۔" اس نے آہستہ سے کان میں کہا تو اسے یک دم غصہ آ گیا۔

"دھمکی اور دھونس کا تعلق نہیں ہے ہمارا۔"

"پلیز...... رنگت پیلی پڑگئی ہے۔" اس نے بہت نرمی سے کہا تو اس نے بائیں ہاتھ سے گلاس تھام لیا۔ کیونکہ دائیں بازو پر تو پلستر تھا۔ جس کی وجہ سے خاصی دشواری پیش آرہی تھی۔ عارض نے بڑھ کر گلاس تھام لیا۔ شرمین نے مزاحمت کی مگر اسے گلاس خالی کرنا پڑا۔ عارض کی دھڑکنوں کا شور وہ بڑی قریب سے سن رہی تھی۔ اس کی نگاہوں کی تپش بھی چہرے پر دہک رہی تھی۔ لیکن اسے کچھ خاص قسم کی خوش فہمی اب ہوتی نہیں تھی...... اس لیے وہ خاموش تھی۔ بالکل ٹھہرے ہوئے پانی کی مانند۔ جب کہ وہ بہت دنوں بعد اس کے یوں قریب ہوا تھا۔ خوش بھی تھا اور دکھی بھی کہ اپنی محبت کو زخمی اور اس حالت میں دیکھ رہا تھا۔

"پلیز...... اب مجھے چھوڑ دیں۔"

"اوہ ہاں......!" اس نے بل پے کیا اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

❋......❋......❋

ایک بار پھر وہ عارض کے گھر میں اسی کمرے میں تھی۔ جو آغا جی نے اس کے لیے کھلوایا تھا۔ عارض اس کی سخت بے

زاری کے باوجود کسی شیشے کی نازک سی گڑیا کی طرح دیکھ بھال کررہا تھا۔ اس کے سر کے نیچے دو تکیے لگائے، پلستر والا بازو بہت پیار سے تھام کرایک تکیہ اس کے نیچے رکھا۔ اس نے ٹانگیں پھیلائیں تو کمبل پھیلا دیا۔ وہ نیم غنودگی میں تو تھی آرام ملا تو گہری نیند سوگئی۔ وہ قریب ہی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ اس کے معصوم، پاکیزہ چہرے پر نظریں جمائے...... جمائے حسرت ویاس کی مورت بن گیا۔ سرد شکستہ آہ لبوں سے نکلی۔

ہم کسی دریچے نکلے اور نہ کہیں دستک دی
سینکڑوں در تھے میری جاں تیرے در سے پہلے

''مگر تمہیں اعتبار کیونکر آئے گا؟ میں نے اعتبار کے سب ستارے فلک سے نوچ ڈالے۔ سب خطائیں میرے اعمال نامے میں ہیں، کس کو کیا بتاؤں؟ میں نے جو نہیں کیا وہ بھی میری ذات سے وابستہ کردیا گیا۔ تمہاری حسین آنکھوں پر جھکی گھنی سیاہ جھالروں کی قسم، میں نے دل میں صرف تمہیں چاہا، تمہاری پرستش کی، صبیح احمد کی خاطر تمہیں خود سے جدا کیا...... لیکن تمہیں دور کرکے ایک شب بھی چین سے سویا نہیں۔'' اس نے سرگوشی کی۔ مگر وہ سرگوشی اس کے کانوں میں رس نہ گھول سکی۔

اسی اثناء میں دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی...... اور اس کے سنبھل کر بیٹھنے تک صفدر اور اذان کمرے میں آگئے...... اذان برق کی رفتار سے دوڑا اور سید ھا شرمین سے لپٹ گیا۔ وہ کسمسائی...... درد سے آہ سی نکلی تو عارض نے اذان کو اپنے بازوؤں میں بھرلیا۔

''ارے...... ارے...... ماما کو چوٹ لگی ہے، انہیں سونے دو، اب بہتر ہیں۔''

''کیا ہوا ہے میری ماما کو، کس نے کیا ہے؟'' اذان رونے لگا۔

''بیٹا...... گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا ہلکی سی چوٹ لگ گئی۔'' صفدر نے جواب دیا۔

''بالکل...... مگر اب ماما بالکل ٹھیک ہیں۔ کچھ دیر بعد جاگیں گی تو آپ کے ساتھ کھیلیں گی، باتیں کریں گی۔'' عارض نے اس کی دل جوئی کی۔ مگر اس کا تو بس نہیں چل رہا تھا کہ ماما سے لپٹ کر پیار کرے۔

''اذان...... بیٹا باہر جاکر کھیلو۔'' صفدر نے کہا تو عارض سمجھ گیا کہ صفدر کو کوئی بات کرنی ہے۔

''اذان...... حاکم چاچا کو کہیں کہ ماما کے لیے سوپ بنوائیں اور آپ کے لیے کھانا میز پر لگائیں۔'' عارض نے اذان کو سمجھا بجھا کر باہر بھجوا دیا۔

''زیبا کو لانا چاہتا ہوں۔''

''کیا......! ابھی......''

''ہاں...... اب صبر نہیں ہوتا'' صفدر نے دھیرے سے کہا۔

''او کے جیسی تمہاری مرضی۔'' عارض نے جواب دیا۔

''میں جلدی واپس آتا ہوں۔''

''او کے...... مگر شرمین کو ڈسٹرب نہیں ہونا چاہیے۔'' عارض نے کہا۔ صفدر بنا کسی ردعمل کے باہر چلا گیا۔ تو وہ اذان کی خاطر کچھ سوچ کر کمرے سے باہر آگیا۔ وہ اسکول سے آیا تھا اسے کھانا کھلانا ضروری تھا۔

❋......❋......❋......❋
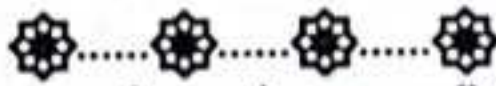
گھر پہنچنے پر جہاں آرا نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔ زیبا کی خاموشی اس بات کا ثبوت تھی کہ اس نے ننھی کی شادی کے موقع پر گھر چھوڑا تھا۔ وہاں کوئی اور دیکھ بھال کرنے والا نہیں تھا۔ جہاں آرا بہت مغموم اور دکھی تھیں۔ انہیں صفدر سے یہ امید

نہیں تھی۔اب وہ جیسے ہی زیبا کو عارض کی طرف لے جانے کے لیے گھر میں داخل ہوا تو وہ پھٹ پڑیں۔

”میری دعا ہے کہ اللہ تمہیں بیٹی دے، تاکہ تم بیٹی کا دکھ سمجھ سکو، تمہارے آنگن میں کسی کی بیٹی آ گئی تو اس پر رحم کرو، نبی پاک ﷺ کا حسن سلوک یاد کرو، کیا یہی فرمایا ہے آپ ﷺ نے؟ تمہارے دل میں غرور اور تکبر نے جگہ لے لی ہے۔“ وہ غصہ سے بولتی بولتی چپ ہوئیں، مگر وہ کچھ بھی نہ بولا، سیدھا زیبا کے پاس پہنچ کر اسے دیکھا اور دھیرے سے کہا۔

”تمہیں تو پتا ہے نا کہ ہمیں کہاں جانا ہے؟“ وہ کچھ نہ بولی۔ چپ چاپ سفید چادر شانوں پر پھیلا کے اس کے قریب کھڑی ہوگئی۔

”تم کیا روبوٹ بن کر کھڑی ہوگئیں، تمہیں کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہ کیا کر رہا ہے؟“ جہاں آرا نے زیبا کو لتاڑا۔

”امی، ہم ابھی آتے ہیں۔“ صفدر تو جیسے نہ کچھ سن رہا تھا اور نہ سمجھ رہا تھا۔

”ارے خدا کا خوف کرو، اس کے گھر میں ایک بے سہارا بچی کی شادی ہے، تم کن چکروں میں ہو۔“ جہاں آرا نے شدید غصے میں کہا تو وہ فقط اتنا بولا۔

”یہ چکر بھی آپ کی بہو کے ہیں جن سے نکلنے کی کوشش میں کر رہا ہوں۔“

”کیا مطلب......؟“ وہ کچھ نہ سمجھیں۔

”امی..... آپ فکر نہ کریں، ہم ابھی آ جائیں گے۔“ زیبا نے انہیں سمجھانا چاہا مگر وہ نہ سمجھیں۔

”مسئلہ کیا ہے؟“

”یہ..... یہ مسئلہ ہے۔“ صفدر نے جھنجھلا کر زیبا کو جھنجھوڑتے ہوئے اس کے بارے میں کہا اور پورچ کی طرف بڑھ گیا۔

زیبا کی بڑی بڑی آنکھوں میں بے بسی کے آنسو آئے، چادر کے پلو میں سمیٹ کر پیچھے پیچھے چل دی۔

جہاں آرا اپنی بے بسی پر خود بھی آنسو بہانے لگیں۔اس گھر کی خوشیوں کی تمنا میں رات دن دعائیں مانگتے جاگتی، سوتی تھیں۔ نتیجہ دیکھ کر رو ہی سکتی تھیں۔ ایک لاڈلا بیٹا ہے اس کی بھی ازدواجی زندگی بہت پریشان کن دوراہے پر کھڑی تھی۔اب جانے کیا ہونے جا رہا تھا، ان کا دل ڈوب رہا تھا، ہمت جیسے جواب دے گئی تھی..... بے اختیار ہی ہاتھ دعا کے لیے اٹھ گئے۔

”یا اللہ..... میرے بچے کا گھر خوشیوں سے بھر دے۔ سکون کی دولت سے مالا مال کر دے، آمین۔“ کپکپاتے ہوئے لبوں سے رقت بھری دعا نکلی..... عبدالصمد کی کمرے سے رونے کی آواز آئی تو چونک کر اندر کی طرف آ گئیں۔

وہ سوتے سوتے شاید چونکا تھا۔اس لیے رونے لگا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ اسے بھوک لگی ہو، انہوں نے ملازمہ کو اس کا فیڈر بنا کر لانے کو بھی کہا۔

❀.....❀.....❀.....❀
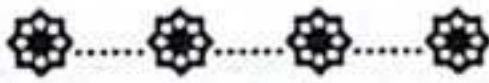
عارض اذان کو کھانا کھلا کر کمرے میں آیا تو شرمین کا سیل فون بج رہا تھا۔ عارض نے اس کی بے آرامی کے ڈر سے جلدی سے فون اٹینڈ کر لیا۔

”شرمین..... سو رہی تھی کیا.....؟“ ایک دم ہی نسوانی تیز آواز آئی۔

”جی سو رہی ہیں، آپ کون.....؟“ عارض نے جواب میں بتایا اور پوچھا۔

”اور آپ کون ہیں.....؟“ آواز میں تحکم شامل ہو گیا۔

”جی، میں عارض بول رہا ہوں، آپ کا تعارف.....؟“

”میں اذان کی پھوپو کشف بول رہی ہوں، آپ کون ہیں..... اور شرمین کے گھر.....؟“ آواز میں بہت طنز تھا۔

"میں بھی اللہ کا بندہ ہوں، شرمین کا ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا وہ اسی لیے سو رہی ہیں۔"
"ہیں...... کب؟"
"آج صبح، اٹھیں گی تو بتادوں گا۔"
"اور اذان......؟"
"اذان ٹھیک ہے۔"
"میں آتی ہوں۔"
"شرمین اپنے گھر نہیں ہیں۔" عارض نے اطلاع فراہم کی۔
"تو اپنے گھر کا پتا دے دیں۔"
"شرمین خود بتادیں گی۔" عارض نے ٹالا۔اس کے انداز سے وہ محتاط ہوگیا تھا۔
"اذان سے بات کرادیں۔"
"جی کچھ دیر بعد کرادوں گا۔ابھی کچھ مصروفیت ہے۔" عارض نے یہ کہہ کر فون کاٹ دیا۔اسی لمحے اذان کمرے میں آ گیا تو اس نے بہانے سے پوچھ لیا۔
"آپ کی ماما سے آپ سے اور کون ملنے آتا ہے؟"
"ہنہ...... ہوں...... کشف پھوپو......" اس نے لمبی سے ہنہ کو کھینچ کر بتایا۔
"اچھا اور ماما بھی جاتی ہیں ان کے پاس۔"
"نہیں، وہ مجھے لے جاتی ہیں، بلاتی ہیں۔"
"مطلب آپ کی ماما سے پوچھ کر۔"
"ہنہ...... مگر ماما منع کرتی ہیں۔" اذان نے معصومیت سے کہا۔
"ٹھیک سمجھتی ہوں گی۔"
"انکل...... میں ماما کے ساتھ لیٹ جاؤں۔"
"اوں ہنہ...... ڈسٹرب ہوں گی۔آپ میرے کمرے میں جاکر لیٹ جاؤ۔" اس نے کہا...... دروازے پر دستک ہوئی اور حاکم الدین اندر آ گیا۔
"کیا بات ہے؟" اس نے پوچھا۔
"صفدر میاں آگئے ہیں۔آپ کو بلا رہے ہیں۔"
"بھابی ہیں ساتھ۔"
"جی ٹی وی لاؤنج میں بٹھادیا ہے۔"
"آصف کو بھی وہیں لے آنا،لیکن چند منٹ کے بعد۔" وہ یہ کہہ کر آگے آگے چلا گیا۔اذان نہیں گیا۔موقع پاتے ہی شرمین کے سرہانے ٹک کر اس کے سر پر چہرہ ٹکا کر بولا۔
"ماما جی...... اب اٹھ جائیں، میں اداس ہوں۔" اس کی معصوم محبت کی حدت تھی کہ اس کی پلکیں لرزیں اور پھر وہ بے قراری سے دوسرے ہاتھ سے اس کا چہرہ تھام کر لبوں تک لا کے چومنے لگی...... وہ تڑپ کر خود اس کا چہرہ چومنے لگا۔

❀......❀......❀......❀
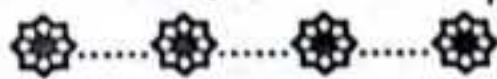
ٹی وی لاؤنج میں مکمل خاموشی تھی۔عارض ایک طرف منہ موڑ کر بیٹھا تھا۔صفدر دوسری طرف تک رہا تھا۔زیبا اضطراب

کے ساتھ اپنا نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبائے منتظر تھی۔ اس محبت کے مذاق پر جس نے اسے عرش سے اٹھا کر ذلت کی پستی میں گرا دیا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ آج بے عزتی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور تھی۔ اس کی توقیر اپنے شوہر کی نظروں میں نہیں تھی۔ عارض پر نگاہ پڑتی تھی تو اس کا خون کھول اٹھتا۔ مگر وہ صرف ضبط کررہی تھی۔ صفدر نے سگریٹ سلگا کر اپنے غصے کو گویا لگام دی۔ اس وقت باہر قدموں کی آواز ابھری اور دائیں طرف سے حاکم الدین کے ہمراہ آصف آ گیا۔

"حاکم چاچا...... آپ جائیں۔" آصف نے ہکلا کر کچھ کہنا چاہا۔

"آصف...... انہیں تم سے جو پوچھنا ہے وہ صاف صاف بتاؤ۔ انہیں پہچانتے ہونا؟" عارض نے بڑی سختی سے زیبا کی طرف اشارہ کرکے پوچھا۔

"یہ...... یہ کیسے انکار کرسکتا ہے۔ یہ تو میرے وجود کو پامال کرنے والا ہے۔" زیبا شدید غصے کے ساتھ آگے بڑھی۔

"زیبا...... زیبا وہ......" وہ بری طرح پریشان ہوا۔ سانس پھول گئی۔ ویسے بھی صدیوں کا بیمار دکھ رہا تھا۔

"نام مت لو میرا۔"

"اے مسٹر...... صاف اور سیدھی بات کرو۔" صفدر نے مداخلت کی۔

"یہ زیبا ہے، میں ان کا کرائے دار تھا۔ تو زیبا مجھ سے محبت کرنے لگی۔"

"بکواس بند کرو گھٹیا انسان، محبت کا جال تم نے پھیلایا تھا۔" زیبا دھاڑی۔

"اور پھر......" عارض نے کہا۔

"ہم دونوں محبت کرنے لگے، شہر میں ان کا گھر میرے لیے بڑا سہارا تھا۔" وہ بات کرتے کرتے رکا۔

"اور اس گھر پر تمہاری گندی نظریں تھیں۔" عارض نے بہت غصے کا اظہار کیا۔ وہ گردن جھکا کر کھڑا تھا۔

"پھر آگے بکواس کرو۔" صفدر نے دانت کچکچائے۔

"زیبا کو میں نے یقین دلایا تھا کہ ہم شادی کریں گے۔"

"ہمیں یہ بکواس نہیں سننی، یہ کہہ رہی ہیں کہ میں ان کا گناہ گار ہوں۔" عارض جھنجلایا۔

"تم بولو، مجھے اپنے گودام میں لے کر گئے تھے، پھر جوس پلا کر ان کے پاس لے گئے تھے۔" زیبا نے اس کا بڑھ کر گریبان پکڑا۔

"بھابی...... چھوڑ دیں اسے...... یہ گندا شخص میرے پاس آپ کو نہیں لایا تھا، بلکہ میرے روم کا استعمال کیا تھا اس نے۔" عارض نے کہا۔

"او ئے بول......" صفدر نے اس کے جبڑے پر گھونسا ٹکا دیا۔

"میں جوس پلا کر فارم ہاؤس لے گیا تھا۔ چھوٹے صاحب اچانک آ گئے تھے۔ اس لیے میں بھاگ گیا تھا۔" اس نے جھکی ہوئی آنکھوں کے ساتھ بھیانک سفاکانہ انکشاف کیا۔

"مطلب...... تم......! تم نے ایسی گھٹیا حرکت ان کے ساتھ، اپنی محبت کے ساتھ کی۔" عارض نے چلاتے ہوئے اسے دھنک کر رکھ دیا۔

"تم...... مجھے پامال کرکے بھاگ گئے، میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔" زیبا نے اس کا منہ تھپڑوں سے لال کردیا، قمیص تار تار کردی۔ وہ ہاتھ باندھے کھڑا رہا۔ ہلا تک نہیں، عجیب بات تھی کہ صفدر سگریٹ کے کش لگاتا رہا کچھ نہ بولا۔

"تمہاری جرأت کیسے ہوئی کہ تم انہیں اپنی گندی سوچ کے ساتھ فارم ہاؤس لائے اور یہ گناہ گار مجھے سمجھتی رہیں۔" عارض نے ایک دو گھونسے اور رسید کردیئے۔ اس کے ہونٹ سے خون بہنے لگا۔

"تم......تم مجھے محبت کہتے تھے، تم نے مجھے برباد کیا، اتنی سفاکی کے ساتھ، دھوکے کے ساتھ۔" زیبا نڈھال سی ہوکر روتے روتے دیوار سے جا لگی۔

"یہ گھٹیا آدمی تمہارے پاس ہی ہے۔"

"اسے اب ہیپاٹائیٹس ہے، گودام کا کام کرنے کے قابل نہیں، فارم ہاؤس پر ہی بابا نے ہلکا پھلکا کام دے دیا تھا۔ وہ بھی بیماری سے پہلے۔" عارض نے غصے سے بتایا۔

"تو تم نے اس رات سب جان کر بھی اسے پولیس کے حوالے نہیں کیا، کیوں؟"

"سچ تو یہ ہے کہ میری دردسری نہیں تھی، بس مجھے غصہ ان پر ہی آیا تھا میں سمجھا کہ کوئی پروفیشنل......سو میں نے باہر نکالنے کا ملازمین کو کہہ دیا تھا۔" عارض نے بہت لجاحت سے بتایا۔

"ہنہ......" صفدر نے صرف یہ کہا۔

"میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گی، اس نے میری توہین کی۔" زیبا پھر آصف پر حملہ آور ہوئی۔

"بھابی......چھوڑ دیں اسے، میں پولیس کے حوالے کرتا ہوں۔" عارض نے زیبا کو سمجھایا۔

"عارض میرے دوست۔" صفدر نے شدت جذبات میں عارض کو بانہوں میں بھرلیا۔ پھر صفدر نے الگ ہوتے ہی زیبا کو اور آصف کو دیکھا۔

"نہیں......پولیس کی ضرورت نہیں، فیصلہ تو آسان ہے، آصف، اور زیبا بیگم کے لیے۔" صفدر بڑے تحمل سے کہہ کر درمیان میں کھڑا ہوگیا۔

"مطلب......؟"

"محبت کرنے والوں کو محبت کے نام پر چھوڑ دینا چاہیے۔"

"نہیں......اس بھیڑیے کو جیل جانا ہوگا۔" عارض نے جذباتی ہوکر کہا۔

"چلو یوں ہی سہی، میں زیبا کو اس کے گھر بھیج رہا ہوں۔ نہ یہ میری محبت ہے نہ عزت، میں زیبا کو تم دونوں کی موجودگی میں طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں۔" ایک لاوا تھا جو صفدر کے منہ سے نکلا اور آناً فاناً سب کچھ جھلس گیا۔

عارض نے دوڑ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھا، زیبا تو بے جان ہوکر فرش پر ڈھیر ہوگئی۔

"یہ کیا......کیا بکواس کررہے ہو صفدر......؟" عارض چلا اٹھا۔

"ان کی محبت کو ملانے کی کوشش ہے۔"

"آپ ایسا نہ کریں، زیبا کا قصور نہیں تھا، مجھے سزا دیں۔" آصف گڑگڑایا۔

"یہ سزا ہی ہے تمہاری، اسے ساتھ لے جاؤ۔" صفدر بولا۔

"صفدر......صفدر پلیز الفاظ واپس لو۔" عارض نے منت کی۔

"عارض......میں نے تمہیں پالیا ہے یہ کافی ہے، محبت کرنے والوں کو ملا کر جارہا ہوں۔" صفدر نے کہا اور عارض کا ہاتھ جھٹک کر باہر نکل گیا۔ صفدر پیچھے بھاگا مگر پھر وہ ناکام ہوکر لوٹ آیا، صفدر جا چکا تھا۔

❁......❁......❁......❁

زیبا کا نروس بریک ڈاؤن ہوگیا تھا۔ اسے آئی سی یو میں رکھا گیا تھا۔ عارض کی حالت دیدنی تھی۔ گھر میں شرمین کو بستر پر چھوڑ کر وہ تن تنہا زیبا کے ساتھ اسپتال میں تھا۔ صفدر کا فون آف تھا۔ اسے بہت غصہ آرہا تھا۔ آصف جیسے گھٹیا آدمی کے لیے اس نے معصوم اور پیاری سی بیوی کو اپنی زندگی سے نکال پھینکا تھا۔

"یہ نہیں ہو سکتا، صفدر تم یہ ظلم نہیں کر سکتے۔ اس میں زیبا بھابی کی کیا غلطی؟ اس بے رحم شخص نے محبت کے نام پر دھوکہ دیا، تمہیں یہ الفاظ واپس لینے ہوں گے۔" وہ کچھ دیر کے لیے گاڑی لے کر صفدر کی طرف جاتے ہوئے سوچ رہا تھا۔ دن ڈھلنے کو تھا۔ اسے دیکھ کر جہاں آرا حیران ہو گئیں، وہ تو شادی پر جانے کے لیے تیار کھڑی تھیں۔

"خالہ جان صفدر......"

"بیٹا...... اسی کا انتظار کر رہی ہوں جانے زیبا کو کہاں لے گیا ہے؟" جہاں آرا نے ہولے ہولے اسے ساتھ لیے ٹی وی لاؤنج کا رخ کیا۔

"اچھا...... !مگر اس کا فون آف ہے۔" عارض کا حوصلہ نہیں پڑ رہا تھا کہ وہ کیا کہے۔

"صفدر کی لاپروائی جانے کب جائے گی؟"

"لاپروا تو کبھی نہیں تھا، مگر اس وقت اس کا ملنا ضروری ہے۔" وہ سخت پریشان سا لگا تو جہاں آرا چونکیں۔

"سب خیریت تو ہے ناں......؟"

"بس دعا کریں خیر ہو جائے۔"

"کیا مطلب؟ مجھے ٹھیک سے بتاؤ۔"

"بس آپ دعا کریں۔"

"دیکھو نا...... زیبا کی بہن کی شادی ہے سات بجے بارات آ جائے گی اور یہ دونوں کہیں نہیں...... زیبا کے گھر میں کوئی نہیں۔"

"جی...... یہ بری بات ہے، لیکن وہ ہے کہاں......؟" عارض نے بات کرتے کرتے پھر فون ملایا، مگر آف تھا۔

"ویسے خیر تو ہے، وہ زیبا کو کہاں لے گیا ہوگا......؟" ان کی بات سن کر اس کا دل چاہا کہ سب کچھ بتا دے، مگر پھر ان کو صدمہ نہ دینے کی وجہ سے خاموش رہنا پڑا۔

"تم کچھ پریشان لگ رہے ہو۔"

"جی...... وہ بس صفدر کی وجہ سے۔" وہ ہکلایا۔

"اب دیکھو...... یہ اکلوتا داماد ہے اس گھر کا، اسے تو سب کام خود دیکھنے چاہیے تھے۔ لیکن یہ ہمیں وہاں سے کھینچ لایا۔ پتا نہیں اس کے دماغ میں کیا چل رہا ہے؟"

"خالہ جان دعا کریں کہ وہ آ جائے اور سب ٹھیک ہو جائے۔" عارض پریشانی میں اتنا تو کہہ گیا تب وہ پھر چونکیں۔

"زیبا کا فون گھر پر پڑا ہے۔"

"ہاں وہ...... اچھا میں چلتا ہوں۔"

"مگر عارض بیٹا، صفدر کا کیا کروں؟"

"اس سے جیسے ہی رابطہ ہو، مجھ سے رابطہ کرنے کو ضرور کہیں، میں چلتا ہوں۔" وہ ذہنی طور پر تو الجھا ہوا تھا۔ انہیں کیا بتاتا کہ اصل مسئلہ کیا ہے۔

"بیٹا...... شرمین بیٹی سے پتا کر لو......" انہیں خیال آیا۔

"وہ...... وہ تو خود گھر پر نہیں ہے۔" اس کو شرمین کا خیال آیا، وہ بھلا کیا سوچے گی۔ اذان پریشان ہوگا۔ شرمین ضدی ہے کہیں چلی نہ جائے۔ وہ یہ سوچ کر الٹے قدموں باہر نکل گیا۔

❁......❁......❁......❁

"بیگم صاحبہ تھوڑا سا کچھ کھا لیں، صاحب نے مٹن قیمہ بنانے کو کہا تھا۔" حاکم الدین نے شرمین کو جاگتا پا کر کہا۔ اذان

اس کے ساتھ چپکا ہوا تھا۔ وہ گھڑی پر نگاہ ڈال کر جانے کا سوچ رہی تھی۔
"بھوک بالکل نہیں ہے بس مجھے گھر بھجوادیں۔" وہ بولی۔
"بس صاحب آجائیں تو۔"
"عارض انکل کہاں چلے گئے؟" اذان اداس ہوکر بولا۔
"وہ اسپتال گئے ہوں گے۔"
"اسپتال خیریت؟" شرمین چونکی۔
"جی..... صفدر صاحب کی بیگم کو لے کر گئے تھے۔"
"کیا.....؟" وہ کچھ نہ سمجھی۔
"وہ بے ہوش ہوگئی تھیں صفدر صاحب جا چکے تھے تو چھوٹے صاحب کو لے جانا پڑا۔"
"وہ دونوں میری خیریت پوچھنے آئے تھے اور....." وہ بولتے بولتے رکی۔
"بس ان کا اپنا ہی کچھ معاملہ تھا۔ صفدر صاحب کا غصہ بہت خراب ہے۔" وہ بولے۔
"مگر وہ....."
"چھوڑیں آپ بتائیں میں ملازمہ کو بھیجتا ہوں آپ کے ہاتھ دھلوائے اور کھانا لائے۔ تھوڑا سا کھالیں صاحب ناراض ہوں گے۔" حاکم الدین نے کہا تو وہ خاموش ہوگئی۔ وہ چلے گئے تو وہ گہری سوچ میں پڑگئی۔
"کیا معاملہ ہے۔"
"ماما..... ہم اپنے گھر کب جائیں گے؟" اذان شاید بور ہوگیا تھا۔
"بس کچھ دیر تک۔" اس نے پیار سے کہا۔ تو وہ مطمئن ہوگیا۔

❀.....❀.....❀.....❀.....❀
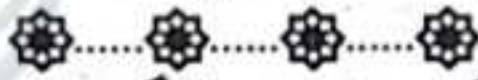
ننھی کی بارات پہنچنے والی تھی۔ حاجرہ بیگم نے محلے کے دو تین گھروں کے لڑکے بزرگ اور خواتین بلائیں ننھی نے کھانے کا تو آرڈر کردیا تھا اس کا مسئلہ نہیں تھا۔ مگر دکھ اور پریشانی کا مسئلہ یہ تھا کہ گھر کی ایک ہی بیٹی جو معقول گھرانے میں بیاہی گئی وہ اور اس کا شوہر اب تک غائب تھے محلے والوں نے سوالات کیے مگر حاجرہ بیگم کی آنکھوں میں نمی اترنے کے سوا کوئی جواب نہیں تھا ننھی کے کمرے میں آئیں تو وہ تیار ہورہی تھی۔ انہیں اداس دیکھ کر اس نے کہا۔
"خالہ..... صفدر بھائی کا فون آف ہے۔"
"میرا دل گھبرا رہا ہے۔"
"پریشان نہ ہوں کوئی خاص بات ہوگی آنے والی ہوگی۔"
"کیسا داماد ہے ہماری خوشی غمی سے لاتعلق اب تو مجھے یقین ہوچلا کہ صفدر زیبا کو پسند نہیں کرتا اس ناروا سلوک کی وجہ کوئی اور لڑکی ہے۔"
"ارے نہیں خالہ ایسی بات نہیں۔" ننھی نے دلاسا دیا۔
"پھر..... پھر کیا وجہ ہے؟"
"آپ پرسکون ہوجائیں آجائیں گے۔"
"ارے کب آئیں گی..... اب وقت ہی کتنا بچا ہے؟" وہ رودیں۔
"خالہ..... مہمان ایسے آپ کو دیکھیں گے تو پریشانی کی وجہ پوچھیں گے۔"

''کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔'' وہ کہتی ہوئیں باہر چلی گئیں۔ اس نے بسم اللہ پڑھ کر زیبا کا نمبر ملایا تو فون جہاں آرا نے اٹینڈ کیا۔

''ہیلو خالہ جی..... زیبا کہاں ہے؟ آپ لوگ ابھی تک آئے نہیں۔'' ننھی خوشی میں بولتی چلی گئی۔

''بیٹا..... یہ فون گھر پڑا ہے وہ دونوں میاں بیوی تو گھر سے گئے تھے اب تک نہیں لوٹے' نہ اتہ پتہ ہے۔ صفدر کا فون بند ہے۔'' انہوں نے بتایا تو وہ پریشان ہوگئی۔

''کہاں جاسکتے ہیں..... عبدالصمد؟'' ننھی نے پوچھا۔

''عبدالصمد تو میرے پاس ہے' ان دونوں کا کچھ پتا نہیں' میں تیار ہوں مگر ان کا انتظار کررہی ہوں۔''

''خالہ جان بارات پہنچنے والی ہے۔''

''میری بچی..... میں کیا کروں..... میں کہاں سے اس کا پتا کروں؟'' جہاں آرا بے بسی سے بولیں۔

''حاجرہ خالہ تو بہت ہی فکر مند ہیں' رو رہی ہیں۔''

''اللہ سے خیر کی دعا کرو بس۔'' انہوں نے کہا' ننھی نے بے بسی سے فون بند کردیا۔

جہاں آرا سر تھام کے بیٹھ گئیں۔ ملازمہ کو سر درد کی گولی اور چائے لانے کو کہا۔ عبدالصمد کھیلتے کھیلتے تھک کے سو گیا تھا۔ مغرب کی نماز کے بعد بھی کافی سارا وقت گزر گیا تھا۔ ننھی نے ٹھیک کہا تھا بارات کا وقت ہوگیا تھا۔ شرمندگی اور ندامت سے زیادہ فکر دامن گیر تھی۔ انہوں نے اللہ سے رو رو کر ان دونوں کی خیریت کی دعا کی۔

❁.....❁.....❁.....❁

شرمین کو صرف روکنے کے لیے وہ گھر آیا تھا۔ سمجھا رہا تھا مگر وہ بضد تھی کہ اپنے گھر جا کر اپنا خیال رکھ سکتی ہے۔

''تم سمجھتی کیوں نہیں ہو؟''

''کیا سمجھوں؟ آپ نے میری تیمارداری بہت کرلی' بس اور نہیں چاہیے' آپ اپنی مصروفیت جاری رکھیں۔'' وہ بولی۔

''شرمین..... میری مصروفیت کا سنو گی تو خود میرا ساتھ دوگی' پلیز ٹرائے ٹو بی انڈر اسٹینڈ۔'' وہ نرمی سے بولا۔

''کیا مطلب؟''

''شرمین..... ایک بہت برا سانحہ ہوا ہے' بہت مشکل میں ہوں' کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کیا کروں؟''

''کیا ہوا ہے؟'' وہ کچھ تحمل سے بولی۔

''سمجھ میں نہیں آرہا بتاؤں یا خاموش رہوں۔'' عارض نے دکھ سے کہا۔

''مرضی ہے۔'' وہ جل کر بولی۔

''آج بہت برا ہوا..... زیبا بھابی.....'' اس کی زبان اٹکی۔

''کیا ہوا زیبا بھابی کو؟''

''ان کو صفدر طلاق دے گیا' ان کا نروس بریک ڈاؤن ہوگیا ہے' تب ہی میں اسپتال لے کر گیا تھا۔ وہ خطرے سے تو باہر ہیں' مگر ہوش میں نہیں ہیں۔''

''تو اچھا ہوا' تمہاری وجہ سے کچھ تو ہونا تھا۔''

''شرمین..... مجھ پر محض الزام تھا' گناہ گار میرا ملازم آصف تھا' ہماری فیکٹری کا گودام انچارج' سب کلیئر ہوگیا ہے' میں نے تو زیبا بھابی کو دیکھا تک نہیں تھا' یقین نہیں تو خود پوچھ لو۔''

''اچھا تو پھر۔''

''پھر یہ کہ مجھے معاف کردو۔''

''دوسری بات کرو۔'' وہ بولی۔

''صفدر نے طلاق دی اور چلتا بنا' اب کیا کروں؟ صفدر کا فون بند ہے۔ اس کی امی گھر میں ان دونوں کا انتظار کررہی ہیں۔''

''یہ تو بہت برا ہوا۔تم صفدر بھائی کو سمجھاتے۔'' شرمین کا لہجہ لرز اٹھا۔

''اس نے موقع ہی نہیں دیا' سب کلیئر ہوتے ہی کہہ کر چلا گیا۔''

''تو پھر اب۔''

''زیبا بھابی اسپتال میں ہیں۔''

''اوہ گاڈ...... یہ تو بہت برا ہوا۔'' وہ مغموم سی ہوگئی۔

''مشورہ دو۔''

''کیا بتاؤں۔''

''صفدر بھائی کو سوچنا چاہیے تھا۔''

''اب کیا کریں؟''

''بھابی کا گھر دیکھا ہے۔''

''ہاں...... تو ان کو اطلاع دے دو۔''

''صدمے سے کچھ ہو نہ جائے۔''

''صدمے گزرتے مشکل سے ہیں' مگر گزرنے کے بعد سکون مل جاتا ہے۔'' وہ بولی۔

''اور وہ رونے پیٹنے لگیں تو۔''

''رونا تو اب عمروں کا ہے۔''

''کچھ تو کرنا ہے' میرا ساتھ دو۔''

''آپ کے اور میرے ساتھ کا اس مسئلے سے کیا تعلق ہے؟ مجھے اپنے گھر جانا ہے۔'' وہ کچھ جھنجھلا سی گئی۔

''دیکھو...... تمہیں ابھی طویل عرصے ہاتھ کا پرابلم رہے گا اور میں نہیں چاہتا کہ تمہیں تنگی ہو' تنہا مسئلہ ہوگا۔''

''میں تنہا نہیں' اور آپ کو میری کسی بات سے کیا فرق پڑتا ہے؟''

''تمہیں کیا خبر کہ کیا فرق پڑرہا ہے؟'' وہ بہت دکھی دل کے ساتھ بولا۔

''آپ صفدر بھائی کو تلاش کریں' اور اسپتال جائیں۔''

''اور تم......؟''

''میں آج کا وقت انتظار کرلیتی ہوں۔''

''یعنی رات۔''

''جی' ایسی مشکلات شروع ہوئی ہیں کہ اذان کی اسٹڈی متاثر ہورہی ہے۔'' وہ خود سے گویا ہمکلام ہوئی۔

❁......❁......❁......❁
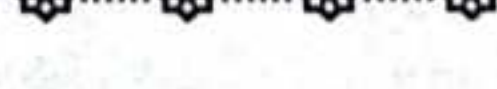
ہجر کے لمحوں سے وہ بیزار تھا
رات بھیگی تھی مگر بیدار تھا

کس طرح ملتے تمہیں ہم دشت میں

راستہ تو سربسر دشوار تھا

کس طرح اس کو بھلا سکتا ہوں میں

جو مرا دلدار تھا غم خوار تھا

مگر صفدر یہ سب سوچ تو سکتا تھا۔ پر اس پر غور کرنے کو تیار نہیں تھا۔ شہر سے دور دوسرے شہر کے سنگم پر چھوٹے سے ہوٹل کے چھوٹے سے کمرے کی کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے سگریٹ کے مرغولے اڑاتے ہوئے وہ صرف ماں کی نظروں کا سامنا کرنے سے آ چھپا تھا۔ اسے زیبا کے یوں جدا ہونے پر اس وقت اس گھڑی کوئی ملال نہیں رہا تھا۔ انسانیت کا تقاضا تھا کہ اسے برداشت کر لیتا، معاف کر دیتا، نظر انداز کر دیتا۔ مگر وہ ایسا نہیں کر پایا...... ملاوٹ کے کھوٹ سے برداشت کہاں ہوتی ہے، جب برداشت نہ ہو تو نظر انداز کیسے کیا جا سکتا ہے؟ نظر انداز کر دیتا تو پھر معافی کون سا دور کی بات تھی؟ اس کے خیال میں جب تک زیبا کے گناہ گار سے نفرت تھی تب تک اس کی تلاش اور جستجو تھی۔ اس کے ملتے ہی ایسا کیوں لگا کہ یہ تو رقیب حاضر ہے۔ زیبا نے اس سے محبت کی' دونوں نے وعدے کیے ہوں گے' پیمان باندھے ہوں گے۔ پھر اس کی اندھی محبت ہی تو تھی جو انگلی پکڑ کر اسے گودام اور پھر عارض کے فارم ہاؤس تک لے گئی۔ جہاں محبت کرنے والے نے محبت پامال کر دی...... یہ سب جان کر' اب مشکل تھا' دشوار تھا' اسے محبت کے مجرم سے ملوا کر اپنے گھر میں' اپنی نظروں کے سامنے برداشت کرنا...... یہی بہتر تھا کہ اسے آزاد کر دیا جائے' اس بہانے آصف اپنی غلطی پر نادم ہوا اور دونوں ایک دوسرے کو قبول کر لیں...... وہ پیچھے رہ جانے والے ہر منظر کو بھلانے پر حق بجانب سمجھ رہا تھا۔ اپنے اقدام پر کوئی پچھتاوا نہیں تھا...... اس کے علاوہ شاید جو بھی فیصلہ ہوتا' غلط ہوتا۔

مسئلہ تو عبدالصمد...... امی کا تھا...... فون بند ہونے سے وہ بہت پریشان ہوں گی...... اور فکر مند تو عارض بھی ہوگا' جانے اس نے کس طرح سچویشن کو سنبھالا ہوگا...... اور شرمین بھی تو بستر پر تھی۔ ایسے میں عارض یقیناً مشکل کا سامنا کر رہا ہوگا۔

لائٹر سے آخری سگریٹ سلگا کر وہ کمرے کے وسط میں آن کھڑا ہوا۔ کچھ سوچا اور پھر موبائل فون آن کیا تو جیسے میسج پر میسج گرنے لگے۔ عارض...... عارض اور عارض...... ایک لمبی قطار تھی ان کے بعد نخی کے بھی اوپر تلے چار میسجز تھے وہ ہر میسج کا متن جانتا تھا' اس لیے کسی میسج کو نہیں پڑھا...... صرف عارض کا آخری میسج پڑھا۔

''صفدر...... یار تم نے اچھا نہیں کیا' انسان جانور کو بھی اس طرح نہیں چھوڑتا۔'' اس نے بار ندامت سے یہ جملہ پڑھا ہی تھا کہ عارض کا فون آ گیا۔ مجبوراً اسے فون ریسیو کرنا پڑا۔

''صفدر...... یار کمال ہے' اتنا شدید جھٹکا دینے کے بعد تم لاپتا ہو گئے' انسان ہو تو انسانیت کا ثبوت دیتے' عورت کی کمزوری کا اتنا فائدہ اٹھایا' بیوی لباس ہوتی ہے' اور اپنی ماں کا خیال ہے تمہیں' ان کا برا حال ہے' زیبا بھابی کو اب تک ہوش نہیں آیا۔ شدید ذہنی صدمہ پہنچا ہے انہیں۔'' عارض نے گویا کئی توپوں کا رخ اس کی طرف کر دیا۔ وہ چپ رہا۔

''بولو...... کیا یہی مذہب سکھاتا ہے' یہی تعلیم کے معنی ہیں۔'' عارض مزید بھڑکا۔

''مذہب کو بیچ میں نہ لاؤ تو بہتر ہے۔''

''کیوں؟ تمہیں یاد نہ دلاؤں کہ تم مسلمان ہو۔'' عارض نے طنز کیا۔

''مذہب ہی نے تو طلاق کو حلال کیا ہے' ذہنی جسمانی اور روحانی بددیانتی سے بچنے کا جائز طریقہ۔'' صفدر نے تڑخ کر جواب دیا۔

''صفدر...... ظالم نہ بنو' سب کچھ کلیئر ہو گیا ہے پلیز۔'' عارض کے منہ میں جملہ تھا کہ اسے محسن نقوی کی غزل یاد آ گئی۔

ایک سانس میں شدت جذبات سے بولتا چلا گیا۔

میں چاہنے والوں کو مخاطب نہیں کرتا
اور ترک تعلق کی میں وضاحت نہیں کرتا
میں اپنی جفاؤں پہ نادم نہیں ہوتا
میں اپنی وفاؤں کی تجارت نہیں کرتا

"سو...... چیپٹر کلوز...... بار بار نہ مر سکتا ہوں اور نہ جی سکتا ہوں۔"

"صفدر...... یہ شاعروں کی باتیں چھوڑو ان کے بارے میں ہمدرد انسان بن کر سوچو وہ جی نہ پائیں گی۔"

"عارض...... یہ شاید ہونا ہی تھا لاعلمی بہت بڑی نعمت ہے' کاش...... آصف منظر پر نہ آتا تو گزر رہی رہی تھی۔" اس نے اعتراف کیا۔

"یار...... اچھا ہوا آصف کا پتا چل گیا' میری اور بھابی کی پوزیشن کلیئر ہوگئی۔"

"بس اس کلیئرنس کو دل اور دماغ نے تسلیم نہیں کیا۔"

"یار پلیز......"

"عارض پلیز...... میں نے اپنے اور اس کے لیے اچھا کیا ہے' اس کا حق بھی ادا کردوں گا۔" یہ کہہ کر اس نے فون کاٹ دیا۔

❁......❁......❁......❁
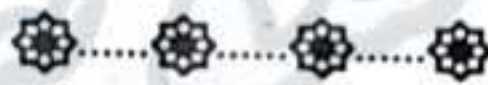
عارض کا صدمے سے برا حال تھا۔ صفدر کی باتوں سے صاف ظاہر ہوگیا تھا کہ وہ رجوع نہیں کرے گا۔ زیبا کو تقریباً ہوش آ گیا تھا...... اس کی بوجھل اندر کو دھنسی آنکھوں میں شرمندگی اور افسردگی ٹمٹما رہی تھی۔ آنکھیں کھلتی بند ہوتی سب کہانیاں سنا رہی تھیں عارض نے مسکرا کر بات کی۔

"شکر اللہ پاک کا آپ کو ہوش آ گیا۔ کیا محسوس کررہی ہیں؟" مگر جواب میں وہ کچھ نہ بول سکی' صرف سوالیہ نم ناک نگاہیں اس کی طرف اٹھیں۔

"بھابی...... آپ پریشان نہ ہوں' جو بھی ہوا بہت برا ہوا' مگر پریشانی میں اس کا کوئی حل نہیں...... صفدر کو قائل کرنے کی کوشش جاری ہے۔ آپ بتائیں فوری طور پر کیا کرنا چاہیے؟ ابھی تو شاید صفدر نے اپنی امی کو بھی کچھ نہیں بتایا۔" عارض نے خلوص اور اعتماد کے ساتھ کہا کہ وہ جھلملاتی آنکھوں سے تبسم ہوگئی۔ کچھ دیر خاموش رہی پھر اس نے دائیں ہاتھ سے انکار کا عندیہ دیا۔

"کیا مطلب؟ صفدر کو سمجھانا ہے۔" وہ کچھ نہ سمجھا۔ اس نے گردن ہاں میں ہلائی۔

"یعنی آپ کو طلاق پر اعتراض نہیں۔"

"ہو...... ہنہ...... یہ ہو...... نی تو تھی۔" وہ بمشکل بول پائی۔

"پھر آپ بتائیں آپ کی امی کو اطلاع دینی ہے۔" اس نے بڑی افسردگی سے پوچھا۔

"آج...... نہ...... ہی۔"

"اوکے...... ویسے بھی ابھی ڈاکٹرز نے آپ کو ڈسچارج نہیں کیا۔" اس نے کہا اور آنکھ کے اشارے سے اسے مطمئن رہنے کو کہا۔ اس نے آنکھیں موند لیں تو وہ کمرے سے باہر لابی میں آ گیا۔ ذہن ماؤف تھا' ایک بار صفدر کو سمجھانے کی غرض سے پھر فون ملایا' مگر فون آف تھا۔ لاچار ہوکر شرمین کے نمبر پر بات کرنے کا ارادہ کیا۔

"جی......" شرمین بولی۔
"میں نے صفدر سے بات کی' مگر وہ اپنا فیصلہ واپس لینے پر راضی نہیں۔"
"میں بات کرتی ہوں۔"
"فون آف ہے اس کا۔"
"پھر۔"
"بس کیا ہوسکتا ہے؟"
"زیبا بھابی کیسی ہیں؟"
"بہتر ہیں' صبح ہی ڈاکٹرز ڈسچارج کریں گے۔"
"ٹھیک ہے۔" اس نے دھیرے سے کہا۔
"آپ لوگ کھانا کھا کر سوجانا' صبح ملاقات ہوگی۔" عارض نے کہا تو شرمین کا دل کچھ بے کل سا ہوگیا۔ چاہ کر بھی اس نے یہ نہ کہا کہ تم بھی آ کر کچھ کھالو...... فون بند ہوگیا۔ وہ اداس سا ہوا مگر اطمینان بھری سانس بھر کے کینٹین میں آ گیا' کافی آڈر کی...... صفدر نے بے بس سا کردیا تھا۔ اس کا بس چلتا تو سب ٹھیک کردیتا۔ مگر کچھ کر نہیں سکتا تھا۔

اس کے کچن میں داخل ہوتے وقت حاکم چاچا نے ملازمہ اور ڈرائیور کے ہاتھ میں لنچ بکس تھما دیا تھا۔ وہ دونوں چلے گئے۔
"حاکم چاچا...... یخنی بھی بنوادینی تھی۔"
"جی...... بھجوائی ہے۔"
"عارض بہت تھک گئے ہوں گے۔"
"اب ملازمہ کو بھیجا ہے یہ رات وہاں رہ لے گی' صاحب آ جائیں گے۔" حاکم چاچا نے بتایا۔
"ٹھیک ہے' کھانا لگوادیں۔"
"جی آپ اذان میاں کو بلائیں میں کہتا ہوں۔" حاکم چاچا نے کہا۔ تو وہ کمرے میں آ گئی' اذان کمپیوٹر پر گیم کھیل رہا تھا۔
"ماما......"
"جی۔"
"ابھی کشف پھوپو کا فون آیا تھا۔"
"کیا؟"
"وہ پوچھ رہی تھیں کہ ہم کہاں ہیں؟ اور عارض انکل کون ہیں؟"
"پھر آپ نے کیا بتایا؟" وہ مضطرب سی ہوگئی۔
"میں نے کہا پتا نہیں' ہم کہاں ہیں؟ عارض انکل کے گھر ہیں یا اپنے نانا ابو کے۔"
"تو۔"
"تو انہوں نے کہا نانا ابو کہاں سے آ گئے؟"
"آپ کو منع کیا ہے نا کہ میرا فون نہ اٹینڈ کیا کریں۔" اس نے ڈپٹ کر کہا۔
"سوری۔"
"چلیں اٹھیں کھانا کھائیں۔"

"ماما...... ہم گھر جائیں گے؟" اذان کے جملے میں سوال چھپا تھا۔ یقیناً کشف نے پوچھا ہوگا۔
"بالکل جائیں گے' ایک ہاتھ سے کام نہیں کرسکتی اس لیے یہاں رکے ہیں۔" اس نے سمجھایا۔
"اوکے۔"
"اب آؤ کھانا کھائیں۔" اس نے اذان کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ وہ اٹھ کر ساتھ ساتھ چلا آیا۔ مگر اسے اندر ہی اندر کشف پر بہت غصہ آرہا تھا بہت ضروری ہوگیا تھا کہ اس سے کھل کر دوٹوک بات کرلی جائے۔ ورنہ وہ اذان کے ذہن میں زہر گھولتی رہے گی۔

میز پر حاکم چاچا نے خاصا پر تکلف کھانا لگوایا تھا۔ اذان کھا رہا تھا وہ تو صرف کھانا تک رہی تھی۔ ایک تو ہاتھ کا مسئلہ تھا' دوسرا ذہنی تھکن' زندگی الجھنوں کا عنوان بن گئی تھی' سمجھ سے باہر تھا کہ کیا کرے؟ اذان کے بنا رہنے کا تو اب تصور بھی محال تھا۔ لیکن حقیقت سن کر اگر اذان متنفر ہوگیا تو پھر کیا ہوگا؟ یہ سوچ کر دل کانپ اٹھا تو محبت سے چور ہوکر اذان کو سینے سے لگالیا۔

❁........❁........❁........❁

ننھی کو اپنی بے چارگی پر اور اپنے لاوارث ہونے پر پہلی بار پھوٹ پھوٹ کے رونا آیا...... ایک اکلوتا بھائی اس سے دور تھا' عزیز از جان سہیلی کو آج کے دن بھی اس کے لیے وقت نہ ملا...... وہ کسی بیوہ کی طرح رخصت ہوکر جارہی تھی۔ محلے کے معززین بھی اگر رخصتی کے وقت نہ ہوتے تو کیا ہوتا؟ لوگ کب معاف کرتے ہیں' دو چار نے بھی اسے سوال کیے بغیر بخشا اور نہ حاجرہ بیگم کو ہی معافی ملی...... وہ پتھر کی مورت بنی ہوئی تھی۔ لیکن اس سے جب کمرے میں ملیں تو لپٹ کر روئیں۔ ان کا دل بہت پریشان تھا۔ کوئی ان دیکھی سی دکھ کی صورت تھی جو کلیجہ چیر رہی تھی۔ زیبا کے لیے دل تڑپ رہا تھا۔ ننھی تسلیاں دے کر رخصت ہوگئی تو وہ تنہا ویران گھر میں گویا زیبا کو آوازیں دے رہی تھیں...... مگر زیبا کا تو کوئی اتہ پتا نہیں تھا۔ دل مضطرب میں سے ہوکیں اٹھ رہی تھیں' چادر لپیٹی تالا لگایا اور رات کے اندھیرے میں رکشہ لے لیا۔

ایک ماں اور کیا کرسکتی تھی؟ ممتا کی ماری ماں کے لیے اکلوتی بیٹی کی فکر سے زیادہ اور کیا ہوسکتا تھا۔ ان کا دل تو زیبا کی شادی کے بعد سے اب تک مطمئن نہیں ہوا تھا۔ صفدر کے رویے سے تشویش سی ہمیشہ رہی...... کبھی زیبا کو دوش دیا تو کبھی صفدر سے شکایت رہی۔ مگر آج جو کچھ ہوا اس کی صفدر سے توقع نہیں تھی۔ داماد تو بیٹے ہوتے ہیں' یہ کیسا بیٹا بنا؟ کہ یتیم مسکین بچی کو دعاؤں میں رخصت کے موقع کو آنسوؤں سے بھگودیا...... وہ راستے بھر روتی رہیں...... یہ بھول بھال کر کہ رکشہ ڈرائیور انہیں سائیڈ مرر سے بار بار دیکھ رہا ہے۔ منزل پر پہنچ کر انہوں نے دو سو روپے نکال کر اسے پکڑائے اور گیٹ کی بیل بجادی۔ رکشہ والا ڈیڑھ سو کی جگہ دو سو لے کر اڑن چھو ہوگیا۔ انہیں یہ بات یاد تک نہیں رہی۔ گیٹ کھلا وہ عجلت میں اندر پہنچیں۔ سارے گھر کی لائٹس آن تھیں مگر کوئی آواز نہیں تھی...... ایک ہی ملازمہ تھی اس نے جہاں آرا کے کمرے تک انہیں پہنچادیا۔ وہ بھی کھلی آنکھوں سے آنسو بہارہی تھیں۔ عبدالصمد سویا ہوا تھا۔

دل بے قرار کو قرار جب آتا ہے جب حسب خواہش قرار میسر آجائے۔ حاجرہ بیگم کا تو گویا سینہ شق ہوگیا تھا۔ جہاں آرا نے رو رو کر بہو اور بیٹے کے لاپتہ ہونے کی داستان الم سنائی تو درد سوا ہوگیا' دونوں ہی آنسو بہانے لگیں' اللہ سے دعائیں کرنے لگیں۔ ملازمہ گلزاری نے مشورہ دیا کہ علاقے کے تھانے میں رپورٹ درج کرادینی چاہیے۔

"ہاں...... خیال اچھا ہے' لیکن اللہ تھانہ کچہری نہ دکھائے' مشکل بنادیں گے زندگی۔" جہاں آرا نے بے زاری سے بات مسترد کردی۔

"کیا کوئی دوست' کوئی افسر' صفدر کو نہیں ڈھونڈ سکتا۔" حاجرہ بیگم بولیں۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ کسی کا تو فون نمبر ڈھونڈو تاکہ کوئی ذریعہ بنے۔" حاجرہ بیگم نے کہا۔

"مگر فون زیبا کا ہے؟" جہاں آراء بولیں۔

"بیگم صاحبہ! میرے فون سے کرلیں' نمبر بتائیں۔" گلزاری نے جلدی سے آفر کی۔

"نمبر کہاں ہوں گے' پہلے گھر میں دوسرا فون ہوتا تھا تو نمبر والی ڈائری بنائی ہوئی تھی۔ اب جانے کہاں گئی وہ ڈائری؟"

"صفدر کے کمرے میں ڈھونڈو' زیبا کا فون ہی دیکھ لو۔" حاجرہ بیگم بولیں۔

"ہاں جاؤ زیبا کا فون لاؤ اور اس میں نمبر ڈھونڈو۔"

"بیگم صاحبہ مجھے نام پڑھنے نہیں آتے۔"

"ارے بی بی! فون والی ڈائری ڈھونڈو اور زیبا کا فون لاؤ۔" حاجرہ بیگم نے جھنجھلا کر کہا تو گلزاری صفدر اور زیبا کے کمرے میں چلی گئی۔

"بس دعا کرو بچے خیریت سے ہوں۔"

"ہاں...... اللہ سب خیر رکھے آمین۔" حاجرہ بیگم نے صدق دل سے دعا کی۔

"صفدر نے کبھی ایسا نہیں کیا' جانے اسے آج کیا ہوا تھا؟"

"معذرت کے ساتھ جہاں آراء بہن...... صفدر جب بھی ہمارے گھر آیا ایسے ہی کڑے تیوروں کے ساتھ آیا۔ مجھے تو ارمان ہی رہا کہ بیٹی داماد کو ہنستے مسکراتے دیکھوں۔"

"بس دعا کرو اللہ سب ٹھیک کردے۔" جہاں آراء کو ان کی بات سو فیصد سچی لگی۔

"بس دعائیں ہی ہیں۔"

"آجائیں پھر صفدر کی خبر لوں گی۔" جہاں آراء نے حاجرہ بیگم کو تسلی دینے کی خاطر کہا۔ گلزاری نے اسی اثناء میں زیبا کا فون لاکر دے دیا مگر اسے کوئی فون نمبر والی ڈائری نہیں ملی۔

"اب کیا کریں؟"

"کیا کرسکتے ہیں' حوصلہ رکھیں آپ دونوں۔" گلزاری نے کہا۔

"گلزاری جاؤ حاجرہ بہن کے لیے چائے بنالاؤ۔"

"جی اچھا۔" وہ چلی گئی تو حاجرہ بیگم پریشانی کے عالم میں ٹہلنے لگیں۔ جہاں آراء بیگم نے زیبا کا فون آن کیا پھر دائیں بائیں بٹن گھما کر رکھ دیا۔ گلزاری چائے بنا کر لائی تو انہوں نے صفدر کا نمبر ملانے کی بات کی۔

"بیگم صاحبہ...... بند ہے فون۔" گلزاری نے بتایا۔

❀......❀......❀......❀
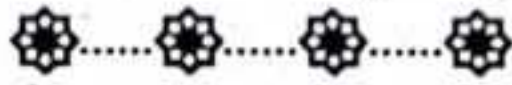
سفر یہ واپسی کا ہولے ہولے طے کرا اس نے
تمہیں آواز دینی ہے' تمہیں واپس بلانا ہے

زیبا کو قوی امید تھی کہ صفدر لوٹ آئیں گے...... اسے پکاریں گے' آواز دیں گے اور وہ ان کی دنیا میں لوٹ جائے گی۔ عبدالصمد بہت طاقت رکھتا ہے' دادی کی جان پوتے میں ہے وہ اس کی خاطر صفدر کو مجبور کردیں گی۔ اپنے اس خیال کی حسین دنیا میں ابھی تک دل خوش فہم کو ہے تم سے وفا کی امیدیں' کے مترادف وہ کسی حد تک مطمئن تھی۔ حالانکہ یہ اس کی خوش فہمی تھی۔ اب کی بار صفدر نے بڑا فیصلہ لمحوں میں کردیا تھا۔ اور جانے کہاں جا چھپا تھا؟ اس بارے میں وہ لاعلم تھی۔ عارض نے

بلقیس کو کینٹین سے منرل واٹر لانے کے لیے بھیجا اور خود اس سے وجہ پوچھی۔

"بھابی...... جہاں تک میں سمجھا ہوں آپ کو صفدر سے اچھی امید ہے مگر میں اسے زیادہ جانتا ہوں وہ بہت ضدی ہے خدا کرے کہ لوٹ آئے غلطی کا احساس کرے۔"

"خیر غلطی تو انہوں نے نہیں کی۔" طبیعت کچھ بحال ہوئی تھی اس لیے بڑے مناسب انداز میں کہا۔

"مطلب؟"

"کون مرد بیوی کے عاشق سے ملاقات کرے اور پھر اسے گھر میں بھی رکھے؟"

"مگر آصف تو گھٹیا تھا اس سے مل کر تو صفدر کو دل صاف کر لینا چاہیے تھا۔" وہ بولا۔

"میل اور غلاظت میں فرق ہوتا ہے۔" وہ شرمساری سے بولی۔

"اوہ گاڈ...... بھابھی اپنی یوں توہین نہ کریں۔" وہ خود بہت شرمندہ ہو گیا۔

"خیر...... میرے نمبر پر بات کریں انہیں بتا دیں۔"

"کیا...... کیا بتا دوں؟"

"کچھ جاننے کی کوشش کریں دونوں طرف آگ برابر لگی ہوگی۔"

"صفدر کے لیے کہہ رہی ہیں۔"

"نہیں ہمارے گھر میری اماں کے گھر اور صفدر کے گھر ان کی امی میرا عبدالصمد جانے کس حال میں ہوں۔"

"میں سمجھ سکتا ہوں مگر صفدر نے کچھ بتایا ہوگا کہ نہیں کہیں ہم کچھ غلط بتا دیں۔" عارض تذبذب کا شکار ہوا۔

"صفدر کا نمبر آف ہے تو وہ گھر نہیں آئے یقین رکھیں آپ بات کریں تسلی دے دیں کہ ہم خیریت سے ہیں۔"

"آپ ذہن پر بوجھ نہ ڈالیں میں دیکھتا ہوں۔" وہ فون اٹھا کر اس وقت کمرے سے نکلا جب بلقیس پانی کی بوتل لیے کمرے میں آ گئی اس کے سامنے بات کرنا مناسب نہیں تھا۔

اسپتال میں رات کو نسبتاً دن کے خاموشی اور بھیڑ بھاڑ کم ہوتی ہے وہ پارکنگ پلاٹ میں آ گیا ہلکی ہلکی ہوا میں سانس بھرتے ہوئے چہل قدمی شروع کی۔ ساتھ ساتھ الفاظ اکٹھے کرنے لگا کہ کیا بتانا ہے اور کیا نہیں؟ اسی سوچ بچار میں تھا کہ شرمین کا فون آ گیا۔ خلاف امکاں وخلاف توقع تھا اسے کچھ عجیب سی مسرت ہوئی۔

"شرمینص!" اس نے عالم جذب میں پکارا۔

"ڈمص آپ کو گھر آ کر آرام کرنا چاہیے۔" اس نے اٹک اٹک کر کہا۔

"میری اتنی فکر......" اس نے جملہ نامکمل چھوڑ دیا۔

"غلطی ہوگئی۔"

"کاش یہ غلطی بار بار ہوا کرے۔"

"اچھا او کے شب بخیر۔" وہ جلدی سے بولی۔

"سنو...... سنو......"

"جی۔"

"آسمان پر ستارے تمہاری طرف بھی ہوں گے چاند بھی مسکراتا ہوگا انہیں دیکھ کر کچھ دیر میرے ساتھ چہل قدمی کرو۔"

"اس سے کیا ہوگا؟"

"مجھے احساس ہوگا کہ کوئی میرا میرے ہم قدم ہے۔" اس نے بہت مدہم لہجے میں کہا کہ چند لمحوں کی خاموشی چھا گئی اور

پھر شرمین نے فون بند کردیا۔ بڑے دنوں بعد عارض کو اپنے اطراف میں محبت کے جلوے بکھرے دکھائی دیئے۔ بہت عرصے بعد اسے ایسا لگا کہ شرمین نے اس کی فکر کی۔ کیا اسے معاف کردیا۔ اس کی خطائیں بھلادیں۔ اگر بھلادیں تو جی پاؤں گا ورنہ جینے کی آرزو ہی نہیں رہی۔" یہ سوچنے کے بعد فون کی آواز پر ٹھٹکا۔ صفدر کا فون آرہا تھا۔ وہ خوش ہوگیا۔

"صفدر..... صفدر یار کیا کرتے ہو..... کہاں ہو..... فون کیوں بند تھا؟"

"سب سوالوں کا جواب فقط اتنا ہے کہ میں اپنے گھر میں زیبا کو نہیں دیکھنا چاہتا۔"

"مطلب؟"

"مطلب صاف ظاہر ہے کہ کہانی ختم ہوگئی ہے یہ میرے گھر نہ جائے۔"

"کتنے ظالم ہوتے ہیں، ہم مرد تین لفظ کہہ کر میرے گھر کا حق استعمال کرتے ہیں، عورت کی سب وفائیں، سب قربانیاں بھول جاتے ہیں۔" عارض کا منہ تلخی سے بھر گیا۔

"وفاؤں کی قربانیوں کی بات نہ ہی کرو تو بہتر ہے بات زیبا کو برداشت کرنے کی ہے جواب مشکل ہوجائے گی۔"

"یار صفدر، عظمت انسان کس میں ہے؟ معاف کرنے میں۔"

"معاف کرنا، شاید میں معافی میں انصاف نہیں کرسکتا تھا۔"

"پلیز..... گھر مشکل سے بنتے ہیں۔"

"گھر بنا ہی نہیں تھا۔"

"صفدر۔"

"عارض پلیز بیکار بحث سے کچھ حاصل نہیں، میری امی کو کچھ مت بتانا میں خود آجاؤں گا۔"

"تم ہو کہاں؟"

"یہ بات فضول ہے۔"

"خالہ جان بہت پریشان ہوں گی۔"

"انہیں خیریت کی اطلاع دے دو۔"

"وہ پوچھیں گی۔"

"تو کہہ دینا کہ چھوٹا سا حادثہ ہوگیا۔" یہ کہہ کر صفدر نے فون بند کردیا۔ عارض غصے سے کھول اٹھا۔ رات کا ایک بج رہا تھا۔ عارض نے زیبا کے نمبر پر فون کیا..... بجلی کی سی سرعت میں خالہ جان نے فون ریسیو کرلیا۔

"ہیلو۔"

"السلام علیکم۔"

"عا..... عارض..... عارض بیٹا....." وہ بوکھلا گئیں۔

"جی..... جی خالہ جان میں عارض۔"

"بیٹا..... صفدر، زیبا۔" وہ رودیں۔

"اوہ..... آپ رو کیوں رہی ہیں؟"

"ان دونوں کی خیر خبر نہیں زیبا کی امی بھی میرے پاس ہیں۔"

"تو آپ فکر چھوڑ دیں، وہ دونوں میں ساتھ ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

''بس وہ...... وہ دونوں مارکیٹ میں تھے' دو تین اوباش لڑکوں نے پستول تان کران سے فون وغیرہ چھین لیا' ہلکی سی لڑائی ہوگئی' بھابی بے ہوش ہوگئیں تو انہیں اسپتال لانا پڑا۔'' اس نے جھوٹ بولنے کے لیے ساری ہمتیں جمع کرلیں۔ بولتا چلا گیا۔

''اللہ خیر...... میرا دل اسی لیے گھبرا رہا تھا' بیٹا میری بات کراؤ۔''

''ہاں وہ میں گھر آیا تھا ابھی اسپتال جاکر بات کراتا ہوں۔''

''صفدر کسی طرح تو اطلاع دے سکتا تھا۔'' وہ بولیں۔

''فون تو نہیں تھا' مجھے بھی کسی اور نے بتایا تو پہنچا۔'' سچ کہتے ہیں کہ ایک جھوٹ کے ساتھ کتنے جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔

''بیٹا ہمیں آ کر لے جاؤ۔''

''ارے آپ کیوں پریشان ہورہی ہیں؟ بھابی اب بہتر ہیں' صبح آجائیں گے یہ لوگ۔''

''صبح تک تو بہت وقت ہے۔''

''کوئی بات نہیں' وقت گزر ہی جاتا ہے۔'' وہ بہت افسردگی سے بولا۔

''اچھا ٹھیک ہے' جب اسپتال جاؤ تو فوراً بات کرادینا۔'' انہوں نے کہا۔

''جی بہتر اب آپ سوجائیں اور عبدالصمد کیسا ہے؟''

''وہ تو مزے سے سورہا ہے' بچہ ہے اسے کیا خبر؟'' وہ بولیں۔

''او کے' شب بخیر۔'' اس نے کہا اور پھر فون بند کردیا۔ ندامت کے احساس نے شرمندہ کیا' بزرگ ماں سے اتنے جھوٹ بولے مگر اس کی مجبوری تھی۔

❀......❀......❀......❀......❀

مہکے سدا بہار کی صورت تیرا وجود
تو مسکرائے شام کی رعنائیوں کے ساتھ
خوشیاں تیرے نصیب کا حصہ رہیں سدا
وابستہ تیرا نام رہے شہنائیوں کے ساتھ

عارض کے ہمراہ اس کے گھر میں قدم رکھتے ہوئے وہ صفدر کے لیے سوچ کررو دی۔ آنکھوں سے اشک بہے اور آنچل میں سمو گئے۔ عارض سمجھ سکتا تھا کہ طلاق کی تکلیف عورت کے لیے کیا ہوتی ہے؟ مگر کچھ سمجھانے کا حوصلہ نہیں تھا۔ شرمین سے لپٹ کر سسکیاں لینے لگیں۔ شرمین کی اپنی پلکیں بھیگ گئیں۔ مگر اس نے تھپکی دے کر اس کی آنکھیں اپنی انگلیوں کی پوروں سے صاف کیں۔ اپنے کمرے میں لے آئی۔ عارض نے حاکم چاچا کو ناشتہ لگوانے کا کہا اور خود فریش ہونے کے لیے اپنے کمرے میں چلا گیا۔

''زیبا...... گھبراؤ نہیں صفدر بھائی آجائیں گے تو ہم سمجھالیں گے۔'' شرمین نے حوصلہ دیا۔

''مجھے جھوٹی تسلی نہیں چاہیے۔''

''اللہ پر بھروسہ رکھیں۔''

''صفدر نے ٹھیک کیا ہے' یہ فیصلہ تو بہت پہلے سے لٹکا ہوا تھا...... مگر؟'' وہ رکی تو شرمین نے کہا۔

''مگر کیا؟''

"مگر اس رسوائی کے ساتھ نہ ہوتا۔" زیبا کا آنسوؤں پر اختیار ہی نہ رہا تھا۔
"آپ نہ روئیں، بس برداشت کرلیں، جب سب ختم ہو جائے تو رسوائی کیا؟" شرمین نے کہا۔
"میرا عبدالصمد، بس مجھے وہ چاہیے۔"
"آپ فکر نہ کریں۔"
"شرمین بی بی! ناشتہ لگ گیا ہے۔" کمرے کے دروازے کے باہر سے آواز آئی تو اس نے زیبا کو ہاتھ منہ دھونے کے لیے واش روم میں بھیجا۔ اذان کو تو اس نے اسکول بھیج دیا تھا۔ خود عارض اور زیبا کی منتظر تھی، زیبا ہاتھ منہ دھو کر واش روم سے آئی تو اس نے مسکرا کر ساتھ لیا اور ڈائننگ روم کی طرف چل پڑی۔

❁.........❁.........❁.........❁

کئی مہینوں کے بعد وہ آفس پہنچا تھا۔ وہ بھی حاکم چاچا نے بہت سنگین کاروباری صورت حال کا تذکرہ کر کے سمجھایا تو وہ اچانک آفس پہنچ گیا۔ آفس کے حالات دیکھ کر وہ حیران رہ گیا، دس بج رہے تھے عملہ، اسٹاف سب میں سے اکا دکا آئے تھے آفس چیمبرز میں فائلوں کے ڈھیر اور گرد و غبار کی تہہ چڑھی تھی۔ اس نے کھولتے ذہن کے ساتھ آفس کا راؤنڈ لیا۔ پھر ایک نے دوسرے کو فون پر صاحب کے آنے کی اطلاع دی تو گیارہ بجے تک اسٹاف آ گیا۔ اس نے سینئرز کے ساتھ فوری طور پر میٹنگ رکھ لی۔ میٹنگ روم میں پہلی بار وہ بجلی کی طرح کڑکا، گرجا اور سب کاموں کا حساب کتاب دکھانے کا آڈر دیا۔ اسٹاف کے اٹینڈس رجسٹر مانگے۔ مزید سخت احکامات جاری کر کے اپنے آفس میں بیٹھا تو وہاں بھی میز پر فائلوں کا انبار تھا۔ ڈاک کا ڈھیر لگا تھا۔ اسے خود پر بھی افسوس ہوا کہ اس کا اپنا بھی کتنا حصہ تھا اس ابتر حالت میں۔ آغا جی کے بعد سے کتنے عرصے بعد اس نے آفس کا رخ کیا تھا۔ فائلیں ایک ایک کر کے دیکھیں، دستخط جہاں کرنے تھے کیے۔ چائے کا کپ منگوایا اور ڈاک کی طرف متوجہ ہوا۔ ایک ہلکے نیلے رنگ کے لفافے پر نظر پڑی تو نیویارک کی اسٹیمپ دیکھ کر جلدی سے اسے کھولا۔
"او گاڈ...... بے چاری کہاں رل رہی ہوں گی؟" وہ دکھ سے ماتھا پیٹ کے رہ گیا۔ مسز معید کے پاکستان آنے کی اطلاع تھی۔ اور دو ماہ گزر گئے تھے اس اطلاع کو۔
"یا میرے خدا آخر میں ہی کیوں ان کی پریشانی کا سبب بن رہا ہوں۔"
"یہ افسوس کی بات ضرور تھی، مگر کیا کر سکتا تھا انہیں کیسے تلاش کرتا؟ بہت افسوس کے ساتھ لفافہ بند کر کے رکھتے ہوئے رائٹنگ پیڈ پر نیویارک کا پتا اور فون نمبر لکھا تھا۔
"عارض...... بہت برا ہوا۔ ان کا تو پاکستان میں کوئی بھی نہیں ہے۔ وہ کہاں کس حال میں ہوں گی؟ وہ سوچ ہی رہا تھا کہ پی اے نے ترکی کے ایک وفد کے ساتھ لنچ کی اطلاع دی اور پوچھا کہ او کے کرنا ہے یا نہیں۔ اس نے کچھ سوچ کر او کے کر دیا، ابھی سوا گھنٹہ تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ آفس کا کام کسی طرح بھی متاثر ہو یا اب بزنس کو کوئی نقصان پہنچے اس نے شرمین کو فون کر کے بتانا چاہا تو شرمین نے اپنے جانے کی اطلاع فراہم کر دی۔ اس نے ذرا سخت جملہ استعمال کیا۔
"یار...... حد ہے زیبا بھابی کو اس حال میں چھوڑ کر جا رہی ہو، ذرا چھری تلے سانس لے لو، وہ اپنے گھر چلی جائیں، میں انہیں کیسے تسلی دوں گا، تم ایسے میں کیسے جا سکتی ہو؟"
"مجھے علم ہے، لیکن میرے بھی مسائل ہیں، ابھی اذان کی پھوپو کا پھر فون آیا ہے، وہ کوئی تماشا کھڑا کر دیں گی، مجھے جانا ہے آپ جلدی آ جائیں۔"
"پلیز...... آج کا دن، میں رات میں بھابی کے مشورے سے کوئی فیصلہ کروں گا۔ انہیں کمپنی دو اور تمہارا اپنا بازو

بھی تو......"

"میری فکر نہ کرو۔" یہ کہہ کر کھٹ سے اس نے فون بند کر دیا۔

❁......❁❁......❁
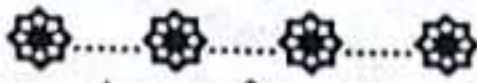
حاجرہ بیگم اپنے گھر جا چکی تھی۔ ننھی کو اس کے سسرال سے انہیں ہی لینے جانا تھا۔ انہوں نے واجبی سا ولیمہ رکھا تھا۔ گھر میں ہی انتظام کیا تھا۔ وہ اس وجہ سے چلی گئی تھیں۔ جہاں آرا نے تسلی دے کر بھیجا تھا اور وعدہ کیا تھا کہ دونوں کو فوراً ان کے پاس بھیجیں گی۔ مگر دل اب پھر سے پریشانی کی حدود میں داخل ہو رہا تھا۔ دوپہر ہونے کو آئی تھی نہ عارض نے فون پر بات کرائی تھی اور نہ صفدر نے کوئی رابطہ کیا تھا انہوں نے عارض کا نمبر ملایا۔ کچھ دیر بیل جانے کے بعد گویا کاٹ دیا گیا۔ انہیں بڑی حیرت ہوئی پھر ڈائل کا بٹن دبایا تو کچھ دیر بیل بجی اور پھر اس کے بعد اس نے فون اٹینڈ کر لیا۔

"سوری خالہ جان میں مصروف تھا۔"

"بات کراؤ۔"

"وہ جی میں ابھی جا کر کراتا ہوں۔" وہ ہکلایا۔

"عارض......" انہوں نے سختی سے کہا۔

"جی......جی۔"

"سچ بولو۔"

"خالہ جان وہم نہ کریں۔"

"سچ بولو کیا بات ہے؟"

"میں آ کر بات کرتا ہوں۔"

"نہیں سچ بتاؤ کہاں ہیں دونوں؟" انہوں نے سختی سے پوچھا۔

"وہ......بھابی تو میرے گھر ہیں۔"

"صفدر صفدر کہاں ہے؟" وہ تقریباً چلائیں۔

"اس کا نہیں معلوم۔"

"کیا مطلب نہیں معلوم؟"

"میرا مطلب اس وقت وہ کہیں باہر گیا تھا جب میں آفس کے لیے نکلا تھا۔" اس نے کہانی بنائی۔

"صفدر تمہارے پاس رہا اور اپنی ماں سے بات بھی نہ کی۔" وہ دکھ سے بولیں۔

"خالہ جان......میں آ کر بتاتا ہوں۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے میرا بیٹا ہی اتنا بے حس ہے تو تم سے کیا پوچھنا؟" انہوں نے فون بند کر دیا۔ عارض احساس ندامت سے گویا خود سے بھی نظریں ملانے کے قابل نہیں رہا تھا۔

(ان شاءاللہ باقی آئندہ ماہ)

کہاں تلک ہیں نجانے محبتیں اس کی
یہ عمر، لمحہ، زمانے، محبتیں اس کی
کہاں ہے زندگی کرنے کی آرزو ہم کو
ہیں زندگی کے بہانے محبتیں اس کی

ریٹائرمنٹ کا زہر پینے کے بعد میرا رجحان مذہب کی طرف ہوگیا تھا۔ بیگم کو اس دار فانی سے رخصت ہوئے چھ مہینے ہوئے تھے۔ بچے دوسرے ملکوں میں آباد تھے' صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد میں قرآن پاک کی تفسیر لے کر صوفے پر بیٹھ جایا کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے ناموں کا ورد کرتے ہوئے مجھے ذہنی سکون ملتا۔ میرے گھر کے قریب ایک چھوٹا سا پارک ہے جہاں میں اپنی بیگم کے ساتھ کبھی کبھار چہل قدمی کیا کرتا تھا اس کے جانے کے بعد مجھے پارک کا رستہ بھول گیا تھا۔

ایک بے حد سہانی صبح تھی' میں نے تسبیح اٹھائی اور پارک کی جانب نکل گیا۔ بیتا ہوا ماضی میرے اردگرد منڈلاتا رہا اور میں پارک میں پہنچ گیا۔ پارک میں چار بزرگ حضرات کا ایک ٹولہ زیرو کی رفتار میں طوعاً کرہاً چہل قدمی کرنے کی کوشش کررہا تھا۔ میں نے بنچ پر بیٹھ کر ان کا جائزہ لیا غالباً ان چار بزرگوں کا خونی رشتہ ہرگز نہیں تھا' یہ تو دیرینہ اور گہری دوستی کا اٹوٹ بندھن تھا۔

عمر کے اس حصے میں ان کی باتیں جن میں طنز و مزاح کے ہمراہ ہلکی سی کڑواہٹ بھی تھی۔ میرے دل کو ایسی بھائی کہ دل چاہا کہ ان کے ساتھ چل پڑوں' تھوڑی دیر بعد ہی وہ سب واپس چلے گئے اور میں پارک میں اکیلا رہ گیا۔ مجھے تنہائی میں تسبیح پڑھتے ہوئے ایسے گمان ہوا جیسے میں اپنے رب سے باتیں کررہا ہوں۔ جب سورج ذرا اونچا ہوا تو مجھے صبح کے طلسماتی ماحول میں روشنی اور دھوپ کی تپش کا احساس ہوا تو میں ان چاروں دوستوں کے بارے میں سوچتا ہوا گھر کی طرف چل دیا۔ فٹ پاتھ پر مجھے دو کارڈز نظر آئے میں نے جھک کر کارڈز اٹھالیے۔

ایک ہسپتال کا ممبر شپ کارڈ تھا' جس پر گھر کا ایڈریس درج تھا۔ دوسرا کاغذ جس کی کئی تہیں لگا کر اسے بھی کارڈ کی شکل دی گئی تھی۔ اس کی باہر والی سائیڈ پر لکھا تھا ''کبھی تو ملیں گے'' تحریر کافی دھندلی اور سال خوردہ لگ رہی تھی۔ میں نے اخلاقی حدود کو برقرار رکھتے ہوئے انہیں الٹ پلٹ کر دیکھا' اندر کیا درج تھا۔ میں نے پڑھنا مناسب نہ سمجھا حالانکہ دل میں اسے کھولنے کی خواہش ابھری تھی۔ مجھے یقین تھا کہ اس ٹائٹل کے اندر کوئی عشقیہ داستان ہے

جس کا انجام ٹریجک ہے لیکن ملنے کی امید ہے۔

❀......❀......❀

''کبھی تو ملیں گے'' آج بھی اسی امید پر زندہ ہوں اور اسے بھول نہیں سکا۔ بہت پرانی لیکن تازہ دم یاد ہے جب ہمارے پڑوس میں نئے کرائے دار آئے تو مجھے تجسس اپنے گھر کے ٹیرس پر لے گیا۔ میں نے ساتھ والے ٹیرس پر ایک نازک اندام سرو قد لڑکی کو اندر باہر آتے جاتے کپڑے پھیلاتے اور اٹھاتے دیکھا گو کہ اس کا چہرہ مجھے پوری طرح سے نظر نہیں آیا تھا کیونکہ کام کرنے کی وجہ سے کھلے بالوں نے اس کے چہرے کو کافی حد تک ڈھانپ رکھا تھا۔ اس کے باوجود مجھے اس کے حسن و جمال کا اندازہ ہوگیا تھا۔ میں ٹیرس پر اسے دیکھنے کی غرض سے اِدھر اُدھر پھرنے لگا چند لمحوں بعد میں نے اسے کن انکھیوں سے دیکھا وہ وہیں پر کھڑی اپنے لمبے بالوں کو دونوں ہاتھوں سے سمیٹ رہی تھی۔ میں بھی کھڑا ہو کر اسے غور سے دیکھنے لگا تو چند ثانیے میں لرز گیا کیونکہ وہ غصے اور خفگی سے مجھے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہی تھی اس کا حسن قیامت ڈھا رہا تھا۔ میں ٹک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا اس نے زور سے فرش پر پاؤں پٹخا اور تیزی سے اندر چلی گئی۔ میں بھی احساسِ شرمندگی کے مارے پانی پانی ہوتا ہوا ٹیرس سے ہٹ گیا' یہ تو تھی ہماری پہلی ملاقات۔

❀......❀......❀

جب میں نے کارڈ اور یادگار پرچہ 68 سالہ بزرگ کے سامنے رکھا تو انہوں نے اپنی عشقیہ داستان مختصراً بیان کرتے ہوئے یادگار خط کو دیکھ کر آہ بھر کر کہا۔

''دیکھو کیسی تحریر ہے' جیسے موتی چن دیئے ہوں' جنت تو جنت کی حور تھی۔'' حالانکہ تحریر اتنی بوسیدہ تھی کہ مجھے پڑھنے میں مشکل ہو رہی تھی۔

''جنت میں یہ ابدار اسی کا انتخاب کرے گا' وہیں ہمارا ملاپ ہوگا۔'' وہ اپنے سینے پر جھریوں بھرا ہاتھ مار کر پُر امید لہجے میں بولے۔

''ایسا ہی ہوگا ان شاء اللہ'' میں نے جوش و خروش اور ولولے سے جواب دیا۔

''مجھے میرا ماضی واپس لوٹانے کا بہت بہت شکریہ۔'' وہ تشکرانہ انداز میں بولے۔

''شکر تو اس رب کا ادا کرنا چاہیے جس نے آپ کو ڈھونڈنے میں میری راہنمائی کی۔'' میں نے بھی شکر گزارانہ لہجے میں کہا۔

❀......❀......❀

اب میں اپنے گھر کے لان میں تسبیح پڑھنے کے بجائے روزانہ پارک جانے لگا۔ چاروں دوست اسی رفتار سے واک کرتے ہوئے نظر آتے اور بہت جلد نقاہت و تھکن محسوس کرنے کی وجہ سے واپس چلے جاتے۔ ابدار صاحب مجھے دیکھ کر دور سے ہاتھ ہلانے پر ہی اکتفا کیا کرتے تھے اور میں بھی ان کے قریب جانے کا شوق رکھتا تھا نہ ہی مجھے ان چاروں دوستوں کو ڈسٹرب کرنا اچھا لگتا تھا۔

ایک صبح میں نے ابدار صاحب کے بغیر ہی تین دوستوں کو واک کرتے دیکھا۔ دوسرے اور تیسرے دن بھی ان کی غیر حاضری رہی جس نے مجھے فکر مند کر دیا کہ کہیں وہ بیمار نہ ہو گئے ہوں پھر خود کو تسلی دے ڈالی کہ ہو سکتا ہے شہر سے باہر گئے ہوں۔ ان کے دوستوں سے پوچھنا مناسب نہ سمجھا اور ایک شام میں پیدل چلتا ہوا ان کے گھر پہنچ گیا ملازم نے ڈور بیل کی آواز سن کر فوراً ہی دروازہ کھول دیا۔ میں نے اس سے ابدار صاحب کا پوچھا تو اس نے مجھے ان کی بیماری کی خبر دی' بیماری کی حالت میں تنہائی کے اس درد و کرب سے میں آشنا تھا۔

میں نے ان سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا تو وہ اپنے مالک سے اجازت لینے اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد واپس آیا اور مجھے ابدار صاحب کے کمرے میں لے گیا وہ تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھے ہوئے تھے۔ چہرے پر بیماری کے اثرات نمایاں طور پر نظر آ رہے تھے۔ میں ان کے قریب ہی پلنگ پر بیٹھ گیا۔

''اب کیسا حال ہے؟ مجھے اطلاع دے دی ہوتی۔''

میں نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنائیت سے کہا۔
"تکلیف دینا مناسب نہیں سمجھا۔" وہ آہستگی سے بولے۔ "ویسے آپ کا نمبر بھی کہیں ادھر اُدھر ہوگیا تھا۔"
"میرا نمبر جنت کی حور کے کاغذ پر لکھ لیجیے زندگی بھر آپ کے ساتھ بھی رہے گا اور دن میں بیسیوں بار دیدار کرنے کی وجہ سے نمبر یاد بھی ہوجائے گا۔" میری رگ شرارت پھڑکی اور میں نے چھیڑنے کے انداز میں کہا تو وہ دھیما سا مسکرا کر مجھے دیکھنے لگے۔
"ابھی طبیعت کیسی ہے..... اور مسئلہ کیا ہے کچھ تو بتایئے؟" میں توقف کے بعد بولا۔
"اس عمر میں معمولی سا بخار اور ہلکی سی کھانسی بھی اپنا کام کرجاتی ہے۔" وہ نقاہت بھرے لہجے میں بولے۔
"آپ ہسپتال تو گئے ہوں گے ڈاکٹر کیا کہتے ہیں؟" میں نے فکر مندانہ لہجے میں کہا۔
"انہوں نے کیا کہنا ہے میں خود بھی جانتا ہوں وائرل ہے۔ اپنی مرضی سے ہی رخصت ہوگا۔ دوا بھی کام نہیں کرتی اس کم بخت پر۔" وہ الجھ کر بولے تو میں خاموش ہوگیا مجھے خاموش دیکھ کر نہایت لگاوٹ سے بولے۔
"برخوردار! میری فکر مت کرو میری زندگی میں تنہا ہی فائٹ کرنا لکھا گیا ہے۔ اس لیے میں اس کا عادی ہوچکا ہوں تین دوست ہیں میرے ان کے گھروں میں بیوی سے لے کر پوتے پوتیوں تک کی رونق ہے ان کا بھلا ہو جو مجھے واک کے لیے شامل کرلیتے ہیں۔ کئی بار سوچتا ہوں اگر مجھے جنت مل جاتی تو میں بھی انہی دوستوں کی طرح اپنی زندگی میں بے حد مصروف ہوتا۔ اب میں اکیلی جان ہوں اور ساتھ ہوتی ہے جنت کی یاد بولو برخوردار! کہ اسے کیسے بھول سکتا ہوں ایک پل کے لیے بھی اس کی یاد دل کے نہاں خانوں سے نہیں نکلتی۔ اس دل کو اکیلا نہیں چھوڑتی کہ کہیں کوئی چڑیل اس کے گھر میں بسیرا نہ کرے۔ وہ ایسی ہی فطرت کی تھی کیا مجال کہ میں کسی اور کا نام بھی زبان پر لے آؤں یا آنکھ اٹھا کر کسی کو دیکھ لوں رو رو کر ہلکان ہوجایا کرتی تھی نجانے اس نے مجھے اتنی آسانی سے کیسے چھوڑا ہوگا؟ اور مجھے یہ خط لکھتے ہوئے اس کے ہاتھ تو کانپے ہوں گے۔ دل نے خون کے آنسو تو بہائے ہوں گے۔" یہ کہتے ہوئے ان کی عمر رسیدہ آنکھوں میں نمی آ گئی میرا دل بھی ڈوبنے لگا تھا۔
"اب برخوردار! اپنی سناؤ' کتنے بچے ہیں اور پوتے نواسے کتنے ہیں بیگم کیسی ہے' کہاں رہتے ہو نوکری کہاں کی' ریٹائر کب ہوئے؟" ایک ہی سانس میں انہوں نے کئی سوال کر ڈالے تھے۔ میں نے بھی سب کے یکے بعد دیگرے جواب دے دیئے تو ان کے چہرے پر خوشی اور غمی کے کئی رنگ ابھرتے چلے گئے جنہیں میں نے محسوس کیا تھا۔
"تو پھر آتے جاتے رہو دونوں ہی چھڑے چھانٹ ہیں۔ خوب نبھے گی جب مل بیٹھیں گے دیوانے دو۔" وہ خوش دلی سے بولے۔
"اگر بیوی بچے ہوتے تو پھر بھی میں آتا جاتا رہتا اب تو معاملہ ہی مختلف ہے۔" میں نے بھی لہجے کو خوش گوار بنانے کی کوشش کی۔
"کاش ایسا ہوتا برخوردار! یہ تنہائی ہی تو موت ہے انسان موت سے اسی تنہائی کی وجہ سے خوف زدہ رہتا ہے۔" وہ ایک دکھ بھری آہ بھر کر بولے۔
"مجھے تو اس کی پرانی عادت ہے تم اپنی خیر مناؤ۔ بیوی گئے چند ماہ ہی تو ہوئے ہیں اور تم نے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا اسے کہتے ہیں ڈپریشن۔ اس لیے بہتر ہے کہ ہم ایک دوسرے سے دل بہلائے رکھیں انسان کو اللہ تعالیٰ نے تنہا رہنے کے لیے ہرگز نہیں بنایا میری تو مجبوری تھی اور ابھی بھی ہے۔ تم تو اپنے بچوں کے ساتھ رہ سکتے ہو۔" وہ سمجھانے کے انداز میں بولے اور پانی گلاس میں ڈال کر پینے لگے۔
"ارے تم کچھ چائے ٹھنڈا نہیں لو گے۔" وہ اچنبھے سے بولے۔
"اس کی ضرورت نہیں۔" میں نے مسکرا کر کہا اس کے باوجود انہوں نے ملازم کو آواز دے ڈالی۔

''آبدار صاحب! اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کی تنہائی کا کچھ انتظام کردوں' اس میں کوئی شک نہیں کہ دیر ہوگئی ہے آپ نے وقت پر فیصلہ کیوں نہ کیا؟'' میں نے نرماہٹ سے کہا۔

''یہ ناممکن تھا کیونکہ مجھے جنت سے والہانہ پیار تھا' اس کے علاوہ کسی اور کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ کتنے اچھے تھے وہ دن جب وہ میرے پڑوس میں رہتی تھی' ہر وقت آمنا سامنا ہوتا تھا۔ آنکھوں ہی آنکھوں سے دل کی باتیں ہوتی تھیں۔ چودھویں کی رات میں ہم ٹیرس پر گھنٹوں بیٹھے رہتے تھے۔ سردیوں کی دوپہریں' ہم اپنے اپنے ٹیرس پر نصابی کتابیں پڑھنے کے بہانے گزارا کرتے تھے۔ میں ماسٹرز کے ایگزامز دینے والا تھا وہ ایف ایس سی کی تیاری کررہی تھی۔ اسے ڈاکٹر بننے کا شوق تھا' مجھے پروفیسر بننے کی چاہ تھی۔ میں پروفیسر بن گیا' نجانے وہ ڈاکٹر بنی یا نہیں' اس کی شادی ہوگئی ہوگی۔ آج وہ نانی ہوگی اور دادی بھی' اس کی زندگی کتنے مزے کی ہوگی۔ یہی تو وجہ تھی کہ اس نے اپنے ماضی میں جس میں صرف میں ہی تھا جھانک کر نہ دیکھا۔ جب لڑکی کی شادی ہوجاتی ہے ناں تو پھر اس کی وفا اپنے شوہر سے منسوب ہوجاتی ہے بھلا وہ مجھے کیونکر یاد کرتی۔ وہ بہت فرماں بردار اور تابعدار بیٹی تھی اور جو بیٹی اپنے والدین کی وفادار ہو وہی اپنے شوہر کی باوفا بیوی ثابت ہوتی ہے۔''

''ان حالات کے پیش نظر آپ کو بھی اسے فراموش کردینا چاہیے تھا اور آپ بھی شادی کرلیتے۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''اب بھی تو ایک ساتھی کی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے کچھ سوچا جاسکتا ہے۔''

''میں نے پہلے جو کہہ دیا ہے کہ یہ ناممکن تھا۔'' وہ چڑ کر بولے۔ ''بار بار ایک ایسا مشورہ مت دو جو غیر مناسب اور ناجائز ہے۔ ہاں جنت کو ڈھونڈ کر لے آؤ' خدا کی قسم انکار نہیں کروں گا اور اس نیک کام کے بدلے تمہیں بھی انعام دوں گا۔'' وہ شگفتہ لہجے میں بولے۔

''کیسا انعام؟'' میں نے اشتیاق و تجسس سے پوچھا۔

''وہ وقت آنے پر بتاؤں گا۔'' وہ پرامید نظروں سے مجھے دیکھنے لگے۔

''وہ ڈاکٹر کے نام سے پہچانی جاتی ہوگی' کوئی معمولی سا اتا پتا' کچھ تو معلوم ہوگا آپ کو آخر آپ نے پیچھا بھی کیا ہوگا' ڈھونڈنے کی کوشش بھی کی ہوگی' کچھ تو بتائیے۔'' میں نے بے چینی میں کہا۔

''اس کا پیچھا بھی نہیں کیا اور نہ ہی اسے ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی۔ غیرت' خودداری اور انا آڑے آتی رہی۔'' وہ آہ بھر کر بولے۔ ان کا سانس یک دم سے اکھڑ سا گیا تھا' میں نے انہیں سہارا دے کر بٹھایا اور انہیں پانی پلانے لگا۔

''انہی دنوں کے لیے ایک ساتھی کی ضرورت ہوتی ہے جوانی نام ہے مصروفیت اور تھرل کا۔ وہ وقت تو گزر ہی جاتا ہے کیونکہ دنیا جوانی کے قدموں کے نیچے ہوتی ہے اس وقت ہماری جوانی پر دنیا کے بھاری بھرکم قدم ہیں' یہ وقت کاٹے نہیں کٹے گا۔'' میرے دل نے سرگوشی کی اور میں نے ابدار صاحب کو آرام کرنے کی تلقین کی اور کل آنے کا وعدہ کرکے وہاں سے اٹھ گیا۔

❀......❀......❀

اگلی صبح میں ایک نئے مشن کے لیے گھر سے نکلا' مجھے ڈاکٹر جنت کو ہر صورت میں ڈھونڈ نکالنا تھا کیونکہ آبدار صاحب 65 سال کی عمر میں کب تک تنہا سروائیو کرسکتے ہیں۔ ملازم ان کی دیکھ بھال تو کرسکتا ہے لیکن ان کا ساتھی نہیں بن سکتا۔ اگر جنت نے بھی شادی نہیں کی تو اسے بھی عمر کے اس حصے میں کسی ساتھی کی ضرورت تو محسوس ہوتی ہوگی اگر اس نے شادی کرلی ہے تو پھر معاملہ ہی ٹھپ ہوگیا اس کا حل بعد میں سوچا جائے گا۔ میں گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے مسلسل سوچے جارہا تھا۔ دل میں امید کی کرنیں پھوٹتیں لیکن ذہن ان کو نظر انداز کردیتا تھا۔

میں اسی امید و بیم کی کیفیت میں کنگ ایڈورڈ کالج پہنچا اور پھر ایک مہینے کے اندر میں نے لاہور کا ہر گورنمنٹ میڈیکل کالج اور پرائیوٹ میڈیکل کالج کی پرانی فہرستوں کو چھان مارا لیکن مجھے جنت نام کی کوئی اسٹوڈنٹ

نہ ملی۔ میں سخت ناامیدی کے عالم میں ابدار صاحب کے گھر پہنچا' ان کی طبیعت کافی حد تک سنبھل چکی تھی۔ چہرے پر صحت مند ہونے کی ہلکی سی لالی پھیلی ہوئی تھی' نیلی آنکھوں میں آج بھی زندگی جھلکتی نظر آتی تھی۔ وہ اپنی اسٹڈی میں کتابوں اخباروں اور رسالوں کے ڈھیر میں بیٹھے ہوئے مجھے بہت پرامید نظر آئے۔ مجھے دیکھ کر مسکرا دیئے اور صوفے کی طرف دیکھ کر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں بجھے ہوئے دل کے ساتھ ان کے سامنے بیٹھ گیا تو میرے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے بولے۔

"برخوردار! کہاں کہاں کی خاک چھان کر آئے ہو۔"

"لاہور کے ہر میڈیکل کالج کی لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔" میں منمنایا۔

"بہت مشکل ہے۔" وہ بھی کچھ مضطرب سے لگے۔ میں نے تو مذاقاً کہا تھا اتنے سالوں بعد جنت مل بھی گئی تو بھلا مجھے کیوں پہچانے گی؟"

"آبدار صاحب! ناممکن کہہ کر مسئلے سے نکلنا بہت آسان ہے۔ ناممکن کو ممکن بنانا مشکل ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں۔" میں خوش دلی سے بولا تو انہوں نے میری بات نظر انداز کرکے ٹی وی آن کردیا اور ہم دونوں دیر تک بی بی سی نیوز دیکھتے ہوئے ان کی سیاست کو ڈس کس کرتے رہے۔

رات کا کھانا ہم نے اسٹڈی میں ہی منگوالیا تو مجھے اپنی بیگم یاد آ گئی جو ہمیشہ کھانا ڈائننگ ٹیبل پر ہی لگوایا کرتی تھی۔ کیا مجال کہ کبھی لاؤنج یا کمرے میں کھانے کی ٹرالی آئی ہو حالانکہ مجھے ہمیشہ سے ہی وہاں کھانا تناول کرنا پسند تھا جہاں میں تشریف فرما ہوتا تھا۔ اب بیگم کے جانے کے بعد میں نے ایک وقت کا کھانا بھی ڈائننگ روم میں نہیں کھایا تھا۔ میں نے ہنستے ہوئے اس کا انکشاف کیا تو آبدار صاحب نے طویل سرد آہ بھری۔

"مجھے کھانا ہمیشہ سے اکیلے کھانے سے نفرت رہی ہے' میں چاہتا رہا کہ ڈائننگ ٹیبل سلیقے وقرینے سے سجی ہوئی ہو اور بارہ کرسیوں پر کھانے والے افراد براجمان ہوں اور ان کے درمیان میں گپ شپ میں کھانا کھاؤں لیکن ایسا ہونا کبھی کبھار تو ہوسکتا تھا ہر روز اسی اسٹڈی میں ہی کھانا زہر مار کرکے زندگی گزار دی۔ ڈائننگ ٹیبل تو نجانے کتنی ہی یادوں کو اجاگر کردیتا ہے جب ہم ایک ہی محلے میں رہتے تھے تو بڑوں کی دوستی بھی اتنی گہری تھی کہ اکثر ہم ایک دوسرے کے ڈائننگ روم میں کھانا کھایا کرتے تھے۔ چھ بہن بھائی میرے اور اسی طرح چھ جنت کے' ایک درجن جوان اور چھوٹے بچوں کے ساتھ کیا مزا آتا تھا؟ آہ جنت جاتے ہوئے تمام مزے ہی ساتھ لے گئی۔"

"آبدار صاحب اگر اس قدر گہرے تعلقات تھے تو پھر یہ دوری کیونکر ہوئی؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"برخوردار! بات یہ ہے کہ جنت سے بہت بڑی غلطی سرزد ہوگئی تھی۔ اس نے اپنی محبت کا رازداں چھوٹی بہن کو بنانے کی جو غلطی کی تو آناً فاناً اس کے والدین نے گھر بدل لیا اور بعد میں مجھے یہ خط ملا انہوں نے اپنے وائلٹ سے خط نکال کر میری طرف بڑھایا۔ میں نے خط پکڑا' کاغذ اس قدر سال خوردہ اور بوسیدہ ہوچکا تھا کہ ہاتھ میں پکڑنے سے ہی جیسے ریزہ ریزہ ہوجائے۔ میں نے احتیاطاً کھولتے ہوئی ان کی طرف دیکھا۔

"ذرا ہولے سے کھولنا' کہیں پھٹ ہی نہ جائے۔" ان کی آواز سن کر میں اور بھی محتاط ہوگیا۔

خط کا مضمون میں نے بمشکل پڑھا حالانکہ وہی پرانا خط تھا جو مجھے رستے میں کارڈ کی صورت میں ملا تھا۔

"داری! تم جانتے ہوناں کہ مجھے ڈاکٹر بننے کا شوق ہے' میں تمہاری خاطر اپنا پیشن قربان نہیں کرسکتی۔ منی نے اماں کو ہماری محبت کی تمام روداد بتادی ہے' اماں بہت خفا ہوئیں۔ میرے لمبے بالوں کو انہوں نے غصے میں بے ترتیب کاٹ ڈالا اور میرا چہرہ نوچ کر بولیں۔

"گھر بیٹھو' خبردار جو کالج کا نام بھی لیا اور میں تمہاری شادی ابدار سے نہیں کسی چمار سے کروں گی۔"

اگلے دو دن میں میں نے ان سے معافی مانگی تو ابا نے مجھے اس شرط پر معاف کردیا کہ میں تمہیں ہمیشہ کے لیے چھوڑ دوں' میں نے تم میں اور ڈاکٹری میں موازنہ کیا تو مجھے

ڈاکٹر بننا ہی پسند آیا اگر تمہاری محبت اس شوق پر غالب آجاتی تو تم سے دو دن کے اندر کورٹ میرج کرلیتی۔ میری ایک التجا ہے کہ اس محبت کی خاطر نہ تو میرا پیچھا کرنا نہ ہی خود کو اکیلا چھوڑنا۔ مجھ سے بہتر ساتھی تمہیں مل سکتا ہے کیونکہ تم بے مثال ہو اگر اللہ نے چاہا تو یہاں نہیں تو وہاں آسمانوں پر ''کبھی تو ملیں گے۔'' یہ وہی ٹائٹل تھا جو مجھے کارڈ کے ہمراہ ہی رستے میں ملا تھا اس کی اندرونی تحریر پڑھ کر میں نے خود سے وعدہ کیا کہ جب تک جنت کو ڈھونڈ نہیں لوں گا چین سے نہیں بیٹھوں گا۔

میں وہاں سے اٹھ کر گھر آگیا اور اپنے تمام ڈاکٹر دوستوں سے جنت کے بارے میں پوچھنے لگا لیکن کسی کو جنت کے بارے میں علم نہ تھا۔ میں بہت دل برداشتہ ہوگیا لیکن ابدار صاحب کی سچی محبت کو محسوس کرتے ہوئے مجھے ان کے عزیز واقارب کے رویوں پر بہت حیرت ہونے لگی' جنہوں نے انہیں ملانے کی کوشش ہی نہ کی تھی۔

ایسا کیوں ہوا؟ ایک اور سوال میرے ذہن میں گھومتا ہوا مجھے مزید مضطرب کرنے لگا تھا۔

❀......❀......❀

بدلتے موسم نے اس بار مجھے اپنی گرفت میں لے لیا تھا' دو تین بیماریوں کے حملے کی وجہ سے مجھ میں بہت نقاہت اور کمزوری آگئی تھی۔ آبدار صاحب کا زیادہ تر وقت میرے ساتھ ہی گزرنے لگا تھا۔ وہ مجھے زبردستی سوپ پلاتے' دوا کھلاتے اور آرام کرنے کی تلقین کرتے۔ میں کبھی غنودگی میں چلا جاتا تو کبھی مکمل طور پر بیدار ہوجاتا لیکن آبدار صاحب میرے سامنے والے صوفے پر نیم دراز کتاب پڑھتے ہوئے دکھائی دیتے تو میں ہر بار انہیں گھر واپس جانے کا کہتا تو وہ بھی ہر دفعہ مجھے ایک ہی جواب دیتے۔

''جب میں یہاں مطمئن اور خوش ہوں تو برخوردار مجھے گھر کیوں بھیجنا چاہتے ہو؟'' میں خاموشی میں ہی عافیت سمجھتا۔

میری طبیعت دن بہ دن بگڑتی گئی' آبدار صاحب نے مجھے انگلینڈ بیٹے کے پاس جانے کا مشورہ دیا' پہلے تو میں اس مشورے پر سیخ پا ہوگیا لیکن جب میں نے غور وخوض کیا تو ان کا مشورہ مجھے خاصا مفید اور بامعنی لگا۔ میں بیٹے کو اپنی بیماری کی اطلاع دینے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ بیٹا آدھمکا جسے آبدار صاحب نے بلایا تھا چند دن میری تیاری میں لگے اور میں ابدار صاحب کو اکیلا چھوڑ کر بیٹے کے ساتھ انگلینڈ آگیا۔

لاغر پن کا یہ عالم تھا کہ میرا چلنا تو درکنار قدم اٹھانا مشکل ہوگیا تھا اس وقت وہیل چیئر بنانے والے کو میں نے ان گنت دعائیں دے ڈالیں۔

اگلے ہی دن بیٹے نے مجھے ہسپتال میں ایڈمٹ کرادیا اور میری ہیوی انوسٹی گیشن میں کئی دن ہسپتال میں نیلی آنکھوں والی اسمارٹ نرسوں کی نگہداشت میں بہت اچھے گزر گئے۔ جونہی تمام رپورٹس یکے بعد دیگرے ڈاکٹروں تک پہنچیں تو میری بیماری کا علاج شروع ہوگیا۔ سردی لگنے کی وجہ سے میرے لنگز میں نمونیہ تھا اور مجھے چسٹ اسپیشلسٹ کے پاس بھیج دیا گیا۔ ساڑھی میں ملبوس ایک ادھیڑ عمر ڈاکٹر نے میرا چیک اپ کیا' وہ رنگ روپ اور نین نقش کے لحاظ سے ہندوستانی کہیں سے نہیں لگتی تھی۔

ڈریس اور لب ولہجے سے اس کے پاکستانی ہونے کا گمان بھی نہیں ہوتا تھا اس کی دراز زلفیں ہندوستانی ہونے کی غمازی کررہی تھیں۔ ماتھے پر تلک اور مانگ میں سندور بھی غائب تھا' اس کی انگلی میں ڈائمنڈ کی انگوٹھی دیکھ کر مجھے یہ تو اندازہ ہوگیا کہ وہ شادی شدہ ہے۔ اس کا نام مجھے بہت عجیب اور نرالا لگا میں نے اپنی زندگی میں آب بہشت نام کبھی نہیں سنا تھا۔ ہسپتال میں سب اسے ڈاکٹر اے بہشت سے پکارتے تھے۔ مجھے خوامخواہ ہی اس کے اندر جھانکنے کا تجسس ہوا کیونکہ عموماً ایسے انوکھے نام والے مرد اور عورتیں اپنے نام کی طرح بھی بہت مختلف ہوتی ہیں۔

میں اسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا کہ اس خاتون سے جو کہ پرلے درجے کی نک چڑھی اور سنجیدہ خاتون تھی۔ اس سے مراسم کیسے استوار کیے جائیں کہ موبائل کی بپ پر میں

چونکا میں کمرے میں اکیلا تھا نرس مجھے دوا کھلا کر اور ٹمپریچر اور بلڈ پریشر چیک کرنے کے بعد ریسپشن کی طرف جاچکی تھی۔

بیٹا' بہو اور پوتے تو ہمیشہ چھ بجے آتے اور سات بجے واپس چلے جاتے تھے۔ یہاں کا سسٹم ہی ہمارے ملک سے مختلف تھا' ملاقاتی ایک گھنٹے سے زیادہ نہ تو یہاں بیٹھ سکتے تھے اور نہ ہی ملاقات کے وقت سے آگے پیچھے وزٹ کرنے کی انہیں اجازت تھی۔ میں نے دیکھا کہ یہاں ہمارے وہی پاکستانی جو پاکستان میں کسی قانون کی پروا نہیں کرتے' دھڑلے سے ضابطے توڑنے میں شرمندگی کے بجائے اپنی دیدہ دلیری پر فخر کرتے ہیں۔ یہاں کے ماحول میں ان کا ڈسپلن قابل ستائش تھا' ڈر کا بھی اپنا ہی رعب داب ہوتا ہے۔

میں نے سوچتے ہوئے موبائل کا نمبر چیک کیا' مسٹر آبدار کا نمبر دیکھ کر میں نہال ہوگیا اور ان سے بات کرنے لگا۔ ان کا حال چال دریافت کرنے کے بعد انہوں نے مجھے چھیڑنے کے انداز میں کہا۔

''تو پھر کسی ہسپتال میں جنت کا دیدار کرنے کے بارے میں کیا خیال ہے؟ برخودار لگتا ہے بیماری نے تمہیں ایسا نچوڑ ڈالا ہے کہ تمہارا پیشن بھی اسی کے ساتھ بہہ گیا۔'' ان کا زوردار شریر اور طنز و مزاح سے بھرپور قہقہہ مجھے مضطرب کرنے کے لیے کافی تھا۔

''آبدار صاحب! جنت تو نہیں ایک بہشت سے واسطہ پڑا ہے ویسے اس سے دریافت کیا جاسکتا ہے میری ڈاکٹر ہے۔ مریض اور ڈاکٹر کا رشتہ بہت اہم اور پرائیوٹ بھی ہوتا ہے پوچھنے میں مذائقہ نہیں ہوسکتا ہے کہ جنت اسی بہشت کی بہن ہی ہو۔'' میں نے بھی مذاقاً کہا۔

''جنت کی بہن بہشت کیسے ہوسکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ تمہارا بھلا کرے اس کی دو بہنوں کے نام مجھے یاد تو نہیں ہیں لیکن اتنا ضرور یاد پڑتا ہے کہ ان کے گھر میں جنت یکتا تھی۔'' وہ سنجیدگی سے بولے۔

''یہ بات تو درست کہی ہے آپ نے' دعا کریں کہ میں جلد از جلد صحت یاب ہوجاؤں۔ یہاں کے ہر ہسپتال میں جنت کے نام کی منادی کرادوں گا۔'' میں نے مستحکم لہجے میں خوش دلی سے کہا۔

''ایک تو تم بہت لمبی اور بڑی چھوڑ کر مجھے تسلی و تشفی دینے کی کوشش کرتے ہو' بھول جاؤ جنت کو اگر وہ میرے مقدر میں لکھی ہوتی تو یوں آناً فاناً تمام رشتے ناطے توڑ کر غائب نہ ہوجاتی۔ مجھے اس پر بہت غصہ ہے برخودار! اس نے بے مشروط محبت کی ہوتی تو مجھے ڈاکٹری کی بھینٹ نہ چڑھا دیتی۔ خدا کی قسم میں اس کے شوق کی قدردانی کرتا۔ اسے ڈاکٹر بناتا اور اعلیٰ تعلیم کے لیے لندن بھیج دیتا کیونکہ مجھے اس سے والہانہ محبت جو ہے۔ وہ ڈاکٹر بننے کے بعد بھی تو مجھ سے رابطہ کرسکتی تھی کہ نہیں میں اسے فراخدلی سے معاف کرکے سینے سے لگالیتا۔ وہ محبت تو نہ ہوئی جس میں درگزر کرنے اور صفائے دل کی گنجائش ہی نہ ہو۔'' ان کے لہجے میں بلا کی حسرت تھی۔

''آبدار صاحب! میرا آپ سے وعدہ ہے کہ جنت کو ڈھونڈ نکالوں گا' چاہے وہ دس بچوں کی ماں ہو یا ایک گھر گرہستن خاتون ہی کیوں نہ ہو۔'' میں نے تسلی دینے کے انداز میں کہا۔ ''کاش ابدار صاحب میں اس وقت آپ کے قریب ہوتا جب آپ کے ساتھ یہ ظلم کیے جانے کے منصوبے بنائے جارہے تھے۔''

''تم کیا کرتے برخودار! مجھے اس نے حالات کی بھنک نہ پڑنے دی تھی' اس کے شفٹ ہونے کے بعد میں اس کے خط کا انتظار کرتا رہا۔ کئی مہینوں بعد یہ اطلاع ملی تو بتاؤ کہ میں کیا کرتا۔ تلاش گمشدہ کا بینر اٹھا کر چل پڑتا کیا؟ ارے مرد کی مردانگی' غیرت اور انا بھی تو کوئی شے ہوتی ہے کہ نہیں۔ ابھی بھی اس کو ڈھونڈنے کی غلطی مت کرو۔ بے شک مجھے آج بھی اس سے بے پناہ محبت ہے لیکن غیرت اور غصے میں کمی نہیں آئی۔ بے شمار سال گزرنے کے بعد بھی مجھے فیلنگ آف ریجکشن چین نہیں لینے دیتی' میں نے تمہیں مذاقاً کہہ دیا تھا کہ جنت کو لے آؤ شادی کرلوں گا۔ برخودار! اب قبر میں ٹانگیں لٹکائے بیٹھا ہوں' تپتی

جوانی اور بھڑکتے ہوئے جذبوں کے دن تنہائی میں اس کی یادوں کے دیئے جلاتے گزر گئے۔ اب مجھ میں باقی کیا رہ گیا ہے‘ صرف محبت ہی محبت وہ بھی یک طرفہ حسرت زدہ اور ندامت سے بھرپور۔ چلو یار چھوڑو ان باتوں کو‘ اپنی بہشت کا سناؤ‘ کیسی ہے؟“

”بے مثال اور طلسماتی حسن کی مالک‘ اس پر پہلی نظر پڑے تو چالیس سے پینتالیس سال کے لگ بھگ لگتی ہے لیکن گفتگو میں حد درجے کا دانا پن ہے۔ پھر مجھے اس کی عمر کا بچپن سے ساٹھ کے لگ بھگ گمان ہونے لگتا ہے۔ ویسے آپس کی بات ہے مجھے عورتوں کی عمر کا صحیح اندازہ نہ کل ہوا تھا نہ ہی آج۔ مجھ میں اتنا شعور اور باریک بینی کہاں۔“ میں نے شگفتہ لہجے میں کہا۔

”آپ کو آج بتائے دیتا ہوں کہ میں نے اپنے لیے جو لڑکی پسند کی تھی۔ مجھ سے دس سال بڑی نکلی‘ امی شور مچاتی رہ گئیں کہ بیوی دس سال چھوٹی ہونی چاہیے شوہر کا بڑھاپا سنور جاتا ہے مگر میں آخر تک بضد رہا کہ وہ مجھ سے دس سال چھوٹی ہے۔ آپ کی نظروں اور سمجھ کا قصور ہے‘ شادی کروں گا تو اسی سے کروں گا ورنہ عمر بھر کنوارہ رہ کر آپ کی ناک میں دم کیے رکھوں گا۔ اس کا انجام تو آپ بھی دیکھ رہے ہیں ناں آج تنہا بیٹھا ہوں۔“

”برخوردار! ذرا دھیان رکھنا کہ تنہائی کا راگ الاپتے کسی گوری کو ہم سفر بنانے کا فیصلہ نہ کر بیٹھنا۔“ انہوں نے شریر لہجے میں کہا۔

”آبدار صاحب اگر مژدہ راحت و مسرت رونما ہو گیا تو ایک عدد آپ کے لیے امپورٹ کر سکتا ہوں‘ یہاں اللہ کی رحمتیں وافر مقدار میں برس رہی ہیں۔“ میں نے بھی چھیڑتے ہوئے کہا۔

”جنہیں تم رحمتیں سمجھ رہے ہو ایسا نہ ہو کہ ساٹھ سالہ کے لیے ناقابل برداشت زحمت اور کٹھن آزمائش بن جائے جلد از جلد صحت یاب ہو کر اپنے گھر واپس آجاؤ میں تمہیں بہت یاد کرتا ہوں۔“ مجھے وہ کچھ چٹخارے دار گپ شپ کے موڈ میں لگے تھے۔

”بے فکر رہیں آبدار صاحب! اب تو روحانی‘ دلی اور جنونی طور پر میں تو آزاد ہو چکا ہوں۔ آپ کی فکر ستائے جا رہی ہے کہ جو لڈو میں نے کھائے تھے آپ اس ذائقے سے محروم ہی رہ گئے۔“ میں نے بھی بات کو طول دینا چاہی۔

”یہ مت بھولو کہ ’وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ‘ یہ ذات اس کائنات کی حسین ترین مخلوق ہے اس میں عمر کی قید نہیں ہوتی کسی وقت بھی جادو سے باؤلا کر سکتی ہیں۔ ذرا اپنی مونچھیں اور بال پینٹ کر کے دیکھو‘ عمر سے بیس سال چھوٹے لگنے لگو گے۔“ وہ قہقہہ لگا کر مذاقاً بولے۔

”جب واپس آؤ تو ایک عدد گوری بانکی سی چھوری تمہارے ساتھ ہونی چاہیے مجھے تو اکیلا رہنے کی بہت پارینہ عادت ہے جو کہ تمہیں ہرگز نہیں۔“

”ویسے سوچا جا سکتا ہے بات تو آپ نے سو فیصد درست کی ہے‘ میں اکیلے پن کی وجہ سے کچھ حواس باختہ ہوتا جا رہا ہوں۔ جوانی میں دو آنکھوں سے چار نظر آتی تھیں‘ اب ایک بھی نگاہوں میں نہیں سماتی‘ کیوں ابدار صاحب اسے ڈپریشن ہی تو کہتے ہیں ناں۔“ میں نے ہنسی پر قابو پا کر اضطراری کیفیت میں کہا تو وہ ہنسنے لگے اور ہنسی کے دوران مجھے ان کا آدھا جملہ سمجھ آیا۔

”تو پھر برخوردار اس بیماری کا علاج بھی وہاں سے......“ سگنل ویک ہونے کی وجہ سے لائن کٹ گئی‘ میں نے وقت دیکھا ڈاکٹر آب بہشت کے راؤنڈ کا وقت تھا۔ میں نے ہمت کر کے اٹھنا چاہا تو سر چکرا گیا‘ دل دھک دھک کرنے لگا۔

”لگتا ہے بڈھا اپنے حواسوں میں ہرگز نہیں رہا‘ خود کو ایک کے عتاب سے بچا کر رکھا۔ مجھے دوسری بار کس گناہ کی پاداش میں ایسے مشورے دے رہا ہے۔ دیکھ لو بابا کہ میں تمہارے ساتھ کرتا کیا ہوں؟ تم نے زندگی میں بہت عیش بھی کر لیے اور جس آب حیات کا ذائقہ تم نے ایک بار چکھ لیا ہے دوبارہ نہ چکھایا تو میرا نام بدل دینا۔“ میں خود کلامی

کرتے ہوئے اپنا سر دونوں ہاتھوں سے دبانے لگا تھا کہ اسی وقت ڈاکٹر آب بہشت دو نرسوں کے ہمراہ اندر داخل ہوئی۔ آج اس کے ساتھ ایک دیسی لڑکی نرس کی صورت میں ساتھ تھی' دوسری تو تھی ہی انگریز گولڈن بالوں اور نیلی آنکھوں والی درمیانے قد اور خوب صورت خدوخال والی لیکن چہرے پر جھریوں کی بھرمار تھی جیسے چاند میں داغ ہی داغ...... مجھے اس پر بے وجہ ہی ترس آ گیا۔

دیسی نرس نے مجھے جب اپنا تعارف کرایا تو پتا چلا کہ وہ میرے شہر کی رہائشی تھی اور ڈاکٹر آب بہشت کی نرس بھی ہے۔ یہ سن کر میں بے انتہا خوشی اور امید سے معمور ہوگیا کیونکہ مجھے ڈاکٹر میں نہیں اس کی شخصیت کی کھوج لگانے کی تمنا اور دلچسپی تھی۔ ڈاکٹر میرا چیک اپ خاموشی سے کرتی رہی' اس نے چارٹ دیکھا اور قدرے مطمئن نظر آنے لگی لیکن کیا مجال کہ منہ سے ایک لفظ نکلا ہو یا چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ ہی آئی ہو۔ اس کی نرس جس کا نام آفرین تھا وہ اسے تمام رپورٹ دے رہی تھی اور وہ صرف سر اثبات میں ہلاتی ہوئی باہر نکل گئی۔ میرا دل چاہا کہ ابھی اور اسی وقت ہسپتال کو چھوڑ دوں' مریض کی آدھی بیماری تو ڈاکٹر کی خوش خلقی سے ہی دور ہو جاتی ہے۔

''یہ کیسی بد مزاج ڈاکٹر ہے' بے پروا اور لاتعلق۔ جیسے مجھ سے ڈاکٹر کا رشتہ نہیں دشمنی ہو۔'' میں تلملا کر سوچنے لگا اور میں اس وقت قائل ہو چکا تھا کہ آج بیٹے کے ساتھ واپس چلا جاؤں گا یہ دیسی ڈاکٹر مجھے ملیچھ سمجھتی ہے یا پاکستانی ہونے کے ناطے نفرت کرتی ہے کیونکہ یہاں کی تعلیم یافتہ کمیونٹی نے ایک اصول بنا رکھا ہے کہ کسی دیسی کو منہ نہ لگاؤ ورنہ وہ گلے پڑ جائے گا۔ اس وقت میری تمام سوچیں ہی منفی تھیں میں نے تقریباً دو گھنٹوں بعد نرس کو بلانے کے لیے بیل کا بٹن دبایا تو نرس آفرین جن کی مانند ایک منٹ میں حاضر ہوگئی۔ میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ ڈاکٹر کو بُرا بھلا کہنا شروع کردیا اور آخر میں دھمکی دے کر خاموش ہوگیا تو وہ ذرا سا مسکرا دی۔

''انکل آپ خفا مت ہوں' آنٹی جنت دل کی بہت نرم ہیں۔ انکل قصور ان کا نہیں کہ چہرے کی طرح اکڑی ہوئی اور خشک ہیں' جہاں تک میرا خیال ہے شادی ایسا بندھن ہے کہ حیوان کو انسان بنا کر ہی دم لیتی ہے۔ شادی ہی تو ایک دوسرے کی محبتیں دکھ درد شیئر کرنے کا بہترین ہتھیار ہے۔ انہوں نے ہزار منتوں اور والدین کی کوششوں کے باوجود شادی نہیں کی۔ میری ماما بتاتی ہیں کہ آنٹی کو کم عمری میں ہی اپنے پڑوسی لڑکے سے پیار ہوگیا تھا' شادی میں جو رکاوٹ آئی تو وہ فرقے کا تنازعہ تھا۔ لڑکا سنی تھا اور ہمارا تعلق شیعان علی فرقہ سے تھا۔ وہ اپنے فرقہ میں بے حد کٹر اور ہم اپنے فرقے میں پاگل پن کی حد تک سخت۔ جب ان کے والدین کو پتا چلا تو پھر گھر میں قیامت آ گئی اور انہوں نے کسی کو اتا پتا بتائے بغیر شہر بدل لیا۔ آنٹی اپنے والدین کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے دل پر بھاری چٹان کی سل رکھ کر جدائی کے زہر کا پیالہ پی گئیں۔ اب ہم ان سے شہد جیسی مٹھاس کی توقع رکھنا ہی نادانی اور بے وقوفی سمجھتے ہیں وہ خاموش ہی بھلی جب بولتی ہیں تو منہ سے پھول نہیں برستے' انگارے نکلتے ہیں پھر انہوں نے اپنا نام بھی بدل ڈالا۔ شاید ان کی جنت نام کے ساتھ کچھ ایسی یادیں وابستہ تھیں جنہیں وہ بھلانا چاہتی تھیں اس لیے آپ انہیں ''سو'' کرنے کا خیال اپنے دل سے نکال دیں جو لوگ سانس لینے کے باوجود مردہ ہو چکے ہوں اور اپنی حسیات کی تمام قوت' طاقت اور جرأت تیاگ چکے ہوں تو اس حالت میں انہیں دوسروں کے رویوں اور وطیروں سے نہ اذیت پہنچتی ہے نہ ہی مسرت و راحت کا احساس بیدار ہوتا ہے۔''

وہ مجھے اس کی کہانی سنا کر باہر نکل گئی اور میں سکتے میں چلا گیا۔ میرے ذہن میں طرح طرح کے خیالات نے بسیرا کرلیا' کچھ پُر امید اور کچھ ناامیدی لیے ہوئے خیالات آبدار صاحب تنہائی کے باوجود زندگی میں دلچسپی لیتے تھے۔ میں نے انہیں حسرت زدہ ہوتے ضرور دیکھا تھا لیکن زندگی سے انہیں کوئی گلہ نہ تھا' قسمت کا رونا نہ تھا جو بھی تھا ایک سچے اور والہانہ پیار کا فسوں تھا۔ یہاں تو

معاملہ ہی ان کے برعکس تھا ایسے ہی خیالات نے میری طبیعت کو خاصا بوجھل کردیا تھا۔ مجھے سانس لینے میں مشکل ہوئی، میرے پھیپھڑے جو ابھی تک بیماری کے شکنجے میں جکڑے ہوئے تھے آکسیجن سے محروم ہونے کی وجہ سے میرا سانس اکھڑ گیا۔ جیسے میں دمے کا مریض ہوں، میں نے بمشکل بیل کا بٹن دبایا تو ایک گوری نرس تیزی سے دروازہ کھول کر میرے قریب آگئی اور اگلے چند منٹ میں ڈاکٹر آب بہشت میرے کمرے میں موجود تھی۔ فکرمندانہ نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے اس نے نرس کو آکسیجن لگانے کا حکم دیا۔

❀.........❀.........❀

مجھے ڈاکٹر کے نام کی خوب سمجھ آچکی تھی، آب، آبدار کے نام کا پہلا حصہ اور بہشت، جنت کا ہی دوسرا نام۔ اس نے تو خود کو ہمیشہ کے لیے ابدار کو اپنی زندگی میں شامل کرلیا تھا پھر وہ کسی اور کی کیونکر ہوتی اور ابدار صاحب نے اسی کا نام جپتے ہوئے اپنی جوانی کو تنہائی کے سپرد کردیا تھا۔ میں نے ایسی جاندار اور لافانی محبت آج تک دیکھی نہ تھی ملاپ اس دنیا میں ہونا بہت ضروری تھا میں نے جنت کے قریب ہونے کے لیے اور اسے اپنے اعتماد میں لینے کے لیے بہت صبر وتحمل سے کام لیا۔ میں جب بھی اس سے اپنی بیماری کے متعلق بات کرتا تھا تو بہت محتاط ہوکر لفظوں کا انتخاب کرتا کیونکہ وہ بیماری سے آگے ایک لفظ سننے کو تیار ملتی نہ ہی اس کی اجازت دیتی تھی۔ اس کی حدود میں داخلہ تو ناممکن تھا، جھانکنا بھی محال تھا وہ ہر طرح کے احساسات سے ماورا تھی جیسے ایک پتھر سے تراشی ہوئی بے جان مورتی۔ اس تک میری رسائی کیسے ہوسکتی تھی، آفرین کو تمام حالات بتانے اور پھر جنت کے ری ایکشن کا ڈر وخوف مجھے کسی قسم کا فیصلہ کرنے سے مسلسل روکتا رہا۔

میں دھیرے دھیرے تندرست ہونے لگا اب مجھے یہ پریشانی لاحق ہوگئی کہ میں ہسپتال سے ڈسچارج ہونے کے بعد جنت سے مل نہیں پاؤں گا اور جو میں نے حسین سپنا دیکھا ہے وہ کبھی پورا نہیں ہوپائے گا۔ میں نے اپنے

بیٹے سے مشورہ کیا تو وہ میرے خیالات سن کر مسرت و فخر سے اچھل پڑا اور پھر پژمردگی سے بولا۔

''بابا یہ تمام تباہی جھوٹی انا کے غالب آنے کی وجہ سے ہوئی تھی۔ دو زندگیوں کو تباہ و برباد کرنے کا کفارہ اسی صورت میں ادا کیا جاسکتا ہے کہ ان دونوں کا ہمیشہ کے لیے ملن ہوجائے۔ محبت جسم سے نہیں ہوتی بلکہ جسم میں جو روح ہے اس سے کسی محنت و مشقت کے بغیر ہی ہوجاتی ہے۔ آپ انکل سے بات کریں، میں ڈاکٹر صاحبہ تک انکل آبدار کا پیغام پہنچانے کی کوشش کرتا ہوں جو کہ اوکھلی میں سر دینے کے مترادف ہے۔'' میں نے بیٹے کے دیئے گئے آدھے مشورے سے اتفاق کیا' آدھا مشورہ میں نے مسترد کردیا۔

❀......❀......❀

آج ڈاکٹر جنت نے پنک کلر کی قمیص اور ٹراؤزر پہن رکھی تھی گو کہ اس کی جوانی کا دور ماضی میں جا چھپا تھا لیکن چہرے پر ابھی تک ملکوتی حسن کی جھلک خاصی نمایاں تھی۔ ساڑھی میں لپٹی ہوئی جنت کا بدن جو ڈھکا چھپا رہتا تھا مجھے آج اس کی تراشیدگی کا احساس ہوا تھا کہ عورت تو ماں کے اعلیٰ رتبے تک پہنچتے پہنچتے ہی بے ڈھبی ہوجاتی ہے اور پھر ہر دن ایک سال کی مسافت طے کرکے اسے وقت سے پہلے ہی بوڑھی کردیتا ہے۔

ہم دونوں جہاز میں سوار ہوئے تو جنت نے رسٹ واچ کی طرف دیکھا اور پھر یہ سلسلہ جہاز لینڈ ہونے تک جاری رہا۔ آج بھی اس کے چہرے پر خاموشی کی چھاپ تھی لیکن بلا کی طمانیت اور مسرت ہویدا تھی۔ کرختگی اور درشتگی کی ہلکی سی رمق تک نہیں تھی۔ ہم وی آئی پی لاؤنج میں پہنچے تو مجھے سامنے ہی آبدار صاحب نظر آئے۔ جنت میرے پیچھے بہت قریب ہینڈ کیری گھسیٹتی ہوئی چلی آرہی تھی۔ آبدار صاحب نے شرارت بھری مسکراہٹ سے ہاتھ ملایا' تو جنت وہیں رک گئی۔ اسے آبدار صاحب کو پہچاننے میں ایک منٹ بھی نہ لگا جبکہ آبدار صاحب ابھی تک جنت کو پہچان نہ پائے تھے۔ جنت بہت پیچھے ہی کھڑی خود پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی اور میں نے آبدار صاحب سے بغلگیر ہوتے ہوئے شوخی سے کہا۔

''آبدار صاحب آپ کو نظر ٹیسٹ کروائے کتنا عرصہ ہوگیا ہے؟ میرا خیال ہے، ہم یہاں سے سیدھے آنکھوں کے ہسپتال چلتے ہیں۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' وہ الجھ کر بولے۔

''میں سچ کہہ رہا ہوں آبدار صاحب! آنکھوں میں کیٹرک کا پردہ سا معلوم ہوتا ہے مجھے تو بغیر ٹیسٹ کے سمجھ آرہی ہے۔'' میں نے ان کی آنکھوں میں غور سے جھانکتے ہوئے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

''برخوردار! پہچان گیا ہوں' شکر ہے ولایتی نہیں لے آئے آخر دیسی پر ہی اکتفا کرگئے۔'' وہ عینک درست کرکے متلاشی نظروں سے ادھر اُدھر دیکھنے لگے۔

''او مائی گاڈ! یہ خواب ہے یا حقیقت......؟'' وہ ایک دم سے دل تھام کر صوفے پر ڈھے گئے اور پھر ایک ہفتے بعد جنت میرے گھر سے سفید لباس میں دلہن بن کر آبدار کے ساتھ ہمیشہ کے لیے رخصت ہوگئی۔

مجھے دونوں کی خوشی دیکھ کر احساس ہوا کہ میں نے اپنی 62 سالہ زندگی میں اس سے بڑی نیکی نہیں کی تھی اور یہ تو وہ نیکی تھی جس کی وجہ سے رب العزت نے نجانے میرے کتنے ہی کبیرہ گناہوں کو معاف کردیا ہوگا۔ وہ ہی عفوودرگزر کرنے والی عظیم ہستی ہے اگر ہم ناممکن کا لفظ اپنی ڈکشنری سے مٹانے کا ارادہ کرلیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ناممکن کو ممکن نہ بناسکیں۔

تیرے عشق نچایا
نگہت عبداللہ

قسط نمبر ۸

یہ کناروں سے کھیلنے والے
ڈوب جائیں تو کیا تماشا ہو
وقت کی چند ساعتیں ساغر
لوٹ آئیں تو کیا تماشا ہو

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

محسن کی گمشدگی گھر والوں کے لیے جہاں بہت سے مصائب لے کر آتی ہے وہیں ساجدہ بیگم بیٹے کی جدائی میں حرکت قلب بند ہوجانے پر داعیٔ اجل کو لبیک کہتی ہیں ان مخدوش حالات میں نشاء کے لیے جہاں مونی کی گمشدگی ایک بڑا صدمہ تھا وہیں تائی اماں جیسی شفیق ہستی کے چلے جانے کی خبر سن کر وہ ہوش وخرد سے بے گانہ ہوجاتی ہے دوسری طرف محسن ان تمام حالات سے بے خبر کندن کے ساتھ اپنے ماضی کو شیئر کر کے انجان راہوں پر نکل جاتا ہے کندن کو لوگوں کے چہرے پڑھنے کا ہنر آتا ہے اور کچھ وہ نفسیات سے بھی دلچسپی رکھتی ہے۔ اسی بنا پر وہ محسن سے ہمدردی کرتے اسے نشا کی طرف واپس لوٹ جانے کا مشورہ دیتی ہے نشا محسن کے نمبر پر آنے والی کندن کی کال سن کر مزید تشویش میں مبتلا ہوجاتی ہے جبکہ کندن کو بھی محسن کی گمشدگی اور اس کی ماں کی موت کا گہرا صدمہ پہنچتا ہے لیکن وہ انہیں تمام حقائق بتا کر سب سے معذرت کرلیتی ہے۔

صبا کے پاس راحیلہ خاتون اور نگار کی آمد ورفت بڑھ جاتی ہے ایسے میں آصف جاہ خصوصی طور پر نگار کی دلچسپی کا سبب بنتا ہے نشا محسن کی گمشدگی کے متعلق اپنے گھر والوں کو بھی لاعلم رکھتی ہے جب ہی وہ نشاء کی اداسی کو ساجدہ بیگم کی موت کا سبب سمجھتے ہیں۔ مریم اور ریان کی دوستی گزرتے وقت کے ساتھ مضبوط ہوتی جاتی ہے ریان مریم پر دباؤ ڈالتا ہے کہ وہ اپنے گھر والوں سے بات کرے لیکن محسن کی گمشدگی اور ساجدہ بیگم کی موت کے صدمے کے پیش نظر وہ گھر والوں سے کوئی بات نہیں کرپاتی۔ ایسے میں وہ صبا سے مدد لینا چاہتی ہے اور جب ہی محسن کی گمشدگی کا تذکرہ صبا کے سامنے کر بیٹھتی ہے صبا کے لیے یہ سب بہت تکلیف دہ ہوتا ہے دوسری طرف نشاء کی یہ لاتعلقی بھی اسے پسند نہیں آتی۔

محسن کے غم میں نشاء ہوش وحواس سے بے گانہ ہونے لگتی ہے ایسے میں احسن اس کا بہت خیال رکھتا ہے جبکہ تانیہ کو اپنی ذات کہیں گم ہوتی نظر آتی ہے جب ہی وہ نشاء سے صاف صاف بات کرتے اسے اس گھر سے جانے کا کہتی ہے نشاء پر یہ جان کر صدمے سے ڈھے جاتی ہے ایک طرف محسن کی دوری دوسری طرف اپنے گھر سے جدائی اس کے لیے بہت سے مصائب لے کر آتی ہے جبکہ احسن ان تمام باتوں سے بے خبر ہوتا ہے۔

صبا اپنی عدت پوری ہوجانے کے بعد تایا ابو سے ملنے آتی ہے تب ہی نشاء بھی اس کے ہمراہ جانے کا کہہ کر تایا ابو سے اجازت طلب کرتی ہے وہ اسے اس ٹینشن زدہ ماحول سے دور جانے کی خاطر چند روز کے لیے اپنی ماں کے گھر جانے کی اجازت دے دیتے ہیں جبکہ نشاء کے اصل ارادوں سے وہ بے خبر ہوتے ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)

❁......❁......❁......❁

آصف جاہ ساڑھے چار مہینے بعد اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ جو اول روز ہی اس کی نظروں میں سماگئی تھی اور اس میں اس کے ارادے کو دخل نہیں تھا۔ بس دل جہاں بے اختیار ہوجائے پھر لاکھ تاویلیں گھڑلو مانتا ہی نہیں۔ وہ بھی خود کو سرزنش کرتا تھا لیکن جہاں وہ سامنے آتی سب دھرا رہ جاتا اور وہ کوئی ایسی بات کرجاتا

جس سے وہ اسے سوچنے پر مجبور ہو جائے حالانکہ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ یہ اسے زیب نہیں دیتا۔ کیونکہ وہ محض ایک لڑکی نہیں تھی۔ اس کے محسن خان جنید کی بیوی اور اب بیوہ تھی۔ بیوی سے بیوہ تک کا سفر کتنا مختصر تھا وہ سوچ کر دہل جاتا تھا۔ ایسا تو اس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ اپنے بے نام جذبوں سے بے شک وہ دستبردار ہونے کو تیار نہیں تھا لیکن وہ خوش رہے آباد رہے۔ اسے خان جنید کے جانے کا بہت دکھ تھا۔ وہ اس کے سرپرست تھے اور انہوں نے کبھی اسے غیریت کا احساس نہیں ہونے دیا تھا۔ محبت کے ساتھ اپنی اولاد سے بڑھ کر اس پر اعتماد کیا تھا۔ بزنس میں وہی ان کے ساتھ تھا اور خان جنید وصیت میں اسے ہی اپنی بیوہ اور بنٹی کا کیئر ٹیکر بنا گئے تھے۔ ایک طرح سے اس پر بڑی ذمہ داری آ گئی تھی بہرحال جب تک صبا عدت میں رہی وہ گھر کے اندر نہیں آیا تھا۔ کوئی آفیشل بات یا وکیل کی طرف سے کوئی بات ہوتی تو وہ بنٹی کے ذریعے کہلوا دیتا تھا اور ابھی بھی وہ پہلے کی طرح بلا جھجک اندر نہیں چلا آیا تھا اس نے ملازم کے ذریعے صبا کو اپنی آنے کی اطلاع دی تھی اور اس کی اجازت ملنے پر ہی اندر آیا تھا۔ ساڑھے چار مہینے کوئی اتنے زیادہ نہیں ہوتے لیکن جیسے چار صدیاں بیت گئی تھیں ہاں وہ اتنے ہی فاصلے پر نظر آ رہی تھی۔

"کیا بات ہے......؟" کس قدر نپا تلا انداز تھا۔ پیشانی پر ہلکی سی لکیر آصف جاہ کو باور کرا رہی تھی کہ یہ حد کراس کرنے کی اجازت نہیں اور حیرت انگیز طور پر وہ مرعوب ہو گیا تھا۔

"جی وہ آپ کے لیگل ایڈوائزر عبدالرحمٰن صاحب نے بتایا ہے کہ خان صاحب کے صاحب زادے خان جمشید ان کی وصیت کو غلط قرار دے رہے ہیں اور وہ اس سلسلے میں سپریم کورٹ میں چیلنج کرنے کی دھمکی دے رہے ہیں۔" اس نے بتایا تو وہ سابقہ انداز میں بولی تھی۔

"پھر؟"

"پھر یہ کہ عبدالرحمٰن صاحب کہہ رہے تھے کہ اگر آپ اجازت دیں تو خان جمشید کو اس بات کا قانونی جواب دیا جائے۔"

"ہوں......" وہ سوچ میں پڑ گئی پھر سر جھٹکتے ہوئے اسے دیکھ کر کہنے لگی۔

"ایسا ہے کہ آصف جاہ یہ کورٹ کچہری کی باتیں میری سمجھ سے بالاتر ہیں۔ عبدالرحمٰن صاحب سے کہو جیسا وہ مناسب سمجھیں یا تم بتاؤ۔"

"میں......" آصف جاہ نے بے اختیار اپنی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں کیوں......خان صاحب کے ساتھ رہ کر میرا خیال ہے کہ اتنی سمجھ بوجھ تو ہوگی تمہیں......" صبا نے کہا تو وہ سر کھجانے لگا۔

"کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں......وہ میں یہ کہہ رہا تھا کہ کوئی فائدہ نہیں۔ میرا مطلب ہے خان جمشید صرف دھمکیاں دے سکتے ہیں کر کچھ نہیں سکتے۔" وہ براہ راست اسے دیکھنے سے گریز کر رہا تھا۔

"دھمکیاں بھی کیوں؟"

"ظاہر ہے وہ خان صاحب کی اولاد ہیں اور انہیں اپنے باپ کی پراپرٹی میں سے کچھ حصہ ہی سہی ایک تیسرے فرد کے پاس جانا سخت گراں گزر رہا ہوگا۔" آصف جاہ نے لفظوں کے چناؤ میں بہت احتیاط برتی تھی۔

"ٹھیک ہے جیسا تم بہتر سمجھو۔" وہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ بھی کھڑا ہو گیا۔

"میرے لائق اور کوئی خدمت۔" وہ ان سنی کر کے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ آصف جاہ نے کندھے اچکا کر سانس کھینچا پھر بنٹی سے مل کر باہر نکلا تو گیٹ پر جاذب کچھ شش و پنج میں کھڑا تھا۔

"جی......" آصف جاہ نے سوالیہ اسے دیکھا تو وہ پوچھنے لگا۔

"صبا ہے؟"

"آپ کون؟" آصف جاہ نے اب سر تا پا اسے دیکھا۔

"میں اس کا کزن ہوں۔"

"اس کا......!" یعنی اسے تم تو کہنے والا قریبی ہو سکتا ہے۔ آصف جاہ نے سوچا پھر کھلے گیٹ سے اندر دیکھ کر ملازم کو اشارے سے بلا کر اس سے مخاطب ہوا۔

"صبا بی بی سے کہو ان سے کوئی ملنے آیا ہے۔" ملازم ایک نظر

جاذب کو دیکھ کر واپس پلٹ گیا تو جاذب اس سے پوچھنے لگا۔

"آپ کی تعریف؟"

"خاکسار کو آصف جاہ کہتے ہیں۔" وہ کہہ کر رکا نہیں فوراً اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

❀......❀......❀......❀
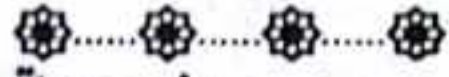
یہ نہیں تھا کہ صبا جاذب سے ملنا نہیں چاہتی تھی۔ بس اس وقت اس کی آمد سے وہ سخت مکدر ہوئی تھی کیونکہ ابھی اسے نشا کو لے کر کہیں باہر جانا تھا اس نے نشا کو بھی فون کر دیا تھا کہ وہ تیار رہے۔ اس لیے اسے جاذب کا آنا اچھا نہیں لگا اور اس نے جتا بھی دیا۔

"تمہیں آنے سے پہلے فون کرنا چاہیے تھا۔" جاذب نے ایک دم اسے دیکھا پھر خجالت بھری ذرا سی ہنسی کے ساتھ بولا۔

"سوری...... مجھے واقعی یاد نہیں رہا کہ بڑے لوگوں سے پہلے ٹائم لیا جاتا ہے۔"

"آئندہ یاد رکھنا۔" اس نے ٹوکنے کی بجائے باور کرا دیا۔

"اگر میری وجہ سے تمہارا کوئی کام رکا ہے تو میں چلا جاتا ہوں۔" وہ جز بز ہوا اور ہرٹ بھی۔

"نہیں خیر اب آ ہی گئے ہو تو بیٹھو۔ کیا پیو گے چائے' کافی یا سوفٹ ڈرنک۔" سراسر لیا دیا انداز تھا۔

"نہیں کچھ نہیں۔ بس تم سے ملنا تھا۔ امی بہت کہتی ہیں کہ مجھے تمہارے پاس جانا چاہیے۔"

"تو ابھی تک امی کے اشاروں پر چلتے ہو۔ تمہاری اپنی کوئی سوچ نہیں۔" صبا نے سوچا ہی نہیں کہہ بھی دیا تو وہ خاموش ہو رہا۔ تب جیسے صبا کو اس پر ترس آ گیا تھا۔ ہنستے ہوئے کہنے لگی۔

"بڑے ہو جاؤ جاذب سلیم احمد...... مانا کہ فرماں برداری اچھی بات ہے مگر ایک حد تک۔"

"تم ذرا نہیں بدلیں۔" جاذب نے بغور اسے دیکھا۔

"مجھے بدلنا ہی نہیں تھا۔ خیر یہ بتاؤ نگار کی شادی کا کیا ہوا۔ مامی جی کیوں آگے بڑھائے جا رہی ہیں۔" اس نے موضوع بدلنے کی غرض سے پوچھا۔

"امی نہیں آگے بڑھا رہیں نگار نہیں مان رہی۔" جاذب نے بتایا تو وہ کچھ نہیں اور متعجب بھی ہوئی تھی۔

"کیا مطلب نگار کی شادی طے تھی ناں پھر وہ کیوں نہیں مان رہی۔"

"پتا نہیں۔" جاذب کا دامن بچانا اس نے صاف محسوس کیا تھا لیکن اس نے ٹوکا نہیں ملازمہ کو چائے وغیرہ لانے کا اشارہ کیا پھر بلا ارادہ وہ بولی۔

"سب اپنی مرضی کے مالک ہیں۔"

"تم نے بھی تو اپنی مرضی کر لی کیا نتیجہ نکلا۔" جاذب اب کسی طرح خود کو نہیں روک سکا۔ "اپنے باپ کی عمر کے شخص سے شادی کرتے ہوئے ایک پل کو تو سوچا ہوتا کہ وہ بہت دور تک تمہارے ساتھ نہیں چل سکے گا۔"

"کوئی اپنی عمر لکھوا کر نہیں آیا جاذب۔" وہ اندر سے واقعی تلملا گئی تھی۔ "خان صاحب سے پہلے میں مر جاتی تب تم کیا کہتے......"

"کہ انہوں نے تمہیں مار ڈالا۔" وہ فوراً بولا تھا۔

"ہاں...... صبا کے ہونٹوں سے تاسف بھری آواز نکلی پھر اسی انداز میں نفی میں سر ہلانے لگی۔ تو جاذب پوچھنے لگا۔

"آئندہ تمہارا کیا ارادہ ہے؟ میرا مطلب ہے اپنے لیے کچھ سوچا ہوگا تم نے؟" جاذب کی بات قبل از وقت تھی جب ہی صبا کو خود پر قابو پانے میں وقت ہوئی اور محض اس پر جتانے کی غرض سے بولی۔

"ہاں بہت کچھ...... بہت کچھ سوچ لیا ہے میں نے۔"

"مثلاً؟" وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"یہ میں تمہیں کیوں بتاؤں۔" اس نے ہلکے انداز میں باور کرایا کہ تم ہو کون۔ جاذب نے ذرا سے کندھے اچکائے پھر پوچھنے لگا۔

"یہ آصف جاہ کون ہے؟"

"پتا نہیں۔" وہ جواب نہیں دینا چاہتی تھی۔ اس لیے لاعلمی ظاہر کر کے ملازمہ کو دیکھنے لگی جو چائے کے ساتھ دیگر لوازمات ٹیبل پر رکھ رہی تھی۔ جاذب ملازمہ کے جانے کا انتظار کرنے لگا اور جیسے ہی وہ گئی کہنے لگا۔

"تمہارے گھر میں رہتا ہے اور تمہیں پتا نہیں۔"

''کون؟'' صبا کا دھیان کہیں اور منتقل ہو گیا تھا۔ جبھی کچھ نہیں تھی۔

''میں آصف جاہ کی بات کر رہا ہوں۔''

''اوہ......'' اس نے ہونٹ سکیڑے پھر چبا چبا کر بولی۔

''دیکھو جاذب میرے گھر میں کون رہتا ہے کون نہیں تمہیں اس سے غرض نہیں ہونی چاہئے۔''

''سوری۔'' میں نے یونہی پوچھ لیا تھا۔ وہ برا مانا۔

''چائے لو......'' وہ چائے کی طرف اشارہ کر کے نشا کو کال ملانے لگی۔ پھر کال ریسیو ہوتے ہی کہنے لگی۔

''سوری نشا میں آج نہیں آ سکوں گی۔ کل پر رکھو یا پھر کسی دن۔''

''ہاں ابھی کچھ مہمان آ گئے ہیں۔''

''ٹھیک ہے...... امی کو سلام کہنا۔'' اس نے سیل فون رکھ کر چائے کا کپ اٹھایا اور ایک سپ لے کر جاذب کو دیکھا وہ جانے کس سوچ میں گم تھا یا بار بار اپنی نفی ہونے پر خاموش ہو گیا تھا۔

''چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے جاذب۔'' اس نے ٹوکنے کے بجائے احساس دلایا تو جاذب نے چونکنے کے ساتھ کپ اٹھا لیا۔

''کچھ اور بھی لو ناں۔''

''نہیں بس......'' وہ چائے پینے لگا۔ اس کے بعد اپنی جیب پر ہاتھ رکھ کر اس سے پوچھا۔

''سگریٹ پینے کی اجازت ہے؟'' وہ قصداً ہنس پڑی۔

''شیور۔'' وہ سگریٹ سلگا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''چلتا ہوں۔''

''اچھی بات ہے گھر میں سب کو سلام کہنا۔'' اس نے روکنے کا تکلف تک نہیں کیا اور اسے خدا حافظ کہہ کر بنٹی کو پکارتے ہوئے اس کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

❁......❁......❁......❁
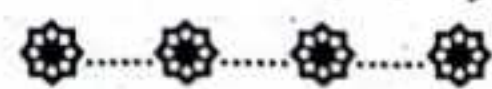
ثریا کے پاس آ کر بھی اسے چین نہیں تھا اور یہاں یہ مسئلہ تھا کہ اسے ثریا پر اپنی پریشانی ظاہر بھی نہیں کرنی تھی۔ چپکے چپکے روتی اور راتوں کو اٹھ کر ٹیرس پر جا کھڑی ہوتی اور تاریکی میں ڈوبے سمندر میں اس کی نظریں جانے کہاں تک سفر کرتیں۔ پھر آسمان چاند ستارے سب سے شکوہ کناں ہوتی کہ کوئی تو اس کا پتا بتائے جو اس کے دل میں عشق کی آگ لگا گیا تھا۔ جس میں سلگتے ہوئے اسے لگتا کسی دن وہ راکھ ہو جائے گی۔ اتنا تو وہ اس وقت بھی نہیں تڑپی تھی جب اسے پتا چلا تھا کہ اس کی شادی احسن سے نہیں محسن کے ساتھ ہو رہی ہے۔ اب تو ہر پل جسم سے جاں نکلتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ کسی بات کسی کام میں دل نہیں لگتا تھا۔ بھوک پیاس تک کا ہوش نہیں تھا۔ ثریا کی خاطر اس کے ساتھ کھانے پر بیٹھ تو جاتی لیکن پانی کے بغیر حلق سے نوالہ اترتا ہی نہیں تھا اور خوراک کی کمی نے ظاہر ہے اسے کمزور کر دیا تھا چہرے پر الگ زردیاں کھنڈنے لگی تھیں۔ ثریا اسے ٹوکتی پھر تشویش بھی ظاہر کرتی آخر میں یہ بھی کہتی کہ اس کے سسرال والے کیا کہیں گے کہ ماں نے کھانے پینے کو نہیں دیا۔ پھر پوچھتی۔

''محسن کے لیے اداس ہو۔ اس کا فون آتا ہے۔ وہ تمہیں اپنے ساتھ کیوں نہیں لے گیا۔'' وہ جواب دیتے دیتے تنگ پڑنے لگتی۔ اس وقت ثریا ایسے ہی سوال و جواب کر رہی تھی کہ اس کا موبائل فون بجنے لگا۔ وہ شکر کرتے ہوئے ثریا کے پاس سے اٹھ گئی۔

''محسن کا فون ہے۔'' وہ ثریا پر ظاہر کرتے ہوئے کمرے سے نکل کر ٹیرس پر آ بیٹھی تب کال ریسیو کرتے ہی پوچھنے لگی۔

''مونی کا پتا چلا احسن بھائی۔''

''مجھے تو تمہارا ابھی پتا نہیں چل رہا۔'' احسن شاکی ہو رہے تھے۔

''کیا مطلب؟''

''تم سب نے مجھے اکیلا چھوڑ دیا ہے۔ امی مونی تم۔ مجھے بتاؤ میں کہاں جاؤں۔'' احسن نے کہا تو وہ ٹھہر کر بولی۔

''آپ کو کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کے ساتھ تانیہ ہے تایا ابو ہیں۔ خیر آپ مجھے مونی کا بتائیں۔''

''کیا بتاؤں۔ اپنی سی ساری کوشش کر چکا ہوں۔ اشتہار بھی لگوا دیا۔ پولیس میں بھی رپورٹ درج کروا دی اور بتاؤ کیا کروں۔ جانے کس بات کا بدلہ لیا ہے مونی نے مجھ سے۔ جیتے جی مار ڈالا مجھے۔'' وہ اونچا پورا مرد رونے لگا تھا۔

"احسن بھائی۔" وہ پریشان ہوگئی۔

"کاش امی کی طرح وہ بھی مرجاتا تو صبر کرلیتے ہم۔"

"خدا کے لیے احسن بھائی۔" اس کے آنسو روانی سے جھلک گئے۔ سیل فون آف کرکے گھٹنوں پر پیشانی رکھ لی اور کتنی دیر بے آواز آنسوؤں سے روتی رہی۔ پھر پہلے صبا کو کال کرکے آنے کو کہا اس کے بعد منہ ہاتھ دھوکر زبردستی خود کو کچن میں مصروف کرلیا۔ ثریا منع کرتی رہ گئی لیکن اس نے ایک نہیں سنی کھانا تیار کرلیا اور صبا کے آنے پر لگا بھی دیا۔

صبا اسے دیکھتے ہی سمجھ گئی تھی کہ وہ روتی رہی ہے لیکن ثریا کے سامنے ٹوکا نہیں کھانے کے دوران ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی۔ پھر جب ثریا ظہر کی نماز میں مصروف ہوئی تب اس نے نشا کو گھیرا۔

"ہاں اب بتاؤ کیا معاملہ ہے۔ محسن کے لیے پریشان ہورہی ہو۔ یہ تو بتاؤ محسن گھر سے گیا کیوں۔ کوئی جھگڑا ہوا تھا۔ تم سے یا گھر میں کسی سے۔"

"نہیں اس وقت تو ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ ہاں تائی امی سے شاید کوئی ایسی بات ہوئی ہوگی جب ہی تو کندن بتارہی تھی وہ بہت ڈسٹرب تھا۔" اس نے سوچتے ہوئے بتایا تو صبا پوچھنے لگی۔

"یہ کندن کون ہے؟"

"پتا نہیں۔ میرا مطلب ہے وہ۔" نشا نے وہ ساری باتیں جو کندن نے اپنے اور محسن کے بارے میں کی تھیں سب دہرا دیں تو صبا جو بہت توجہ سے سن رہی تھی پوچھنے لگی۔

"تم نے پھر اس لڑکی سے رابطہ کیا؟"

"نہیں۔"

"نمبر ہے تمہارے پاس اس کا۔" صبا اس وقت کسی بحث میں نہیں پڑنا چاہتی تھی موٹی کے سیل فون میں ہوگا۔

"لے کر آؤ۔" صبا کا ذہن اس گتھی کے تانے بانے بننے لگا تھا۔ وہ اٹھ کر محسن کا سیل فون اٹھا لائی اور اسے تھما کر بیٹھنے لگی تھی کہ صبا نے روک دیا۔

"بیٹھو مت اپنا حلیہ ٹھیک کرکے آؤ۔" اس نے خود کو دیکھا۔ دو دن سے یہی کپڑے پہنے ہوئی تھی۔ اور کچن میں کام کرنے کی وجہ سے شاید لہسن پیاز کی مہک صبا کو ناگوار گزر رہی ہوگی۔ اسی خیال سے وہ واپس پلٹ آئی اور باقاعدہ شاور لے کر نکلی تو صبا ثریا سے کہہ رہی تھی۔

"امی ہم دونوں ذرا باہر جارہی ہیں۔"

"بیٹا اسے ڈاکٹر کو دکھاؤ۔ اتنی کمزور ہورہی ہے۔" ثریا نے اسے دیکھ کر کہا تو وہ بالوں میں برش کرتے ہوئے بولی۔

"وہم ہوگیا ہے آپ کو تو۔"

"کوئی وہم نہیں چلو تمہارا چیک اپ کرادوں گی۔" صبا نے کہنے کے ساتھ آنکھوں سے اسے خاموش رہنے کا اشارہ بھی کیا پھر ثریا سے پوچھنے لگی۔

"امی آپ کو کچھ منگوانا ہے؟"

"نہیں بیٹا۔ بس تم دونوں زیادہ دیر مت کرنا۔ جلدی آجانا۔"

"اچھی بات ہے۔ ویسے اگر دیر ہوجائے تو پریشان مت ہوئیے گا۔ چلو نشا۔" صبا نے اس کے ہاتھ سے برش لے کر ڈریسنگ ٹیبل پر پھینکا پھر ثریا کو خدا حافظ کہہ کر دونوں باہر نکل آئیں۔

"اتنی سڑی گرمی میں باہر جانے کی کیا تک ہے۔ ہم وہیں گھر بیٹھ کر باتیں کرسکتی تھیں۔" نشا نے دھوپ کی شدت محسوس کرتے ہوئے کہا تو صبا نے بلیک شیشے چڑھا کر اے سی آن کردیا۔ پھر خود ہی کہنے لگی۔

"میری کندن سے بات ہوئی ہے ابھی ہم اسی کے پاس جارہے ہیں۔"

"کندن نے موٹی کے بارے میں کچھ بتایا۔" وہ یک دم بے قرار ہوگئی۔

"نہیں فون پر زیادہ بات نہیں ہوسکتی تھی۔ اب ہم جا ہی رہے ہیں تو سب پتا چل جائے گا۔" صبا نے گردن موڑ کر اسے دیکھا پھر کہنے لگی۔

"تم پلیز خود پر قابو رکھو۔ اگر نہیں رکھ سکتیں تو کندن کے سامنے خاموش ہی رہنا میں بات کرلوں گی اس سے۔"

"ہاں تم ہی بات کرنا۔" وہ فوراً مان گئی کیونکہ جانتی تھی کہ اسے خود پر اختیار نہیں رہتا۔

"اور رونا دھونا بھی نہیں۔" صبا نے پھر کہا تو وہ روٹھی نظر اس پر

ڈال کر منہ موڑ کر بیٹھ گئی۔ صبا نے کنکھیوں سے اسے دیکھا لیکن بولی کچھ نہیں اور جب مطلوبہ ایڈریس پر گاڑی رکی تب بھی اسی قدر کہا۔

"چلو اترو۔" وہ خاموشی سے اتر گئی۔

صبا نے بیل کا بٹن پش کیا اور ملازم کی آمد پر کندن کا پوچھا تو اس نے پورا گیٹ کھول دیا۔ صبا اس کا ہاتھ پکڑ کر ملازم کی تقلید میں ڈرائنگ روم میں داخل ہو کر رک گئی۔

"آپ بیٹھیں۔ کندن بی بی آتی ہیں۔" ملازم کہہ کر چلا گیا تو صبا اسی طرح نشا کا ہاتھ تھامے ہوئے بیٹھ گئی اور ابھی اس نے کمرے پر طائرانہ نظر ڈالی تھی کہ کندن آ گئی۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام۔ میں صبا ہوں اور یہ نشا۔" صبا نے فوراً تعارف بھی کرا ڈالا تو کندن ہنس کر بولی۔

"آپ نہ بھی بتائیں تب بھی میں پہچان لیتی۔ آئی مین نشا کو۔"

"کیسے..... کیا آپ پہلے اس سے ملی ہیں؟" صبا اب کسی بات کو سرسری نہیں لینا چاہتی تھی۔

"نہیں محسن نے اتنا ذکر کیا اس کا کہ....." کندن نے کندھے اچکا کر جیسے بات پوری کی۔

"محسن آپ کے پاس کیسے آیا تھا؟" صبا کے ذہن میں بے شمار سوال تھے۔

"وہ میرے پاس نہیں آیا تھا میں اسے لے کر آئی تھی۔ ٹھہریں میں آپ کو شروع سے بتاتی ہوں....." اور کندن اس وقت سے شروع ہوئی جب محسن سڑک کے بیچوں بیچ کھڑا تھا۔ ٹوٹا ہوا مایوس تنہا پھر اس نے ہر بات کہہ دی۔ وہ ساری باتیں جو محسن نے کی تھیں۔ نشا اور احسن کی محبت جس سے آگاہی نے ہی اسے توڑ دیا تھا۔

"نشا اور احسن۔" صبا سناٹے میں آ گئی اور نشا کے تو بدن سے جیسے سارا لہو نچڑ گیا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ اس منظر سے غائب ہو جائے۔ ساتھ بیٹھی صبا اس کی طرف متوجہ نہیں تھی لیکن اسے ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے اس کا روم روم پوچھ رہا ہو۔ کیا کیا چھپاؤ گی۔

"وہ نشا کے عشق میں پاگل ہو رہا تھا۔" کندن کہے جا رہی تھی۔ "اور وہ اس سے شرمسار بھی تھا۔ کہہ رہا تھا اسے نشا کا سامنا کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ کیا سوچتی ہوگی وہ کہ اس کے ماں باپ نے اسے پالنے کا خراج وصول کر لیا اپنے بیمار بیٹے کے ساتھ بیاہ کر۔"

"ہاں میں ایسا سوچتی تھی لیکن....." ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے۔ نشا ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ صبا نے اسے دیکھا ضرور لیکن ٹوکا نہیں۔

"اس کا رشتوں پر سے اعتبار اٹھ گیا تھا۔" کندن ایک نظر روتی ہوئی نشا پر ڈال کر صبا کو بتانے لگی۔ "زیادہ اپنے ماں باپ سے شاکی تھا اور شاید اپنی ماں سے الجھ کر ہی وہ گھر سے نکلا تھا۔"

"تائی امی۔" نشا ایک دم ہاتھ نیچے گرا کر کندن کو دیکھنے لگی تو وہ ذرا سا اثبات میں سر ہلا کر کہنے لگی۔

"ایسا ہی تھا مجھے اس کی باتوں سے اندازہ ہو گیا تھا۔ بہر حال وہ بہت نائس لڑکا ہے اور بہت حساس۔ نشا وہ تم سے بہت محبت کرتا ہے اور دیکھنا وہ زیادہ دن تم سے دور نہیں رہ سکے گا۔"

"دن..... یہاں تو صدیاں بیت گئیں۔" نشا کی آواز آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی تھی صبا نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

"میں نے محسن سے یہی کہا تھا کہ ممکن ہی نہیں کہ جس آگ میں تم جلتے ہو اس سے نشا محفوظ ہو۔ وہ بھی ایسے ہی تڑپ رہا تھا کاش میں لکھاری ہوتی تو تم دونوں کی داستان رقم کرتی۔" کندن کی آخری بات پر نشا ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔

"چلو صبا۔"

"ارے میں نے تم لوگوں کی خاطر تواضع تو کی نہیں۔" کندن ایک دم احساس کر کے شرمندہ سی ہو گئی۔ "ایک منٹ میں ابھی۔"

"تھینکس۔ ہم نے پہلے ہی آپ کا بہت وقت لے لیا۔" صبا اپنے ہاتھ پر نشا کی مضبوط ہوتی گرفت کا اشارہ سمجھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں آپ سے پھر بھی ملنا چاہوں گی بلکہ بار بار۔" کندن

نے دوستی کا ہاتھ بڑھایا تو صبا نے مسکرا کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

❀....❀....❀....❀

ڈھلتی دوپہر کے منظر میں عجیب سی کشش تھی۔ صبا کی نظریں گلاس وال سے پرے کسی نادیدہ نقطے پر جمی تھیں۔ کندن کے گھر سے نکلتے ہی وہ بالکل خاموش ہوگئی تھی۔ تمام راستہ اسی خاموشی کی نذر ہوگیا اور ابھی بھی وہ ہونٹ سیے بیٹھی تھی۔ نشا جانتی تھی وہ کیا سوچ رہی ہے اور اسے ٹوکنے میں اسے اپنی ساری ہمتیں یکجا کرنی پڑی تھیں۔

"صبا کچھ بولو ناں۔"

"دیکھو۔ اس وقت سورج کی کرنوں میں کیا سنہرا پن اتر آیا ہے۔" صبا نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا تو اس نے زچ ہو کر صبا کا ہاتھ کھینچا۔

"صبا پلیز۔"

"کیا پلیز۔" صبا ایک دم اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔ جارحانہ انداز تھا۔ "کیا سمجھتی ہو تم مجھے۔ میں نے اول روز تم پر اپنا آپ عیاں کردیا تھا پھر تم کیوں ابھی تک بکل مارے بیٹھی ہو۔ کیوں نہیں بتایا مجھے کہ تم اور احسن اور یہ کہ تمہارے ساتھ زبردستی ہوئی بولو۔ ایسے ہی کسی دن کوئی اور انکشاف ہوگا مجھ پر وہ بھی کسی اور کے ذریعے سے۔"

"بس کرو صبا۔" وہ تنگ پڑنے لگی تو صبا نے ناراضگی سے منہ موڑ لیا۔ وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر دھیرے دھیرے بولنا شروع ہوئی تو اپنی کتاب زندگی کا ایک ایک ورق اس کے سامنے کھول دیا۔ جس پر اب اسے کوئی ملال نہیں تھا بلکہ مثبت انداز میں کہہ رہی تھی۔

"اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا صبا کہ مجھے اس گھر میں محبتیں شفقتیں سب ملی ہیں۔ صرف ضرورت ہی نہیں خواہشات بھی پوری کی گئی ہیں۔ پھر اگر تایا ابو اور تائی امی نے یہ سوچ کر محسن سے میری شادی کی کہ مجھ سے بہتر اس کا خیال کوئی نہیں کرسکے گا تو انہوں نے غلط نہیں سوچا۔ نہ ہی ان کا فیصلہ غلط تھا۔ وقتی طور پر مجھے تکلیف ضرور ہوئی اور اس کا بدلہ میں نے محسن سے بھی لیا جس پر اب مجھے زیادہ تکلیف ہوتی ہے کیونکہ وہ تو ہمیشہ سے بے ضرر تھا۔ بہرحال وہ میری نادانی کی غلطیاں تھیں اللہ مجھے معاف کرے اور مجھے میرے مونی سے ملادے۔" وہ خاموش ہوگئی تب بھی صبا چپ چاپ اسے دیکھنے لگی تو اچانک یاد آنے پر وہ کہنے لگی۔

"اور ہاں میں امی کے پاس اس لیے آگئی ہوں کہ میری وجہ سے تانیہ بھابی کی لائف ڈسٹرب ہورہی تھی۔"

"وہ کیسے؟" صبا نے اس تمام عرصے میں پہلی بار لب کھولے تھے۔

"ایسے کہ ان کی نئی شادی ہے اور آئے دن انہیں یہ سب دیکھنا پڑ رہا ہے۔ مونی ہاسپٹل ایڈمٹ ہوتا تو ظاہر ہے احسن بھائی کی ساری توجہ اس کی طرف منتقل ہوجاتی تھی۔ ایسے میں تانیہ بھابی گو کہ کہتی کچھ نہیں تھیں لیکن محسوس تو کرتی ہوں گی پھر اب تائی امی کا انتقال اور مونی کا چلے جانا۔ پتا ہے اس روز احسن بھائی کہہ رہے تھے کہ اگر امی کی طرح مونی بھی مرجاتا تو وہ صبر کرلیتے۔ پھر وہ رو رہے تھے۔ اس سے تم اندازہ کرلو کہ وہ کتنے ڈسٹرب ہیں۔ مجھ دیکھ کر زیادہ پریشان ہوتے تھے۔ کھانے پر زبردستی اپنے ساتھ بٹھاتے۔ یوں غیر ارادی طور پر تانیہ بھابی نظر انداز ہوجاتی تھیں۔ تب میں نے محسوس کیا کہ انہیں یہ سب اچھا نہیں لگتا۔ یوں میں امی کے پاس چلی آئی میں نے ٹھیک کیا ناں۔" آخر میں اس نے تصدیق چاہی تو صبا نے یونہی اثبات میں سر ہلادیا۔ پھر گہری سانس کھینچ کر تلخی سے بولی۔

"بہرحال یہ جو کچھ ہمارے ساتھ ہوا ہے اس کا ذمہ دار ہمارا باپ ہے۔"

"باپ....." نشا کو اس کا باپ کہنا ہضم نہیں ہوا تھا۔

"ہاں باپ۔ صرف میں اور تم ہی نہیں مریم جوان کے ساتھ رہتی ہے وہ بھی ان کی توجہ سے محروم ہے۔ اس شخص کو پتا ہی نہیں کہ اس کی بیٹی کہاں ہے کس کے ساتھ ہے۔ یہ تو شکر ہے کہ ہماری رگوں میں ہماری ماؤں کا خون جوش مارتا ہے ورنہ ہم بھی باپ کے راستے پر چل نکلتیں۔"

"اچھا بس کرو۔" نشا نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید کچھ کہنے سے روکا تو وہ سر جھٹک کر بولی۔

"یہ تمہارا ظرف ہے نشا کہ اتنا کچھ ہونے کے بعد بھی تم ہر شخص کو بری ذمہ قرار دے رہی ہو۔ حیرت ہورہی ہے مجھے تمہیں

امی کی گود نہیں ملی پھر بھی ان ہی کی طرح سوچتی ہو۔"

"امی...... ارے امی نے کہا بھی تھا جلدی آنا۔ چلو باقی باتیں گھر چل کر۔" نشا اٹھ کھڑی ہوئی تو اسے بھی اٹھنا پڑا لیکن مزید باتوں کے لیے وہ رکی نہیں نشا کو ڈراپ کر کے گھر آ گئی کیونکہ نہ سمجھ میں آنے والی کیفیت میں گھر گئی تھی۔ دل پر بوجھ بھی محسوس ہو رہا تھا۔ لیونگ روم میں ہی بیٹھ کر وہ پیروں کو سینڈل کی قید سے آزاد کر رہی تھی کہ بنٹی کے کمرے سے آتی باتوں کی آواز سن کر چونک گئی۔ اسے پہلا خیال خان جمشید کا آیا تو اس نے پھر کچھ سوچا ہی نہیں فوراً اٹھی اور تیزی سے جا کر بنٹی کے کمرے کا دروازہ کھولا تو آگے آصف جاہ کو دیکھ کر وہ کچھ بول نہیں سکی۔

"آداب......" آصف جاہ نے ہاتھ سے آداب کا اشارہ کیا وہ اس پر سے نظریں ہٹا کر بنٹی سے مخاطب ہوئی۔

"کیا ہو رہا ہے بنٹی۔ کھانا کھا لیا تھا تم نے؟"

"جی......" بنٹی کے مختصر جواب پر وہ یونہی سر ہلا کر واپس پلٹ آئی اور اب اپنے کمرے میں جا رہی تھی کہ عقب سے آصف جاہ نے پکارا۔

"ایکسکیوزمی میم۔" اس نے رک کر سوالیہ نظروں سے دیکھا تو وہ پوچھنے لگا۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟"

"کیوں مجھے کیا ہوا ہے؟" اس کی پیشانی پر ہلکی سی لکیر کھچ گئی۔

"یہی میں جاننا چاہ رہا ہوں آپ بہت ڈل لگ رہی ہیں اور اپ سیٹ بھی۔" وہ ٹھیک کہہ رہا تھا صبا کو حیرت ہوئی کہ اس نے ایک نظر میں کیسے اسے نوٹس کر لیا لیکن حیرت چھپانے کو ذرا سا ہنس کر اسی قدر بولی۔

"اچھا......!"

"اینی پرابلم۔" وہ اب بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

"نو...... نو پرابلم......" وہ کہہ کر جانے لگی تھی کہ آصف جاہ فوراً بولا۔

"مسز صبا۔ آپ کتنی بھی کوشش کر لیں خود کو چھپا نہیں سکتیں۔ آپ کی آنکھیں سب کہہ دیتی ہیں۔" اس کے دل پر تھاپ پڑی تھی فوراً پلٹ کر اپنے کمرے میں بند ہو گئی۔

❀......❀......❀......❀

راحیلہ خاتون نے کھانا کھاتے ہوئے پہلے انکھیوں سے سب کا جائزہ لیا پھر چاول کی ڈش اٹھاتے ہوئے بظاہر نارمل انداز میں بولی۔

"میں چاہ رہی ہوں سلیم احمد کہ نگار اور جاذب کی شادی ایک ساتھ ہو جائے۔"

"ہیں......!" سلیم احمد نے کھانے سے ہاتھ روک کر انہیں پھر نگار اور جاذب کو دیکھا نگار بدستور کھانے میں مصروف رہی جب کہ جاذب نے انہی کی طرح ہاتھ روک لیا تھا۔

"ڈبل خرچے سے بھی بچ جائیں گے۔" راحیلہ خاتون اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگیں۔

"جاذب کی بھی اب عمر ہو گئی ہے شادی کی۔ اچھا ہے دونوں کی ساتھ ہو جائے...... کیوں؟"

"بالکل......" سلیم احمد نے ان کے دیکھنے پر فوراً تائید کی پھر کہنے لگے۔ "بس تو فٹافٹ لڑکی ڈھونڈو جاذب کے لیے۔"

"ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں ہے اپنی صبا ہے ناں۔" راحیلہ خاتون نے اتنے استحقاق سے صبا کا نام لیا کہ سلیم احمد اور جاذب دنگ رہ گئے۔

"تمہارا مطلب ہے صبا میری بھانجی۔" سلیم احمد نے اس خیال سے پوچھا کہ شاید ان کی نظر میں کوئی اور صبا ہو۔

"ہاں میں آپ کی بھانجی صبا ہی کی بات کر رہی ہوں۔" راحیلہ خاتون نے پہلے اپنے مخصوص تیوروں سے انہیں دیکھا جس سے وہ خائف ہو جاتے تھے پھر پینترا بدل کر کہنے لگیں۔

"مجھے تو اس پر بہت ترس آتا ہے ابھی بے چاری کی عمر ہی کیا ہے اب اگر ہم خیال نہیں کریں گے تو کون کرے گا۔"

"ہاں لیکن جاذب سے تو پوچھ لو۔" سلیم احمد نے گم صم بیٹھے جاذب کو دیکھ کر کہا تو وہ چمک کر بولیں۔

"اس سے کیا پوچھوں یہ کیا میری بات سے انکار کرے گا۔"

"کرتا تو نہیں ہے لیکن۔"

"جب نہیں کرتا تو پھر لیکن کا کیا سوال۔" راحیلہ خاتون سر جھٹک کر اٹھ کھڑی ہوئیں تو سلیم احمد ان کی

پلیٹ دیکھ کر بولے۔

"بیگم کھانا تو کھالو۔"

"بس کھالیا۔" وہ کہہ کر ڈائننگ روم سے نکل کر لاؤنج میں آ بیٹھیں اور جب جاذب کو کمرے میں جاتے دیکھا تو اس کے پیچھے چلی آئیں۔

"جازی میں نے غلط سوچا کیا؟" وہ ایسا انداز اختیار کرتیں کہ مقابل انکار کر ہی نہ سکے اور جاذب پر تو وہ شروع سے حاوی تھیں۔

"نہیں امی آپ نے غلط نہیں سوچا لیکن شاید صبا نہ مانے۔" جاذب صبا کا رویہ سوچ کر بولا تھا۔

"کیوں صبا کیوں نہیں مانے گی۔ ارے آج کل کنواری لڑکیوں کو رشتے نہیں ملتے۔ وہ تو بیوہ ہے اور ساری عمر یونہی تو نہیں بیٹھی رہے گی۔" راحیلہ خاتون اپنے حساب سے سوچ رہی تھیں۔

"ہوں......" جاذب کا انداز سوچتا ہوا تھا۔

"تمہیں تو اعتراض نہیں ہے ناں؟" راحیلہ خاتون اسے سوچنے کا موقع نہیں دینا چاہتی تھیں فوراً پوچھا تو وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔

"میں تمہاری مرضی پوچھ رہی ہوں۔ تمہیں تو صبا سے شادی پر اعتراض نہیں ہے؟" راحیلہ خاتون اس کی مرضی بھی تحکم سے پوچھ رہی تھیں۔

"نہیں۔ جیسا آپ کو مناسب لگے۔" یہی بات اگر وہ پہلے کہتیں تو وہ کتنا خوش ہوتا اب بجھا بجھا سا انداز تھا۔ راحیلہ خاتون محسوس کرنے کے باوجود خوش ہوگئیں۔

"میں ابھی تمہارے ابو کے ساتھ جاتی ہوں ثریا کے پاس۔" انہوں نے دیر نہیں کی نہ اسے مزید کچھ بولنے کا موقع دیا اور اسی وقت سلیم احمد کے ساتھ نکل پڑیں۔

ثریا بھاوج کے ساتھ بھائی کو دیکھ کر خوش ہوگئی۔ ورنہ تو راحیلہ خاتون اکیلی یا کبھی نگار کو ساتھ لے آتیں۔ ثریا بھائی سے ملنے کو ترس گئی تھی۔ جب ہی اب ان کے سامنے بچھی جا رہی تھی۔

"بھائی آپ تو آتے ہی نہیں۔" ثریا نے محبت بھرا شکوہ کیا تو ان سے پہلے راحیلہ خاتون بول پڑیں۔

"یاد بہت کرتے ہیں تمہیں روز کہتے ہیں چلنا ہے پھر کوئی نہ کوئی کام آ جاتا ہے۔ تم ہی آ جایا کرو۔"

"جی آؤں گی۔" ثریا نے کہا تب ہی نشا نے آ کر سلام کیا تو راحیلہ خاتون اس کی طرف متوجہ ہوگئیں۔

"نشا آئی ہوئی ہے کتنی کمزور ہوگئی ہے خیر تو ہے۔"

"ہاں ساجدہ بھابی کا دل کو لگالیا ہے اس نے۔"

"ارے ہاں افسوس ہوا تمہاری ساس کا۔ تمہاری تو ماں جیسی تھیں۔ بس بیٹا اللہ کی مرضی۔" راحیلہ خاتون نشا کو دلاسا دے کر ثریا سے پوچھنے لگیں۔

"صبا کیسی ہے؟"

"ٹھیک ہے اللہ کا شکر ہے۔"

"بھئی اس وقت تو تمہارے بھائی صبا ہی کے لیے آئے ہیں۔" راحیلہ خاتون نے کمال ہوشیاری سے اپنا دامن بچا کر سلیم احمد کو آگے کر دیا تھا۔

"صبا تو اپنے گھر ہوتی ہے بھائی۔" ثریا بالکل نہیں سمجھی تھی۔

"لیکن ہم ڈائریکٹ اس سے تو بات نہیں کر سکتے۔ اس لیے تمہارے پاس آئے ہیں۔" راحیلہ خاتون نے کہتے ہوئے یوں ٹانگ پر ٹانگ جمائی جیسے احسان کرنے آئی ہوں۔

"کیا بات؟" ثریا سلیم احمد کو دیکھنے لگی تو انہوں نے پہلے کھنکھار کر گلا صاف کیا پھر کہنے لگے۔

"ہونا تو یہ پہلے چاہیے تھا لیکن شاید اللہ کو اسی طرح منظور تھا میں جاذب کے لیے سوالی بن کر آیا ہوں۔"

"بھا......" ثریا کے ہونٹ نیم وا ہو کر رہ گئے۔ وہ ماں تھی اس کے لیے یہ خوش آئند بات تھی کہ اس کی بیوہ بیٹی کے لیے کوئی سوال کر رہا تھا۔ راحیلہ خاتون اس کی اندرونی خوشی بھانپ کر کہنے لگیں۔

"تقدیر کا لکھا ہو کر رہتا ہے۔ اب دیکھو ناں صبا کی قسمت میں یہ سب لکھا تھا جب ہی اس وقت میری عقل پر پردے پڑ گئے تھے ورنہ آج جاذب اور صبا ہنسی خوشی رہ رہے ہوتے۔"

"بالکل......" سلیم احمد نے تائید کی تو ثریا چونک کر نشا سے بولی۔

"بیٹا چائے ٹھنڈا۔"

"جی امی...." نشا اٹھ کر چلی گئی تو سلیم احمد پوچھنے لگے۔

"تمہارا کیا خیال ہے ثریا؟"

"میرے لیے تو خوشی کی بات ہے بھائی لیکن میں اپنے طور پر تو کچھ نہیں کہہ سکتی۔ صبا سے بات کروں گی۔" ثریا نے کہا تو راحیلہ خاتون جتانے سے باز نہیں آئیں۔

"ہاں ظاہر ہے صبا اب کوئی لڑکی تو ہے نہیں جو تمہاری مرضی پر سر جھکا دے گی۔ اس سے ضرور پوچھو بلکہ سمجھانا بھی۔ پہاڑ جیسی زندگی ایسے نہیں گزرتی۔"

"جی...." ثریا خاموش ہوگئی تھی تب راحیلہ خاتون نے ادھر ادھر کی باتیں چھیڑ دیں۔

❁......❁......❁......❁

محسن کو گئے تین مہینے سے زیادہ ہوگئے تھے۔ زندگی مفلوج ہو کر رہ گئی تھی۔ جلال احمد کے لیے دہرا صدمہ تھا۔ نیک سمجھ دار شریک حیات کا داغ رفاقت دے جانا پھر جوان بیٹا جو انہیں انتظار کی صلیب پر چڑھا گیا تھا۔

"جانے کہاں ہوگا۔ کھاتا پیتا کہاں سے ہوگا۔ سوتا کہاں ہوگا۔ وہ تو اس قابل نہیں کہ محنت مزدوری کر کے پیٹ پال سکے۔" جلال احمد اس وقت باقاعدہ رونے لگے تھے۔

"ابو پلیز...." احسن انہیں ٹوک کر کہنے لگے۔ "مجھے اب مونی پر غصہ آتا ہے اسے کوئی حق نہیں تھا ہمیں اس طرح پریشان کرنے کا۔"

"وہ اپنے بس میں نہیں تھا۔"

"کیسے بس میں نہیں تھا۔ خدانخواستہ ذہنی معذور نہیں ہے وہ ہر بات سمجھتا ہے۔ ہماری طرف سے اگر اسے کوئی تکلیف پہنچی تھی تو بات کرتا ہم سے۔ ایسے کیسے چلا گیا۔" ہر طرف سے مایوسی کے بعد احسن کا غصہ بجا تھا۔

"تم نے نشاء سے پوچھا۔" جلال احمد کو ان کی بات سے اچانک کوئی سرا ملا تھا۔

"نشاء سے کیا پوچھوں؟" احسن انہیں دیکھنے لگے۔

"یہی کہ اس کے ساتھ تو جھگڑا نہیں ہوا تھا مونی کا۔"

"نہیں ایسا کچھ نہیں ہوا۔" احسن نے فوراً ان کی بات رد کی تو انہیں غصہ آ گیا۔

"تم اپنی طرف سے کیسے کہہ رہے ہو۔ پوچھو نشاء سے اور کیسے بے فکر ہو کر ماں کے گھر بیٹھ گئی ہے۔ لاؤ فون ملاؤ میں بات کرتا ہوں اس سے۔" جلال احمد کے غصے سے عاجز ہو کر احسن اٹھ کھڑے ہوئے۔

"نہیں آپ رہنے دیں میں ابھی تانیہ کے ساتھ ادھر ہی جا رہا ہوں پوچھ لوں گا اس سے۔"

"اور اسے ساتھ لے کر آنا۔ بہت دن رہ لیا اس نے ماں کے پاس۔" جلال احمد ناراضی سے بول رہے تھے۔ احسن مزید کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر کے ان کے کمرے سے نکل آئے اور جب تانیہ سے نشا کے پاس چلنے کو کہا تو وہ ٹال مٹول کرنے لگی تو انہیں پھر غصہ آ گیا۔

"کیا مسئلہ ہے ادھر ابو پریشان کر رہے ہیں ادھر تم۔"

"ابو.... ابو کیا کہہ رہے ہیں؟" تانیہ نے چونک کر پوچھا۔

"وہ کہہ رہے ہیں نشا کو لے آؤ۔" انہوں نے بتایا تو تانیہ کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"کیوں؟"

"اب تم سوال جواب شروع کر دو۔ یہ بتاؤ چلنا ہے کہ نہیں۔" انہوں نے جھنجھلا کر پوچھا۔

"چلیں...." تانیہ کچھ سوچ کر تیار ہوگئی تو انہوں نے چلتے ہوئے اسے سمجھا دیا تھا کہ نشا کی امی کو محسن کی گمشدگی کا علم نہیں ہے انہیں نشا نے یہی بتایا ہے کہ مونی باہر گیا ہوا ہے۔ بہرحال تانیہ کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا بلکہ یہ بات اسے اپنے حق میں غنیمت لگی کہ اس کی خاموشی کو احسن احتیاط سے معمور کر رہے تھے ثریا کچھ دیر ان کے پاس بیٹھ کر اٹھ گئی تب احسن نشا پر بگڑنے لگے۔

"یہ کیا روگ لگا لیا ہے تم نے خود کو۔ مرا نہیں ہے مونی آ جائے گا۔" نشا اپنے آنسو ضبط کرنے کی سعی میں کچھ بول نہیں سکی۔

"اور اب تم گھر چلو۔ یہاں آنٹی کو بھی پریشان کر رہی ہو۔ ادھر ابو الگ تمہارے لیے فکر مند ہیں۔"

"نہیں احسن بھائی جب تک محسن نہیں آ جاتے میں یہیں

رہوں گی۔'' اس نے کہا تو تانیہ بول پڑی۔

''ٹھیک تو ہے۔ یہاں آنٹی اس کے ساتھ ہیں گھر میں اکیلی یہ زیادہ پریشان ہوتی ہے۔''

''پریشانی مسئلے کا حل نہیں ہے نشا دعا کرو اللہ اسے گھر کا راستہ دکھائے۔ انتہائی نامعقول حرکت کی ہے مونی نے۔ ایک بار مل جائے دیکھنا میں اس کا کیا حشر کرتا ہوں۔'' احسن پھر غصے میں آکر محسن کو سخت سست کہنے لگے تو تانیہ ٹوک کر بولی۔

''بس کرو احسن۔ نشا کو برا لگ سکتا ہے آخر اس کا شوہر ہے۔''

''میں چائے لاتی ہوں۔'' نشا اٹھی تو احسن بھی کھڑے ہوگئے۔

''نہیں رہنے دو۔ یہ بتاؤ گھر کب آؤ گی؟''

''کہاناں جب محسن آئیں گے۔''

''ٹھیک ہے اب اسی کے ساتھ ہی آنا۔ چلو تانیہ۔'' احسن ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے تانیہ کے ساتھ نکل گئے۔

❀......❀......❀......❀

صبا نشا کی طرف سے بہت پریشان تھی۔ سمجھ نہیں آتا تھا وہ اس کے لیے کیا کرے۔ کہاں سے محسن کو ڈھونڈ لائے۔ جس کی دوری نشا کے لیے ایسا روگ بن گئی تھی جو دیمک کی طرح اس کے وجود کو کھوکھلا کررہی تھی۔ اس دن کے بعد وہ نشا سے نہیں ملی تھی۔ بس فون پر ثریا سے اس کی خیریت معلوم کرتی تو وہ بھی نشا کی صحت کی طرف سے تشویش ظاہر کرتی۔ اب وہ کیا بتاتی کہ اس کا علاج ڈاکٹر کے پاس نہیں ہے۔ ثریا کو تسلی دیتی پھر خود محسن کی تلاش میں نکل جاتی۔ مختلف شاہراہوں پر گاڑی دوڑاتے ہوئے وہ ایک ایک چہرے کو غور سے دیکھتی۔ اس وقت بھی وہ یہی کررہی تھی کہ دور سے جاذب کو کھڑے دیکھ کر اس نے گاڑی اس کے قریب لے جاکر روکی اور شیشہ گرا کر اسے متوجہ کرکے پوچھا۔

''ہیلو...... خیریت؟''

''ہاں وہ گاڑی میں کچھ پرابلم ہوگئی ہے۔'' جاذب نے بتایا وہ انگوٹھے سے اپنے برابر اشارا کرکے بولی۔

''چلو میں ڈراپ کردوں گی۔''

''تم کس طرف جارہی ہو؟'' جاذب نے گاڑی کا رخ مخالف سمت دیکھ کر پوچھا۔

''کسی طرف بھی جارہی ہوں۔ تمہیں چھوڑدوں گی چلو......'' اس نے سیدھی سادی بات کہی تھی۔ جاذب اپنے حساب سے معنی پہناتے ہوئے چکر کاٹ کر آن بیٹھا تو اس نے اسپیڈ سے گاڑی بڑھا کر راؤنڈ اباؤٹ سے اس کے گھر کے راستے پر ڈال دی پھر اسے دیکھ کر مسکرا کر بولی۔

''بس اتنی سی بات تھی۔'' جاذب نے مسکرانے پر ہی اکتفا کیا۔

''گھر میں سب ٹھیک ہے؟'' اس نے یونہی بات کرنے کی غرض سے پوچھا تو وہ اس کے تاثرات جاننے کے لیے اسے دیکھ کر بولا۔

''ہاں امی ابو گئے تھے پھوپو کے پاس۔''

''اچھا......'' اس نے نارمل انداز جاذب کو کھلنے لگا تھا۔

''تمہیں بتایا تو ہوگا پھوپو نے؟''

''نہیں میرا کافی دنوں سے امی کی طرف جانا نہیں ہوا۔'' اس کا سارا دھیان راستے پر تھا۔ کیونکہ عرصے بعد اس طرف آئی تھی۔ پھر فلائی اوور بننے سے کچھ کنفیوز بھی ہورہی تھی۔

''میں ٹھیک جارہی ہوں ناں جاذب؟'' اس نے اچانک پوچھا تو وہ چونک کر بولا۔

''ہاں بس مجھے یہیں اتاردو۔''

''یہاں کیوں؟'' اس نے کہہ کر غور سے کہا۔

جاذب مامی جی کے ڈر سے اسے ہمیشہ یہیں اتاردیا کرتا تھا۔ تب ذرا سا ہنس کر بولی۔

''ابھی بھی ڈرتے ہو۔''

''نہیں۔ آگے اصل میں روڈ بن رہی ہے۔ تمہیں لمبا ٹرن لینا پڑے گا۔'' جاذب نے خجالت چھپا کر کہا تو اس نے گاڑی روک دی۔

''تھینک یو...... اور ہاں میں تمہارے جواب کا انتظار کررہا ہوں۔'' وہ کہنے کے ساتھ ہی اتر کر تیز قدموں سے چل پڑا تھا۔

''میرے جواب کا انتظار......'' وہ کچھ سمجھی نہیں تو کندھے اچکا کر گاڑی ریورس کرنے لگی۔ پھر اچانک اس کا موڈ بن گیا تو

وہ گھر جانے کے بجائے ثریا کے پاس آ گئی۔

"یہاں کا راستہ بھول گئی ہو یا کوئی نئی مصروفیت ہاتھ آ گئی ہے۔" ثریا نے چھوٹتے ہی اس سے شکوہ کیا۔

"نئی مصروفیت کیا ہاتھ آنی ہے اماں جی۔ وہی پرانی روٹین چل رہی ہے۔" وہ کہنے کے ساتھ ادھر ادھر دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"نشاء کہاں ہے؟"

"نماز پڑھ رہی ہے۔"

"ماشاء اللہ نشاء میرے لیے بھی دعا کرنا۔" اس نے کمرے میں جھانک کر کہا تو ثریا اس کا ہاتھ کھینچ کر بولی۔

"کیا کر رہی ہو۔ آؤ ادھر بیٹھو۔" وہ ہنستے ہوئے ثریا کے ساتھ اس کے کمرے میں آ کر بیٹھ گئی۔

"سنا ہے مامی جی کے ساتھ ماموں جی بھی آئے تھے۔"

"تمہیں کس نے بتایا؟" ثریا نے چونک کر اسے دیکھا۔

"ابھی راستے میں جاذب ملا تھا اسی نے بتایا۔" وہ بے نیازی سے کہہ کر لیٹ گئی۔ ماں کا بستر بھی ماں کی آغوش کی طرح ہوتا ہے سکون ملتا ہے۔"

"اور کیا بتایا جاذب نے؟" ثریا نے اس کی بات ان سنی کر کے پوچھا۔

"اور تو کچھ نہیں ہاں جاتے جاتے کہہ رہا تھا میں تمہارے جواب کا انتظار کر رہا ہوں۔ ایسا کیوں کہا اس نے۔" آخری بات اس نے سوچتے انداز میں خود سے کہی تھی۔

"وہ تمہارے ماموں جی تمہارے لیے اس کا پیغام دے گئے ہیں۔" ثریا کو بات کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ "میرا مطلب ہے شادی کا۔"

"کیا......؟" وہ گردن موڑ کر ثریا کو دیکھنے لگی۔

"ہاں تو یہ کوئی انہونی بات تو نہیں ہے۔ پیغام تو آجائیں گے۔"

"بالکل آئیں گے۔ ابھی میری عمر ہی کیا ہے۔" وہ محظوظ ہو کر ہنسنے لگی۔ ہنستی چلی گئی۔ یہاں تک کہ اس کی آنکھوں سے پانی بہنے لگا تھا۔ ثریا کو اس کی دماغی حالت پر شبہ ہونے لگا اور وہ اندر آتی نشا کو دیکھ کر ہنسی کے درمیان بولی۔

"سنا تم نے نشا ماموں جی میرے لیے جاذب کا پیغام دے گئے ہیں...... ہاہاہا......"

"صبا......" ثریا کو غصہ آ گیا۔ وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔

"روئی تو میں اس وقت بھی نہیں تھی امی جب وہ کاٹھ کا الو ماموں جی کے سامنے اعتراف کرنے کے بجائے دم دبا کر بھاگ گیا تھا۔"

"بس بھول جاؤ پرانی باتیں۔" ثریا نے فوراً کہا تو وہ تاسف سے سر ہلا کر بولی۔

"آپ بھول سکتی ہیں۔ نشا بھول سکتی ہے میں نہیں۔" نشا اپنے نام پر پریشان ہو کر اسے دیکھا لیکن وہ چپ نہیں ہوئی۔

"ماموں جی بھی بھولے نہیں ہوں گے۔ ثریا میں نے تمہاری بھاوج سے ایک ہفتے کا کہہ دیا ہے تم اپنا انتظام کر لو۔ یہی کہا تھا نا انہوں نے۔ پھر اب کس منہ سے......"

"تو اس میں جاذب کا کیا قصور......" ثریا نے شاید راکھ میں دبی کسی چنگاری کو ہوا دینے کی سعی کی تھی۔

"ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔ اس بے چارے کا کیا قصور۔ سارے قصور تو میرے تھے۔" اس کے لہجے میں تلخی سے زیادہ طنز تھا۔ "بہرحال آپ منع کر دیں ماموں جی کو مجھے شادی کرنی ہی نہیں ہے۔"

"غصے اور جذبات میں فیصلے نہیں ہوتے بیٹا۔ ٹھنڈے دماغ سے سوچنا۔ اتنی لمبی زندگی اکیلے نہیں گزرتی۔ بچے ہوتے تو اور بات تھی۔ مجھے تمہاری فکر رہتی ہے۔" ثریا نرمی سے سمجھانے لگی تھی کہ آخری بات پر وہ یکلخت جھٹکے سے اکھڑ گئی۔

"میری فکر چھوڑیں امی۔ نشا کی فکر کریں جو نہ جیتی ہے نہ مرتی ہے۔ گھٹ گھٹ کے سچ مچ مر جائے گی کسی دن۔"

"صبا چپ ہو جاؤ۔" نشا نے پریشان ہو کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھنا چاہا لیکن وہ ہاتھ جھٹک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کیوں چپ ہو جاؤں اور تم کیوں چپ ہو۔ بتاؤ امی کو تمہارے ساتھ کیا ہوتا رہا ہے اور کیا ہو رہا ہے۔ میں بتاتی ہوں تایا ابو نے اس کی شادی اپنے بیمار بیٹے کے ساتھ کی اور وہ بیمار بیٹا اسے چھوڑ کر چلا گیا......"

"صبا خدا کے لیے۔" نشا گڑگڑائی پھر ایک دم سناٹے میں بیٹھی ثریا کے ہاتھ تھام لیے۔

"امی یہ ٹھیک نہیں ہے۔"

"تو کیا ٹھیک ہے۔" ثریا نے اسے کندھوں سے جھنجھوڑ ڈالا۔ "بتاؤ کیا ٹھیک ہے کہاں ہے تمہارا شوہر بتاؤ۔"

"مجھے پتا نہیں۔" نشا ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی تو ثریا نے اس کی کلائیاں پکڑیں۔ جارحانہ انداز تھا۔

"ماں سے رازداری۔ یہی سوچا ہوگا جو اپنے لیے کچھ نہ کرسکی وہ تمہارے لیے کیا کرے گی۔"

"نہیں نہیں امی۔ میں آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔"

"پریشانیاں مقدر میں ہوں تو کون ٹال سکتا ہے۔" ثریا ٹوٹ گئی۔ "میں کچھ نہیں کرسکتی میں اپنی بیٹیوں کے لیے کچھ نہیں کرسکتی۔ میری تو دعاؤں میں بھی اثر نہیں ہے۔"

"امی......!" دونوں نے دائیں بائیں بیٹھ کر ثریا کو بازوؤں کے حلقے میں لے لیا جو بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ کتنی دیر دونوں اسے چپ کرانے کی سعی کرتی رہیں آخر تھک کر صبا اسے تنہا چھوڑنے کا اشارہ کرتے ہوئے نشا کو وہاں سے اٹھا کر لے گئی۔

❋......❋......❋......❋

رات دھیرے دھیرے بھیگ رہی تھی۔ نشا روتے روتے سو گئی تھی لیکن ثریا کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ وہ پلکیں تک نہیں جھپک رہی تھی۔ چھت پر نظریں جمائے پچھلے دو گھنٹے سے وہ ساکت لیٹی تھی۔ اس کے ذہن کی اسکرین پر گزرے ماہ وسال کسی ایسی فلم کی طرح چل رہے تھے جس میں آنسوؤں آہوں اور سسکیوں کے سوا کچھ نہیں تھا اور جو ختم ہونے ہی میں نہیں آرہی تھی یہاں تک کہ فجر کی اذانیں ہونے لگیں جب قریبی مسجد سے اذان کی آواز گونجی تب ثریا کے سینے سے آہ کی صورت گہری سانس خارج ہوئی جس نے اسے ماضی کی بھول بھلیوں سے نکال کر حال میں لا پٹخا تھا۔ اس نے گردن موڑ کر نشا کو دیکھا وہ گہری نیند میں تھی اور اس کی نیند ٹوٹنے کے خیال سے ثریا نے احتیاط برتی۔ دبے پاؤں کمرے سے نکلی وضو کرکے نماز پڑھی پھر چائے بنانے سے پینے تک اس نے بہت کچھ سوچ ڈالا اور نشا کے اٹھنے سے پہلے ہی گھر سے نکل آئی۔ ڈرائیور اتنی صبح اسے دیکھ کر الرٹ تو ہوگیا لیکن متعجب بھی تھا اور زندگی میں پہلی بار اس نے یہ پروا نہیں کی کہ کون کیا سوچے گا کیا کہے گا ڈرائیور کو ایڈریس بتا کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔ اتنی صبح ٹریفک کا اژدھام نہیں تھا اس لیے دس منٹ میں ہی وہ مطلوبہ ایڈریس پر پہنچ گئی تھی۔

"بلال احمد......" نیم پلیٹ دیکھ کر اس نے زیر لب دہرایا پھر ڈرائیور کو رکنے کا کہہ کر گیٹ پر آئی تو چوکیدار اسے دیکھ کر کھڑا ہوگیا۔

"جی بی بی۔"

"بلال صاحب......" وہ صرف نام لے کر دوسری طرف دیکھنے لگی تو چوکیدار غالباً اطلاع کرنے کے لیے گیٹ کھول کر اندر گیا تو کھلے گیٹ سے اس نے دیکھا لان میں بلال احمد چائے پینے کے ساتھ اخبار میں مصروف تھے۔ برسوں کے فاصلے لمحوں میں سمٹ گئے اس نے چوکیدار کی واپسی کا انتظار نہیں کیا اور آن کی آن میں ان کے سر پر جا کھڑی ہوئی تھی۔

"تم......!" بلال احمد اس وقت صرف حیران ہوسکتے تھے۔

"گویا مجھے اپنا تعارف کروانے کی ضرورت نہیں ہے پھر بھی میں صبا اور نشا کی ماں ہوں۔" اس کے لہجے اور انداز میں حد درجہ ٹھہراؤ تھا۔

"بیٹھو۔" بلال احمد کو فوری طور پر کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو سامنے چیئر کی طرف اشارہ کیا جسے نظر انداز کرکے وہ کہنے لگی۔

"شاید تم نے کبھی سوچا بھی نہیں ہوگا کہ میں تمہارے سامنے آسکتی ہوں۔ اور دعا تو میں نے بھی بہت کی تھی بلال احمد کہ کبھی تمہارا سامنا نہ ہو لیکن اب احساس ہو رہا ہے کتنے احمق ہیں ہم کہ ناممکنات کو ممکن بنانے میں زندگی گزار دیتے ہیں۔ ہمارا ناتا ٹوٹنے والا تھا ٹوٹ گیا لیکن ایک کڑی صبا اور نشا کی صورت جو ہمارے درمیان موجود تھی اسے تو دنیا کی کوئی طاقت نہیں توڑ سکتی تھی تم بھی نہیں میں بھی نہیں۔ پھر کیوں تم بھاگتے رہے اور میں چھپتی رہی۔"

"تم کہنا کیا چاہتی ہو؟" بلال احمد کی پیشانی پر ناگواری کی لکیر ابھری تھی۔

"مجھے کہنا نہیں پوچھنا ہے بلال احمد کہ میری بیٹی نشا جسے تم نے مجھ سے چھین لیا تھا اس کا کیا کیا؟" ثریا کو خود پر بہت جبر کرنا پڑ رہا تھا۔

"کیا..... کیا مطلب؟" بلال احمد نے ٹوکا پھر بھی اس نے ضبط کا دامن نہیں چھوڑا۔

"مطلب اس کی پرورش تعلیم شادی......"

"سب سب کیا شادی بھی ہوگئی اس کی۔" بلال احمد کے جھنجلانے پر اس کے لہجے میں چبھن اتر آئی تھی۔

"کس سے۔ کس سے کی اس کی شادی؟ اپنے بیمار بھتیجے سے۔ ہمیشہ سے سنتی آئی ہوں آنکھوں دیکھی مکھی نہیں نگلی جاتی لیکن تم نے ہمیشہ کی اس کہاوت کو غلط ثابت کردیا کیونکہ تمہیں اپنی شادیوں سے فرصت نہیں تھی۔"

"جسٹ شٹ اپ۔" بلال احمد تلملا کر چلائے۔

"نہیں بہت چپ رہ لیا میں نے اب نہیں۔ بتاؤ کیوں کیا تم نے نشا کے ساتھ ایسا؟" اس کی آواز بوجھل ہوگئی تھی۔

"تم کون ہوتی ہو پوچھنے والی۔ تم پہلے اپنے گریبان میں جھانکو تم نے کیا کیا صبا کے ساتھ اتنی سی عمر میں بیوہ ہوگئی۔" بلال احمد نے آئینے کا رخ اس کی طرف موڑ دیا تو وہ دکھ سے گویا ہوئی۔

"خدائی کام کو تم مجھ سے کیسے منسوب کرسکتے ہو بلال احمد۔ صبا بیوہ ہوگئی۔ نشا کو تم کیا کہو گے۔ وہ نہ ماں کی طرح مطلقہ ہے نہ بہن کی طرح بیوہ۔ بیچ منجدھار میں کس اذیت میں کھڑی ہے کچھ اندازہ ہے تمہیں۔"

"ہاں ہے مجھے اندازہ اور میں نے محسن کی تلاش میں......"

"نہیں دینی مجھے محسن کو اپنی بیٹی۔" وہ ان کی بات پوری ہونے سے پہلے چیخ پڑی۔

"تم اپنی تلاش جاری رکھو مل جائے محسن تو اس سے کہنا میری بیٹی کو آزاد کردے۔ ساری زندگی اس بیمار کے ساتھ سسکنے سے بہتر ہے کہ نشا ماں کی طرح مطلقہ ہو کر بیٹھ جائے۔"

"تم......" انتہائی غصے میں بلال احمد اس کی طرف بس شہادت کی انگلی اٹھا سکے۔

"مجھے بس یہی کہنا تھا نشا اب اس گھر میں نہیں جائے گی۔" وہ فیصلہ کن انداز میں کہہ کر پلٹی اور تیز قدموں سے روش پار کرتی گیٹ سے نکل آئی۔ گاڑی میں بیٹھنے لگی تھی کہ مریم پکارنے کے ساتھ اس سے لپٹ گئی۔

"آنٹی..... آنٹی مجھے اپنے ساتھ لے چلیں۔" اس نے نا سمجھنے کے انداز میں مریم کا چہرہ دیکھا تو وہ منت سے بولی۔

"آنٹی پلیز میں یہاں رہی تو مر جاؤں گی۔ مم...... میں آپ پر بوجھ نہیں بنوں گی۔ خود دیکھ بھال کرلوں گی مجھے یہاں سے لے چلیں۔" ثریا کو وہ مریم نہیں نشا لگ رہی تھی۔ روتی گڑگڑاتی۔ انتہائی تاسف سے اس نے بلال احمد کے بنگلے پر نظر ڈالی پھر مریم کی پیشانی چوم کر اسے اپنے ساتھ گاڑی میں بٹھالیا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ مریم کو اپنے ساتھ لگائے گھر میں داخل ہوئی تو نشا اور صبا پریشان کھڑی تھیں۔ وہ سمجھ گئی نشا نے اسے نہ پاکر صبا کو کال کی ہوگی۔

"امی آپ......" وہ دونوں اس کی طرف بڑھتے بڑھتے رک گئیں۔ اور سوالیہ نظروں سے پہلے مریم پھر ثریا کو دیکھنے لگیں تو ثریا نے خود کو بے حد نارمل پوز کرکے پوچھا۔

"ناشتہ کرلیا تم لوگوں نے؟"

"جی ہاں جو کچھ آپ بنا گئی تھیں وہ سب کھالیا ہم نے۔" صبا چبا چبا کر بولتے ہوئے یک دم گھبرائی۔

"حد کرتی ہیں آپ۔ سویرے سویرے بغیر بتائے کہاں چلی گئی تھیں؟ کچھ اندازہ ہے ہم کتنی پریشان ہوئیں اور یہ ڈرائیور کا فون کیوں بند تھا؟"

"میں نے بند کروایا تھا۔" ثریا کے سکون پر وہ مزید تلملا گئی۔

"کیوں؟"

"کیونکہ مجھے زیادہ دیر کہیں نہیں رکنا تھا اور تم یہ سوال جواب چھوڑو۔ ناشتہ بناؤ مریم نے بھی کچھ نہیں کھایا۔ بھوک لگی ہوگی اسے۔" ثریا نے ایک طرح سے ان دونوں کو مریم کا احساس دلایا۔ صبا نے نشا کو دیکھا تو وہ فوراً کچن کی طرف بڑھ گئی۔

"تم بھی جاؤ۔" ثریا نے اس سے کہا۔

"نہیں میں مریم کے ساتھ بیٹھوں گی۔ آؤ مریم۔" صبا مریم کو لے کر لاؤنج میں جا بیٹھی تو ثریا نے اپنے کمرے کا رخ کیا۔

❀......❀......❀
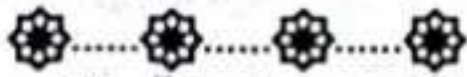
سرمئی شام تاریکی میں ڈوب رہی تھی۔ لیکن اسے احساس نہیں تھا۔ وہ کب سے برآمدے کی سیڑھیوں کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ اس کا ذہن مختلف سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ کبھی نشا کو سوچتی کبھی مریم کو۔ ثریا نے اسے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ

بلال احمد کے پاس گئی تھی۔ بس یہی کہا تھا وہ مریم کو لینے گئی تھی۔ اور اگر اس وقت مریم اس کے ساتھ نہ ہوتی تو شاید وہ ثریا کی بات کا یقین نہ کرتی۔ پھر اسے زیادہ کریدنے کا موقع بھی نہیں ملا تھا۔ وہ مریم کے ساتھ بیٹھی تو مریم نے اپنی داستان چھیڑ دی تھی کہ وہ ریان کو پسند کرتی ہے اور اس کے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہے۔ لیکن بلال احمد اس پر راضی نہیں اور انہوں نے مریم کی شادی اپنے کسی دوست کے بیٹے کے ساتھ طے کردی تھی اور مریم کے گھر سے نکلنے پر پابندی لگادی تھی۔

یعنی وہ اس کے ساتھ زبردستی کررہے تھے۔ پھر مریم نے اس کی منت کی تھی کہ وہ اس کی مدد کرے۔ ورنہ اگر اس کی شادی ریان کے علاوہ کسی اور سے ہوئی تو وہ زہر کھالے گی۔ اس نے مریم کو نہ صرف تسلی دی بلکہ وعدہ بھی کیا کہ وہ اس کی شادی ریان سے کراوے گی اور اس وقت سے جہاں وہ مریم اور کبھی نشا کو سوچتی وہاں اسے اپنے باپ بلال احمد پر حیرت کے ساتھ افسوس ہوتا کہ وہ کیسا باپ ہے جسے اولاد کی خوشی میں خوش ہونے کی پروا ہی نہیں۔ بہر حال بڑی بہن ہونے کے ناتے وہ محسوس کررہی تھی کہ اس پر نشا اور اب مریم کی ذمہ داری بھی آن پڑی ہے اور اس معاملے میں اسے کیا کرنا چاہیے؟ وہ اپنی سوچوں میں گم تھی کہ اسے پتا ہی نہیں چلا کب آصف جاہ آکر اس سے قدرے فاصلے پر بیٹھ گیا تھا۔

"پریشان ہو؟" کتنی دیر بعد آصف جاہ نے اسے مخاطب کیے بغیر پوچھا۔

"ہاں......" وہ بے دھیانی میں کہہ کر پھر ایک دم اسے دیکھنے لگی تو وہ انجان سا بن گیا۔

"تم کب آئے؟" وہ اپنی بے خبری پر حیران ہوئی۔

"میں کب آیا کب گیا بس آپ یہ روٹین کے جملے چھوڑ دو۔ کام کی بات کرو۔" آصف جاہ نے آپ سے تم کا فاصلہ سمیٹ کر جانے اسے کیا جتایا تھا۔

"کام کی بات؟" وہ سوالیہ نشان بنی۔

"ہاں میں پاگل ہوں جو میں نے خود کو تمہارے لیے وقف کردیا ہے۔ اپنے آپ جانے کیا کچھ سوچتا رہتا ہوں اور تم ہو کہ زبردستی خود پر اجنبیت کا خول چڑھائے پھرتی ہو۔ دم نہیں گھٹتا تمہارا۔"

"گھٹتا ہے۔" مجرمانہ سا اعتراف تھا۔ آصف جاہ ایک دم خاموش ہوکر اسے دیکھے گیا۔ پھر دھیرے سے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھادیا۔

"سنو...... اپنے سارے دکھ ساری پریشانیاں مجھے دے دو۔" وہ خاموش رہی تو کہنے لگا۔

"میں جانتا ہوں۔ تم بہت بہادر لڑکی ہو۔ تنہا ساری دنیا سے لڑسکتی ہو۔ اس لیے میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں تمہارا سہارا بننا چاہتا ہوں۔ بلکہ مجھے تمہارے سہارے کی ضرورت ہے۔" صبا نے گردن موڑ کر اسے دیکھا تو فوراً بولا۔

"اب تم خود کو بہت بڑا مت سمجھنے لگنا۔" اس نے اپنا چہرہ دوسری طرف موڑا تو وہ زچ ہوگیا۔

"پلیز صبا...... بتاؤ کیا پریشانی ہے۔" پھر سمجھانے کا انداز اختیار کیا۔

"دیکھو میرے پاس کوئی بوتل کا جن نہیں ہے۔ جو دعویٰ کروں کہ آج کے آج ہی تمہیں ہر پریشانی سے نکال لوں گا لیکن کوشش تو کرسکتا ہوں۔"

"میں اپنی بہنوں کے لیے پریشان ہوں۔" صبا نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا تو اس نے کچھ دیر انتظار کیا کہ وہ مزید کچھ کہے گی۔ لیکن وہ خاموش تھی۔

"بہنوں کے لیے...... کیا مسئلہ ہے ان کے ساتھ؟" آخر اسے پوچھنا پڑا تو صبا نے پہلے محسن کے بارے میں بتایا کہ وہ کہیں چلا گیا ہے اسے تلاش کرنا ہے۔ پھر مریم کا بتا کر کہنے لگی۔

"مجھے ریان کے بارے میں ساری معلومات چاہیے۔ کون ہے کہاں رہتا ہے کیا کرتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔"

"اوکے میم یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ تم مجھے ریان کا ایڈریس دو۔ میں کل ہی تمہیں اس کا پورا بائیوڈیٹا لادوں گا۔" آصف جاہ نے کہا تو وہ پوچھنے لگی۔

"اور محسن؟"

"محسن بھی مل جائے گا ان شاء اللہ......" وہ کہہ کر سوچتے انداز میں پوچھنے لگا۔

"محسن وہی ہے ناں...... دبلا پتلا لمبا سا۔"

"ہوں......" وہ اثبات میں سر ہلا گئی۔

❀......❀......❀

مریم کے آنے سے گھر میں کچھ چہل پہل ہوگئی تھی۔ نشا تو بولتی ہی نہیں تھی وہی ثریا کے ساتھ لگی رہتی۔ کام کاج میں۔ اس کا ہاتھ بٹاتی پر جب فارغ ہوتی تو نشا کے پاس بیٹھ جاتی اور زبردستی اسے بولنے پر مجبور کرتی۔ ایک وہ وقت تھا جب مریم گم صم رہتی تھی تو نشا اسے سمجھاتی۔ اب وہ نشا کو سمجھا رہی تھی۔

"میں مانتی ہوں نشا تمہارا دکھ بہت بڑا ہے۔ لیکن تمہیں ہمت اور حوصلے سے کام لینا چاہیے۔ کم از کم آنٹی کا ہی خیال کرلو۔ وہ بے چاری ہر وقت تمہاری فکر میں رہتی ہیں۔"

"مونی نے اچھا نہیں کیا۔" وہ جس دکھ میں بیٹھی تھی وہ ہی زبان پر آ گیا۔

"یہ تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو۔ آ جائیں مونی بھائی تو میں ان سے بہت لڑوں گی۔ لے کر سب کو پریشان کردیا اور بے چاری تائی امی تو......" مریم بولتے بولتے ایک دم خاموش ہوئی پھر کہنے لگی۔

"جب مونی بھائی کو تائی امی کا پتا چلے گا تو نہیں کتنا دکھ ہوگا۔"

"مونی آ جائے گا ناں......؟" وہ پتا نہیں مریم کی باتیں سن بھی رہی تھی کہ نہیں۔

"بالکل آئیں گے۔ میرا دل کہتا ہے۔ کسی دن مونی بھائی چپکے سے آ جائیں گے۔ تمہارے لیے ڈھیروں......" نشا کا سیل فون بجنے سے مریم کی بات ادھوری رہ گئی۔

"تایا ابو......" اسکرین پر بلال احمد کا نام دیکھ کر نشا نے فوراً کال لی۔

"السلام علیکم تایا ابو۔"

"خوش رہو......" جلال احمد نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ وہ پوچھنے لگی۔

"آپ کیسے ہیں تایا ابو؟"

"اب تو بالکل ٹھیک ہوں بیٹا۔ کیونکہ مونی آ گیا ہے۔"

جلال احمد نے کہا تو وہ ایک دم بے قابو ہوئی۔

"مونی آ گیا ہے سچ تایا ابو......!"

"دیکھا میں نے کہا تھا ناں......" ادھر مریم اچھلنے لگی تو وہ ہاتھ سے اسے رکنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"جی تایا ابو میں آ رہی ہوں۔ ابھی آ رہی ہوں۔" وہ سیل فون رکھ کر مریم سے لپٹ گئی۔ اس کے آنسو ایک تواتر سے بہہ نکلے تھے۔

"میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔" مریم نے کہا تو وہ اس سے الگ ہوکر بولی۔

"ہاں ہاں چلو۔ امی...... امی کہاں ہیں؟" امی وہ پکارنے کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اڑ کر پہنچ جائے۔

"کیا بات ہے؟" اس کی پکار پر ثریا آئی تھی۔

"امی......" وہ بھاگ کر ثریا سے لپٹ گئی۔

"امی مونی آ گیا ہے ابھی تایا ابو کا فون آیا ہے۔ مونی آ گیا ہے امی۔ میں جا رہی ہوں۔"

"نہیں......" ثریا نے اسے خود سے الگ کیا۔ پھر سپاٹ لہجے میں بولی۔

"محسن آ گیا ہے تو اسے کہو کہ یہاں آ جائے۔"

"یہاں......!" وہ ثریا کے انداز سے چونکی۔

"یہاں بھی آ جائے گا امی۔ ابھی تایا ابو نے بتایا ہے اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ وہ نہیں آ سکے گا۔"

"تو تمہیں بھی جانے کی ضرورت نہیں ہے۔" ثریا نے سخت لہجے میں کہا تو وہ مریم کو دیکھنے لگی۔

"آنٹی آپ کیوں منع کر رہی ہیں؟" ثریا نے مریم کی بات کا جواب نہیں دیا تو وہ کہنے لگی۔

"میں جاؤں گی امی۔ مجھے جانا چاہیے۔ مجھ سے زیادہ مونی کا خیال کوئی نہیں کرسکتا۔ تم پھر آ جانا مریم۔ ابھی میں جا رہی ہوں۔" وہ کہہ کر دروازے کی طرف بڑھی تھی تو ثریا پکار کر بولی۔

"نشا جا رہی ہو تو پلٹ کر مت دیکھنا۔ سمجھ لینا تمہاری ماں مرگئی۔"

"امی......!" نشا اپنی جگہ سن ہوگئی تھی۔

(جاری ہے)

اناڑی پیا بڑا تڑپائے
صائمہ قریشی

چاند نکلا تھا مگر رات نہ تھی پہلی سی
یہ ملاقات، ملاقات نہ تھی پہلی سی
رنج کچھ کم تو ہوا آج ترے ملنے سے
یہ الگ بات کہ وہ بات نہ تھی پہلی سی

موسم بدل رہا تھا اور بدلتے موسم کا آغاز ہمیشہ ہی اس کے لیے خوش کن ہوتا تھا۔ بدلتا موسم پھر خواہ وہ کوئی بھی موسم ہو پت جھڑ کی اداسی' بہار کی آمد یا پھر دل کا موسم...... سب موسموں کے آغاز پر اس کے چہرے پر ہمہ وقت ایک انوکھی شادابی نظر آتی تھی۔ ایک انجانی سی خوشی اس کے رگ و پے میں سما کر اس کے سادہ سے حسن کو حسین تر بنا دیتا تھا۔

کھنچے پائنچوں والے بلیو پرنٹڈ ٹراؤزر کے ساتھ ڈھیلی بلیک لونگ شرٹ اور میرون سندھی کشیدہ کاری سے بھری شال کندھوں پر ڈالے دو دن سے رول کیے ہوئے کھلے بالوں' میک اپ سے عاری چہرے پر دھیمی' دلکش مسکراہٹ سجائے مورننگ واک کی غرض سے وہ لان میں چہل قدمی کے لیے نکل آئی تھی۔ ایک ہاتھ میں موبائل پکڑے وہ اس وقت کے نظاروں کو کیمرے کی آنکھ میں قید کر رہی تھی۔ کافی ساری تصویریں کھینچنے کے بعد اس نے ایک نظر لان پر ڈالی' ہر طرف کونپلیں پھوٹ رہی تھیں۔ پتوں پر چمکتے شبنم کے قطروں نے اس کی توجہ سمیٹی تو وہ آگے بڑھ کر ان موتیوں کو اپنی پوروں سے چھونے لگی۔ اب سورج کی کرنیں پوری طرح کائنات کو منور کر رہی تھیں۔ صاف شفاف نیلا سبز رنگ موسم کے بدلنے کا واضح ثبوت پیش کر رہا تھا لیکن ابھی تک فضا میں پہلی ہلکی سی خنکی برقرار تھی۔ صبح صبح چڑیوں کی چہچہاہٹ اور فضا میں بکھری رات کی رانی کی مدھم بھینی بھینی خوش بو ہمیشہ کی طرح اس پل اس کو اپنی گرفت میں لے کر مسحور کر رہی تھیں۔ یک لخت ہاتھ میں پکڑے موبائل کی اسکرین پر ابھری "بپ بپ" کی آواز نے اس کو خیالی دنیا سے باہر لا پٹخا۔ چونک کر اس نے موبائل کو دیکھا جہاں اسکرین پر سات بجے کا الارم کا نوٹیفکیشن فلیش کر رہا تھا۔

"او مائی گاڈ...... سات بج گئے۔" دوسرے پل وہ زیر لب بڑبڑائی اور اب وہ قدم اندر کی طرف بڑھا چکی تھی۔ کچن میں قدم رکھا اور جلدی سے چائے کا پانی چڑھا کر ناشتے کی چیزیں ٹیبل پر سیٹ کر کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"جاگ گئے ہیں آپ؟" وہ اس کی طرف دیکھ کر بولی جو تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھا لیپ ٹاپ پر مصروف تھا اس نے ایک خاموش نظر اس پر ڈالی۔

"غالباً جاگ ہی گیا ہوں۔" اسی مصروف انداز میں روکھے پھیکے جواب پر اس نے ایک نظر پھر اس پر ڈالی۔

"تو ضروری تھا جاگتے ہی پھر اس میں مصروف ہو جائیں؟ آفس نہیں جانا کیا؟" وارڈ روب کی طرف بڑھتے ہوئے وہ قدرے تلخی بھرے لہجے میں اس کو تنبیہہ کرتے ہوئے بولی۔

"جانا تو ہے۔" دوسرے پل وہ اس کے نروٹھے انداز پر ایک گہری نظر ڈال کر لیپ ٹاپ بند کر کے اٹھ گیا۔

"بلیک شرٹ کہ بلیو؟" وارڈ روب کے سامنے کھڑی اس کی طرف دیکھے بنا وہ اس سے پوچھ رہی تھی۔

"جو تمہیں پسند ہو۔" وہ اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا اور مسکراتی نظروں سے اسے دیکھ کر بولا۔

"ہاں جیسے میری پسند تو بہت پسند آتی ہے ناں۔" اب کے اس کا موڈ بگڑا اور بلیو شرٹ نکال کر صوفہ پر رکھی اور دوسرے پل اس کے سامنے سے ہٹ گئی۔

''جلدی سے تیار ہوکر آجائیں میں ناشتا لگانے لگی ہوں۔'' سنجیدگی سے ہدایت دے کر باہر کی طرف بڑھی لیکن قدموں کی رفتار کچھوے کی چال کی سی تھی اور دل میں ایک خواہش موجزن...... وہ گہرا سانس لے کر فولڈ کر کے رکھے گئے ٹاول کو اٹھا کر واش روم کی طرف بڑھ گیا اور وہ لاحاصل تمنا کے ساتھ تیز تیز قدم اٹھاتی کچن کی طرف بڑھی کہ چائے کا پانی اب یقیناً کھول رہا ہوگا۔

❀......❀......❀

''کیا ہوا...... ایسے گم صم کیوں بیٹھی ہوتی ہو؟'' زرفین آنکھیں ملتی ہوئی کچن میں داخل ہوئی تو فاطمہ ڈائننگ ٹیبل پر سامنے پلیٹ میں ٹوسٹ رکھے دونوں ہاتھوں میں چائے کے مگ کو دبوچے بیٹھی ٹوسٹ کو گھورے جارہی تھی۔ زرفین کچن میں داخل ہوئی جوس کا گلاس لیے ٹیبل پر اس کے سامنے بیٹھنے پر بھی اس نے کوئی ری ایکشن نہ دکھایا تو زرفین نے چٹکی بجا کر اس کو متوجہ کیا تو اس نے چونک کر اس کو دیکھا۔

''ارے تم کب جاگیں؟ ٹھہرو میں چائے بناتی ہوں۔'' دوسرے پل وہ ہڑبڑا کر اٹھنے لگی تو زرفین نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''کیا ہوا...... آج صبح صبح بارہ کیوں بج رہے ہیں؟'' زرفین اس کے بوکھلائے اور سنجیدہ انداز کو دیکھ کر اس سے استفسار کیا اور جوس کا گلاس ایک سانس میں ختم کر کے چائے بنانے کے لیے اٹھنے لگی تھی۔

''کچھ نہیں۔''

''میں چائے بناتی ہوں تم رہنے دو۔'' وہ اٹھ کر دوبارہ چائے بنانے لگی تو زرفین نے روک دیا وہ دوبارہ اپنی چیئر پر جا کر بیٹھ گئی اور ٹھنڈی ٹھار چائے کا گھونٹ لیتے ہی انتہائی برا منہ بنایا اور دوسرے پل زرفین کو دیکھا جو اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''ٹھنڈی چائے۔'' فاطمہ انتہائی لاچاری شکل بنا کر اس کے لیے بھی چائے بنانے کی درخواست کرنے لگی تو زرفین ہنس دی۔

''ٹھنڈی چائے کے بعد یہی حال ہوتا ہے میں بناتی ہوں تم بتاؤ کیا ہوا...... صبح صبح موڈ کیوں آف ہے؟'' زرفین نے چائے کی پتیلی میں پانی ڈال کر گیس آن کیا اور اس سے ایک بار پھر پوچھنے لگی۔

''حسنین آفس چلے گئے۔'' وہ منہ بسور کر بولی تو زرفین نے متعجب نظروں سے اسے دیکھا۔

''تو......؟''

''تو...... کچھ نہیں۔'' وہ اسی لہجے میں بولی تو زرفین مسکرانے لگی۔

''اب بتاؤ کیا ہوا'' زرفین چائے بنا کر اور ٹوسٹ گرم کر کے فاطمہ کے پاس آ کر بیٹھی اور اس سے پوچھنے لگی۔

''یار میں بور ہورہی ہوں' عید بھی گزر گئی' دعوتوں کا سلسلہ بھی ختم ہوگیا۔ نارملی ان سب گھریلو سلسلوں کے ختم ہونے کے بعد گھومنے پھرنے کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔'' فاطمہ ٹوسٹ پر مکھن لگاتے ہوئے ہمیشہ کی طرح زرفین کے سامنے شکایات کی پٹاری کھول چکی تھی۔

''لیکن تمہارے بھائی ہیں کہ اس طرف آتے ہی نہیں' اتنی بھی کبھی توفیق نہیں ہوتی کہ دو قدم ساتھ چل لیں۔ تم ہی بتاؤ کیا زندگی بس یہی ہے۔ آفس' گھر' کھانا اور لیپ ٹاپ میں گھس جانا؟'' فاطمہ نے خاصے تیکھے انداز میں زرفین سے کہا۔

''اب میں کیا کہہ سکتی ہوں؟'' زرفین اس کے تاثرات جانچتے ہوئے گویا ہوئی۔

''تم کیا کہو گی' یہ کوئی تمہارے کہنے کی بات تھوڑی ناں ہے۔'' فاطمہ چائے کا سپ لیتے ہوئے بولی تو زرفین ٹینشن کے باوجود مسکرانے لگی کیونکہ یکدم فاطمہ کے لہجے میں بدلاؤ آیا تھا جو شکایت اس نے تلخی سے شروع کی تھی اب ایک نارمل بات میں ڈھل چکی تھی۔ اب اس کے لہجے سے تلخی کا عنصر زائل ہورہا تھا' بس ہلکی ناراضگی ابھی تواتر سے برقرار تھی۔

''دیکھو شادی کے بعد زندگی کچھ نہ کچھ بدل جاتی ہے شاید بھائی کا کوئی پلان ہوگا گھومنے پھرنے کا لیکن......''

''پلیز اب یہ نہ کہہ دینا کہ وہ شرماتے ہیں اس لیے نہیں

جاسکتے۔'' فاطمہ نے اس کی بات کاٹ کر تیز لہجے میں کہا تو زرفین فقط اسے گھور کر رہ گئی۔

''ایک تو تم ہر بات کو الٹی طرف لے جاتی ہو۔'' زرفین نے ٹوسٹ کا بائٹ لیتے ہوئے کہا۔

''اب تم مجھ میں کیڑے نکالنے نہ بیٹھ جانا۔'' فاطمہ بولی تو زرفین نے سر پیٹ لیا۔

''نہیں تم تو دودھ کی دھلی ہوناں، تم میں کہاں سے آئے کیڑے۔''

''دیکھو میں پہلے ہی غصے میں ہوں تم اس طرح کی بات کر کے میرے غصے کو مزید ہوا نہ دو۔'' فاطمہ اس کو تنبیہہ نظروں سے گھورتے ہوئے بولی تو زرفین مزید کچھ کہے بنا چائے ختم کر کے اٹھنے لگی۔

''سنو......'' وہ اپنا مگ پلیٹ پر سے اٹھانے لگی تھی کہ فاطمہ نے یک لخت کسی خیال سے چونک کر اس کو پکارا تو وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

''اگر تمہاری شادی کر دیں تو......؟'' فاطمہ نے پرجوش انداز میں کہا تو زرفین نے خونخوار نظروں سے اسے گھورا۔

''تمہیں انٹرٹین کرنے کی لیے میں اپنی زندگی داؤ پر لگادوں؟'' زرفین اس کی جانب بڑھتے ہوئے تپ کر بولی۔

''لو بھلا اس میں زندگی داؤ پر لگانے والی کون سی بات ہے دو تین سال بعد بھی تو تمہاری شادی ہونی ہے ناں تو اسی سال ہوجائے تو کیا مضائقہ ہے؟'' فاطمہ حسب عادت خاصی پرجوش دکھائی دینے لگی تو زرفین نے چبھتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''بھابی جان...... کیوں بھری جوانی میں میرے ہاتھ خون سے رنگنا چاہتی ہو۔'' زرفین نے دانت پیس کر اس کو دھمکی دی۔

''میں تو اس لیے کہہ رہی تھی کہ شاپنگ اور تیاریوں میں وقت اچھا گزر جائے گا۔'' فاطمہ منمنائی۔

''اب اپنے یہ نایاب مشورے مما کے سامنے نہ اُگل دینا۔'' زرفین اس کو وارن کرتے ہوئے کچن سے باہر کی طرف لپکی۔

''اچھا سنو تو......'' فاطمہ بھی اٹھ کر اس کے پیچھے باہر نکلی۔

''کیا ہے اب؟'' زرفین اب قدرے اکتاہٹ سے بولی۔

''اپنے بھائی سے کہوناں مجھے ہنی مون پر لے جائیں۔'' فاطمہ انتہائی معصوم صورت بنا کر زرفین سے التجا کر رہی تھی، چلتے چلتے زرفین نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

''شرم کا مقام ہے ناں یار......!'' زرفین بے تحاشہ ہنستے ہوئے بولی تو فاطمہ بے زار ہوگئی۔

''دیکھو میں نے تمہیں کہا تھا کہ بھائی کی نیچر کے مطابق ان سے توقعات رکھو گی تو ہرٹ نہیں ہوگی۔'' زرفین اس کا ہاتھ پکڑ کر دوستانہ انداز میں ایک بار پھر اس کو سمجھانے لگی، فاطمہ گہرا سانس لے کر اثبات میں سر ہلا گئی۔

''میں انکل آنٹی کے لیے ناشتا بنادوں گی تم یونیورسٹی جانے کی تیاری کرو۔'' فاطمہ مدھم لہجے میں کہہ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی اور زرفین نے پرسوچ نظروں سے اس کو دیکھا اور پھر بجائے اپنے کمرے میں جانے کے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گئی جہاں عذرہ نماز کے بعد قرآن پاک کی تلاوت کیا کرتی تھیں۔

❀......❀......❀

''کیا ہوا آج ملکہ کا موڈ کیوں آف تھا؟ میں آفس خیریت سے پہنچ گیا ہوں۔'' فاطمہ کمرے میں داخل ہوئی تو موبائل کی اسکرین پر حسنین کا میسج کا نوٹیفکیشن تھا جس کو دیکھ کر اس کے لبوں پر ایک بے ساختہ مسکراہٹ ابھری۔

''جب کوئی بہت خاص لگاتار بے مروتی برتتا ہے تو موڈ بھی خوش گوار ہونے سے انکار کرنے لگتا ہے۔'' دوسرے پل وہ ٹائپ کر کے سینڈ کا بٹن دبا چکی تھی۔

''ہاہاہا......اور جب صبر کا دامن چھوڑ دیا جائے ناں تب بھی موڈ کا ستیاناس ہوجاتا ہے۔'' چند منٹس بعد آئے جواب پر فاطمہ لب بھینچ کر رہ گئی ناراضگی کے باوجود حسنین کے میسج نے اس کے دل کو مطمئن کردیا تھا اور اب وہ ''گڈ'' کا میسج اور ڈھیر ساری اسمائلز کر کے کمرہ سیٹ کرنے میں مشغول ہوچکی تھی۔ تقریباً پندرہ بیس منٹس کے بعد اس نے دوبارہ کچن کا

رخ کیا کہ اب کچھ برتن سمیٹ کر ناشتا بنانا تھا۔

''مما...... فارغ ہوگئی ہیں؟'' زرفین ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو عذرا قرآن پاک پر غلاف چڑھا رہی تھیں' پاس رکھے پانی پر دم کیا اور زرفین کی طرف متوجہ ہوئی۔

''ہاں' کیا بات ہے آج یونیورسٹی نہیں جانا ہے کیا؟'' عذرا وال کلاک پر نظر ڈال کر اس سے پوچھنے لگی۔

''جانا ہے' بس ابھی تیار ہونے لگی تھی' آپ سے ایک بات پوچھنی ہے۔'' زرفین ان کے پاس آ کر بیٹھی۔

''ہاں پوچھو کیا بات ہے؟'' عذرا اس کے سنجیدہ انداز پر اندر ہی اندر فکر مند ہونے لگی تھیں۔

''بھائی کے پروگرام کا کیا بنا؟ لاہور جانے کا کہہ رہے تھے ناں۔'' زرفین عذرا کی طرف دیکھ کر پوچھنے لگی۔

''پروگرام تو ہے لیکن حسنین کو آفس سے صرف تین دن کی چھٹی مل رہی ہے جبکہ وہ چاہ رہا ہے کہ کم از کم دو ہفتے کی چھٹی ملے تاکہ فاطمہ کو سب رشتے داروں سے ملا سکے اور کچھ گھوم پھر بھی لیں۔'' عذرا نے ساری تفصیل سے اس کو آگاہ کیا تو زرفین نے سکون کا سانس لیا۔

''کیوں کیا ہوا تم کیوں پوچھ رہی ہو؟'' یک لخت ہی زرفین کے چہرے پر اطمینان جھلکنے لگا تو عذرا نے متعجب لہجے میں اس سے پوچھا۔

''نہیں مما! کوئی خاص بات نہیں تھی' وہ دونوں کہیں گئے نہیں ہیں تو اس لیے پوچھ رہی تھی۔ اچھا اب میں تیار ہونے لگی ہوں دیر نہ ہو جائے۔'' زرفین عجلت میں کہتی دوسرے پل وہاں سے اٹھ گئی۔

''اف...... ناک کٹوائے گی لڑکی' ذرا ہوش کے ناخن لے۔ اتنی تیز طراری بھی اچھی نہیں ہوتی۔'' اس نے جیسے ہی ڈرائنگ روم کا دروازہ عبور کیا فاطمہ سے ٹکراتے ٹکراتے بچی جو چائے کی پیالیاں ٹرے میں رکھی اندر آ رہی تھی تو زرفین کو خالصتاً بڑی بی کے انداز میں ڈانٹنے لگی۔

''تم میری بھابی ہو ساس بننے کی کوشش نہ کرو۔''

''ہاں ہاں کام کی بات پر کان نہ دھرنا بس آگے سے پٹر پٹر زبان چلوا لو اس لڑکی سے۔'' فاطمہ بھی کہاں باز آنے والی تھی۔ وقت کے ساتھ ساتھ زرفین اور فاطمہ میں دوستی مزید گہری ہوتی جا رہی تھی۔ روایتی نند بھاوج والا رشتہ ان کے بیچ کبھی پہلے تھا نہ اب کوئی چانس تھا' دونوں کی ایسی ہی نوک جھونک جاری رہتی تھی۔

''یونیورسٹی جا رہی ہوں واپس آ کر نبٹتی ہوں تم سے بڑی آئی نصیحت کرنے والی۔'' زرفین اس کو منہ چڑھا کر کہہ کر آگے بڑھ گئی تو فاطمہ بھی مسکرا کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوگئی۔

❀......❀......❀

وہ ایک انتہائی ہنگامہ خیز صبح تھی' عجیب طرح کی کھسر پھسر اور برتنوں کے کھنکنے کی آوازوں نے اس کو بیدار کیا تھا۔

''کتنا سونا ہے اب؟ جاگ جاؤ۔'' اس کے اوپر سے کمبل کھینچا گیا تھا۔

''کیا ہوا ہے؟'' آنکھیں موندے کسلمندی سے وہ مسلسل آتی آوازوں کی بابت پوچھ رہی تھی۔

''آپی......'' مالا کی زوردار آواز پر اس نے یک دم کمبل ہٹا کر نیند سے بھری آنکھوں کو بمشکل کھول کر اس کو دیکھا۔

''موسیٰ بھائی ٹھیک کہتے ہیں' روشانے آپی کو ہر روز بادام کھلایا کرو وہ بھی دودھ میں بھگو کر تاکہ اس کی یادداشت جایا نہ کرے۔'' مالا کمرے میں بچھے دوسرے پلنگ پر سے کمبل طے کرتے ہوئے ہنس کر بولی تو روشانے نے کڑی نظروں سے اسے دیکھا اور ایک بار پھر کمبل میں گھس گئی۔

''روشانے آپی پلیز اب اٹھ جائیں ناں۔'' مالا نے لجاجت بھرے لہجے میں ایک بار پھر اس کو کہا۔

''اٹھتی ہوں کچھ دیر تک۔'' اسی طرح لیٹے لیٹے وہ بولی۔

''نہیں آپی...... ابھی اٹھیں ناں' میں یہ بستر سمیٹ کر اور کمرے کی سیٹنگ بدل کر نیچے جاؤں گی۔ اتنے سارے کام پڑے ہیں' مما کی ہیلپ کرنی ہے۔'' مالا اس کے ٹس سے مس نہ ہونے پر اس کو اپنی مصروفیت کی تفصیل بتانے لگی۔

''تم جاؤ' چاچی جان کی ہیلپ کرو' میں یہ کر دوں گی۔'' روشانے کا ابھی اٹھنے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ مالا نے حیرت سے کمبل میں سرتاپیر لپٹے اس کے وجود کو دیکھا۔

''آپی...... موسیٰ بھائی آدھا سامان بھجوا چکے ہیں اور باقی آدھا آنے والا ہوگا پلیز اس سے پہلے کہ تائی اماں کا قہر آپ پر نازل ہوا ٹھ جائیں۔'' مالا نے ایک بار پھر اس کو ڈرانا چاہا تھا۔ دوسرے پل وہ کمبل کو بے دردی سے نیچے پھینکتے ہوئے اٹھ گئی' اس کا جارحانہ انداز مالا کو دہلا گیا تھا۔ دوپٹہ گلے میں ڈالے' کھلے بالوں کو لہراتے وہ آگے بڑھی کونے میں رکھے اپنے پیک شدہ سوٹ کیس کو بمشکل گھسیٹتے ہوئے مالا کو ہکا بکا چھوڑ کر پلک جھپکتے ہی یہ جاوہ جا اور مالا انتہائی بے چارگی کے ساتھ اس کے بستر کی حالت پر سر تھام کر رہ گئی اور پھر جلدی جلدی بکھری چیزیں سمیٹنے لگی اور سب سیٹ کرنے لگی۔ تقریباً بیس پچیس منٹس بعد وہ دروازے میں کھڑی ہوکر کمرے پر ایک طائرانہ نظر ڈال کر مطمئن ہوگئی اور دروازہ بند کرکے باہر نکل آئی۔

''اتنی دیر سے اوپر کیا کر رہی تھیں تم؟'' مالا سیڑھیاں اتر کر نیچے آئی تو روشانے کو سلطانہ کے سامنے سر جھکائے کھڑا پایا۔

''سو رہی تھی کیا؟'' وہ کچھ نہ بولی تو سلطانہ ایک بار پھر کرخت انداز میں اس سے پوچھنے لگی۔

''نہیں تائی اماں...... آپی میری مدد کر رہی تھیں۔'' دوسرے پل مالا بھاگ کر وہاں پہنچی تھی۔

''نہیں' میں سو رہی تھی۔'' روشانے تلخی سے کہہ کر مالا کو اور پھر سلطانہ کو دیکھ کر وہاں سے آگے بڑھ گئی۔

''تائی اماں......'' مالا نے سلطانہ کے غصیلے انداز کو دیکھا۔

''تم اس کے پردے نہ رکھا کرو' حد ہوتی ہے بے پروائی کی بھی۔ لڑکیوں کو اتنی بے راہ روی کی عادت نہیں ہونی چاہیے۔'' سلطانہ کی توپ کا رخ اب مالا کی طرف ہوگیا تھا۔

''تائی اماں...... اب ایسی بھی بات نہیں ہے' یہ جو آپ ہر وقت بلال اور موسیٰ بھائی کو ہم سب پر فوقیت دیتی رہتی ہیں اس وجہ سے یہ سب ہوتا ہے۔'' مالا ان کو ان کی غلطی بتا کر دوسرے پل وہاں سے جا چکی تھی لیکن وہ بھی سلطانہ تھی اپنی بات سے پھر جانا انہیں کبھی بھی بھایا نہ تھا۔

''تمہیں کس نے مشورہ دیا تھا کہ میری جگہ جھوٹی صفائیاں پیش کرو۔'' مالا نے اپنے اور روشانے کے مشترکہ کمرے میں قدم رکھا ہی تھا کہ بے چینی سے ٹہلتی روشانے اس کی طرف بڑھی اور انتہائی ترش لہجے میں اس سے استفسار کرنے لگی۔

''آپی پلیز آپ اپنا موڈ ٹھیک رکھیں' موسیٰ بھائی آرہے ہیں اور تائی اماں کا اسپیشل آرڈر ہے کہ موسیٰ بھائی پر بالکل بھی یہ واضح نہ ہو کہ روشانے کا موڈ خراب ہے۔'' مالا نے اس تک سلطانہ کی ہدایت پہنچائی۔

''تم دعا کرنا کہ میرا اس سے سامنا نہ ہو ورنہ اس کی لاش یہاں سے جائے گی یا میرا جنازہ اٹھے گا۔'' روشانے کا جارحانہ انداز مالا کو لرزا گیا۔

''ارے کیا ہوگیا بھئی؟'' عفی اور حمنی اپنے اپنے کام نپٹا کر کمرے میں آئی تھیں۔ جواب ان چاروں کا مشترکہ کمرہ بننے جارہا تھا۔

''کمرہ خالی کرنے پر روشانے آپی کا موڈ آف ہے۔'' مالا نے مدھم آواز میں ان دونوں کو بتایا۔

''آپی موڈ آف نہ کرو' جسٹ بی پوزیٹو...... کتنا مزہ آئے گا ناں' ہم چاروں ایک ساتھ رہیں گے۔'' حمنی اس کی طرف بڑھی اور بشاش و پرجوش انداز میں اس کو بتانے لگی۔

''کیا......؟'' وہ چیخی۔

''چاروں ایک ساتھ......؟'' روشانے یقیناً اس بات سے انجان تھی کہ اس کمرے میں عفی اور حمنی بھی آگئی ہیں۔

''ہاں آ...... آپی...... وہ تائی اماں......''

''تائی اماں...... تائی اماں...... تائی اماں......'' یک لخت وہ ہذیانی انداز میں چلائی۔

''آپی پلیز ریلیکس۔'' وہ تینوں ایک دم اس کے گرد گھیرا ڈال کر اس کو سنبھالنے لگیں' جو غصے سے کانپ رہی تھی۔

''نہیں میں ریلیکس نہیں ہوسکتی' تم لوگوں کو اس بات سے فرق نہیں پڑتا لیکن مجھے پڑتا ہے۔ میں لڑکی ہوں تو اس میں میرا قصور نہیں' اس گھر میں چار لڑکیاں ہیں تو یہ ان کا قصور ہے کیا؟ ایک لڑکے کے آجانے سے کیا ان کو چار لڑکیوں کی

پیدائش کے وقت اٹھائی گئی تکلیف بھول گئی ہے؟‘‘

’’روشانے آپی پلیز آہستہ بولیں۔ ہمیں بھی بُرا لگتا ہے جب تائی اماں ہم سب کو کوئی اہمیت نہیں دیتی‘ لیکن پلیز موڈ ٹھیک رکھیں ناں۔‘‘ حمنی ہمیشہ روشانے کے موڈ سے گھبرا جاتی تھی۔ روشانے ان کے حصار کو توڑ کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔

’’حمنی وہ دوسرا کمرہ کس کے لیے ہے؟‘‘ عفی‘ حمنی کی طرف متوجہ ہوئی۔

’’عذرا آنٹی کی کال آئی تھی کہ حسنین بھائی اور فاطمہ بھابی لاہور آرہے ہیں تو تائی اماں نے وہ کمرہ ان کے لیے سیٹ کروایا ہے۔‘‘ حمنی نے روشانے کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔

’’کیا...... کب...... اور کیا وہ مستقل یہاں شفٹ ہورہے ہیں؟‘‘ مالا اور عفی ایک ساتھ بولیں۔

’’نہیں یار...... لیکن شاید مہینے بھر کا پروگرام ہے ان کا‘ گھومنے پھرنے کا۔‘‘ حمنی کے پاس ان کی آمد سے متعلق جو بھی معلومات تھی ان کو دے رہی تھی۔ روشانے اب قدرے ریلیکس ہوچکی تھی اس کی خاموشی اس بات کی علامت ہوتی تھی کہ اس نے سمجھوتا کرلیا ہے۔ عفی‘ حمنی اور مالا نے بھی اس کو دیکھا تھا۔ اب وہ خاموشی سے اپنے سوٹ کیس کو ایک کونے میں رکھ رہی تھی۔ اس کے سپاٹ چہرے اور مصروف انداز کو دیکھ کر وہ تینوں بھی اب اپنے اپنے بستروں کی سیٹنگ کرنے میں مشغول ہوگئیں تھیں۔

❀......❀......❀

یکا یک ہی گہرے کالے بادلوں نے صاف شفاف اور روشن آسمان کو اپنی لپیٹ میں لے کر ماحول کو فسوں خیز بنادیا تھا۔ شام کے وقت وہ ویسے ہی خاص اہتمام کیا کرتی تھی۔ چائے کے ساتھ اسنیکس اور پھر اس کی پریزینٹیشن اور اپنی خاص تیاری‘ حسنین کے آجانے کے بعد خوش گوار ماحول میں چائے پی جاتی اور پھر فاطمہ اور زرفین کچن میں گھس جاتی تھیں اور ڈنر کی تیاری کرنے لگتیں۔ آج بھی وہ شام کی چائے کے ساتھ ہلکا پھلکا اسنیکس تیار کرکے اب خود تیار ہونے لگی تھی کہ یک دم ہی موسم بھی بدل گیا تو بلیک لونگ شرٹ جس پر رنگین رینز لگائے گئے تھے ساتھ بنارسی کی سلم فٹ رنگین ٹراؤزر‘ ڈیپ گرین سلک کا دوپٹہ‘ موسم کی مناسبت سے ہلکا سا میک اپ کیے آئینے میں اپنے سراپا پر ایک نظر ڈال کر وہ باہر جانے لگی تھی کہ حسنین کے آنے میں اب پندرہ بیس منٹس ہی باقی تھے۔ دروازے تک پہنچ کر کچھ ذہن میں آیا تو واپس پلٹ گئی۔

سائیڈ ٹیبل کی دراز سے ڈیپ کرسٹل کا دل بنا کینڈل ہولڈر نکال کر ٹیبل پر رکھا اور ٹی کینڈل نکال کر اس میں رکھ کر جلادی۔ واز میں رکھے سوکھے ہوئے گلاب کی چند پتیاں اتار کر ٹیبل پر رکھے کینڈل ہولڈر کے چاروں طرف پھیلادیں یوں کہ اب اگر کینڈل ہولڈر کو اٹھایا جاتا تو ٹیبل پر گلاب کی پتیوں سے دل بن جاتا۔ ایک دلکش مسکراہٹ نے اس کے چہرے کو اپنے حصار میں لے رکھا تھا‘ اپنی تخلیق پر وہ خود بھی حیران ہورہی تھی۔ بیڈ کے کنارے بیٹھے وہ یک ٹک ٹیبل کو دیکھے جارہی تھی‘ کینڈل کی پھڑ پھڑاتی روشنی‘ پرفیوم کی خوش بو کے ساتھ ساتھ سینٹڈ کینڈل کی خوش بو بھی کمرے میں ایک انتہائی دل فریب ماحول بنادیا تھا۔ اسی لمحے کمرے کا دروازہ کھلا‘ ایک دم اس نے چونک کر دیکھا تو دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھے متعجب و پرشوق نظروں سے حسنین اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر قوس وقزاح کے رنگ بکھرتے دیکھ کر حسنین نے اس طرف پیش قدمی کی تھی۔ فاطمہ نے اسے دیکھا‘ آنکھوں میں ایک خاص چمک اور انداز میں شوق کا ایک جہاں آباد کیے وہ آگے بڑھ رہا تھا۔ فاطمہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔

’’آئی ایم رئیلی سوری۔‘‘ وہ اس کے پاس آ کر رکا‘ دونوں ہاتھ باندھے مسکراتی نظروں سے اس کے ہوائیاں اڑتے چہرے کی طرف دیکھ کر معذرت کرنے لگا تو فاطمہ نے الجھن آمیز نظروں سے اسے دیکھا۔

’’کس بات کے لیے سوری؟‘‘ وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

’’میرے ذہن میں بالکل بھی نہیں رہا کہ ہم نے کہیں جانا تھا۔‘‘ اس کے خوش بو سے لبریز سجے سنورے سراپا پر ایک گہری نظر ڈال کر حسنین بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

’’ہم نے کہیں جانا تھا؟‘‘ فاطمہ یک دم پلٹ کر سامنے

آ کھڑی ہوئی۔

''آپ کی تیاری تو یہی بتا رہی ہے کہ ہم نے کہیں جانا تھا' غالباً کسی شادی پر؟'' حسنین مسکراہٹ دباتے ہوئے اب اس کی خاص تیاری کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

''شادی پر؟'' فاطمہ ابھی تک حسنین کی شرارت کو نہ سمجھ پائی تھی' سوچتے ہوئے حسنین کے برابر بیٹھ گئی۔

''ہاہاہا......'' حسنین کے قہقہے پر اس نے اسے دیکھا اور یک لخت ہی اس کے طنزیہ انداز کو سمجھ گئی اور دوسرے پل رخ موڑ گئی گویا اب پکی ناراضگی۔

''ویسے اس تیاری کی کوئی خاص وجہ؟'' اس کے کندھے پر تھوڑی ٹیک کر اس کو حصار میں لیے حسنین خلافِ معمول نرم لہجے میں اس سے استفسار کر رہا تھا۔

''آپ کو اس سے مطلب۔'' فاطمہ اب مکمل طور پر روٹھ چکی تھی اور اس کے پاس سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''وہ کیوں بھلا؟'' حسنین اب شوز کے لیسز کھولنے لگا تھا۔ فاطمہ نے قہر آلود نظروں سے اس کو دیکھا۔

''بندہ تعریف کے دو لفظ ہی بول دیتا۔'' وہ بڑبڑائی۔

''مجھے آج تک تمہاری اس بڑبڑاہٹ کی سمجھ نہیں آئی۔'' حسنین نے مصروف انداز میں سر اٹھا کر اسے دیکھا تو فاطمہ نے فقط خاموش رہنے میں ہی عقل مندی سمجھی۔

''جلدی سے چینج کر کے ہال میں آجائیں' میں چائے بناتی ہوں۔'' فاطمہ بنا کسی شکایت کے اس کو کہہ کر باہر کی جانب لپکی۔

''سنو......'' حسنین کی پکار پر وہ جاتے جاتے پلٹی' بھینچے لب اور کاجل لگی آنکھوں میں بے پنہاں شکایات درج تھیں' حسنین نے گہرا سانس لیا۔

''اچھی لگ رہی ہو۔'' بالوں کو کھجاتے ہوئے وہ مدھم لہجے میں بولا تو یک دم ہی اس وقت مرجھائے چہرے پر رنگ بکھرنے لگے۔ وہ دو قدم اس کی طرف بڑھی۔

''ریئلی؟'' وہ بے یقینی سی کیفیت میں اس سے تصدیق چاہ رہی تھی۔

''ہاں ناں' یوں لگ رہا ہے جیسے بے حد خوب صورت بلیک اینڈ وائٹ منظر میں کھڑی حسین و جمیل لڑکی کو ایڈیٹ کر کے رنگین کر دیا گیا ہے۔'' حسنین نے اس کے کلرفل اور بلیک امتزاج کی خوب صورت ڈریسنگ اور موسم کی طرف اشارہ کرتے کہا تو فاطمہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

''اونہہ......تعریف بھی ڈھنگ سے نہیں کر سکتے۔'' لب بھینچ کر اس نے دل کی آواز کو دل میں ہی دبایا۔

''کیا ہوا؟'' فاطمہ مسلسل خاموش تھی تو حسنین نے پوچھا۔

''نہیں کچھ نہیں' باہر آجائیں اور پلیز یہ کینڈل بجھا کر آنا۔'' دوسرے پل وہ کوئی شکایت کیے بنا باہر کی طرف بڑھ گئی اور حسنین گہرا سانس لیتا' سر کو کھجاتا' مدھم مسکراہٹ چہرے پر سجا کر واش روم کی طرف بڑھ گیا اور پھر...... کچھ دیر بعد وہ سب چائے کے ساتھ اسنیکس اور دن بھر کی روداد سے لطف اندوز ہونے لگے۔

❀......❀......❀

''آپی کہاں گئی تھیں' کب سے تائی اماں آپ کو آوازیں دے رہی ہیں۔'' روشانے عبایا اتار کر بیٹھی تھی کہ حمنی کمرے میں داخل ہوئی۔

''وہ موبائل کے لیے بیلنس اور ایک بک بھی لینی تھی تو......''

''آپی......'' حمنی نے تیزی سے اس کی بات کاٹی تو روشانے نے اسے دیکھا۔

''آپی پلیز کیوں اپنے آپ کو مشکل میں ڈالتی ہو؟'' حمنی انتہائی متفکرانہ انداز میں اس سے مخاطب ہوئی۔

''اس میں مشکل کی کوئی بات نہیں ہے انسان کو اپنے کام خود ہی کرنے چاہئیں۔'' روشانے دوٹوک انداز میں بولی۔

''لیکن آپی......تائی اماں......''

''اگر میں سات پردوں میں چھپ کر بیٹھ جاؤں ناں تب بھی تائی اماں کو اعتراض ہی ہوگا۔'' روشانے پانی کے ساتھ ساتھ تلخی کو بھی نگلتے ہوئے بولی۔

''آپی......! آپ بلال سے کہہ دیتیں یا کم از کم کسی کو ساتھ تو لے جاتیں ناں۔'' حمنی نے ایک بار پھر اس کو

سمجھانا چاہا۔

"اوکے نیکسٹ ٹائم لے جاؤں گی۔" دوسرے پل روشانے قدرے اکتاہٹ بھرے لہجے میں بولی تو حمنی نے گہرا سانس لیا۔

"آپی...... مما کہہ رہی ہیں کہ موسیٰ بھائی کے لیے چکن پلاؤ پکانا ہے پلیز میری ہیلپ کرادو۔" روشانے نے اپنا عبایا فولڈ کرکے وارڈروب میں رکھ رہی تھی اور اس طرح کھڑی تھی کہ باہر سے آنے والے کو آسانی سے نظر نہیں آرہی تھی۔ عفی نے حمنی کو دیکھا اور سمجھی کہ وہ اکیلی ہے اس لیے بآواز بلند سلطانہ کی ہدایت حمنی تک پہنچائی۔ روشانے نے یک لخت پلٹ کر دیکھا' حمنی نے بھی کن انکھیوں سے روشانے کے ماتھے پر پڑتی سلوٹوں کو دیکھا۔ دوسرے پل اس نے انتہائی غصے سے وارڈروب کا دروازہ بند کیا تو عفی نے یک لخت کونے سے آتی آواز کی طرف دیکھا اور روشانے کو کھڑا دیکھ کر پھر حمنی کو دیکھا جواب سر تھام چکی تھی۔

"تم چلو میں آتی ہوں۔" حمنی نے جلدی سے منظر سے غائب ہونے میں ہی عافیت جانی۔

"رکو۔" عفی بھی باہر کی جانب لپکی تو یک دم ہی روشانے نے دونوں کو روک لیا۔ دونوں نے پہلے ایک دوسرے کو اور پھر روشانے کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"تم دونوں رہنے دو' میں موسیٰ کے لیے چکن پلاؤ پکادوں گی۔" روشانے ایک غیر مرئی نقطے پر نگاہیں جماتے ان کو حیران کرگئی۔

"ریئلی آپی؟" عفی یک لخت پرجوش آواز میں اس کی طرف بڑھی تو حمنی نے اس کو پکڑلیا۔

"نن...... نہیں آپی۔ ہم پکالیں گے ویسے بھی تائی اماں نے عفی سے کہا تھا۔" حمنی یک دم بوکھلائی۔

"ہے ناں عفی......" دوسرے پل عفی کا ہاتھ دباتے ہوئے اس کو ہاں میں ہاں ملانے کا اشارہ کیا۔

"ہا...... ہاں...... ہاں آپی...... ہم پکالیں گے۔" عفی یک لخت بولی اور اس سے پہلے کہ روشانے ان کے انکار پر اپنے اقرار کو تھوپتی حمنی عفی کو تقریباً گھسیٹتی ہوئی سیدھی کچن میں آئی تھی۔

"تمہارا دماغ سیٹ ہے ناں؟" حمنی اپنی سانسیں بحال کرنے لگی۔

"کیا مطلب؟" عفی نے ناسمجھی کا اظہار کیا۔

"روشانے آپی...... موسیٰ بھائی کے لیے ان کی فرمائش پر پلاؤ پکائیں اور اس میں کوئی گڑبڑ نہ ہو' یہ ممکن ہے بھلا؟" حمنی نے عفی کو روشانے کی خطرناک تیوروں سے آگاہ کیا۔

"اور پھر تائی اماں کا پتا ہے ناں' خوامخواہ روشانے آپی کو باتیں سناتیں اور پھر آپی اور موسیٰ بھائی کے بیچ کی دشمنی مزید بڑھ جاتی۔" حمنی چکن پلاؤ کے لیے چیزیں تیار کرتے ہوئے عفی کو تفصیلاً بتارہی تھی۔

"کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے کہ روشانے آپی تائی اماں کی بیٹی نہیں بہو ہیں۔" عفی چاولوں کو بھگوتے ہوئے حمنی سے بولی۔

"لگتا تو سب کو ایسے ہی ہے لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔" حمنی پیاز کو چھیل کر سائیڈ پر رکھتے ہوئے بولی۔

"ویسے اصولی طور پر تائی اماں کو مالا سے پرابلم ہونی چاہیے تھی کیونکہ وہ چھوٹی ہے اور پھر ہم دونوں سے بھی لیکن یہاں تو گنگا ہی الٹی بہہ رہی ہے۔" عفی نے دیگچے کو چولہے پر چڑھایا تو حمنی نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

"ویسے ان دونوں کے درمیان اس جنگ میں کچھ غلطی روشانے آپی کی بھی ہے ناں یار...... وہ اتنی ضدی ہیں کہ صرف من مانی کرنا جانتی ہیں۔ ان کی ضد پر ہی تائی اماں کو غصہ آتا ہے اور پھر جو ہوتا ہے تم جانتی ہی ہو۔" عفی نے ہمیشہ کی کہی ہوئی بات دہرائی۔

"لیکن میرے خیال میں تو روشانے آپی اگر ضدی ہیں تو اس میں بھی تائی اماں کی ہی غلطی ہے' انہوں نے بار بار آپی کو یہ احساس دلایا ہے کہ وہ لڑکا چاہتی تھیں۔" حمنی نے عفی کو دیکھ کر کہا۔

"لیکن یہ تو اللہ کی کرامات ہیں' بیٹا یا بیٹی اس نظام کا بال برابر اختیار بھی اس پاک ذات نے انسان کو نہیں سونپا۔ اب اگر تائی اماں اولاد نرینہ سے محروم رہی ہیں تو اس میں کسی اور کا

کیا قصور؟ بیٹیاں اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہوتی ہیں اور رحمتوں کو ٹھکرانا اور پھر یہ توقع رکھنا کہ برکت ہو سراسر حماقت ہے۔'' حمنی پرجوش انداز میں عفی کو بتا رہی تھی یہ جانے بغیر کے باہر کوئی کھڑا ہے۔ جو اُن کی فیملی کی یہ تلخ حقیقت جان چکا ہے روشانے کے تلخ رویوں کی وجہ سے آشنا ہو چکا ہے۔

''اور تم جانتی ہو روشانے آپی بے انتہا حساس دل کی مالک ہیں۔ بہت نرم دل ضد کرتی ہیں غصے سے چلاتی ہیں اور پھر چھپ چھپ کر روتی بھی ہیں۔'' حمنی کو روشانے بے حد عزیز تھی تبھی زیادہ تر وہ اس کی حمایت میں ہی بولتی تھی۔

''آہم آہم...... کیا ہو رہا ہے بھئی۔'' وہ دونوں یک لخت ہی چونک کر پلٹی تھیں۔

''موسیٰ بھائی آپ؟'' حمنی یک دم نروس ہوئی اس خیال سے کہ کہیں موسیٰ نے روشانے کے متعلق باتیں نہ سن لی ہوں۔

''میں کوئی بھوت ہوں کیا جو تم دونوں کی رنگت اڑ گئی۔'' موسیٰ اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے مصنوعی رنجیدگی سے پوچھنے لگا۔

''نن...... نہیں بھائی! ایسی بات نہیں ہے دراصل ہم......''

''ہم آپ کے لیے ایک سرپرائز تیار کر رہے تھے آپ کے آنے کا مطلب ہمارے پلان کا راز فاش ہونا ہے اس لیے ہماری رنگت ہی اڑ گئی۔'' حمنی بولی کہ عفی نے فٹافٹ اس کی بات کاٹ دی تو حمنی نے تنبیہہ نظروں سے اسے دیکھا جبکہ موسیٰ کا قہقہہ بلند ہوا۔

''ارے واہ اور سرپرائز کیا ہے؟'' موسیٰ شریر لہجے میں اس سے پوچھنے لگا۔

''لو اب یہ بتا دیا تو سرپرائز خراب نہ ہو جائے گا۔'' عفی رخ موڑ کر کہنے لگی جبکہ حمنی اس کی بے وقوفی پر دل ہی دل میں اس کو سنے کے ساتھ مسلسل گھور بھی رہی تھی۔

''ہاں یہ تو ہے۔ ایک فیور کی امید رکھ سکتا ہوں آپ دونوں سے؟'' موسیٰ کے رازدارانہ انداز پر دونوں نے چونک کر اسے دیکھا۔

''ہاں کیوں نہیں۔'' حمنی اور عفی بیک وقت بولیں۔

''اگر روشانے پلاؤ پکانا چاہتی ہے تو اسے پکا لینے دیں۔'' مدھم مسکراہٹ کے ساتھ موسیٰ نے باری باری دونوں کے حیران چہروں کی طرف دیکھ کر کہا۔

''اوہو......'' دونوں کی اوہو پر وہ کھلکھلا کر ہنسا اور پھر بنا کوئی وضاحت دیئے وہاں سے چلا گیا اور وہ دونوں موسیٰ کی اس فرمائش پر معنی خیز کھلکھلاہٹ کی گہرائی میں جانے کے لیے غور و فکر کرنے لگیں اور پھر عفی روشانے کو بلانے کی غرض سے باہر نکل گئی۔

❀......❀......❀

''سنو! چائے کے بعد تم اپنی اور میری پیکنگ کر لینا کل شام ہم نے لاہور جانا ہے۔''

''کیا...... لاہور...... واقعی؟'' حسنین نے چائے پیتے ہوئے مدھم رازدارانہ انداز میں کہا لیکن فاطمہ اس کی سرگوشی سنتے ہی چلا اٹھی۔

''جی رئیلی۔'' حسنین جواباً اس کو خاموش رہنے کا کہنے لگا تھا اس کے تاثرات دیکھ کر خاموش ہو گیا جبکہ زرفین اور عذرا مسکرانے لگی تھیں۔

''اچھا چھٹی منظور ہو گئی ہے۔'' یک لخت ہی فاطمہ کو اپنی بے صبری کا ادراک ہوا تھا اس لیے مزید کوئی تفصیل پوچھنے کی جسارت نہ کر سکی اب حسنین تو عذرا کی طرف متوجہ ہو چکا تھا اور وہ زرفین کی خشمگیں نظروں کی زد میں تھی اور جب وہ چائے کے برتن سمیٹنے کے لیے اٹھی تو زرفین بھی اس کے ہمراہ تھی۔

''تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم اپنی بے وقوفیاں کب چھوڑو گی؟'' فاطمہ کچن میں داخل ہوئی ہی تھی کہ زرفین نے آ لیا۔

''کیا ہوا؟'' وہ کترا کر گزرنے لگی کہ زرفین اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور کمر پر دونوں ہاتھ رکھے اس سے مخاطب تھی فاطمہ نے تنگ لہجے میں کہا تو زرفین پھر سے اسے گھورنے لگی۔

''یار مجھے یہ راز و نیاز رکھنے نہیں آتے۔'' فاطمہ منہ بسورتے ہوئے بولی۔

''جانتی ہوں۔'' زرفین نے ایک بار پھر سرد آہ بھری۔
''حسنین بھی ناں۔'' فاطمہ چائے کی پیالیوں کو ٹرے سے نکال کر قدرے اکتائے لہجے میں بولنے لگی تو زرفین نے حیرت سے اسے دیکھا جواب اپنی بے وقوفی کا الزام حسنین پر ڈالنے لگی تھی۔
''یار یا تو بندہ اونچی آواز میں بات کرے یا اکیلے میں یوں بھری محفل میں اتنی ایکسائٹڈ نیوز اس طرح سرگوشی میں بتانے کی کیا تک بنتی ہے ہاں۔'' فاطمہ انتہائی بددلی سے اس سے پوچھنے لگی۔
''بھائی تمہیں سرپرائز دینے کا پلان بنا رہے تھے۔'' زرفین دانت پیس کر اس کو بتانے لگی۔
''ہاں تو جب روم میں تھے تب بتا دیتے ناں تاکہ میں خوشی کا اظہار تو کھلے دل سے کرلیتی' وہاں تو گھورتے رہے اور......''
''اُف فاطمہ......'' وہ بنا لحاظ کے بولتی چلی گئی تو زرفین نے بے اختیار سر تھام لیا اس نے اسے دیکھا۔
''تم تو جانتی ہو ناں میں کتنی دعائیں مانگ رہی تھی اب کیا دعا کے قبول ہونے پر میں لب بھینچ کر چیخوں؟'' فاطمہ تقریباً برا منا چکی تھی اس لیے قدرے تیکھے انداز میں زرفین کی طرف دیکھ کر کہا۔
''اچھا معاف کردو' تمہارے ساتھ مغز کھپائی کا مطلب اپنا ہی دماغ خراب کرنا ہے۔'' اب زرفین بھی جھنجھلائی تھی' فاطمہ نے منہ بسور کر اسے دیکھا۔
''اچھا جاؤ تم پیکنگ کرو' میں باقی کام کرلوں گی۔'' دوسرے پل زرفین کو اس کی حالت پر ترس آ گیا۔
''اُف......اب تو بچپنا چھوڑ دو۔'' زرفین اس کو دیکھتے ہوئے ہنس کر بولی۔
''لائف کو انجوائے کرنا ہے تو بچپن کو کبھی الوداع نہ کہنا۔'' فاطمہ کی بھی اپنی ہی لاجک تھی۔
''ہاں لیکن عمر کے ساتھ ساتھ تھوڑی بہت میچورٹی تو آنی چاہیے ناں۔'' زرفین نے اپنا نقطہ نظر پیش کیا۔
''بالکل آنی چاہیے لیکن خوشیوں کو مکمل طور پر اپنانا چاہیے۔ خوشی کو بچوں کی طرح ویلکم کرنا چاہیے اور سنجیدہ معاملات کو میچورٹی سے ڈیل کرنا چاہیے۔'' فاطمہ نے ایک اور منطق پر زرفین کو حیرت سے دیکھا۔
''اچھا۔'' زرفین ہار مانتے ہوئے بولی۔
''اب جاؤ اور تیاری شروع کرو' ہنی مون پر جانے کی۔'' اب زرفین نے اس کو چھیڑا۔
''ہاہاہا......ویری فنی' بندہ ساتھ کوئی سگھڑ سا ہوتا تو تیاری بھی خاص ہوتی اب کیا تیاری' کہاں کا ہنی مون۔'' فاطمہ نے ایک بار پھر دہائی دی تو زرفین کو اپنا قہقہہ روکنا مشکل لگا' فاطمہ نے خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا۔
''حد کرتی ہو تم بھی' اب کیا میرے بھائی کے لیے ایک ہی لفظ بچا ہے 'سگھڑ......'' زرفین ایک بار پھر ہنسی۔
''ہاں تو اور کیا۔'' فاطمہ اب بلا جھجک حسنین پر تبصرے کیا کرتی تھی' جن کو کبھی تو زرفین بھرپور طریقے سے انجوائے کرتی تو کبھی اس کو ڈانٹ ڈپٹ کر شرم دلانے کی ناکام کوشش میں جت جاتی۔
''پیار' محبت کے معاملے میں تو ایک نمبر کا اناڑی ہے تمہارا بھائی' ویسے ہے اچھا۔''
''تم کون سا ایکسپرٹ ہو۔'' زرفین نے اس کو دیکھا۔
''میں تو نہیں ہوں لیکن ان کو ہونا چاہیے تھا ناں۔'' وہ مسلسل مسکرا رہی تھی۔
''اچھا خیر یہ بحث اب کسی کام کی نہیں' نہ تم سدھر سکتی ہو نہ ہی بھائی میں کوئی تبدیلی آئے گی۔ اس لیے ٹوٹا پھوٹا ہی سہی پر ہنی مون پر جانے کی تیاری کرو۔'' اس سے پہلے کہ فاطمہ مزید اس بحث کو طویل کرتی زرفین نے اس کو ٹوک دیا اور وہ بھی اچھے بچوں کی طرح سر اثبات میں ہلا کر باہر نکل گئی اور زرفین شام کے لیے کھانے کی تیاریوں میں مصروف ہوگئی۔

❀......❀......❀

''عفی......بات سنو۔''
''جج......جی تائی اماں۔'' عفی اپنے نوٹس تیار کرنے میں مصروف تھی کہ سلطانہ نے کرخت آواز سے اس کو بوکھلا دیا۔
''وہ نیچے جو دائیں جانب کمرہ ہے وہ ابھی تک سیٹ

کیوں نہیں ہوا؟'' وہ اس پر نظریں جماتے اس سے استفسار کررہی تھیں۔

''تا...... تائی اماں...... مجھے نہیں معلوم۔'' عفی یک لخت اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

''چلو میرے ساتھ اور پہلے اس کی صفائی ستھرائی کرلو باقی کام بعد میں۔'' سلطانہ نے ایک قہر آلود نظر اس پر ڈال کر حکم صادر کیا۔

''تائی اماں...... کل میرا ٹیسٹ ہے' تو کک...... کچھ دیر بعد کروں گی......'' عفی نے ڈرتے ڈرتے ان سے کہا۔

''بے پروائی کی حد ہوتی ہے' پچھلے دو دن سے مسلسل کہے جارہی ہوں کہ کمرہ سیٹ کردو لیکن اب میری کہی باتیں فقط بک بک کے سوا اور کیا ہے۔ تم لڑکیوں کے اپنے کام ہی ختم نہیں ہوتے۔'' پل بھر میں سلطانہ کا پارہ آسمان کو چھونے لگا تھا۔

''نن...... نہیں تائی اماں۔ ایسی بات نہیں ہے' چلیں آپ میں کردیتی ہوں۔'' عفی اب ہر طرف سے ڈانٹ سننے کے خوف میں مبتلا ہونے لگی تھی اس لیے جلدی میں ان کے پاس جا کھڑی ہوئی اور سلطانہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ عفی کا ٹیسٹ ہے اور گھر کے کاموں کے بجائے اس کا پڑھنا زیادہ ضروری ہے اس کو ہمراہ لے کر کمرہ صاف کروانے چل پڑی اور عفی دل ہی دل میں حمنی اور مالا کو کوسے جارہی تھی جنہوں نے یہ ذمہ داری لی تھی لیکن کیا کچھ بھی نہیں۔

''ٹھیک ہے تم جاؤ اب' باقی میں کرلوں گی۔'' تقریباً دو گھنٹے کی محنت مشقت کے بعد سارے کمرے کی ڈسٹنگ' واز میں پھولوں کو سیٹ کرنا' بیڈ اور سائیڈ ٹیبل کی پوزیشن کو بدلنا' پردوں کو جھاڑنا' وارڈ روب سے پرانے کپڑوں کو نکال کر الگ کرنا' جب عفی' سلطانہ کی ہدایات پر عمل کرتے کرتے یہ سب کرچکی اور اب صرف بیڈ شیٹ بچھانا باقی تھا تو وہ بولی کہ باقی میں کرلوں گی عفی ہونقوں کی طرح ان کو دیکھے گئی۔

''کیا ہوا' ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟'' وہ بیڈ شیٹس کو دیکھتے ہوئے ایک سرسری نظر اس پر ڈال کر پوچھنے لگی۔

''جاؤ تم اب ٹیسٹ کی تیاری کرو۔'' عفی تھکن سے نڈھال ہورہی تھی اس پر سلطانہ کا یہ انداز وہ بنا ایک لفظ کہے وہاں سے واپس آگئی۔

''کیا ہوا تمہیں؟'' وہ کتاب کو کھولے اپنے بازو سہلا رہی تھی کہ حمنی اور مالا دونوں کمرے میں داخل ہوئیں۔

''کتنی کام چور اور فضول لڑکیاں ہو تم دونوں۔'' عفی ماتھے پر بل ڈال کر دانت پیس کر اس سے مخاطب ہوئی۔

''ہیں...... خدا خیر کرے ایسی کون سی خطائیں سرزد ہوگئی ہیں ہم سے جو اتنے نادر القاب سے نوازا جارہا ہے؟'' حمنی نے متنفر نظروں سے اسے دیکھ کر استفسار کیا اور سوالیہ نظروں سے مالا کو دیکھا جس نے کندھے اچکا کر لاعلمی کا اظہار کیا۔

''جب تائی اماں نے کہا تھا کہ حسنین بھائی اور فاطمہ بھابی کے لیے کمرے کی سیٹنگ کرنی ہے تو اس وقت تو بڑے جوش سے ہامی بھری تھی بعد میں کیوں موت پڑگئی تھی۔'' عفی اب سارا غصہ ان پر نکال رہی تھی۔

''اُف باپ رے۔'' یک لخت ہی حمنی نے سر پیٹ لیا۔

''بالکل بھول گئی میں تو' مالا چل جلدی سے۔'' دوسرے پل وہ جلدی سے مالا کی طرف پلٹی۔

''رہنے دو اب اس ناٹک کو۔'' عفی اس کی عجلت کو تیکھی نظروں سے دیکھ بولی۔

''کیا مطلب؟'' مالا نے عفی کی بے زاری کو گہری نظر سے دیکھا۔

''آپی لگتا ہے اپنی عفی' تائی اماں کے ہتھے چڑھ چکی ہے۔'' مالا نے حمنی کی طرف جھک کر سرگوشی کی۔

''کیا ہوا عفی کیا تائی اماں نے ڈانٹا ہے؟'' حمنی' عفی کے پاس آکر بیٹھی جواب اس کوشش میں مصروف تھی کہ ٹیسٹ کی تیاری پر دھیان دے سکے لیکن اب ایک تو تھکاوٹ اور دوسرے موڈ بھی نہیں رہا تھا اس لیے کتاب کی طرف توجہ کی ناکام کوشش میں مصروف تھی۔

''تم دونوں جانتی تھی ناں یار کہ میرا ٹیسٹ کتنا ضروری ہے؟ اور موسیٰ بھائی کے آنے کی وجہ سے تیاری نہیں ہوسکی اور اب حسنین بھائی کی وجہ سے۔ تم دونوں اگر کمرہ سیٹ کردیتیں تو میں دو گھنٹوں میں اچھا خاصا پڑھ لیتی اب تو......''

"کیا..... تم نے اکیلے کمرہ سیٹ کردیا؟" اس کی بات کاٹ کر حمنی تیزی سے متعجب لہجے میں بولی۔ عفی نے انتہائی بے بسی سے ان کو بتایا یوں جیسے کسی گناہ کا اعتراف کررہی ہو۔

"او..... آئی ایم رئیلی سوری..... میرے تو دماغ سے بالکل ہی نکل گیا۔ اچھا اب تم ٹیسٹ کی تیاری کرلو باقی کام ہم کرلیں گے۔" حمنی کو صحیح معنوں میں افسوس ہورہا تھا اس نے مالا کی طرف دیکھ کر کہا اس نے اثبات میں سر ہلایا تو عفی نے گہرا سانس لے کر بے دلی سے ایک بار پھر کتاب پر نظریں جمادیں۔

"ذرائع سے ایک بہت دھماکہ اور سنسنی خیز خبر معلوم ہوئی ہے۔" حمنی جاتے جاتے پلٹی اور مالا اور عفی نے اس کے چہرے پر نظریں جمادیں۔

"اب بتا بھی دو خوامخواہ کا سسپنس کری ایٹ کررہی ہو۔" حمنی کتنی دیر تک کچھ نہ بولی تو عفی نے تپ کر کہا۔

"یار سنا ہے کہ تائی اماں روشانے آپی اور موسیٰ بھائی کی بینڈ بجانا چاہتی ہیں۔" حمنی انتہائی راز دارانہ انداز میں ان دونوں کو بتانے لگی۔

"ہیں.....! وہ کیوں بھلا؟" مالا نے چونک کر انہیں دیکھا تھا یقیناً وہ حمنی کی اطلاع کی گہرائی تک نہ پہنچی تھی۔

"رئیلی..... یہ کیسے ہوسکتا ہے؟" عفی یک لخت بات کو سمجھنے کے ہنر سے مالا مال تھی۔

"یہ تو نہیں پتا کہ کیسے ہوسکتا ہے لیکن یہ ضرور پتا ہے کہ اگر تائی اماں کے دل میں یہ خواہش ہے تو ہر حال میں ہوسکتا ہے۔" حمنی متفکرانہ انداز میں بولی۔

"روشانے آپی کو ویسے ہی موسیٰ بھائی سے چڑ ہے اب اگر ان تک تائی اماں کے خیالات پہنچے تو مجھے تو ڈر ہے کہ موسیٰ بھائی کو ہم کھو ہی نہ دیں۔" مالا اب ساری بات سمجھ چکی تھی انتہائی دکھی انداز میں بولی تو عفی اور حمنی دونوں نے اسے گھورا۔

"مزید ذرائع سے ایک اور بات بھی معلوم ہوئی ہے۔" حمنی نے چاروں طرف دیکھ کر ایک بار پھر راز داری کو اپنایا تو وہ چونکیں۔

"یہ تمہارے ذرائع کون سے ہیں جو تمہیں ہر بات بتادیتے ہیں؟" عفی نے ابرو اچکا کر اس کو دیکھا۔

"اب ہر بات تو نہیں بتائی جاتی ناں' کچھ باتیں راز رہنی چاہیے۔" حمنی نے فرضی کالر جھاڑے۔

"اچھا اب زیادہ شوخی نہ ہو اور جلدی سے بتاؤ اور جاؤ یہاں سے میں نے پڑھنا ہے۔"

"سنو' تم میں سے کسی کے پاس فاطمہ کا نمبر ہے تو پلیز مجھے دو۔" اس سے پہلے کہ حمنی ایک اور خبر بریک کرتی روشانے موبائل پکڑے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی تو لمحہ بھر میں وہ تینوں جو سر جوڑے بیٹھی تھیں یک لخت ہی اس دائرے کو توڑ دیا۔

"فاطمہ بھابی کا نمبر؟" حمنی کو حیرت ہوئی۔

"ہاں یار مجھ سے اس کا نمبر مس ہوگیا ہے۔" روشانے نے مسلسل کنٹیکٹ لسٹ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کمال ہے آپ کے پاس فاطمہ بھابی کا نمبر تھا۔" مالا کو حیرت ہوئی تھی' روشانے نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟" وہ ایک بار پھر مصروف ہوتے ہوئے بولی۔

"نہیں آپی وہ..... دراصل فاطمہ بھابی اور آپ کے مزاج میں اتنا ہی فرق ہے ناں جتنا....."

"چاند اور سورج میں۔" حمنی مالا کی حیرت کی وضاحت دینے لگی تو عفی نے یک لخت اس کی بات کو مکمل کیا روشانے کے ساتھ ساتھ حمنی اور مالا نے بھی اسے دیکھا اور ہنس دیں۔

"ویسے تم لوگ کیا باتیں کررہی تھیں؟" حمنی کے موبائل سے فاطمہ کا نمبر نوٹ کرکے روشانے ان کی طرف متوجہ ہوئی اور وہ جو یہ سمجھ رہی تھیں کہ روشانے نے ان کے اس طرح سر جوڑ کر بیٹھے رہنے کو کوئی اہمیت نہیں دی یک لخت بوکھلا گئیں۔

"کچھ خاص نہیں آپی' میرے ٹیسٹ کے بارے میں بات کررہی تھیں۔" پل کی پل میں عفی نے بات بنائی اور دوبارہ اپنی کتاب کو کھول لیا تو حمنی اور مالا نے تشکر آمیز نظروں سے اس کو دیکھا جبکہ روشانے اثبات میں سر ہلا کر فاطمہ کا نمبر ڈائل کرنے لگی تھی۔

❀.....❀.....❀

"اُف...... یہ کیا ہوا؟" اس کی خود کلامی کمرے میں گونجی' فاطمہ کمرے میں داخل ہوئی کہ اب وہ پیکنگ کرنے لگی تھی۔ وارڈ روب سے اپنے کپڑے نکال کر بیڈ پر رکھے اور حسنین کی شرٹس پینٹس اور دوسری ضرورت کی چیزیں سائیڈ پر رکھتی جاری تھی کہ پھر سوٹ کیس میں ڈال لے گی کہ یک لخت اس کی نظر سائیڈ ٹیبل پر پڑی جہاں وہ گلاب کی پتیوں کو کینڈل کے ساتھ سیٹ کر کے گئی تھی اور حسنین سے کہا تھا کہ باہر آتے وقت کینڈل کو بجھا کر آئے۔ دوسرے پل وہ ہاتھ میں پکڑی شرٹس کو تقریباً پھینک کر سائیڈ ٹیبل کی جانب بڑھی تھی کہ شاید اس کی آنکھیں دھوکا کھا رہی ہیں۔

وہ ٹیبل کے پاس پہنچی تو دکھ کے مارے بیٹھ گئی' ساری پتیاں بکھری پڑی تھیں' کچھ ٹیبل کے نیچے زمین پر گری اپنی ناقدری پر رو رہی تھیں۔ کہیں سے بھی معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ یہ کلیاں کچھ دیر پہلے کس قدر خوب صورتی سے سیٹ کی گئی تھیں۔ فاطمہ حسرت بھری نظروں سے ان بکھری کلیوں کو دیکھے جا رہی تھی۔

"کیا ہوا؟" حسنین کمرے میں داخل ہوا تو اس کو گم صم بیٹھے دیکھ کر اس کے پاس آرکا۔

"میں یہ سیٹ کر کے گئی تھی لیکن ساری پتیاں اڑ گئیں۔" فاطمہ رونی صورت کے ساتھ بکھری پتیوں کی طرف اشارہ کر کے حسنین کو بتانے لگی۔

"او اچھا...... لیکن یہ تو......" حسنین یک لخت بوکھلایا۔

"کیا......؟" فاطمہ نے تشویش ناک نظروں سے حسنین کو دیکھا۔

"یہ...... آئی ایم سوری۔" حسنین اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے اس کے ہاتھ پکڑ کر معذرت کرتے اس کو حیرت سے دوچار کر گیا۔

"سوری کیوں؟" یک لخت ہی فاطمہ کا دل دھڑکا۔ وہ اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا کر بال پیچھے کرتی ہوئی اس کی طرف دیکھ کر پوچھنے لگی تو حسنین مسکرا دیا۔ اس کے ہوائیاں اڑتے چہرے سے وہ سمجھ گیا کہ وہ کیا سمجھ رہی ہے۔

"تم نے کہا تھا ناں کہ کینڈل بجھا کر آنا تو وہ...... میں نے پھونک ماری تو شاید ساری پتیاں بکھر گئی تھیں۔" حسنین نے ایک بار پھر اس کا ہاتھ تھاما۔

"واٹ......؟" وہ چیخی۔

"سوری۔" حسنین کھل کر مسکرایا۔

"کوئی بات نہیں' میں سمجھی کہ......"

"لاہور کا پروگرام نہیں ہے اس لیے سوری بول رہے ہیں۔" حسنین نے گہری نظر سے اسے دیکھا۔

"ارے واہ' یہ کیسے پتا چلا۔" فاطمہ کے چہرے پر کھلکھلاتی مسکراہٹ پر حسنین نے گہرا سانس لیا۔

"اب اتنا بھی اناڑی نہیں ہوں۔"

"ہاہاہا......" فاطمہ اس کی معذرت پر مطمئن ہو گئی تھی۔

"اب میں کچھ پیکنگ کرلوں۔" فاطمہ ایک بار پھر ہاتھ چھڑا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہاں کرلو۔" حسنین ریلیکس انداز میں بیڈ پر ریسٹ کرنے کی غرض سے لیٹا اور پل بھر میں اپنا لیپ ٹاپ کھول کر ساتھ رکھ لیا۔ فاطمہ نے اس کی مصروفیت کو کڑی نظر سے گھورا اور دوبارہ پیکنگ کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"اور ہاں......" یک دم ہی حسنین نے نظریں لیپ ٹاپ کی اسکرین پر جماتے ہوئے کہا تو وارڈ روب سے کپڑے نکالتی فاطمہ نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

"پلیز میری لیدر کی جیکٹ بھی رکھ لینا اور اپنی شال بھی۔" حسنین مسلسل اسکرین کی طرف متوجہ تھا' فاطمہ نے تنبیہہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"مجھ سے کچھ کہا؟" وہ اب شرٹس لیے بیڈ کے دوسرے سرے کی جانب کھڑی تھی۔

"اب تمہارے علاوہ اور کون ہے یہاں؟ اور دیواروں سے باتیں کرنے کی مجھے عادت نہیں۔" حسنین نے ایک سرسری نظر اس پر ڈال کر قدرے جھنجلا کر کہا۔

"تو جناب جس کو مخاطب کیا جاتا ہے ناں اس کی طرف دیکھا بھی جاتا ہے ورنہ لوگ یہی سمجھیں گے کہ بندے کا دماغی توازن مفلوج ہو چکا ہے اور وہ دیواروں سے باتیں کر رہا ہے۔" فاطمہ نے انتہائی چڑ کر حسنین پر طنز کیا تو اس

نے چونک کر اس کے بے نیاز البڑ انداز کو دیکھا۔
"کیا...... کہا؟" حسنین اب نظریں اس پر جمائے استفسار کررہا تھا۔
"جس طرح آپ کو میرا بڑبڑانا نہیں بھاتا ناں اسی طرح میری طرف دیکھے بغیر مجھ سے آپ کا بات کرنا مجھے نہیں بھاتا۔ اب آپ متوجہ کہیں اور ہیں اور بات کررہے ہیں کسی اور سے تو دیکھنے والا آپ کے بارے میں غلط اندازے ہی لگائے گا ناں۔" اب فاطمہ کی شکایتیں شروع ہوگئی تھیں۔ حسنین اس کی عجیب منطق پر گہرا سانس خارج کرکے لیپ ٹاپ کی اسکرین کو شٹ ڈاؤن کرکے اٹھ کر اس کے پاس آ کھڑا ہوا۔
"میں یہ کہہ رہا تھا کہ......" حسنین نے جھک کر اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھاما اور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہنے لگا تو یک دم ہی فاطمہ کی دھڑکنوں نے اُدھم مچانا شروع کردیا۔ اس کی خلاف توقع قربت سے اس کے اوسان خطا ہونے لگے' لمحہ بھر سے زیادہ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ نہ سکی تو نظریں خود بخود جھک گئیں۔ حسنین اس کے چہرے پر نظریں جمائے' مدھم مسکراہٹ کے ساتھ اس کے پلکوں کے لرزنے کا منتظر انتہائی قریب سے ملاحظہ کررہا تھا۔ اس کے ہاتھوں کے سہارے وہ اس کی جانب جھکا۔
"میری لیدر کی جیکٹ اور اپنی شال رکھ لینا۔ موسم کا کوئی بھروسہ نہیں اور میں شاہ رخ خان نہیں ہوں نہ ہی ہیرو کی نسل سے ہوں کہ موسمی خرابی کے باعث اپنی جیکٹ اتار کر تمہیں دے دوں گا' اس لیے اپنا انتظام کرکے چلنا۔" گہری مسکراہٹ کے ساتھ اس کی جھکی نظر اٹھا کر اسے دیکھا' چہرے پر بکھرے رنگوں کو حصار میں لیتے ہوئے حسنین نے کہا تو یک لخت فاطمہ نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا' پل بھر میں وہ چونکی تھی۔ اس کی مسکراتی آنکھوں کی شرارت کو اب بخوبی سمجھ رہی تھی' دوسرے پل اس کے ہاتھوں کو جھٹکا اور اس سے دو قدم فاصلے پر ہوگئی۔
"جی معلوم ہے کہ آپ ہیرو نہیں ہیں' اس لیے بے فکر رہیں' میں اپنا انتظام کرلوں گی۔" نروٹھا لہجہ اور تیکھے تیور اب حسنین کے جذبات مچلنے لگے تھے۔ حسنین نے ایک بار پھر اس کی طرف پیش قدمی کی لیکن اب وہ متوجہ تھی نہ انٹرسٹڈ۔ اس نے سرد آہ بھری اور واپس لیپ ٹاپ کی طرف بڑھا۔
"تمہیں منانا تو مشکل نہیں بس ذرا فری ہوجاؤ پھر......" حسنین کی خود کلامی اس تک پہنچی اور ارادہ اس تک پہچانے کا ہی تھا۔
"ہونہہ......" وہ ہنکاری۔
"بے دردی مورے اناڑی پیا...... شبنم میں کبھی شعلے......" دوسرے پل وہ گنگنائی اور حسنین کے بلند ہوتے قہقہے پر اس کو گھورتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی۔

❀......❀......❀

"اُف مشکل سے بات کو سمیٹا تھا ورنہ روشانے آپی نے تو یہی سمجھنا تھا کہ اب ہم بھی ان کے خلاف ہیں۔" عفی نے حمنی اور مالا کی طرف دیکھ کر کہا۔
"اچھا آپی...... آپ کوئی نیوز بریک کرنے لگی تھیں پلیز جلدی سے بتادیں اس سے پہلے کہ پھر بریک آجائے۔" مالا' روشانے کی بات کا جواب دیتے ہوئے حمنی سے پوچھنے لگی تھی تو عفی بھی متوجہ ہوگئی جبکہ حمنی کا سنجیدہ' گمبھیر انداز انہیں متفکر کرگیا۔
"کیا ہوا؟" عفی نے حمنی کو کندھے سے ہلا کر پوچھا۔
"یار...... تمہیں آپی کا ساتھ دینا چاہیے اس طرح ان کے بارے میں بات نہیں کرنی چاہیے۔"
"ہیں...... کیا مطلب' کس طرح کی بات؟" عفی نے متعجب نظروں سے اسے دیکھا۔
"اگر روشانے آپی کسی فیصلے سے خوش نہیں تو ہمیں ان کو سپورٹ کرنا چاہیے ناں؟" حمنی نجانے کیا سوچ جارہی تھی۔
"اور میرے خیال میں تو ہم نے ہمیشہ آپی کا ساتھ دیا ہے' ان فیکٹ ہم تو تائی اماں کے سامنے بھی بول لیتی ہیں پھر یہ خیال کیسے آیا؟" عفی نے اسے دیکھا۔
"موحد بھائی روشانے آپی میں انٹرسٹڈ ہیں اور آپی کا بس

چلے تو ان کو قتل کردیں لیکن تائی اماں بھی ایسا ہی سوچ رہی ہیں تو ایسے حالات میں ہمیں کس کا ساتھ دینا چاہیے؟'' حمنی نے دونوں کو باری باری دیکھ کر پوچھا۔

''واٹ......؟'' دونوں ایک ساتھ چیخیں۔

''شش...... پلیز موحٰ بھائی کی فیلنگز آپی تک نہ پہنچیں۔'' حمنی نے ان دونوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

''موحٰ بھائی اور روشانے آپی' آگ اور شعلہ۔'' عفی ہنسی۔

''لیکن تمہیں کیسے پتا چلا؟'' عفی نے ابرو اچکا کر اس کی طرف دیکھ کر اس سے پوچھا تو مالا نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

''موحٰ بھائی' حسنین بھائی سے بات کررہے تھے کہ وہ آئیں گے تو وہ ان کو کچھ بتائیں گے اور حسنین بھائی نے ان کی مدد کرنی ہے۔ میں نے سن لیا تو موحٰ بھائی نے مجھے اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی ہے۔'' حمنی نے ساری تفصیل بتائی تو عفی اور مالا کو حقیقتاً جھٹکا لگا۔

''کمال ہوگیا یہ تو' مجھے نہیں لگتا آپی مانیں گی۔ ہاں زبردستی والی بات میں دم ہے۔'' عفی نے رائے دی۔

''یہی تو..... آپی کو اگر تائی اماں کی مرضی کا پتا چل گیا تو سو فیصد ہی پکی بات ہے کہ آپی نہیں مانیں گی۔'' حمنی نے ایک اور نقطہ اٹھایا۔

''اب تائی اماں کو عقل مندی کا ثبوت دینا چاہیے اور روشانے آپی سے نرمی سے بات کرنی چاہیے۔ موحٰ بھائی بہت ڈیسنٹ ہیں آپی ان کو ریجیکٹ کر ہی نہیں سکیں گی لیکن ضد میں وہ کچھ بھی کرسکتی ہیں۔'' عفی حالات کو بخوبی سمجھ رہی تھی۔

''بہرحال کچھ بھی ہو اگر آپی اس رشتے کے لیے راضی نہیں تو ہمیں ان کا ساتھ دینا چاہیے۔ تم دونوں بھی اچھی طرح ازبر کرلو یہ بات۔'' حمنی نے ان دونوں کو بھی تیار کیا۔

''لگتا ہے آپی آرہی ہیں' چلو اب اپنی اپنی جگہ پر جاؤ۔ ان کو کسی قسم کا شک نہیں ہونا چاہیے کہ ہم نے کوئی پلاننگ کر رکھی ہے ورنہ وہ ہم سے بھی دور ہوجائیں گی۔'' حمنی کو نجانے کیوں روشانے کی فکر ستانے لگی تھی۔

''مجھے ایسے کیوں لگ رہا ہے کہ تم جان بوجھ کر مجھے اگنور کررہی ہو؟'' کمرے کی جانب بڑھتے اس کے قدم سماعت سے ٹکراتی آواز پر رک گئے تھے یک لخت اس نے پلٹ کر دیکھا تو موحٰ دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا اس کو جواب دینے کی بجائے روشانے نے قدم بڑھائے۔

''کیا واقعی؟'' وہ سیدھا کھڑا ہوا اور ایک بار پھر آواز پر روشانے رکی۔

''ہاں واقعی۔'' مختصراً اور انتہائی سپاٹ لہجے میں وہ دوٹوک الفاظ میں بولی۔

''وجہ جان سکتا ہوں؟'' وہ یقیناً بحث کے موڈ میں تھا۔

''نہیں۔'' روشانے رخ موڑ کر بولی۔

''کہیں وجہ وہ تو نہیں جو سمجھ رہا ہوں؟'' اب کے روشانے کو قدرے نزدیک سے آواز آئی۔

''تم کیا سمجھ رہے ہو کیا نہیں' مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔'' روشانے اب تلخی پر اتر آئی تھی یا شاید اس کا اطمینان اسے تلخ ہونے پر اکسا رہا تھا۔ ''دوبارہ مجھے آواز دینے کی کوشش نہ کرنا۔'' اس نے وارننگ دی۔

''وجہ بھی بتادو تو کبھی آواز نہیں دوں گا۔'' موحٰ اسی اطمینان کو برقرار رکھتے ہوئے بولا۔

''جو لوگ میرے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتے مجھے ان کا پکارنا پسند نہیں۔'' روشانے کا ضبط کا پیمانہ یک لخت ہی چھلکنے لگا تھا۔

''اچھا تو اگر میں تمہارے لیے کسی قسم کی کوئی اہمیت رکھتا تو یہ پل تمہیں پسند آتے؟'' موحٰ اس کی جھنجلاہٹ کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے مسلسل اس کو زچ کررہا تھا۔

''اونہہ......'' وہ پھر رخ موڑ گئی اور قدم بڑھائے۔

''جواب دے کر جاؤ۔'' پلک جھپکتے ہی موحٰ اس کے سامنے آکر اس کا رستہ روک کر پوچھنے لگا۔

''تم یہاں سے چلے جاؤ موحٰ! میں ایک بار پھر تم سے بدتمیزی سے بات نہیں کرنا چاہتی سو پلیز۔'' وہ ایک بار پھر تلخی سے بولی تو وہ مسکرانے لگا۔

''میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔'' وہ دوٹوک انداز میں بولا تو روشانے ایک خاموش نظر اس پرڈال کر گزرنے لگی مگر وہ پھر اس کے سامنے آ گیا۔

''تم یہاں کیوں آ گئے ہو موحٰ...... پلیز جاؤ یہاں سے۔'' وہ ہتھیار ڈال رہی تھی۔

''تم اب مجھے یہاں سے کہیں نہیں بھیج سکتیں۔'' وہ دونوں بازو کو سینے پر باندھے اسے دیکھ کر مضبوط لہجے میں بولا۔

''اور تم اب میری مرضی کا سہارا لے کر اپنی مرضی نہیں کرسکتے۔'' روشانے نے کوئی پرانا حوالہ دیا تو موحٰ نے پلکوں کو جھپک کر اسے دیکھا اور مسکرا دیا۔

''اوکے...... جو تمہاری مرضی ہے اب وہی ہوگا۔'' اس نے نجانے کون سے رنگ اس کے چہرے پر دیکھ لیے تھے' آنکھوں میں نجانے کون سے عکس جھلملائے تھے کہ موحٰ یک لخت ہی آسودہ حال ہوگیا۔

''تم اب دفع ہوجاؤ۔'' وہ زچ ہوئی۔

''اوکے تم کہتی ہو تو چلا جاتا ہوں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر ساری بات اس پرڈال کر بولا۔

''تم کیا بات کرنا چاہتے ہو؟''

''یہی کہ تمہاری مرضی کی میرے لیے بہت اہمیت ہے' چاہے وہ مرضی زبان سے کہی جائے یا صرف آنکھوں سے عیاں ہو۔'' اس کی مسکراہٹ روشانے کو اندر ہی اندر ڈرا رہی تھی۔

''کیا مطلب؟'' وہ یقیناً اس لمحے اپنی آنکھوں میں مچلتے ایک خوف کی نوعیت سے انجان تھی۔

''اللہ حافظ۔'' موحٰ بنا کوئی وضاحت دیئے ایک گہری نظر اس پرڈال کر وہاں سے پلٹ گیا۔

''اللہ حافظ۔'' وہ زیرلب غائب دماغی سے بولی اور کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

❁......❁......❁

''یار اگر تم بھی چلتی ناں تو میں بور نہ ہوتی۔'' فاطمہ ساری پیکنگ مکمل کرچکی تو زرفین کے پاس آئی۔

''پہلی بھابی دیکھی ہے جو ہنی مون پر نند کو ساتھ لے کر جانا چاہتی ہے وہ بھی اس لیے کہ وہ بور ہوگی۔'' اپنے کپڑے پریس کرتی زرفین نے ہنس کر کہا۔

''ہمارا کیا نند بھابی والا رشتہ ہے؟'' فاطمہ نے اس کے پاس رکھے جوس کے گلاس کو اٹھا کر سپ لے کر پوچھا۔

''نہیں۔'' زرفین مسکرائی۔

''تو چلو ناں تم بھی میں وہاں کسی کو جانتی نہیں' حسنین یہاں نہیں لفٹ کرواتے تو اتنے سارے لوگوں میں کیا خاک خیال کریں گے۔'' فاطمہ منت بھرے لہجے میں اس سے مخاطب ہوئی۔

''ایک تو تم میرے بھائی کو خوامخواہ بدنام نہ کیا کرو۔'' زرفین نے اس کے ہاتھ سے گلاس لیتے ہوئے کہا۔''اور دوسرا کہ تم وہاں بالکل بھی بور نہیں ہوگی' عفی' حمنی کے ساتھ تمہاری خوب جمے گی......''

''قلفی......'' زرفین کی بات کو کاٹ کر اس نے کہا تو وہ ہنس دی۔

''نہیں' قلفی نہیں جمے گی' دونوں بلکہ چاروں بہت اچھی ہیں۔ تمہیں بالکل بور نہیں ہونے دیں گی۔'' زرفین نے استری شدہ کپڑوں کو ہینگرز کے ساتھ لگاتے ہوئے فاطمہ کو بتایا۔

''ہاں' تھوڑی جو گپ شپ ہوتی ہے اس سے اندازہ تو ہے کہ عفی اور حمنی کافی فرینک ہیں' مالا سے زیادہ بات نہیں ہوتی اور روشانے سے بھی صرف میسجز کے ذریعے ہی بات ہوتی ہے لیکن وہ کافی سیریس لگتی ہے۔'' فاطمہ نے زرفین کو بتایا۔

''نہیں' روشانے بالکل بھی سیریس نہیں ہے ہاں تلخ ہے اور اس کی وجہ بھی ہے لیکن وہ بہت اچھی ہے۔ بس گھلنے ملنے میں ٹائم لگاتی ہے لیکن ایک دفعہ اس سے دوستی ہوگئی ناں تو اس سے زیادہ اچھی دوست کوئی نہیں۔'' زرفین نے تفصیلاً اس کو آگاہ کیا۔

''کیا مطلب کیا وجہ ہے؟'' عادت سے مجبور فاطمہ کریدنے لگی تو زرفین نے اسے دیکھا۔

"سلطانہ مامی کا رویہ ماموں جان کی ڈیتھ اور بیٹے کی خواہش نے روشانے کو متاثر کیا ہے۔ وہ ہمیشہ کہتی رہتی ہیں کہ کاش ان کا کوئی بیٹا ہوتا اور پھر ارم مامی کی بھی تین بیٹیاں اور جب بلال پیدا ہوا تو سلطانہ مامی نے بہت خوشی منائی اور ساری توجہ' سارا پیار اس پر لٹا دیا۔ موسیٰ بھائی سلطانہ مامی کے بھتیجے ہیں' ہر وقت بلال اور موسیٰ کی گردان۔ بلال تو چلو گھر میں تھا لیکن بات بات پر موسیٰ کو روشانے' حمنی' عفی اور مالا پر فوقیت دینا روشانے کے لیے ناقابل برداشت ہے اس لیے کچھ معاملات میں وہ انتہا کی ضدی اور خودسر ہے لیکن دل کی بہت اچھی ہے۔" زرفین نے ساری کہانی اس کے گوش گزار کی جس کو وہ نہایت انہماک سے سن رہی تھی۔

"اور یہ جو موسیٰ ہے......"

"بہت اچھے اور فرینڈلی ہیں' حسنین بھائی سے خاصی دوستی ہے اور کہانی کا ٹوئسٹ یہ ہے کہ وہ روشانے پر فدا ہیں جبکہ روشانے میڈم ان کے خون کی پیاسی۔" زرفین نے اس کو مزید معلومات فراہم کی۔

"واؤ' ایسے ٹوئسٹ تو بڑے مزے دار ہوتے ہیں۔" فاطمہ یک دم ہی خاصی پرجوش دکھائی دینے لگی۔

"لیکن پلیز' موسیٰ بھائی کا یہ عشق ابھی راز ہے۔ روشانے کو اس کی بھنک نہ پڑے ورنہ وہ جو ان کے گھر قیام پذیر ہیں ایک بار پھر نکال دیئے جائیں گے۔" زرفین نے اس کو وارن کیا۔

"ایک بار پھر کیسے...... کیا پہلے وہ وہاں سے نکالے گئے تھے؟" فاطمہ مکمل معلومات حاصل کر رہی تھی۔

"ہاں لیکن کیوں یہ وجہ کسی کو نہیں پتا' لیکن قیاس آرائیاں یہ ہیں کہ روشانے سے جھگڑے کے بعد وہ وہاں سے چلے گئے تھے۔" زرفین نے لاعلمی کا اظہار بھی کیا اور اندازے بھی بتائے۔

"ہوسکتا ہے موسیٰ بھائی صاحب نے روشانے کے سامنے اپنا دل کھول دیا ہو اور روشانے کے انکار پر دل برداشتہ ہوکر بڑے بے آبرو ہوکر تیرے کوچے سے ہم نکلے' ہوگئے ہوں۔" فاطمہ نے بھی تکا لگایا' زرفین نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"ارے یہ تو کبھی ہم نے سوچا ہی نہیں۔" زرفین' حمنی اور عفی لوگوں کے ذہن میں یہ بات کبھی نہ آئی ہوگی۔

"ساڈے نال رہو گے تے عیش کرو گے۔" فاطمہ نے فرضی کالر جھاڑے۔

"ہاں لیکن اس سب کے بارے میں وہاں کسی سے نہ کہنا۔" زرفین نے ایک بار پھر تاکید کی۔

"ارے تسی فکر ہی نہ کرو تے ذکر ہی نہ کرو۔" فاطمہ مسخرے پن سے بولی تو زرفین نے اس کے شریر انداز کو گھورا۔

"اچھا...... اب میں چلتی ہوں حسنین آنے والے ہوں گے تو میں تیار ہولوں۔" فاطمہ عجلت میں کہتی باہر کی طرف بڑھی جبکہ زرفین نے ایک بار پھر سر پیٹ لیا۔

"یااللہ کیا بنے گا اس لڑکی کا۔" وہ زیرلب بڑبڑائی۔

❀......❀......❀

"دیکھو تم وہاں جا کر کوئی بھی ایسی حرکت نہیں کرنا جس سے تمہاری بے وقوفیاں ظاہر ہوں۔"

"واٹ......؟" وہ دونوں اب سفر کرنے لگے تھے حسنین ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا۔ فاطمہ کی طرف دیکھ کر مسکرا کر بولا تو وہ اتنے زور سے چیخی کہ حسنین کا پاؤں یک لخت بریک پر جا پڑا۔

"آپ نے مجھے بے وقوف کہا؟" وہ پوری کی پوری اس کی طرف گھوم کر انتہائی تیکھے انداز میں اس سے پوچھ رہی تھی۔

"نہیں تو......" چہرے پر شریر مسکراہٹ سجائے وہ دوبارہ ڈرائیونگ کی طرف متوجہ ہوا۔

"میں تو صرف یہ کہہ رہا تھا کہ......" وہ مسلسل اس کو گھورے جارہی تھی تو حسنین کھسیانا سا ہنس کر کہنے لگا۔

"کہ......" وہ رکا تو فاطمہ تیزی سے بولی۔

"یار اب ایسی نظروں سے دیکھوگی تو کچھ کہہ سکوں گا کیا؟" وہ منہ بسور کر بولا۔

"اناڑی پیا بڑا اتڑ پائے۔ یہی بات اگر کسی اور انداز میں

کہتے تو وہ یہ سفر کتنا خوش گوار ہو جاتا ناں۔" رخ موڑتے ہوئے فاطمہ بڑبڑائی اور ہمیشہ کی طرح حسنین تک یہ بڑبڑاہٹ نہ پہنچی۔

"میری بے وقوفیاں آپ کے ساتھ کی وجہ سے ہی ہیں ورنہ میں تو اچھی خاصی سمجھ دار ہوا کرتی تھی۔" فاطمہ نے سیٹ بیلٹ باندھتے ہوئے اس کے اناڑی پن پر چوٹ ماری تو حسنین کھل کر مسکرایا۔

"کاش لاہور میں بھی سمندر ہوتا۔" یک لخت ہی فاطمہ نے اپنی ایک خواہش کا اظہار کیا۔

"اب میں نے ایسا بھی کوئی ظلم نہیں کیا کہ تم مجھے سمندر کی روش میں ڈال دو۔" حسنین نے گیئر چینج کرتے ہوئے سرسری نظر سے اسے دیکھ کر کہا۔

"میں نے اس لیے نہیں کہا کہ آپ کو وہاں پھینکنا ہے اس لیے کہا کہ مجھے سمندر کنارے سیپیاں چننا اور واک کرنا بہت اچھا لگتا ہے۔" فاطمہ نے اپنی خواہش کی وضاحت دی اور باہر کے نظاروں سے لطف اندوز ہوتی رہی پھر جب تھکنے لگی تو سیٹ پر سر ٹکا کر آنکھیں موندلیں اور اب حسنین آرام سے مکمل توجہ سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔

❀......❀......❀

حسنین اور فاطمہ کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا تھا' پوری فیملی ان دونوں کے آگے پیچھے گھوم رہی تھی۔ فاطمہ کے پہلی بار یوں برادری ٹور پر ہر کوئی اس کے ناز اٹھا رہا تھا۔ فاطمہ تو ویسے بھی اپنی باتوں اور شوخ چنچل نیچر کا کمایا کھاتی تھی۔ یہاں بھی ہر ایک فرد کے ساتھ اچھی طرح پیش آنا تین دن میں ہی یوں گھل مل گئی جیسے برسوں کی جان پہچان ہو۔ وقتاً فوقتاً حسنین کو اناڑی پیا کے طعنے ملتے رہتے تھے لیکن وہ بھی اپنے نام کا ایک تھا' کہاں سدھرنے والا تھا۔ فاطمہ کی عفی اور حمنی سے اچھی خاصی دوستی ہوگئی تھی لیکن روشانے کا لیے دیے کا سا انداز اس کو رسمی باتوں سے زیادہ آگے نہ بڑھا سکا تھا۔ حسنین اور موسیٰ کی دوستی تو پہلے سے تھی لیکن آج کل وہ ہمہ وقت ساتھ ساتھ دکھائی دینے لگے تھے روشانے زیادہ تر اپنے خول میں مقید رہتی تھی۔

"کیا میں بھی چائے کی فرمائش کر سکتا ہوں؟" فاطمہ کچن میں پانی پینے کے لیے آئی تو روشانے کو وہاں کھڑا پایا جو یقیناً چائے بنا رہی تھی ابھی وہ اپنے لیے چائے کا کہنے لگی تھی کہ موسیٰ کچن میں داخل ہوا۔

"میں چائے نہیں بنا رہی۔" روشانے کے سپاٹ انداز پر فاطمہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"تو بنا دو۔" موسیٰ کو فاطمہ کی موجودگی میں اس کا یہ رویہ شرمندہ کر گیا تھا۔

"سوری' میں مصروف ہوں۔" دوٹوک الفاظ میں انکار پر فاطمہ نے متنفر نظروں سے اسے دیکھا اور پھر موسیٰ کو جو لب بھینچے اسے دیکھ رہا تھا۔

"واہ کیا زبردست سین ہے۔" فاطمہ بڑبڑائی۔

"میں بنا دیتی ہوں۔" یک لخت فاطمہ کو موسیٰ کی سنجیدگی پر ترس آنے لگا۔

"تھینک یو بھابی...... پلیز بنا دیں آپ' سر میں درد ہو رہا ہے۔" وہ اب فاطمہ کی طرف متوجہ تھا۔ فاطمہ نے یک لخت روشانے کو دیکھا جو سر جھکائے مصروف ہونے کی ایکٹنگ میں مصروف تھی۔ فاطمہ نے اثبات میں سر ہلایا تو موسیٰ ایک گہری نظر روشانے پر ڈال کر وہاں سے نکل گیا۔

"یہ لو دے دینا اس کو۔" فاطمہ چائے بنانے کے لیے آگے بڑھی تو روشانے تین کپ میں چائے ڈال رہی تھی ایک فاطمہ کو دیا اور دوسرے پر موسیٰ کا نام درج کر دیا۔ فاطمہ نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"اور کوئی ٹیبلٹ؟" فاطمہ اس سے مخاطب ہوئی تو روشانے نے فرسٹ ایڈ بکس سے پین کلر نکال کر اس کو دی تو فاطمہ نے خاصی معنی خیز نظر سے اسے دیکھا۔

"جب کوئی خاص ہو ناں تو اس کو نظر انداز کرنے سے ہمارا اپنا دل بھی بے چین ہو جاتا ہے۔" فاطمہ چائے کا کپ ٹرے میں رکھتے ہوئے اس سے مخاطب ہوئی تو روشانے نے چونک کر اسے دیکھا۔

"کیا مطلب؟" وہ انجان بننے کی بھرپور کوشش میں تھی۔

''مطلب تو تم بھی جانتی ہو۔'' فاطمہ پر یقین لہجے میں بولی تو روشانے لب بھینچ کر اسے دیکھنے لگی۔

''محبت کے ساتھ ضد نہیں کرتے' سچے جذبے بہت زور آور ہوتے ہیں لیکن اگر ضد کی دیواریں مضبوط کرلی جائیں ناں تو نقصان صرف اور صرف ضد کے حصے میں آتا ہے۔'' فاطمہ نے پل بھر میں روشانے کو جانچ لیا تھا۔

''تم اس طرح کی باتیں کیسے کرسکتی ہو۔'' روشانے نے ہمیشہ فاطمہ کو ہنسی مذاق کرتے ہی دیکھا تھا اس کی سنجیدگی اس سے ہضم نہ ہورہی تھی۔

''ارے ہم ہرفن مولا ہیں آپ جس طرح کی چاہے گفتگو کروالو۔'' فاطمہ نے کالر جھاڑ کر شیخی بگھاری تو روشانے بھی مسکرائی لیکن اس کی مسکراہٹ میں چھپے پھیکے پن کو فاطمہ نے بخوبی نوٹ کیا تھا۔ اس کو وہاں چھوڑ کر پھر آنے کا کہہ کر فاطمہ موسیٰ کو چائے دینے چلی گئی۔

''موسیٰ بھائی...... آپ کی طبیعت کیسی ہے؟'' فاطمہ چائے لے کر آئی تو موسیٰ کے ساتھ حسنین کو بیٹھا دیکھا اور مسکرا کر موسیٰ کی طرف متوجہ ہوئی۔

''ہلکا سا سر درد ہے لیکن ٹھیک ہوں۔'' موسیٰ سنجیدگی سے بولا۔

''موسیٰ بھائی آپ کے ایک دوست ہوا کرتے تھے' کچھ معلوم ہے کہاں ہوتے ہیں آج کل؟'' فاطمہ نے حسنین کی لاتعلقی پر موسیٰ سے پوچھا تو اس کے اس لطیف طنز پر حسنین بے ساختہ مسکرایا۔

''اب ایسے بھی معصوم نہیں ہیں۔'' فاطمہ چڑ کر بولی تو موسیٰ بھی ہنسنے لگا۔

''ویسے آپ کے سر درد کی وجہ کیا ہے؟'' فاطمہ وہاں سے جانے لگی تو یک لخت ہی موسیٰ سے پوچھا تو اس نے کن انکھیوں سے حسنین کو دیکھا۔

''وجہ تو کوئی نہیں' بس یوں ہی کبھی کبھی ہوجاتا ہے۔'' موسیٰ اسی نقاہت سے بولا تو فاطمہ نے تفتیشی نظروں سے اسے دیکھا۔

''ویسے میں سوچ رہی تھی اب ہم آئے ہیں تو کیوں نہ آپ کے فرض سے سبکدوش ہوکر جائیں۔ اب روز روز گھر سے کیسے نکلیں گے۔'' دوسرے پل فاطمہ بولی تو چائے پیتے موسیٰ کو اچھو لگ گیا' حسنین نے بھی تنبیہہ نظروں سے اسے گھورا۔

''خیال تو اچھا ہے بھابی...... کوئی لڑکی نظر میں ہے کیا؟'' موسیٰ نہ چاہتے ہوئے بھی انٹرسٹ لے رہا تھا۔

''ہاں۔'' فاطمہ شرارت سے بولی تو موسیٰ نے حسنین کو دیکھا۔

''نہیں یار میں نے کچھ نہیں بتایا۔'' حسنین مدھم لہجے میں بولا تو موسیٰ فاطمہ کی طرف متوجہ ہوا۔

''اچھا کون ہے اور کیا وہ مان جائے گی؟'' موسیٰ نے پوچھا۔

''مان گئی سمجھو' بس تھوڑے سے کس بل نکالنے باقی ہیں۔'' فاطمہ مسکرا کر بولی۔

''کیا مطلب کون؟'' موسیٰ اور حسنین دونوں چونکے۔

''آپ چھوڑو کون کو' صرف یہ بتاؤ کیا شادی کی تیاری کریں؟'' فاطمہ کوئی سرا ہاتھ نہ آنے دے رہی تھی۔

''پہلے یہ تو بتاؤ کہ کس کے ساتھ شادی طے کررہی ہو؟'' اب کے حسنین بولا۔

''موسیٰ بھائی آپ بتائیں کہ چائے کیسی بنی ہے؟'' فاطمہ اسی متجسس انداز کو برقرار رکھتے ہوئے اس سے پوچھا۔

''سوال گندم' جواب چنا۔'' موسیٰ نے بے بسی سے حسنین کو دیکھا۔

''اچھی ہے چائے۔'' حسنین نے کندھے اچکا کر لاعلمی کا اظہار کیا تو موسیٰ نے سرد آہ بھر کر جواب دیا۔

''بس تو بھروسہ رکھو' چائے اچھی ہے تو لڑکی بھی اچھی ہوگی۔'' فاطمہ پرجوش انداز میں بولی اور ان دونوں کو یوں ہی الجھن میں مبتلا چھوڑ کر باہر نکل گئی۔

''یار اب کوئی مزید گڑبڑ نہ کروادینا۔'' فاطمہ کے جاتے ہی موسیٰ نے زچ ہوکر حسنین سے کہا اور بنا کچھ کہے باہر کی طرف لپکا۔

''فاطمہ...... فاطمہ...... سنو...... سنو۔'' اس سے پہلے

کہ وہ کمرے میں داخل ہوتی حسنین نے اس کو بازو سے پکڑ کر روکا۔

"ہائے اللہ! آپ میرے پیچھے آئے ہیں۔" فاطمہ نے اس کو دیکھا اور اس سے پوچھنے لگی تو حسنین نے متعجب نظروں سے اس کے چہرے کو دیکھا' جہاں ایک خوش فہمی چھلک رہی تھی۔

"نہیں۔"

"تو اس طرح پکارنے کی کیا ضرورت تھی؟" فاطمہ منہ بسور کر بولی۔

"کس کی بات کررہی تھی تم؟" حسنین نے اس سے موویٰ کی بابت سوال پوچھا۔

"یہ پوچھنے کے لیے آپ میرے پیچھے آئے ہیں؟" فاطمہ نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔

"ہاں ناں۔" حسنین نے اعتراف کیا۔

"قسم سے کتنا اچھا سین بن سکتا تھا لیکن...... ہائے کاش کہ آپ......" فاطمہ نے ایک بار پھر دہائی دی تو حسنین نے قہر آلود نظروں سے اس کو دیکھا۔

"بتاؤ ناں کس کی بات کررہی تھیں؟" حسنین نے قدرے نرمی سے اس سے پھر پوچھا۔

"روشانے کی۔" فاطمہ نے راز فاش کردیا۔

"کیا مطلب؟" حسنین واقعی حیران ہوا تھا۔

"یہ اس نے کہا؟" حسنین کو یقین نہیں آیا تھا۔

"نہیں' میں نے قیاس لگایا ہے۔" فاطمہ نے حقیقت بتائی۔

"تمہارا مطلب ہے کہ تم نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ روشانے بھی موویٰ کو پسند کرتی ہے۔" حسنین نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا تو فاطمہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"دماغ خراب ہوگیا ہے تمہارا۔" یک لخت ہی حسنین نے دانت پیس کر کہا۔

"آپ جانتے ہیں میری چھٹی حس کبھی دھوکا نہیں دیتی' آپ کے معاملے میں بھی میری چھٹی حس نے ہی مجھے ان ڈیکیٹ کیا تھا۔" فاطمہ نے اترا کر اسے بتایا تو حسنین نے حیرت سے اس کو دیکھا۔

"یار میری بات اور تھی' میری فیلنگز کے لیے تم اپنی چھٹی حس کو بیچ میں نہ لاؤ۔" حسنین نے اسے وارن کیا تو فاطمہ پرسوچ نظروں سے اس کو دیکھ کر رہ گئی اور پھر حسنین وہاں سے چلا گیا۔

"اونہہ...... ان کو تو فقط ڈانٹنا ہی آتا ہے اتنا بھی نہ ہوا کہ کچھ اچھا سا بول دیتے۔ آوازیں تو یوں دی تھیں جیسے میری یاد میں مجنوں بنے ہوئے ہوں۔" فاطمہ حسب عادت اس کو کوس کر کمرے میں داخل ہوئی تو عفی' حمنی اور مالا مووی دیکھنے میں مصروف تھیں۔

فاطمہ بھی ان کے ساتھ جا کر بیٹھ گئی اور خاموشی سے مووی دیکھنے لگی لیکن اس کی سوچیں مسلسل روشانے کے تاثرات کے گرد گھوم رہی تھیں۔ عفی اور حمنی نے متعجب نظروں سے اس کے کھوئے ہوئے انداز کو دیکھا۔

❁......❁......❁

"کیا ہوا؟" کچھ دیر بعد روشانے بھی وہاں آ گئی تھی' فاطمہ کو یوں بیٹھا دیکھ کر اسی کے پاس آ کر بیٹھ گئی اور اس سے پوچھنے لگی تو فاطمہ نے اس کی طرف دیکھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟" اس کو یک ٹک اپنی طرف دیکھتا پا کر روشانے نے پوچھا۔

"تمہیں محبت پر یقین ہے؟"

"آں...... کیا؟" روشانے نے بھویں اچکا کر اسے دیکھا۔

"پیار' محبت' عشق...... تمہیں یقین ہے اس سب پر؟" فاطمہ نے ایک ایک لفظ کو تھام کر بیان کیا۔

"وہ تو سب کو ہی ہوتا ہے۔" روشانے نے کترا کر جواب دیا۔

"سب کو چھوڑو' تمہیں ہے؟" فاطمہ نجانے اس سے کیا اگلوانا چاہتی تھی۔ روشانے نے دائیں بائیں دیکھا۔ ٹیلی وژن اسکرین پر نظریں جمائے عفی اور حمنی بھی گاہے بگاہے ان دونوں پر نظر ڈال رہی تھیں۔

"ہاں ہے۔" روشانے نے مدھم آواز میں کہا۔

"موسیٰ بھائی کی محبت پر۔" فاطمہ نے گویا بم پھوڑا‘ روشانے نے انتہائی غصے سے اسے دیکھا اور اس سے پہلے کہ فاطمہ مزید کوئی انکشاف کرتی روشانے وہاں سے اٹھ کر باہر نکل گئی اور عفی اور حمنی روشانے کے تیور دیکھ کر ایک پل بھی ضائع کیے بنا جمپ لگا کر فاطمہ کے پاس آ گری تھیں۔

"کیا ہوا؟"

"روشانے ایسے کیوں گئی ہے؟" دونوں ایک ساتھ بولیں اور فاطمہ کے پاس 'مجھے نہیں معلوم' کا آپشن بھی نہیں تھا بے بس نظروں سے دونوں کو دیکھا۔

"میں نے صرف اتنا ہی پوچھا تھا کہ موسیٰ بھائی کی محبت پر یقین ہے کہ نہیں تو وہ ناراض ہوگئی۔" فاطمہ کی معصومیت عروج پر تھی۔

"کیا.....؟" عفی ہکا بکا بس اس کو دیکھے گئی جبکہ حمنی کی تو زبان تالو سے چپک گئی تھی۔

"واہ رے میری شیرنی۔" دوسرے پل قہقہے کے ساتھ حمنی نے کہا۔

"جو کام ہم اتنے عرصے سے روشانے آپی کے ساتھ رہ کر نہ کر سکے وہ تم نے پل بھر میں کر دیا۔" حمنی نے اس کی کمر تھپتھپائی تھی۔

"جواب کیا دیا ویسے۔" عفی پر تجسس انداز میں اس کے قریب ہوئی۔

"ایک خطرناک سی نگاہ ڈالی اور واک آؤٹ۔" فاطمہ منہ بسور کر بولی۔ "تم دونوں لکھوالو مجھ سے ان دونوں کے درمیان کوئی کھچڑی پک رہی ہے۔" فاطمہ کے مزید انکشاف پر عفی اور حمنی نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"کیا مطلب؟" حمنی نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"وقت آنے دو مطلب بھی پتا چل جائے گا۔" فاطمہ بھی اب اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"اور ہائے داوے..... "وہ دو قدم بڑھی کہ یک لخت رک کر پلٹی تو ان دونوں نے اسے دیکھا۔ "دو دن بعد میری سال گرہ ہے ذرا انتظامات اچھے سے ہونے چاہئیں۔" شرارت سے کہتے ہوئے وہ وہاں سے نکل گئی۔

"یہ کیا کہہ کر گئی ہیں؟" اس کے جاتے ہی عفی نے حمنی کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"دو دن بعد ان کی سال گرہ ہے۔" حمنی نے اس کے الفاظ دہرائے۔

"نہیں وہ نہیں‘ روشانے آپی کے بارے میں۔" حمنی کے بتانے پر عفی نے پھر پوچھا تو وہ فقط کندھے اچکا کر رہ گئی۔ "معلوم نہیں۔" حمنی واقعی لاعلم تھی مختصراً جواب کے بعد دوبارہ اپنی جگہ پر جا بیٹھی اور نظریں ایک بار پھر ٹیلی وژن اسکرین پر جمادیں لیکن اب دھیان بٹ چکا تھا۔ فاطمہ کی اطلاع اور روشانے کے بارے میں موسیٰ کے حوالے سے انکشاف پر وہ مسلسل سوچے جارہی تھی۔

"یار..... فاطمہ بھابی کی پہلی سال گرہ ہمارے ساتھ ہے تو کچھ الگ ہونا چاہیے ناں؟" عفی بھی اس کے برابر بیٹھی اور کہنے لگی تو حمنی نے خاموش نظروں سے اسے دیکھا اور اثبات میں سر ہلایا اور پھر مالا کے آتے ہی تینوں فاطمہ کی سال گرہ کی پلاننگ کرنے لگیں۔

❀.....❀.....❀

"یار محبت کوئی تعویز تو ہے نہیں جس کو میں تمہیں کاغذ پر کچی سیاہی سے لکھ کر دوں اور کہوں کہ جاکر اسے پلادے۔" فاطمہ وہاں سے اٹھی تو حسنین اور موسیٰ کو چھت پر کھڑے دیکھ کر دبے پاؤں سیڑھیاں چڑھ کر ان کی طرف بڑھی تو حسنین کی بات پر سانس روکے کھڑی رہی۔

"نہ ہی محبت کالا جادو ہے کہ میں تمہیں کالے بکرے ذبح کرنے کا کہوں کہ اس عمل کے بعد محبوب کے قدموں میں۔" حسنین مزید گویا ہوا تو فاطمہ نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔

"یا ایسا کہوں کہ کسی دن آکر مجھے بھگا کر لے جا نکاح خواں کا انتظام میرا۔" حسنین کی تجویز پر موسیٰ نے متعجب نظروں سے اسے دیکھا۔

"واہ..... واہ....." اب فاطمہ کی برداشت جواب دے چکی تھی۔

''اناڑی پیا بڑا تڑپائے۔'' وہ دانت دبا کر قہر آلود نظروں سے حسنین کو دیکھ کر آگے بڑھی۔ موسیٰ نے اسے دیکھا جبکہ حسنین ہمیشہ کی طرح بال کھجا کر رہ گیا۔

''کتنے اچھے مشورے دیئے جا رہے ہیں۔'' موسیٰ کو مکمل نظر انداز کر کے فاطمہ ڈائریکٹ حسنین سے مخاطب ہوئی۔

''ہاں وہ......'' حسنین کو بات بنانا مشکل ہوگئی۔

''نہیں بھابی...... ایسے ہی مذاق کر رہے تھے ہم۔'' موسیٰ نے اس کی مشکل آسان کی۔

''شرم نہیں آتی یوں چھت پر کھڑے ہو کر گھر کی لڑکی کے بارے میں بات کر رہے ہو۔'' فاطمہ نے دونوں کو شرم دلانے کی سعی کی۔

''نن...... نہیں بھابی ایسی بات نہیں ہے۔'' یک لخت ہی موسیٰ بولا۔

''اپنے آپ کو سدھارو' قسمت میں ہوئی تو محبت مل جائے گی نہیں تو جنت تو پکی ہے۔'' فاطمہ نے دونوں کو دیکھ کر انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

''باپ رے...... تو بھگت میں چلا۔'' موسیٰ مسکرا کر حسنین سے کہہ کر وہاں سے نکل گیا۔

''کیا ہوا؟'' اس کے جاتے ہی حسنین فاطمہ کی طرف متوجہ ہوا۔

''میری برتھ ڈے۔''

''اوہو...... گزر گئی کیا؟'' حسنین نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔

''نہیں لیکن گزر بھی جائے گی اگر یوں ہی بھولے رہے تو'' فاطمہ نے دو قدم اس کی طرف بڑھا کر قدرے بیزارگی اپنائی تھی۔

''فاطمہ تمہیں تائی اماں بلا رہی ہیں۔'' حسنین نے کچھ کہنے کے لیے لب وا کیے ہی تھے کہ حمنی کی آواز پر دونوں نے نیچے کھڑی حمنی کو دیکھا۔

''آتی ہوں۔'' حسنین کی بات کو ادھورا چھوڑ کر فاطمہ نیچے جانے کے لیے سیڑھیوں کی جانب بڑھی تو حسنین بھی اس کے ساتھ ہولیا۔

''جی مامی...... آپ نے بلایا تھا؟'' کچھ دیر بعد فاطمہ' سلطانہ کے سامنے تھی جو اپنی مخصوص جگہ پر براجمان سامنے رکھی ٹوکری میں سے سبزیاں نکال کر کاٹنے میں مصروف تھیں۔

''ہاں بیٹا آؤ بیٹھو'' فاطمہ کو دیکھ کر خلاف عادت سلطانہ نے مسکرا کر کہا تو فاطمہ ان سے کچھ فاصلے پر رکھی چیئر پر بیٹھی روشانے کو دیکھا جو انتہائی سیریس انداز میں بیٹھی سلطانہ کو دیکھ رہی تھی۔

''اور تائی اماں...... کیسی ہیں آپ؟'' فاطمہ نے کن انکھیوں سے روشانے کو دیکھا جو اَب وہاں سے اٹھنے کے پَر تول رہی تھی۔

''ٹھیک ہوں' پر اب ٹھیک بھی کیا ہوں گی' بوڑھی ہڈیوں میں اب وہ جان کہاں باقی رہی ہے بیٹا کہ بالکل ٹھیک ہوجاؤں۔'' سلطانہ سرد آہ بھر کر روشانے کو مکمل نظر انداز کر کے فاطمہ کو بتانے لگی۔ فاطمہ اب روشانے کے بگڑے تیوروں کو بخوبی دیکھ سکتی تھی۔

''مامی...... آپ بوڑھی کہاں ہیں؟'' فاطمہ ان کے قریب ہو کر بولی۔ ''اور جس ماں کی روشانے جیسی بیٹی ہو وہ بوڑھی کیسے ہوسکتی ہے؟'' فاطمہ مزید گویا ہوئی تو سلطانہ نے پہلے روشانے نے اور پھر فاطمہ کو دیکھا۔ روشانے نے سلطانہ کو دیکھا جن کے چہرے پر بے یقینی صاف چھلک رہی تھی۔

''تم غلط جگہ پر صفائیاں دینے بیٹھی ہو۔'' یک لخت ہی روشانے وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی اور قدرے تلخی سے کہہ کر وہاں سے نکل گئی۔ سلطانہ نے بھی اس کو اسی نظر سے دیکھا جو اس کے لیے ان کی مخصوص نظر تھی۔

''دیکھا' ایسی ہوتی ہیں بیٹیاں جن پر ماؤں کو فخر ہوتا ہے؟'' سلطانہ نے فاطمہ کو دیکھ کر باہر نکلتی روشانے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''مامی......'' دوسرے پل فاطمہ ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر کہنے لگی۔ ''پہلے آپ مجھے بتائیں کہ بیٹے ایسا کیا کرتے ہیں جو بیٹیاں نہیں کرسکتیں؟''

''کم از کم بیٹے کما کر تو دیتے ہیں ناں۔'' سلطانہ کی انتہائی

فرسودہ بات پر فاطمہ مسکرانے لگی۔
"اب ایسا نہیں ہوتا' ہم بہت ترقی کرچکے ہیں اب بیٹیاں بھی کماسکتی ہیں۔"
"اب کیا ہم بیٹیوں کی کمائی کھائیں گے؟" سلطانہ نے فاطمہ کو دیکھا تو فاطمہ ان کی بات پر حیران رہ گئی۔
"بیٹاں ماں باپ کی زیادہ ہمدرد ہوتی ہیں مامی......! اور ہر مشکل وقت میں بیٹیاں زیادہ ساتھ دیتی ہیں۔" فاطمہ کہنا تو بہت چاہتی تھی لیکن سلطانہ کے غصے کی داستانیاں وہ سن چکی تھی اس لیے نپے تلے لفظوں میں اپنا مداح بیان کررہی تھی۔
"ہاں یہ تو صحیح کہہ رہی ہو میں ابا جی اور اماں کی بہت فکر کیا کرتی تھی جب تک وہ حیات رہے تو ہر دوسرے دن ان کی خبر گیری کرنا میرا معمول تھا۔ اللہ بخشے میری روشی کے ابا کو بھی کوئی رکاوٹ نہ ڈالی۔" یک لخت ہی سلطانہ نے ماضی میں جھانکا تھا فاطمہ مسکرارہی تھی۔
"روشی......نہ صرف روشی بلکہ میری روشی......" فاطمہ من ہی من خوش ہورہی تھی کہ سلطانہ خوانخواہ ہی ولن بنی ہوئی ہیں۔ اصل میں بہت نرم دل کی مالک ہیں۔
"مامی......میں روشانے کو بلا کر لاتی ہوں آپ اس کو بتانا کہ وہ آپ کی روشی ہے۔" یک لخت ہی فاطمہ نے ان کے ویک پوائنٹ کو نشانہ بنایا تھا تو سلطانہ جو ماضی میں بھٹکنے لگی تھیں یک دم ہی چونک کر فاطمہ کو دیکھا۔
"مامی......روشانے بہت اچھی ہے' اپنے رویے کو نرم رکھیں اور ان کو بتائیں کہ وہ آپ کے لیے خاص ہے۔" فاطمہ اٹھتے ہوئے ان کو کہنے لگی تو سلطانہ جو پچھلے کچھ دنوں سے خاموش تھیں اب پگھلنے لگی تھیں۔ فاطمہ نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھ کر اجازت طلب کی تو نہ چاہتے ہوئے بھی سلطانہ نے اثبات میں سر ہلایا تو فاطمہ پلک جھپکتے ہی روشانے کے پیچھے لپکی۔

❁......❁......❁

"کھڑکی بند کرو' دروازہ بند رہنے دو۔ دروازے کے نیچے جو گیپ ہے وہاں یہ تکیہ رکھو۔ دیکھو ذرا احتیاط سے' ہمیں نہایت ہوشیاری سے اس کو پکڑنا ہوگا۔ بلال تو ادھر سے گھیر لے۔ ملائم اور عفی یہ دوپٹہ پھیلا کر ادھر کھڑی ہوجاؤ۔ جمنی تم میری مدد کرو۔ ارے یار نہیں......ایسے نہیں......موسیٰ یار مجھے گرمی لگ رہی ہے۔"
"اب تو پنکھا نہ آن کردینا۔"
"عفی دوپٹہ پر دھیان دے ناں۔" کافی دیر سے کمرے سے آتی آوازوں نے اب اس کو زچ کرنا شروع کردیا تھا۔
"جمنی......" غصیلی جھنجھلاتی پکار پر اس نے ایک بار پھر بند دروازے کو گھورا۔
"اُف او......یہ کیا کررہی ہو؟"
"عفی......" دانت پیس کر پکارا گیا اور اب باہر بیٹھی روشانے کا صبر اور برداشت کا پیمانہ لبریز ہوچکا تھا۔ اگلے پل وہ اپنی ساری بکس' نوٹ پیڈ اور پین کو سائیڈ پر کرکے اٹھی اور جارحانہ انداز میں اس کمرے کی طرف بڑھی جہاں وہ سارے جمع نہ جانے کون سا کارنامہ سرانجام دے رہے تھے۔ نہ جانے کون سی مہم جاری تھی جو اتنی تاکید کی جارہی تھی وہ پاؤں پٹختی آگے بڑھتی جارہی تھی۔
"عفی......آگے بڑھو۔"
"چھناک......" دوسرے پل عجیب وغریب آوازوں کے ساتھ کانچ کی کوئی چیز ٹوٹنے کی آواز آئی تو ساتھ ہی روشانے نے اپنی رفتار میں خاطر خواہ اضافہ کیا اور اب وہ دروازہ کھٹکھٹارہی تھی۔
"کون ہے؟" موسیٰ کی جھنجھلاتی آواز پر اس نے قہر آلود نظروں سے ایک بار پھر دروازے کو گھورا۔
"دروازہ کھولو۔" بجائے یہ بتانے کے باہر وہ کھڑی ہے وہ تلملا کر بولی تو موسیٰ کے ساتھ ساتھ باقی سب کی بھی سانسیں رکنے لگیں۔
"مرواؤ گے اب۔" بلال کی دھیمی آواز اس تک بھی بخوبی پہنچی تھی۔
"کھولو دروازہ۔" اندر سے ابھی تک وہی آوازیں اور سرگوشیاں آرہی تھیں تو تنگ آکر روشانے دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے ترش لہجے میں پھر بولی۔
"یاہو...... چھیکا...... ڈھنک چھیکا...... پکڑلیا......"

دوسرے پل وہ دروازہ بھی کھل گیا اس نے بھی قدم اندر رکھے۔ موسیٰ کے ہاتھ میں کچھ تھا اور وہ سب باقاعدہ بھنگڑا ڈال رہے تھے۔ روشانے نے یک لخت کھلے دروازے کو بجا کر ان سب کی توجہ اپنی طرف دلائی اور کامیاب بھی رہی۔

"انسانیت نام کی کوئی چیز ہے کہ نہیں؟" اپنی مخصوص بارعب آواز میں روشانے نے موسیٰ پر نظریں جما کر باقی سب سے پوچھا۔

"وہ آپی...... یہ بلبل نجانے کہاں سے آ گئی تو ہم اس کو پکڑ رہے تھے۔" عفی نے اس کی طرف قدم بڑھائے تھے تو دوسرے پل اب وہ اس کی خونخوار نظروں کی زد میں تھی جبکہ باقی سب اب ایک سائیڈ پر بیٹھ چکے تھے اور موسیٰ مکمل اجنبیت برتتے ہوئے ایک سائیڈ پر رکھی چیئر پر جا بیٹھا اور دونوں ہاتھوں میں دبوچی بلبل کو آہستہ آہستہ سہلانے لگا تو ملالا اور حمنی بھی اس کے پاس آ کھڑی ہوئیں۔

"بھائی اب کیا کرنا ہے' کتنی پیاری ہے ناں یہ۔" حمنی کے معصوم چہرے پر بے تحاشہ خوشی کی چمک نہایت واضح تھی۔

"ایسا کرتے ہیں اس کو ہم رکھ لیتے ہیں اس کے لیے پنجرہ لے کر آتے ہیں۔" عفی بالکل بچوں کی طرح خوش ہو رہی تھی۔

"شرم نہیں آتی اس بے زبان کو یوں قید کر کے رکھو گے۔" دوسرے پل روشانے نے پھر مداخلت کی۔ موسیٰ نے ایک نظر اسے دیکھا' تنے اعصاب' سرخ رنگت اور خونخوار نظروں سے وہ ایک بار پھر موسیٰ کو ہی گھورے جا رہی تھی جبکہ بلال اب وہاں سے رفو چکر ہو چکا تھا۔

"آپی ہم نے کتنی محنت سے اس کو پکڑا ہے اب کچھ دن تو اپنے پاس رکھنے دیں ناں۔" ملالا موسیٰ کے ہاتھ میں پکڑی بلبل کو اپنی انگلی سے سہلانے لگی تھی جبکہ موسیٰ بھی اب مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ تھا اور اس اگنورنس پر روشانے کا بی پی مزید ہائی ہو رہا تھا۔

"ملالا ایسا کرو تم اس کو پکڑو میں دس منٹ میں آتا ہوں۔" موسیٰ ہاتھ میں پکڑی بلبل کو ملالا کی طرف بڑھاتے اور روشانے کو مکمل نظرانداز کرتے ہوئے بولا۔

"بھائی اگر اڑ گئی تو؟" ملالا نے ہاتھ بڑھائے تو عفی نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔

"نہیں اڑتی یار...... تم احتیاط سے پکڑنا ناں۔" موسیٰ اب قدرے عجلت میں آ گیا تھا جلد از جلد وہاں سے جانا چاہ رہا تھا۔ روشانے نے لب بھینچ کر اپنے آپ کو مزید کچھ کہنے سے باز رکھا لیکن اندر ہی اندر تلملا رہی تھی۔

"اچھا بھائی پھر جلدی واپس آنا۔" اب حمنی بھی ان کے پاس آ کھڑی ہوئی تھی اور بلبل کو پکڑ لیا تو موسیٰ نے ایک نظر روشانے پر ڈالی اور خاموشی سے وہاں سے چلا گیا۔

"دیکھو تو آپی کتنی پیاری ہے ناں۔" حمنی نے بلبل کے چمکیلے پروں کو چھو کر دیکھا اور روشانے کو متوجہ کرنے لگی۔

"اُف آپی...... دیکھو تو اس کی آنکھیں' یہ گہرا لال رنگ بالکل ایسے لگ رہا تھا آئیز پر میک اپ کیا گیا ہو اور یہ دیکھو یہ تو بالکل کراؤن کی طرح لگ رہا ہے۔" عفی نے بلبل کی آنکھوں کے گرد گہرے لال رنگ کو دیکھ کر انتہائی مسرت کا اظہار کیا تھا' سر پر ابھرتے پروں کو کراؤن سے تشبیہ دی تو روشانے بھی یک لخت آگے بڑھی۔ بلبل کو دیکھنے کا اشتیاق بھی بڑھنے لگا لیکن اپنی (بقول اس کے) میچورٹی کے باعث اس پل بھی بچکانہ حرکتوں سے اجتناب برت رہی تھی۔

"ہے ناں آپی پیاری؟" حمنی نے اس کی پرستائش نظروں کو دیکھتے ہوئے استفسار کیا تو وہ سر اثبات میں ہلانے لگی۔

"مجھے بھی دکھاؤ...... مجھے بھی دکھاؤ کیا پکڑا ہے؟" دوسرے پل فاطمہ اپنی مخصوص شوخ و چنچل آواز کے ساتھ وارد ہو چکی تھی۔ روشانے نے گہرا سانس لے کر فاطمہ کو دیکھا اور ایک قدم پیچھے ہٹ کر اس کو جگہ دی۔

"مائی گاڈ بلبل کا بچہ......! یہ وہ ہے ناں جو کھچڑی کھاتا تھا؟" فاطمہ حسب عادت چہکنے لگی تھی بے تحاشہ خوش ہوتی اس کی بچوں سی خوشی نے ان چاروں کو بھی حیران کر دیا۔

"موسیٰ بھائی اس کے لیے پنجرہ لینے گئے ہیں اس لیے

ابھی اس کو ڈھیلا نہیں چھوڑ سکتے۔'' فاطمہ نے بلبل کو پکڑنا چاہا تو مالا نے ٹوک دیا۔

''ایسا کرتے ہیں اس کو باندھ دیتے ہیں پھر اڑے گی نہیں۔'' عفی نے فٹافٹ تجویز پیش کی۔

''ہاں اس کے پاؤں باندھ دیتے ہیں۔'' فاطمہ یک دم بولی تو روشانے نے چونک کر اسے دیکھا اور بنا ایک لفظ کہے وہاں سے چلی گئی۔

''نہیں بھابی پاؤں نہیں پَر باندھتے ہیں ناں۔'' مالا کے ساتھ ساتھ حمنی اور عفی بھی یہی سمجھی کہ فاطمہ پروں کی بجائے پاؤں کہہ گئی۔

''نہیں پاؤں باندھ دیں گے تو بھی یہ اڑ نہیں سکے گی۔'' فاطمہ بلبل کے سر پر انگشت شہادت سے اس کو چھوتے ہوئے قدرے سنجیدگی سے بولی تو ان تینوں نے سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ عفی اس کی باتوں میں آرہی تھی اور پروں کی بجائے پاؤں باندھنے پر رضامند بھی نظر آرہی تھی۔

''تمہارا دماغ سیٹ ہے۔'' حمنی نے دانت پیس کر کہا تو عفی نے اسے دیکھا۔

''پرندے پروں سے اڑتے ہیں پاؤں سے نہیں۔'' حمنی پھر بولی تو عفی نے فاطمہ کو دیکھا جو مسلسل بلبل کو دیکھے جارہی تھی۔

''مالا یہ مجھے دو ناں اور تم جاؤ کوئی رسی لے کر آؤ اس کے پاؤں باندھ دیتے ہیں۔'' فاطمہ ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولی۔

''رسی......'' عفی اور حمنی ایک ساتھ چیخیں۔

''کمال کرتی ہیں آپ بھی فاطمہ بھابی......! اب کیا اس نازک سی بلبل کو رسی سے باندھیں گی؟'' مالا نے اعتراض کیا۔

''اتنا چیخنے کی کیا ضرورت تھی؟ دیکھو تو بلبل بھی گھبرا گئی۔'' فاطمہ منہ بسورتے ہوئے بولی تو حمنی جو فاطمہ کی نیچر سے حد درجہ متاثر تھی، مسکرانے لگی۔

''اچھا یہ پکڑیں، میں کچھ لے کر آتی ہوں۔'' حمنی مزید کوئی اعتراض کرنے کی بجائے اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے۔'' کچھ دیر بعد حمنی ایک ڈوری لے کر آئی تو اب بلبل کے پاؤں باندھنے کا مرحلہ شروع ہونے لگا تھا۔

''ایسے کرتے ہیں پہلے پَر باندھ دیتے ہیں پھر پاؤں۔'' حمنی کو دھڑکا لگا ہوا تھا۔

''ارے نہیں یار......اب ہم اتنے بھی ظالم نہیں ہیں کہ اس بے زبان کیوٹ سی بلبل کے ہاتھ پاؤں باندھ دیں۔'' فاطمہ نے خوامخواہ ہی سارا کیس سنبھال لیا تھا۔ عفی اور حمنی نے بے بسی سے مالا کو دیکھا جو بلبل کے پاؤں پکڑے کھڑے تھی۔

''چلو اب چھوڑو اور دروازہ کھول کر ریلیکس ہو جاؤ۔'' فاطمہ نے دو تین گرہیں لگا کر ہاتھ جھاڑے، مالا نے ایک سرسری نظر حمنی اور عفی پر ڈالی اور ہانپتی، کانپتی بلبل کو جیسے ہی آزاد کیا پلک جھپکتے ہی وہ کھلے دروازے کی طرف بھاگی اور اس سے پہلے کہ وہ اس کے پاؤں میں بندھی ڈوری کا سرا پکڑ پاتیں وہ اڑ گئی۔

''بلبل کا بچہ

کھاتا تھا کھچڑی، پیتا تھا پانی

بلبل کا بچہ، میں نے اڑایا

بلبل کا بچہ، واپس نہ آیا''

اگلے پل ان چاروں کے اندر یہی نظم گونج رہی تھی اور وہ بالکل خاموش تھیں۔ عفی، حمنی اور مالا مسلسل فاطمہ کو گھور رہی تھیں اور فاطمہ اس سوچ میں مگن تھی کہ واقعی پاؤں باندھ دینے سے پرندے اڑ جاتے ہیں۔

''اُف روشانے کو تائی اماں کے پاس بھیجنا تھا......بھول گئی۔'' دوسرے لمحے فاطمہ کو یاد آیا وہاں آئی کیوں تھی تو بڑبڑاتے ہوئے وہاں سے باہر نکل گئی۔

❁......❁......❁

''سنیں......'' روشانے کو سلطانہ کے پاس جانے کا کہہ کر فاطمہ اپنے کمرے میں گئی تو حسنین وہاں موجود تھا۔ یک دم اس کے ذہن میں کچھ آیا تو اس کو پکارا حسب عادت لیپ ٹاپ کو کھولے بیٹھے حسنین نے اسے دیکھا۔

''پیلے پھول کا کیا مطلب ہوتا ہے؟'' وہ خراماں خراماں

چلتی اس کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

''سنا تو یہی ہے کہ پیلا پھول نفرت کی نشانی ہوتا ہے اور سرخ پھول محبت کی۔'' حسنین نے اس کی طرف دیکھ کر سنی سنائی بات اس تک پہنچائی۔

''سنا تو میں نے بھی یہی ہے کہ پیلا پھول نفرت اور سرخ محبت کی نشانی ہے لیکن میں سوچ رہی ہوں کہ محبت یا نفرت کا تعلق رنگوں سے نہیں بلکہ جذبات سے ہونا چاہیے ناں۔'' فاطمہ نے اپنی سوچ ظاہر کی تو حسنین نے متغیر نظروں سے اسے دیکھا۔

''تم ہمیشہ عجیب وغریب باتوں پر ہی کیوں بحث کرتی ہو؟'' حسنین مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

''عجیب وغریب کی کیا بات ہے اس میں؟'' فاطمہ نے ابرو اچکا کر حسنین کو دیکھا۔

''جو چیز دل کو اچھی لگتی ہے، جس کو دیکھ کر خوشی محسوس ہو وہ محبت کی نشانی ہوتی ہے پھر چاہے وہ سرخ گلاب ہو یا پیلا۔'' حسنین نے مسکراتے ہوئے وضاحت دی۔

''اچھا...... میری برتھ ڈے پر اب مجھے پیلے پھول دینا۔''

''مارے گئے' ایک اور انوکھی فرمائش۔'' حسنین اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

''اس میں انوکھا پن کہاں سے آ گیا بھلا۔'' فاطمہ نے منہ بسور کر کہا۔

''یار اب میں پیلے پھول کہاں سے ڈھونڈوں گا؟'' حسنین بے بسی سے بولا۔

''مجھے کیا پتا' یہ تو آپ کا کام ہے ناں۔'' فاطمہ شریر مسکراہٹ کے ساتھ کہتی ہوئی اس کے سیٹ ہوئے بالوں کو اپنی پوروں سے بکھیر کر وہاں سے چلی گئی تھی تو حسنین اس کی اس حرکت پر مسکرا کر اس کی فرمائش پوری کرنے کے بارے میں سوچنے لگا۔

❀......❀......❀

''کیا واقعی یہی بات ہے؟'' وہ کچن میں کھڑی دھلی ہوئی کانچ کی پلیٹوں کو خشک کر رہی تھی کہ موسیٰ وہاں آیا تو روشانے نے اسے دیکھا۔

''کیا مطلب کون سی بات؟'' وہ جانتے ہوئے بھی انجان بن گئی تھی۔

''یہی کہ تم اور سلطانہ پھوپو کے درمیان دیوار چین تھی وہ گر گئی۔'' موسیٰ نے اس کے آسودہ چہرے کو دیکھ کر پوچھا تو وہ مسکرانے لگی۔

''بات تو سچ ہے۔'' روشانے اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی تو موسیٰ یک ٹک اس کی ہنسی کو دیکھتا چلا گیا۔

''مجھے نہیں پتا تھا کہ......''

''کہ......'' روشانے اس کے ادھورے جملے پر متعجب ہوئی۔

''کہ تم ہنستی ہوئی اتنی پیاری لگتی ہو۔'' موسیٰ نے دھیمے لہجے میں کہا تو روشانے نے رخ موڑ لیا۔

''جو اقرار تمہاری آنکھیں برسوں پہلے کر چکی ہیں وہ اقرار کے لفظ زبان پر کب آئیں گے؟'' موسیٰ نے کندھے سے پکڑ کر اس کا رخ اپنی طرف کیا تو روشانے نے جھلملاتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''تمہاری ہاں کا انتظار ہے مجھے۔''

''کر دو ہاں بھئی...... ویسے بھی کل ایک مبارک دن ہے۔'' یک لخت ہی فاطمہ کچن میں داخل ہوئی۔

''دیکھا دیکھا...... میں نے کہا تھا میری چھٹی حس...... حسنین۔'' فاطمہ کی شریر انداز پر روشانے نے یک لخت اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے خاموش کروایا اور موسیٰ کی طرف دیکھا جو فاطمہ کے یوں آ جانے پر بوکھلا گیا تھا۔ روشانے نے کھل کر مسکرائی اور موسیٰ کو دیکھ کر اثبات میں سر ہلایا تو وہ ''یا ہو'' کر کے باہر نکل گیا تو روشانے نے فاطمہ کو گھورا۔

''سوری یار...... میرا ہڈی بننے کا ارادہ بالکل بھی نہیں تھا لیکن...... لیکن جب یہ پتا چلا کہ میری چھٹی حس نے جو کہا تھا وہ سچ تھا تو رہا نہیں گیا۔'' فاطمہ شوخی سے اس کو بتانے لگی تو روشانے نے اس کی طرف پانی کا گلاس اچھالا اور وہ چیختی ہوئی باہر نکل گئی۔

❀......❀......❀

''سنو زیادہ آگے نہیں جانا پانی گہرا ہے۔'' وہ اس کے ساتھ چل رہی تھی' ٹھنڈی لہریں ان کے پیروں کو گدگداتی ہوئیں واپس پلٹ رہی تھیں۔ وہ بے تحاشہ خوش تھی' اس کا ہاتھ پکڑے وہ برسوں کی خواہش کی تکمیل کے سفر پر تھی۔ یک لخت ہی اس نے اس کا ہاتھ چھوڑا اور اس سے دو قدم آگے بڑھی تو دوسرے پل وہ پھر اس کے ساتھ ہوگیا اور اس کو بازو کے حصار میں لیتے ہوئے بولا تو فاطمہ نے گردن گھما کر اسے دیکھا وہ مسکراتی نظروں سے اس کے مکمل بھیگے وجود کو دیکھ رہا تھا۔ لحہ بھر کو وہ اس کے سینے میں سمٹ گئی حسنین نے جھک کر ایک انتہائی خوب صورت سیپی اٹھا کر ہتھیلی پر رکھ کر اس کو پیش کی۔ جس کو فاطمہ نے یک دم اچک لیا اور کھلکھلا کر ہنسی۔ اب وہ چند قدم آگے بڑھے تھے' پانی ان کے گھٹنوں تک آ پہنچا تھا۔ کھلے بالوں کو ایک لہر نے مکمل طور پر اپنی لپیٹ میں لیا تھا' حسنین نے دیکھا تو اس کے چہرے پر آئے بالوں کو ہٹانے لگا تھا۔

''آگے پانی زیادہ گہرا ہے' اس لیے واپس چلو اور سیپیاں چن لو پھر نہ کہنا کہ موقع نہیں ملا۔'' حسنین اس کا ہاتھ پکڑ کر گہرے پانی سے باہر نکل رہا تھا اب وہ بھی سردی سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔

''فاطمہ......!'' اس نے پکارا۔ اب وہ گہرے پانی سے باہر نکل چکے تھے۔

''فاطمہ سنو......'' ایک اور پکار۔ فاطمہ نے جھک کر پانی کو ہتھیلی میں ڈال کر حسنین کی طرف پھینکا اب وہ بھرپور طریقے سے انجوائے کرنے لگی۔

''نہیں نہیں حسنین...... پانی نہیں گرانا۔'' اب حسنین بھی اس پر پانی گرانے لگا تھا تو وہ چیخی تھی۔

''فاطمہ......''

''نہیں......''

''فاطمہ......'' یک لخت ہی اس کو لگا پانی کا جگ اس پر انڈیلا گیا ہو۔

''حسنین......'' دوسرے پل وہ اٹھ بیٹھی تو مکمل بھیگ چکی تھی۔

''تم ٹھیک تو ہو ناں؟'' حسنین اس کے گیلے بالوں کو سمیٹے ہوئے انتہائی متفکرانہ انداز میں اس سے پوچھ رہا تھا۔

''ہا...... ہاں' ٹھیک ہوں لیکن کہاں ہوں میں؟'' وہ ابھی تک حواس میں نہ لوٹی تھی' ابھی تک کانوں میں لہروں کی سائیں سائیں اور اپنی کھلکھلاتی ہنسی اور حسنین کی فسوں خیز سرگوشیاں گونج رہی تھیں۔

''ہیپی برتھ ڈے ٹو یو...... ہیپی برتھ ڈے ٹو یو ڈیئر فاطمہ...... ہیپی برتھ ڈے ٹو یو......!'' وہ ابھی تک حواس باختہ ہی تھی کہ تمام لوگوں کی گونج اس کی سماعت سے ٹکرائی تو یک دم ہی وہ چونکی تھی۔ خواب...... پھر ادھورا رہ گیا۔

مسکراتے ہوئے وہ سب کی طرف سے وشز قبول کررہی تھی' سب کا پلان تھا کہ رات بارہ بجتے ہی وہ اسے وش کریں گے لیکن فاطمہ کو بتائیں گے نہیں اس لیے رات دس بجے سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تھے اور فاطمہ بھی سوگئی تھی۔

''یہ کیا ہے؟'' سب کے گفٹس کے بعد حسنین آگے بڑھا اور اورنج ٹیولپ کا بوکے اس کی طرف بڑھایا۔

''سوری یار......! کوشش کے باوجود پیلے پھول نہیں ملے ویسے بھی رنگوں کا محبت سے کیا تعلق۔'' حسنین بوکے اس کی طرف بڑھاتے ہوئے شرارت سے بولا۔

''اناڑی پیا بڑا تڑپائے۔'' وہ بے ساختہ بولی اور بوکے تھام لیا۔

''ہیپی برتھ ڈے مائی ڈارلنگ وائف......'' حسنین با آواز بلند بولا اور سب کی ہوٹنگ پر فاطمہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

ٹوٹا ہوا تارا
سمیرا شریف طور
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

بہت ہیں خواب مگر خواب ہی سے کیا ہوگا
ہمارے بیچ جو حائل ہے، وہ حقیقت ہے
سمجھ رہے تھے مسافر قیام کو منزل
خبر نہیں تھی کہ آگے بھی ایک ہجرت ہے

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

دریہ کی اصل حقیقت سامنے آنے پر مصطفیٰ شدید اشتعال کا مظاہرہ کرتا ہے جبکہ دیگر گھر والے بھی شہوار کے نقصان کا اسے ذمہ دار ٹھہراتے ہیں ایسے میں شاہزیب صاحب اس کے باپ سے بات کرکے اسے واپس بھیج کر معاملے کو ختم کرادیتے ہیں۔ دوسری طرف شہوار کو دریہ کی اصل حقیقت سے بے خبر رکھا جاتا ہے۔ ہادیہ اور ابوبکر کی رخصتی کی تاریخ طے کرنے پر گھر والے ہادیہ کے گھر پر موجود ہوتے ہیں۔ ایسے میں عباس ہادیہ کی آپی کو چھوڑنے ان کے گھر تک جاتا ہے ہادیہ کی آپی رابعہ کو دیکھ کر چونک جاتی ہیں اور اس کے متعلق استفسار کرتی ہیں لیکن ثریا بیگم کی زبانی رابعہ کے متعلق جان کر انہیں مایوسی ہوتی ہے۔ فیضان اور ثریا بیگم رابعہ کو تمام حقائق سے آگاہ کردیتے ہیں رابعہ فیضان ماموں کے روپ میں اپنے باپ کو دیکھ کر ششدر رہ جاتی ہے جبکہ دیگر رشتوں کو کھودینے کا دکھ اسے افسردہ کردیتا ہے۔ بیگم عبدالقیوم جوان بیٹے کی موت کے صدمے سے ڈھے جاتی ہیں ان کی ذہنی حالت اس قدر متاثر ہوتی ہے کہ انہیں مینٹل اسپتال میں داخل کرانا پڑتا ہے دوسری طرف عبدالقیوم بھی پولیس کی گرفت میں آجاتا ہے ایسے میں کاشفہ ایک مرتبہ پھر بدلے کی آگ میں جلتی انا پر تیزاب پھینکنے کی کوشش کرتی ہے لیکن اس دوران بھی انا بچنے میں کامیاب ہوجاتی ہے انا اور ولید کے درمیان سرد مہری بڑھتی جاتی ہے۔ جبکہ حماد کی وطن واپسی اور انا کے ایگزامز کے فوراً بعد شادی کی ڈیٹ فکس کردی جاتی ہے یہ تمام صورت حال انا کے لیے مزید پریشانی کا سبب بنتی ہے گھر والوں کے سامنے انا کی تمام سچائی اور کاشفہ کا دھمکی آمیز رویہ بھی ظاہر ہوجاتا ہے لیکن وقار صاحب حماد کے رشتے کو لے کر اپنے فیصلے میں ردوبدل کرنے پر تیار نہیں ہوتے ہیں۔ مصطفیٰ کی محبت واپنائیت کے سنگ شہوار بھی زندگی کی طرف راغب ہونے لگتی ہے ایسے میں عباس اور رابعہ کی شادی کی تاریخ طے ہونے پر وہ سب گھر والوں کے ساتھ ہنسی مذاق میں شامل ہوکر اپنا غم بھولنے کی کوشش میں کامیاب ہوجاتی ہے۔ جب ہی مصطفیٰ اسے تابندہ بوا کی اصل حقیقت سے آگاہ کرتا ہے شہوار یہ سب جان کر ششدر رہ جاتی ہے اور اپنے بھائی ولید سے ملنے کے لیے اصرار کرتی ہے دوسری طرف تابندہ بی شہوار کے ساتھ اسی شفقت آمیز رویے سے پیش آتی ہیں۔ ولید سے ملنے کے بعد شہوار اسے انا کے لیے قائل کرنے کی کوشش کرتی اسے معاف کردینے کا کہتی ہے لیکن ولید اپنے فیصلے سے پیچھے ہٹنے پر آمادہ نہیں ہوتا ایسے میں شہوار مصطفیٰ سے بات کرکے تمام حالات کو بہتر طور پر سنبھالنے کا کہتی ہے جبکہ مصطفیٰ بابا صاحب سے بات کرنے کا ارادہ کرتے اسے تسلی دیتا ہے۔ بابا صاحب ماضی کے تمام حقائق سے اپنے بچوں کو آگاہ کرتے اپنے بیٹے فیضان کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کا بتاتے ہیں جس پر تمام گھر والے بابا صاحب کا ساتھ دیتے ہیں اور ان کے ہر فیصلے پر راضی ہوجاتے ہیں۔ کاشفہ ہر طرح سے مایوس ہونے کے بعد خود اپنی ذات کو نقصان پہنچا بیٹھتی ہے اور عادلہ جگہ جگہ خون کے نشان دیکھ کر خوف زدہ ہوجاتی ہے عبدالقیوم کے گرفتار ہونے کی خبر پڑھ کر فیضان صاحب کو رب کی طرف سے انصاف مل جاتا ہے وہیں بابا صاحب رابعہ سے ملنے ان کے گھر آتے ہیں اور وہاں اپنے بیٹے فیضان کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتے ہیں دوسری طرف فیضان صاحب بھی ان کے گلے لگ کر تمام حقیقت کا اعتراف کرلیتے ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)

❀.......❀.......❀

بابا صاحب کی پتلیاں سکڑی اور ان کو لگا کہ جیسے ان کی حرکت قلب بند ہوجائے گی۔ ان کے اعصاب کھنچ گئے اور حواس نے ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ وہ ساکت سے فیضان کے بازوؤں میں جھول گئے تھے۔

''بابا صاحب۔'' شاہزیب اور فیضان دونوں نے تڑپ کر ان کو سنبھالا۔

❀.......❀.......❀

بابا صاحب اسپتال میں تھے ان کا دل اچانک ملنے والا یہ دھچکا برداشت نہیں کر پایا تھا۔ ان کی ساری اولاد ان کے گرد جمع تھی۔ شاہزیب صاحب فی الحال خاموش تھے۔ سبھی بابا صاحب کی اس اچانک خراب ہوجانے والی طبیعت کو لے کر پریشان تھے۔ شام تک طبیعت سنبھلی تو انہوں نے فیضان سے ملنے کی خواہش ظاہر کی' شاہزیب صاحب کے ساتھ وہ بھی اسپتال میں ہی تھے۔

سبھی نے چونک کر فیضان صاحب کو دیکھا تھا جو شاہزیب صاحب کے ساتھ بابا صاحب کے کمرے میں جارہے تھے۔ بابا صاحب فیضان کو دیکھ کر ایک دفعہ پھر بکھرے تھے۔ بابا صاحب کی آنکھوں میں اشک ندامت اور فیضان صاحب کی آنکھوں میں اشک شرمندگی تھے۔ فیضان صاحب نے خود پر بیتنے والی قیامت بیان کی تھی۔ اگلی صبح بابا صاحب ڈسچارج ہوئے لیکن گھر پہنچنے پر گھر والوں کو شاہزیب صاحب نے جب سب کچھ بتایا تو وہ بھی حیرت زدہ تھے۔ شہوار بے یقین تھی۔ اس کا باپ زندہ تھا۔ وہ جو ہمیشہ رشتوں کے لیے ترستی رہی تھی اب ایک دم ایک کے بعد ایک رشتے کو زندہ پا کر وہ تو جیسے ساکت سی ہوگئی تھی۔ فیضان صاحب مسلسل ساتھ تھے۔

''میں بہت بدنصیب ہوں میری اولاد میری بزدلی کی بھینٹ چڑھ گئی اور میں کچھ بھی نہ کرسکا۔'' بابا صاحب ایک بار پھر پچھتاوؤں کی زد پر تھے۔

''آپ کا بھلا کیا قصور آپ نے تو ہر ممکن کوشش کی شاید قدرت کو ہی یہ سب منظور نہ تھا۔'' زہرہ پھوپو نے بابا صاحب کا حوصلہ بڑھانا چاہا تو فیضان صاحب ان کے پاس بیٹھ گئے۔ ان کے نحیف و کمزور ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔

''خطا کار تو پھر میں ہوں بابا صاحب آپ تو کئی بار مجھ سے ملنے آئے تھے میں ہی بدنصیب تھا جو اپنا ظرف بڑا نہ کرسکا آپ نے تو مجھے میرا حق دلانا چاہا تھا معاشرے میں جینے کے لیے سہارا دینا چاہا تھا میں نے ہی ہر بار آپ کو نامراد لوٹایا' یہ نہیں تھا کہ میرے دل میں آپ کے لیے کوئی بھی احساس یا جذبہ نہ تھا میں تو بس اس خوف میں جیتا رہا کہ کہیں آپ کا خاندان مجھے ایک گالی سمجھ کر رد نہ کردے میں اپنی ذات کے وقار اور قناعت میں جیتا رہا اور کبھی نہ سوچا کہ آپ کا کیا حال ہوا ہوگا۔'' زندگی میں پہلی بار فیضان صاحب نے اپنے دل کا درد اپنے باپ کے سامنے بیان کیا تھا وہاں موجود سبھی لوگ گم صم سے تھے اور بابا صاحب وہ ایک بار پھر ندامت کے گہرے سمندر میں گھر گئے تھے۔

❀.......❀.......❀

وہ عجیب سا دن تھا مصطفیٰ کل سے آفس کے کام کے سلسلے میں آؤٹ آف سٹی تھا۔ فیضان صاحب کے ہاں جب بابا صاحب کی طبیعت خراب ہوئی تو وہ انہیں شاہزیب صاحب کے ہمراہ فوراً اسپتال لے آئے تھے۔ سہیل کو فیضان صاحب نے کال کر کے مختصر اً صورت حال سے آگاہ کردیا تھا اور کل سے وہ اب تک ان لوگوں کے ساتھ ہی تھے۔ بابا صاحب کی طبیعت کچھ سنبھلی تھی مگر اب ایسی بھی نہ تھی کہ وہ بہت دیر تک باتوں میں لگے رہتے وہ آرام کرنے لگے تو فیضان صاحب سب کے ساتھ لاؤنج میں آبیٹھے۔ وہ ابھی باقاعدہ طور پر کسی سے متعارف نہ ہوئے تھے۔ بس اپنے بارے میں ہی سب کو بتایا تھا۔ خود پر بیتنے والی کہانی سنائی تھی۔ شاہزیب صاحب ایک ایک کر کے ان کو سب سے متعارف کرارہے تھے سب کا بتاتے بتاتے جب شہوار کی باری آئی تو وہ ساکت ہوگئے۔ کتنا عجیب لمحہ تھا وہ ایک باپ سے اس کی بیٹی کو متعارف کرانے والے تھے جس کے وجود سے وہ باپ قطعی بے خبر تھا۔

''شہوار بیٹا ادھر آؤ۔'' شہوار جو اس سارے عرصے میں بمشکل خود پر قابو پائے ہوئے تھی رو رو کر البتہ چہرہ سرخی مائل ہوگیا تھا شاہزیب صاحب کے پکارنے پر ان کے پاس آرکی تھی۔

''یہ شہوار ہے ہماری بہو۔'' انہوں نے شہوار کے سر پر ہاتھ رکھ کر فیضان صاحب کے سامنے کیا تو وہ کئی پل تک ساکت رہے' شہوار کی سرخی مائل آنکھیں اور کپکپاتے ہونٹ شہوار کے وجود میں انہیں کوئی جیتا جاگتا وجود دکھائی دیا تو چونکے۔

''لالہ رخ......'' ان کے لب ہلے اور شہوار دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی تو شاہزیب صاحب نے بہت محبت سے اسے ساتھ لگالیا۔ وہ اس وقت شہوار کی کیفیت سمجھ سکتے تھے جبکہ فیضان صاحب الجھے تھے۔

''فیضان بھائی دل تھام کر رکھیے گا آپ کے لیے ہمارے پاس کچھ ایسی خوش خبری ہے کہ آپ شاید سن کر حواس باختہ ہوجائیں۔'' زہرہ پھوپو نے نم آنکھوں سے قریب آ کر کہا تو انہوں نے حیرت سے دیکھا۔

''میں سمجھا نہیں۔''

''کہانی طویل ہے سنانے میں وقت لگے گا بس یہ سمجھ لیں کہ اس وقت آپ کے سامنے جو بچی کھڑی ہے وہ کوئی اور نہیں آپ کی اپنی حقیقی بیٹی عائشہ ہے۔'' شاہزیب صاحب نے بازو سے تھام کر شہوار کو فیضان صاحب کے سامنے کیا۔

''کیا......!'' ان کی آنکھیں پھٹی اور وہ حیرت سے گنگ رہ گئے جبکہ شہوار کے رونے میں شدت آ گئی تھی۔ اور فیضان صاحب وہ تو حیرت سے گنگ نت نئے انکشافات ہوتے دیکھ رہے تھے اور جب ساری کہانی کھلی تو وہ بے قرار سے ہوگئے۔

ایک بیٹی ان کی آنکھوں کے سامنے رہی تھی لیکن اپنے باقی دونوں بچوں کے لیے وہ کیسے تڑپتے رہے تھے وہ نہیں بتا سکتے تھے۔ شہوار کو سینے سے لگایا تو گویا سینے میں ٹھنڈی پڑگئی تھی۔ ایک طویل ہجر آبلہ پا چلتے گزرا تھا۔ وہ تو بیٹی کے ساتھ ساتھ بیٹے کا سن کر ہی بے چین ہوگئے تھے۔ شہوار تو آج جیسے زندگی بھر کا سکون محسوس کررہی تھی۔ اسے اپنا وجود بہت معتبر سا لگنے لگا تھا۔ اس کے ساتھ نہ صرف باپ جیسی گھنی چھایا تھی بلکہ بھائی جیسا توانا وجود بھی تھا وہ جتنا بھی خوش ہوتی کم تھا۔

''مجھے اپنے بچے سے ابھی ملنا ہے کہاں رہتے ہیں افشاں اور اس کی فیملی مجھے ابھی لے چلیں۔'' وہ جب تک بے خبر تھے تو پروا نہ تھی اور اب جب سب جان لینے کے بعد حقیقت کھلی تو کیسے دور رہ سکتے تھے۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اڑ کر ان تک پہنچ جاتے۔ ولید اور دیگر گھر والے فیضان صاحب کے وجود سے قطعی بے خبر تھے۔ فیضان صاحب کے وجود کی کہانی تو ابھی ان لوگوں کو ہی پتا چلی تھی۔

''ہم آپ کو ان کی طرف لے چلتے ہیں۔'' شاہزیب صاحب نے تسلی دی تو وہ بے چینی سے وہاں جانے کے منتظر ہوگئے۔ شہوار کو انہوں نے بدستور سینے سے لگا رکھا تھا اور وہ بھی صدیوں کی ترسی ہوئی ایک پل کو بھی باپ سے جدا ہونے کو تیار نہ تھی۔ وہ جس وقت ولید کی طرف پہنچے دوپہر ہوگئی تھی۔ شہوار نے ولید کو پہلے ہی کال کر کے گھر آنے کا کہہ دیا تھا وہ لوگ وہاں پہنچے تو بھی موجود تھے۔

شہوار کے ساتھ چلتے ہوئے وہ جب اندر داخل ہوئے تو ضیاء صاحب کے ساتھ وہاں موجود افشاں سکندر کو دیکھ کر ساکت رہ گئے تھیں۔

''سکندر......'' ان کے لب ہلے اور فیضان صاحب نے بھی افشاں، ضیاء، وقار اور صبوحی سب کو پہچان لیا تھا۔ پہچان تو ان لوگوں نے بھی لیا تھا لیکن وہ سب حیرت زدہ تھے۔

''مرنے والا زندہ کیسے ہوسکتا ہے۔'' وہ پریشان تھے۔ ایک بار پھر وہی کہانی دہرائی گئی۔ سبھی بے قرار سے ملے' گلے شکوے، ماضی کو دہرایا جارہا تھا۔

فیضان صاحب ولید سے مل کر کئی لمحوں تک ساکت رہے اور ولید بھی حیرت سے گنگ تھا اس کا باپ زندہ تھا کیسی انہونی ہوئی تھی یہ، دل یقین کرنے پر آمادہ ہی نہ تھا لیکن سامنے کھڑا وجود ایک حقیقت تھا۔ اگر صبوحی وقار ضیاء اور افشاں پہچان نہ چکے ہوتے تو وہ ماننے سے انکار کردیتا۔ لیکن انکار کرتا بھی تو کیسے وہ اپنے وجود سے کیسے منکر ہوجاتا کہ اس کے وجود کی شباہت اس کے باپ کے وجود سے صاف دکھائی دے رہی تھی۔ آج تو جیسے انکشافات کا دن تھا۔ ایک کے بعد ایک انکشاف ہورہا تھا۔ انا حیرت سے گنگ اس پل پل بدلتی صورت حال کو دیکھ رہی تھی۔ فیضان صاحب نے کال کر کے سہیل کو رابعہ اور باقی سب کو لے کر ضیاء کی طرف آنے کا کہا تھا۔ ولید نے ایڈریس سمجھایا لیکن کوئی نہیں جانتا تھا کہ کچھ دیر بعد فیضان صاحب ان سب کو جس وجود سے

ملوانے والے ہیں وہ کون ہے۔ فیضان صاحب نے سب کو اپنی کہانی تو سنادی تھی لیکن رابعہ کی اصلیت کے بارے میں نہ بتا سکے تھے لیکن اب ان لوگوں سے کچھ بھی چھپانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

سہیل، ثریا بیگم اور بھابی کے ہمراہ رابعہ وہاں آئی تو فیضان صاحب نے خود آگے بڑھ کر اپنی بیٹی کو سب کے سامنے لا کھڑا کیا۔ سبھی نے الجھ کر دیکھا۔

"یہ رابعہ ہے میری اور لالہ رخ کی بیٹی۔" انہوں نے بہت سنجیدگی سے کہا۔ سبھی چونکے تھے خصوصاً ولید اور شہوار۔

"لیکن یہ تو سہیل کی بہن ہے۔" شاہزیب صاحب نے حیرت سے کہا۔

"اس کی حقیقت بھی آپ کو بتادیتے ہیں لیکن سچ تو یہ ہے کہ جہاں لالہ رخ اور میرے باقی دونوں بچے مجھ سے بچھڑ گئے تھے وہیں معجزاتی طور پر میری بچی رابعہ بچ گئی تھی اور نہ زندہ بچ گئی تھی بلکہ میرے زندہ رہنے کی آس اور امید تھی میری یہ بچی۔" ان کے الفاظ پر سبھی نے الجھ کر رابعہ کو دیکھا۔

اور پھر اس کے بعد انہوں نے وہ سب بتادیا جس کی وجہ سے رابعہ ان کی بجائے ثریا بیگم کی بیٹی کہلائے جانے پر مجبور ہوگئی تھی۔ عجیب سا منظر تھا اور عجیب سی صورت حال، رابعہ تو اتنے سارے رشتے ایک دم مل جانے پر بے حد پرجوش سی ہوگئی تھی۔ ولید اور شہوار کا بھی مارے خوشی کے برا حال تھا۔ سب کچھ کھل چکا تھا سبھی خوش و پرسکون تھے۔ اب کوئی راز راز نہ رہا تھا۔ لیکن سبھی کے دل و دماغ میں سوالات گردش کررہے تھے۔

"آخر وہ مرنے والے بچے کون تھے؟"

❀......❀......❀
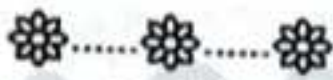
مصطفیٰ واپس لوٹا تو ایک نئی صورت حال دیکھ کر حیران رہ گیا۔ فیضان صاحب نہ صرف زندہ تھے بلکہ ان کی دوسری بیٹی رابعہ بھی زندہ تھی۔ مصطفیٰ کے کیس میں یہ ایک نیا ٹرن آیا تھا۔

"میں بہت خوش ہوں میرا جی چاہتا ہے کہ میں ان تمام لوگوں کو بتاؤں جو مجھ پر طنز کرتے تھے میرا مذاق اڑایا کرتے تھے میری کردار کشی کرتے تھے لیکن میں کوئی بے نام و نشان نہیں ہوں میرے پاس بھی وہ سب رشتے ہیں باپ، بھائی، بہن وہ سب رشتے جو انسان کی پہچان بنتے ہیں اس کا فخر ہوتے ہیں۔" شہوار بہت خوش تھی اس کی خوشی اس کے ہر ہر انداز سے ظاہر ہورہی تھی۔

فیضان صاحب رات فی الحال بابا صاحب کی خاطر مصطفیٰ وہیں رک گئے تھے رابعہ اور ولید بھی ہمراہ تھے۔

بابا صاحب بے انتہا خوش تھے اور ان کو خوش دیکھ کر باقی سب گھر والے بھی۔ مصطفیٰ تو یہ نئی سچویشن دیکھ کر حیرت زدہ بھی تھا اور خوش بھی اور شہوار اس سے تو جیسے خوشی سنبھالے نہیں جارہی تھی۔ مصطفیٰ کے سامنے دل کی بات کہہ رہی تھی۔

مصطفیٰ نے مسکرا کر محبت سے دیکھا۔ آج شہوار کے چہرے کی سرخی اور رونق دیکھنے والی تھی۔ مصطفیٰ فیضان صاحب اور رابعہ سے بھی ملا تھا۔ رابعہ تو متوقع سسرال میں اس طرح آمد پر جھینپی جھینپی سی تھی صبا اور لائبہ کے نرغے میں وہ کافی مظلوم اور لاچاری لگ رہی تھی۔ سبھی ایک جگہ جمع تھے بڑے البتہ بابا صاحب کے کمرے میں تھے۔

"اچھا سچ سچ بتا میں بھابی عباس بھائی نے آپ کو کس طرح پٹایا تھا۔" عائشہ کے لہجے میں ازحد شرارت تھی۔

"دیکھو بھئی کوئی بھی میری بہن کو کچھ نہیں کہے گا ورنہ......!" شہوار نے فوراً رابعہ کا دفاع کیا۔

"لو جی مینڈکی کو بھی زکام ہوگیا۔" صبا نے گھورا۔

"یہ مینڈکی کس کو کہا ہے۔" شہوار نے فوراً برا مانا۔

"دیکھیں مصطفیٰ بھائی ہم تو شہوار کو بھلی مانس سی مخلوق سمجھتے تھے لیکن یہ تو اچھی خاصی حاضر جواب ہوچکی ہے۔" صبا نے بھائی کے سامنے دہائی دی۔

"تمہارے بھائی کی محبت کا اثر ہے۔" شہوار نے دونوں کو گھورا اور مصطفیٰ کے پاس سے اٹھ کر رابعہ کے پہلو میں بیٹھ گئی۔

"ان سے ذرا بھی گھبرانے کی ضرورت نہیں میں آپ کے ساتھ ہوں۔" اس نے رابعہ کو تسلی دی۔ مصطفیٰ ہنس دیا تھا بھی سجاد بھائی عباس بھائی کا ہاتھ تھامے کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ عباس سے رابعہ کا یہ ڈائریکٹ سامنا تھا ورنہ ان لوگوں کے ہاں

آنے کے بعد وہ زیادہ تر شہوار و گھر والوں کے ہمراہ ہی رہی تھی۔

"لو جی صدر محفل حاضر خدمت ہیں اب جلدی سے بھابی صاحبہ کے پہلو میں جگہ خالی کی جائے تاکہ عزت مآب بیٹھنے کا شرف حاصل کرسکیں۔" سجاد بھائی پر شرارت سوار ہوئی جبکہ باقی سب نے تالیاں بجا کر داد دی۔ عباس بھائی کی آمد سے ایک دم رونق سی ہوگئی تھی۔ جبکہ عباس کی آمد کے بعد تو رابعہ حقیقتاً پریشان ہوئی تھی۔

وہ اتنے سارے لوگوں میں اس ماحول کی عادی نہ تھی دونوں ہتھیلیاں پسینے سے تر ہونے لگی تھیں۔ سجاد نے عباس کو اس کے سامنے لا کھڑا کیا اور اب رابعہ کے پہلو میں بٹھانے پر بضد تھا۔ رابعہ کے دائیں بائیں شہوار اور لائبہ نے نشست جما رکھی تھی۔ شہوار تو اٹھنے پر راضی نہ ہوئی تاہم لائبہ نے کچھ نخرے دکھائے مگر جگہ خالی کردی۔ عباس رابعہ کے دائیں طرف بیٹھا تو سبھی نے شرارتی نظروں سے دیکھتے ہوئے ہوہا کیا۔

بڑی آرزو تھی تجھے گل کے روبرو کرتے
ہم اور بلبل بے تاب گفتگو کرتے

صبا نے اپنی شرارتی آواز میں شعر داغا تو سبھی بے اختیار ہنس دیے۔

"مجھے نہیں بیٹھنا یہاں۔" رابعہ شہوار کے کان میں منمنائی۔

"یہ کیا کھسر پھسر ہورہی ہے۔" صبا نے فوراً نوٹ کیا۔

"تم سے مطلب۔" شہوار نے فوراً کہا۔

"ہیں..... زیادہ اترانے کی ضرورت نہیں آج بہن کیا مل گئی ہے تم نے تو آنکھیں ماتھے پر رکھ لی یہ مت بھولو تم اس سے پہلے لڑکے والوں کی طرف سے تھی۔" عائشہ کو جواب ہضم نہ ہوا سو فوراً ٹوکا تو شہوار ہنس دی۔

"لیکن آج سے میں لڑکی والی ہوں۔" شہوار کے تو آج رنگ ہی نرالے تھے۔

مصطفی کو یہ سب بہت اچھا لگ رہا تھا ایک صوفے پر وہ ولید کے ہمراہ بیٹھا سب انجوائے کررہا تھا۔

"دیکھ رہے ہیں بھائی اپنی بیگم کے تیور۔" صبا نے بھی دہائی دی۔

"بھئی تم اتنے سارے بے چاری رابعہ بھابی کو گھیر کر بیٹھ گئے ہو اب میری معصوم سی بیگم اپنی بہن کا دفاع بھی نہ کرے۔"

"اوہ.....!" سب نے گھورا تو شہوار نے منہ چڑادیا۔

"اچھا سب چھوڑیں عباس بھائی رابعہ بھابی نے تو نہیں بتایا آپ بتائیں آپ کو یہ سب کیسا لگ رہا ہے آئی مین ان کو کزن کی حیثیت سے اور شہوار کی بہن پاکر۔" سجاد بھائی نے بڑے مہذب انداز میں ہاتھ کا مائیک بنا کر عباس کے سامنے کرتے ہوئے کہا تو سب نے ہنس کر دیکھا۔ عباس نے ایک مسکراتی نگاہ اپنے پہلو میں مہکتے وجود پر ڈالی اور پھر مسکرا کر کہا۔

"بہت اچھا۔"

"بس اتنا مختصر جواب۔" سجاد بھائی کو مایوسی ہوئی۔

"تو کیا اس ایونٹ پر میں پوری غزل کہہ دوں۔" عباس نے گھورا۔

"کہہ بھی سکتے ہیں۔" دیکھیں بھئی وہ کیا کہتے ہیں کہ رسم دنیا بھی ہے موقع بھی ہے اور دستور بھی۔" یہاں سب کے سب انتہائی شرارت پر آمادہ تھے سجاد کے جواب پر عباس ہنس دیا۔

"ویسے ایک دو غزل تو ضروری ہونی چاہیے اس خاص موقع کی مناسبت سے۔" سجاد کا اصرار بڑھا۔

"بھئی مجھ کو تو معاف رکھو مجھے کوئی غزل وزل نہیں آتی۔" عباس نے انکار کیا۔

"یہ تو زیادتی ہے رابعہ بھابی کیا سوچتی ہوں گی کہ وہ پہلی بار ہمارے گھر آئی ہیں اور آپ نے ان کی شان میں کچھ اظہار بھی نہیں فرمایا۔" عائشہ بھی سجاد کا ساتھ دینے کو فوراً میدان میں کودی۔

"دیکھو بھئی اگر زیادہ تنگ کیا میری بہن کو تو میں ماں جی کو بلالوں گی۔" رابعہ بے حد کنفیوژ ہورہی تھی سو شہوار نے آنکھیں دکھائیں۔

رابعہ کا تمام اعتماد آج تو جیسے پانی کا بلبلا بن کر رہ گیا تھا۔ وہ از حد گھبرا رہی تھی۔ عباس نے ایک بہت پرسکون اور اطمینان بھری نگاہ رابعہ پر ڈالی تبھی رابعہ نے بھی نگاہ اٹھا کر دیکھا تھا۔ عباس کے چہرے پر اطمینان، اعتماد بھری مسکراہٹ محبت وخوشی کی چمک ودرخشی تھی۔ وہ ایک پل کو مبہوت ہوئی تھی۔ عائشہ کی شرارتی نگاہوں سے بھلا یہ ایک پل کیسے چھپ سکتا تھا۔

سب سے نظر بچا کر وہ مجھ کو کچھ ایسے دیکھتا
ایک دفعہ تو رک گئی گردش ماہ و سال بھی

وہ شرارت سے گنگنائی تھی۔

رابعہ نے جھینپ کر سر جھکایا جبکہ عباس کے وجود میں ایک سرشاری سی لہرائی تھی۔ وہ بہت اطمینان سے پھیل کر بیٹھا تھا۔

''تو تمہیں کیا مسئلہ ہے۔'' بہن کو دیکھا وہ شرارت سے ہنس رہی تھی۔

''یہ سب بہت بدتمیز ہیں آپ میرے ساتھ چلیں ادھر رہیں تو یہ ایسے ہی درگت بناتے رہیں گے۔'' شہوار نے رابعہ کا ہاتھ تھام کر کھڑا کیا۔

''یہ تو فاؤل ہے۔'' صبا اور عائشہ فوراً چلائیں۔

''یہ تھک چکی ہیں کیوں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا میں۔'' شہوار نے فوراً بہانہ بنایا' رابعہ نے سر ہلایا تو وہ سب کے ہو ہا اور شور مچانے کے باوجود شہوار رابعہ کو لے کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

''یہ سب کتنا اچھا لگ رہا ہے نا۔'' شہوار نے اپنے کمرے میں لاکر بستر پر بیٹھنے کے بعد کہا تو رابعہ محض مسکرائی تھی۔

''میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ مجھے یہ اتنے سارے رشتے بالکل اچانک یوں اس طرح مل جائیں گے پہلے ولید بھائی ملے اور پھر اب آپ اور بابا میں، بہت خوش ہوں لگتا ہے جیسے زندگی کے تمام غم مٹ گئے ہوں۔'' واقعی اس کا خوشی سے برا حال تھا۔

''میں خود حیران ہوں کچھ دن پہلے تک تو میں خود اپنے اصل رشتے کے بارے میں بے خبر تھی جب بابا نے اصل حقیقت بتائی تو میں حیران رہ گئی تھی ایک دم اچانک سے کوئی ماموں کا رشتہ باپ کے رشتے میں بدل جائے حیرانی تو ہوتی ہے نا لیکن سب حقائق ایسے تھے کہ میں سوال اٹھا ہی نہیں سکی۔ تب دل میں اپنے بھائی اور بہن کے ساتھ ساتھ ہمیشہ کے لیے بچھڑ جانے والی ماں کا خیال آیا تھا ان سب پر ہونے والے ظلم پر میں کتنے دنوں تک پر ملال رہی تھی لیکن سوچا ہی نہ تھا کہ یوں اچانک مجھے ایک دم سے بہن اور بھائی مل جائیں گے اور وہ بھی ایسے۔''

''ہماری زندگی میں یہ بڑا فلمی ساٹریک ہے کاش یہ رشتے مجھے بہت پہلے سے مل چکے ہوتے آپ نے تو پھر ایک گھر ایک فیملی میں ایک نام کے ساتھ زندگی گزاری ہے جبکہ مجھے تو کچھ علم ہی نہ تھا کہ تابندہ امی نے جو بتایا وہی میرے لیے سچ تھا لیکن جستجو ہوتی تھی کہ کاش میں سب جان سکوں اپنے اصل تک پہنچ سکوں اور آج میری یہ خواہش مکمل ہوگئی۔'' رابعہ کا ہاتھ تھام کر وہ پھر بہت خوشی سے کہہ رہی تھی۔

''میں خود کچھ دن پہلے تک ہر بات سے بے خبر تھی کہ میرے اصل والدین کون ہیں اور پھر جب بابا نے وہ سب بتایا میں تو خود گم صم ہوگئی پھر جو احساس تھا وہ بس یہی تھا کہ میرے والدین نے بہت دکھوں سے بھری زندگی گزاری ہے۔'' شہوار ہلکا سا مسکرائی۔

''عباس بھائی بہت اچھے انسان ہیں، بہت کائنڈ اور محبت کرنے والے عادلہ ان کا انتخاب تھی لیکن میں جانتی ہوں عادلہ کے ساتھ انہوں نے ایک پل بھی خوشی کا نہیں گزارا تھا آفاق کی آمد بھی عادلہ کو نہ بدل سکی اور پھر انہوں نے طلاق لے لی اس خاندان میں طلاق پہلا واقعہ تھا سو ہر کوئی عباس بھائی اور آفاق کے معاملے میں بہت کانشس تھا لیکن اللہ کا شکر ہے کہ آپ ان کی وائف بن رہی ہیں مجھے یقین ہے آپ آفاق اور عباس بھائی کی زندگی کی ہر محرومی دور کردیں گی۔'' بہن کا ہاتھ تھام کر شہوار نے خلوص دل سے کہا تو رابعہ مسکرا دی۔

❀......❀......❀

عادلہ زخمی کاشفہ کو ایمبولینس میں فوراً اسپتال لے کر بھاگی تھی۔ وہ تنہا ساری بھاگ دوڑ کر رہی تھی یہ خودکشی کا کیس تھا عادلہ

اکیلی سارے کرائسز سے گزر رہی تھی۔ پچھلے تین دن سے کاشفہ زندگی اور موت کی کشمکش میں تھی۔ کلائی کاٹنے سے اس کا بہت زیادہ خون بہہ گیا تھا۔ ڈاکٹرز ٹریٹمنٹ دے رہے تھے لیکن امید کی کوئی کرن نہ تھی۔ وہ ساری رات عادلہ نے جو کبھی اللہ کے سامنے بھی نہ گڑگڑائی تھی اس نے رو رو کر کاشفہ کی زندگی کی بھیک مانگی تھی لیکن اگلی صبح کی سپیدی پھیلتے ہی ڈاکٹر نے اسے جب وہ خبر سنائی تو وہ ساکت رہ گئی تھی۔

''ایم سوری شی از ڈیڈ۔'' اسے نہیں علم تھا کہ اس کے بعد کیا کیا ہوتا رہا۔

وہ جب کاشفہ کی ڈیڈ باڈی لے کر گھر پہنچی تو وہاں کاشفہ کی میت پر رونے والا اس کے سوا کوئی نہ تھا پولیس کے علاوہ چند ارد گرد کے لوگ تھے۔ باپ جیل میں تھا اور ماں مینٹل اسپتال میں۔ وہ اپنی حرماں نصیبی پر پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ وہ جو رونق محفل تھی آج حالات کی گردش نے سب کچھ چھین لیا تھا۔ اس کے باپ کو پولیس کی طرف سے بیٹی کے جنازے میں شرکت کی اجازت مل گئی تھی رشتے دار تو تھے نہیں جو تھے بھی کسی سے شاید واسطہ بھی نہ پڑا تھا۔ دوست احباب وقت کی گردش کا شکار ہو گئے تھے اس کو تسلی دلاسہ دینے والا کوئی نہیں تھا۔ کوئی کندھا ایسا نہ تھا جس پر سر رکھ کر وہ سسک سکتی۔ اور عبدالقیوم کو پولیس نے عادلہ سے ملنے نہیں دیا تھا۔ دونوں باپ بیٹی ایک دوسرے کو دور سے دیکھ کر تڑپتے رہے تھے۔ بہن کا جنازہ اٹھا تو وہ نیم جاں سی ہو گئی تھی۔ آج مکافات عمل تھا۔

اس کے خاندان کو وہی مل رہا تھا جو انہوں نے کبھی دوسروں کو دیا تھا۔ باپ کو بیٹی کے جنازے کے بعد واپس پولیس لے گئی تھی اور وہ اس رات اپنے اونچے عالی شان گھر میں بالکل تنہا دو ملازموں کے آسرے زندگی کا ایک نیا رنگ دیکھ رہی تھی۔

❀......❀......❀
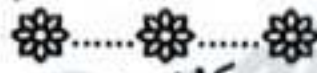
مصطفیٰ کی کال آئی تھی اس نے بتایا تھا کہ کاشفہ نے خودکشی کر لی ہے کاشفہ کا ایسا عبرت ناک انجام سن کر ولید تو کیا ہر کوئی گم صم ہو گیا تھا۔ عبدالقیوم نے اپنی زندگی ظلم و ستم کرنے اور غلط کاموں میں گزار دی تھی اور آخر کار وہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے تھا بیوی پاگل خانے اور اولاد تباہ و برباد ہو چکی تھی مقام عبرت تھا سب کے لیے۔ آنے والے دنوں میں ہر کوئی اس واقعے کو لے کر کئی دن تک افسردہ رہا۔ انا خود بے یقین تھا اس نے سنا کہ کاشفہ کی شکل بگڑ چکی ہے لیکن وہ خودکشی کر لے گی ایسا تو اس نے کبھی نہیں چاہا تھا۔

کاشفہ سے لاکھ نفرت سہی لیکن اس کا یہ انجام سب کو دکھی کر گیا تھا۔ انا گم صم تھی۔ ولید اس دن ان کی طرف آیا تو وہ لان کی سیڑھیوں پر افسردہ سی بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے گاڑی سے نکلتے دیکھ کر سیدھی ہوئی۔ ولید کو جب سے اپنے باپ اور بہن کی خبر ملی تھی وہ تب سے ان کے ساتھ ہی زیادہ تر رہ رہا تھا بابا صاحب کی خواہش تھی کہ فیضان صاحب ولید اور رابعہ ان کے ساتھ ہی قیام کریں۔ لیکن فیضان صاحب کی خوددار طبیعت ابھی یہ قبول نہیں کر پا رہی تھی۔ باپ کو باپ کی حیثیت سے قبول کرنا اور بات تھی لیکن ان کے ساتھ ہمیشہ کے لیے قیام کرنا اور بات تھی۔ وہ ابھی بھی خود کو ان کی دولت جائیداد اور وراثت میں حصہ دار نہیں سمجھتے تھے جبکہ بابا صاحب کی خواہش بھی کہ وہ ان کے ساتھ حویلی میں چل کر رہیں۔ بابا صاحب کی طبیعت اب بہتر تھی ایک عرصے بعد وہ خود کو بہت توانا اور مضبوط محسوس کرنے لگے تھے وہ واپس حویلی جانا چاہتے تھے فیضان صاحب اور ان کے بچوں کے ہمراہ۔ ابھی تک فیضان ان کی خواہش پر رابعہ سمیت شاہزیب صاحب کے ہاں قیام پذیر تھے۔ ولید بھی زیادہ تر ادھر ہی پایا جاتا تھا۔ اس وقت بھی وہ ادھر کسی کام سے آیا تھا انا کو دیکھ کر وہ لان کی سیڑھیوں کی طرف آ گیا۔

''کیسی ہو؟'' بہت عرصے بعد ولید بہت نارمل انداز میں انا سے براہ راست مخاطب ہوا تھا۔ انا حیرت کا شکار ہوئی تھی اس نے اثبات میں سر ہلایا تو ولید مسکرا دیا۔

''کیا کر رہی ہو آج کل۔'' اس کا انداز دوستانہ تھا۔ انا کنفیوژ ہونے لگی۔

''کچھ نہیں فائنل ایئر کی کلاسز اسٹارٹ ہونے والی ہیں تو اسی کی تیاری میں ہوں۔''

''گڈ...... شہوار بھی بتا رہی تھی ایک دو دن میں کلاسز اسٹارٹ ہو رہی ہیں۔'' انا نے محض سر ہلایا۔ تبھی اندر سے روشی وہاں چلی آئی۔

"آپ تو ہمیں بھول ہی گئے ہیں کتنے دنوں بعد چکر لگا رہے ہیں۔" وہ یقیناً گاڑی کی آواز سن کر باہر آئی تھی سلام دعا کے بعد شکوہ کیا۔ ولید محض مسکرا دیا۔

"پاگل ہو، میں کیوں بھولوں گا تم سب کو، بس وہاں سبھی کا اصرار ہے کہ ادھر رہوں تو رکنا پڑ رہا ہے۔" ولید نے محبت سے روشی کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا تو اس نے منہ بنالیا۔

"تو آپ چلے جائیں گے وہاں ہمیشہ، ہمیشہ کے لیے۔" لہجے میں افسردگی تھی۔

"بابا صاحب کو ایک عرصے بعد بیٹے کی صورت دکھائی دی ہے ان کا بس چلے تو وہ ایک پل کو بھی ہمیں خود سے جدا نہ کریں یہ تو بس بابا کی خودداری ہے کہ وہ ان کے ساتھ ہمیشہ، ہمیشہ کے لیے رہنے پر آمادہ نہیں ہو رہے۔" ولید اور روشی بھی وہیں انا کے ساتھ ہی سیڑھیوں پر ٹک گئے تھے۔ انا خاموشی سے دونوں کو سن رہی تھی۔

"فرض کریں آپ کے والد اپنے باپ کی بات مان لیتے ہیں تو یقیناً آپ بھی ان کے ساتھ ہی جائیں گے نا۔" روشنی نے پوچھا تو ولید مسکرا دیا۔

"نہیں ہمیشہ کے لیے تو نہیں جاؤں گا ادھر بھی آتا رہوں گا۔" روشی نے افسردگی سے دیکھا تو ولید نے مسکرا کر اس کا سر تھپتھپایا۔

"پریشان نہیں ہوتے، میں آتا رہوں گا۔" روشی نے محض سر ہلایا افسردہ تو انا بھی تھی۔ وہ یہاں تھا تو روز دکھائی دیتا تھا اور اب پتا نہیں دکھائی دے گا بھی کہ نہیں۔

"باقی سب لوگ کدھر ہیں اور بابا کہاں ہیں۔"

"بابا کمرے میں ہیں اور باقی اپنے اپنے کاموں پر کچھ کھائیں گے؟" روشی نے جواب دے کر پوچھا تو ولید نے سر ہلا دیا۔

"ہاں چائے پلا دو۔"

"میں بنا کر لاتی ہوں۔" روشی اٹھ کر چلی گئی تو ولید نے انا کو دیکھا۔ وہ خاموشی سے گود میں رکھے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔ چہرے پر گہری سنجیدگی کا عکس تھا۔

"کہاں تک پہنچی تمہاری شادی کی تیاری۔" ولید کا انداز نارمل تھا۔ انا نے بہت کرب سے دیکھا۔ اسے ولید سے ایسے سوال کی قطعی توقع نہ تھی۔ اسے لگا کہ جیسے اس کے زخم ایک بار پھر سے ہرے ہو گئے ہیں۔

"کیا ہوا؟" انا کے چہرے پر گہرے دکھ کی کیفیت دیکھ کر ایک پل کو ولید بھی نادم ہوا تھا۔ انا کھڑی ہو گئی۔ وہ بہت پشیمان تھی اور رنجیدہ بھی ایسے میں ولید کا یہ سوال اسے اور زیادہ دکھی کر گیا تھا۔

"ایم سوری تمہیں شاید برا لگا۔" ولید بھی اس کے مقابل کھڑا ہو گیا۔

"میں کئی بار ایکسیوز کر چکی ہوں آپ مجھے معاف نہیں کر سکتے کیا......؟" اس کے لہجے میں دکھ وندامت تھی ولید تو چند پل کے لیے اپنی جگہ جم سا گیا۔

"میں نے بہت غلط کیا آپ کے ساتھ آپ پر شک کرتی رہی میں بہت گلٹی فیل کرتی ہوں لیکن کاشفہ چاہتی تھی کہ میں ایسا کروں میں نے وہ سب کاشفہ کی بلیک میلنگ میں آ کر کیا تھا۔" وہ دکھ سے سر جھکائے کہہ رہی تھی اور ولید نے ایک گہرا سانس لیا۔

"او کے اسے بھول جاؤ یار۔" ولید کا انداز ایک دم نارمل ہوا تھا۔ مسکرا کر کہا تو انا نے حیرت سے دیکھا۔

"آپ نے مجھے معاف کر دیا ہے کیا؟" اس نے بے یقینی سے پوچھا۔

"میں تم سے خفا نہیں ہوں بس تھوڑا بہت غصہ تھا رہ گئی کاشفہ اس کی اصلیت وہ سب کے سامنے ہے اس نے جو بویا وہ کاٹ لیا اور آخر کار موت اس کا مقدر بن گئی مجھے اس کی اس قدر اذیت ناک موت پر بہت دکھ ہے، بحیثیت انسان میں افسردہ بھی ہوں لیکن اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتے ہم۔" ولید نے حوصلہ افزا نگاہوں سے انا کو دیکھا تو اس کے چہرے کی رنگت میں کچھ امید کی کرن جاگی تھی۔

''آپ واقعی مجھ سے خفا نہیں ہیں نا......؟'' وہ پھر یقین دہانی چاہ رہی تھی۔
''کیا کسی اسٹامپ پیپر پر لکھ کر دوں۔'' مسکرا کر کہا تو وہ مسکرادی آج بہت دنوں بعد اسے لگا کہ وہ مسکرائی ہے۔
''حماد سے میری بات ہوئی تھی کافی خوش ہے وہ آج کل میں واپس آ رہا ہے بابا صاحب کہہ رہے تھے کہ عباس بھائی کی شادی کے ساتھ ہی پھوپو شادی کرنا چاہتی ہیں تا کہ ولیمہ کا فنکشن ایک ساتھ انجام پذیر ہو۔'' ولید نے فوراً بات پلٹی تو انا کا رنگ ایک دم اڑا تھا۔ اس کے چہرے کی تمام جوت ایک دم بجھ گئے تھے۔
''ویسے حماد کافی اچھا انتخاب ہے تمہارے ساتھ بہت سوٹ کرے گا۔'' وہ یہ سب کہتے ہوئے انا کو بے حد برا لگا۔ اس کا چہرہ ایک دم تاریک سا ہو گیا جبکہ ولید مسکرا رہا تھا۔ انا دکھ سے ولید کو دیکھ رہی تھی اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ ولید جان بوجھ کر ایسا کر رہا ہے یا محض اسے تنگ کر رہا ہے۔ وہ بس ولید کو دیکھ رہی تھی کہ روشی چائے کے لوازمات سے سجی ہوئی ٹرے اٹھائے ادھر چلی آئی۔
''چائے تیار ہے میں نے سوچا لان میں ہی بیٹھ کر پیتے ہیں۔'' وہ چائے کی ٹرے لیے لان کی گھاس کی طرف بڑھی اور پھر اس نے ٹرے گھاس پر رکھ دی۔
''آ جاؤ تم دونوں کباب بھی فرائی کیے ہیں میں نے ولید بھائی کو تو بہت پسند ہیں نا۔'' وہ دونوں کو کہہ رہی تھی۔
''آ جاؤ تم بھی تمہارے ساتھ مل کر بیٹھ کر چائے پیے بھی عرصہ بیت گیا ہے اسی بہانے کچھ اچھا وقت گزار لیتے ہیں ہم بھی۔'' وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا جبکہ انا کو لگا کہ وہ جان بوجھ کر اسے ستا رہا ہے۔ وہ کہہ کر روشی کی طرف بڑھا جبکہ انا گم صم سی کھڑی دکھ سے اسے جاتے دیکھ رہی تھی۔

❁......❁......❁
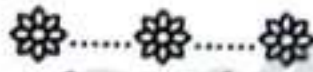
ابوبکر کی شادی تھی فیضان صاحب رابعہ کے ہمراہ سہیل کی طرف آ گئے تھے ولید چند دن سے ضیاء صاحب کی طرف تھا رابعہ ایک دن پہلے ہی ہادیہ کی طرف چلی گئی تھی۔ بارات ابوبکر کے اپارٹمنٹ سے جانی تھی وہ لوگ تیار ہو کر ابوبکر کے اپارٹمنٹ میں ہی چلے آئے تھے شہوار نے بھی عباس بھائی کے ہمراہ ہادیہ کی طرف سے آنے کا وعدہ کیا تھا جبکہ فیضان صاحب نے ولید کو بھی بلوالیا تھا وہ بھی ابوبکر کی طرف آ گیا تھا۔ وہ سب ابوبکر سے ملے تھے امجد خان بھی بمعہ فیملی موجود تھا۔ امجد خان کو دیکھ کر فیضان چونکے تھے انہیں یہ شکل دیکھی بھالی لگی تھی۔
''امجد خان تم......!'' امجد خان کافی ایکٹیو اور پالش انسان لگ رہا تھا۔
''آپ سکندر احمد ہیں نا......؟'' امجد خان بھی ان کو پہچان گیا تھا۔
''ہاں۔'' انہوں نے سر ہلایا۔ ''میں خود بھی ملنا چاہتا تھا لیکن میں ایک جگہ ٹک ہی نہیں رہا تھا آفس کے سلسلے میں کبھی یہاں تو کبھی وہاں جانا پڑ رہا تھا آپ کو زندہ دیکھ کر اور سب بچوں کو زندہ پا کر بہت خوشی ہو رہی ہے۔'' امجد خان واقعی بہت خوش لگ رہا تھا۔
''آپ ابوبکر کے کیا لگتے ہیں۔'' انہوں نے پوچھا۔
''بیٹا ہے میرا۔'' وہ حیران ہوئے ابوبکر کے ساتھ امجد خان کا نام جانتے ہوئے بھی وہ کبھی اندازہ نہ لگا سکے تھے کہ یہ وہی امجد خان ہوگا۔
''بس میری دوسری شادی کے بعد حالات کچھ ایسے ہوئے کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے بدظن ہو گئے تھے میرا بیٹا بہت غصیلا اور خوددار ہے بس ایک دن بغیر کچھ کہے سنے گھر سے نکل گیا تھا اور جب مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ میں بہت تڑپا ہوں لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اس نے آخر کار مجھے میرے بیٹے سے ملوا دیا۔'' فیضان صاحب ساری کہانی سمجھ گئے تھے۔ انہوں نے ایک گہرا سانس لیا۔
''ابوبکر سہیل کا دوست ہے سہیل اور اس کی والدہ ہی وہ لوگ ہیں جن کے گھر نے مجھے پناہ دی اور پھر مجھے اور میری بیٹی کو زندہ رہنے کی لگن دی۔'' فیضان صاحب اپنی یہاں موجودگی کا سبب بتانے کے ساتھ ساتھ انہیں اور بھی بہت کچھ بتاتے گئے اپنے متعلق ماضی سے متعلق ابوبکر کے بارے میں اور وہ سب کچھ جو ان کے ساتھ بیتا تھا۔
''آپ مصطفیٰ کو کیسے جانتے ہیں۔'' امجد خان مسکرایا۔

''آپ کو یاد ہو شاید آخری بار جب ہماری بات ہوئی تھی تو میں نے بتایا تھا کہ میں نے پولیس میں اپلائی کیا ہوا ہے حوالدار کے طور پر میں سلیکٹ ہوا تھا پھر لگن تھی اپنی تعلیم جاری رکھتے مختلف امتحانات پاس کرتے آج اس مقام پر ہوں کہ مصطفیٰ شاہزیب صاحب جیسے لوگوں کا رائٹ ہینڈ ہوں، میں پہلے ڈی آئی جی شاہزیب صاحب کا رائٹ ہینڈ ہوتا تھا اور پھر جب سے مصطفیٰ صاحب نے پولیس فورس جوائن کی ہے میں ان کے ساتھ ہوتا ہوں میرا تعلق اسپیشل پولیس فورس سے ہے۔''

''اوہ......!'' فیضان صاحب کو امجد خان کو اس قدر کامیاب دیکھ کر حقیقی خوشی حاصل ہوئی تھی۔

''لیکن مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ آپ نے دوسری شادی کیوں کی۔'' فیضان صاحب کے سوال پر امجد خان نے ایک گہرا سانس لیا۔

''ایک لمبی کہانی ہے پھر کبھی سناؤں گا فی الحال تو مہمانوں کو دیکھ لیتے ہیں۔'' بارات کی روانگی کا وقت قریب تھا سو فیضان صاحب بھی خاموش ہو گئے تھے بارات ہال میں جانی تھی شام کا وقت تھا۔

ہادیہ کے گھر والوں کی طرف سے بڑا زبردست ریسیپشن دیا گیا تھا۔ ہادیہ دلہن بن کر بہت پیاری لگ رہی تھی۔ ہادیہ کے پاس اس کی آپی جان بھی آئی ہوئی تھیں اماں بی کے ہمراہ ہمیشہ کی طرح وہ اس بار بھی ہادیہ کے پاس ہی بیٹھی ہوئی تھیں ہادیہ برائیڈل روم میں تھی اور وہ دونوں خواتین بھی اس کے ساتھ وہاں موجود تھیں۔ رابعہ کے ساتھ ان کی سلام دعا تو تھی ہی لیکن شہوار بھی عباس بھائی کے ہمراہ آئی تو رابعہ اسے بھی ہادیہ کے پاس ہی لے آئی تھی رابعہ نے آپی جان سے ملایا تو وہ شہوار کو دیکھ کر چونک گئی تھیں۔

''یہ تمہاری بہن ہے۔'' وہ بار بار شہوار کو دیکھ رہی تھیں انہیں یقین نہیں آ رہا تھا رابعہ نے ہنس کر بتایا کہ شہوار اس کی بہن ہے حقیقی بہن۔ آپی جان کے چہرے پر عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ انہوں نے ساتھ بیٹھی اماں بی سے کچھ کہا تو وہ بھی چونکی تھیں۔ شہوار کچھ دیر بیٹھ کر رابعہ کے ساتھ باہر نکل گئی تھی۔

''اماں بی اس بچی کو دیکھ کر نجانے کیوں ہر بار میرے اندر عجیب سی بے کلی پیدا ہونے لگتی ہے اور اب یہ نئی بچی......'' ان کے لہجے میں آزردگی تھی اماں بی نے ہاتھ تھام کر دلاسہ دیا۔

''تمہارا وہم ہو سکتا ہے۔'' انہوں نے کہا تو آپی جان افسردہ سی مسکرا دیں۔

''تمہاری رابعہ سے کب سے دوستی ہے۔'' انہوں نے پوچھا تو ہادیہ چونکی۔

''کافی پرانی دوستی ہے کالج لائف سے ہم ساتھ ہی ہیں۔''

''اور اس نے آج جس لڑکی کو ملوایا ہے یہ بتا رہی تھی کہ یہ اس کی بہن ہے۔''

''ہاں بڑی فلمی سی کہانی ہے رابعہ کی بھی بچپن سے ہی یہ سب بہن بھائی آپس میں بچھڑ گئے تھے ان کے والد بھی کسی بہت بڑے گھرانے کے بیٹے تھے لیکن خاندان سے جدا ہو گئے تھے کافی عرصے بعد والد اپنے خاندان سے ملے تو ان کو اولاد مل گئی۔ رابعہ کو تو پتا ہی نہیں تھا کہ اس کے اصل والد کون ہیں ابوبکر کے جو دوست ہیں ان کی والدہ نے ہی پالا پوسا تو ان کی ہی بیٹی کہلاتی تھی یہ تو اب جا کر اسے علم ہوا ہے کہ وہ جن کو ماموں سمجھ رہی تھی وہی اس کے حقیقی والد ہیں۔'' کہانی ایسی تھی کہ آپی جان چونکی تھیں۔

''کیا نام ہے رابعہ کے والد صاحب کا؟''

''فیضان......''

''فیضان......'' آپی جان نے یہ نام زیر لب دہرایا چہرے پر شدید الجھن تھی۔ ان کی یادداشت میں یہ نام کہیں بھی نہ تھا۔

''اس دن رات میں جن کے ساتھ آپ کو گھر بھجوایا تھا نا وہی رابعہ کے فیانسی ہیں اور اب تایا زاد بھی رابعہ کی ان سے شادی ہو رہی ہے۔'' آپی جان نے سر ہلایا۔

وہ ہادیہ سے کچھ اور بھی پوچھنا چاہ رہی تھیں۔ سوالات کا ایک ریلا تھا جو امڈتا چلا آ رہا تھا لیکن ہادیہ کے پاس کچھ اور خواتین آ گئی تھیں اور وہ اپنے سوالات کو اندر ہی دبا کر بیٹھ گئی تھیں۔ اماں بی ان کی کیفیت سمجھ رہی تھیں لیکن کچھ نہیں کر سکتی تھیں۔ نکاح تو

ہو چکا تھا کچھ دیر بعد کھانے کا دور چلا تھا مرد و خواتین کا سیٹنگ ارینج منٹ الگ الگ تھا خواتین کا ہال اوپر تھا جبکہ مرد حضرات کا نیچے تا ہم قریبی احباب اوپر نیچے جارہے تھے۔ مصطفیٰ بھی امجد خان کے انوائٹ کرنے پر آیا تھا۔ لیکن یہاں آ کر اسے علم ہوا کہ شہوار اور دیگر لوگ جس کی شادی پر آئے ہیں وہ امجد خان کا ہی بیٹا ہے۔ اس وقت کھانے کے بعد وہ اور عباس اوپر آ گئے تھے۔ شہوار اور رابعہ ثریا بیگم اور بھابی کے ہمراہ ہادیہ کی والدہ اور دیگر خواتین میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ کھانا کھایا جا چکا تھا سو اب خواتین ادھر ادھر گھوم رہی تھیں۔

''کیا خیال ہے واپسی کا کیا پروگرام ہے؟'' مصطفیٰ نے شہوار سے پوچھا۔

''ابھی تو رخصتی میں کافی دیر ہے۔'' شہوار نے کہا۔ جبکہ عباس رابعہ کو دیکھ رہا تھا۔ نک سک سی تیار عام حالات میں دکھائی دینے والی رابعہ سے قطعی ایک مختلف روپ میں خوب صورت لباس اور میک اپ سے سجی سنوری وہ کافی اچھی لگ رہی تھی۔ عباس سے صرف سلام دعا ہوئی تھی اور پھر اس کے بعد وہ مسلسل رخ موڑے بھابی سے باتیں کرتی رہی تھی۔

''آپ ہمارے ساتھ چلیں گی کیا؟'' شہوار نے رابعہ سے واپسی کا پروگرام پوچھا۔

''نہیں ہادیہ کہہ رہی تھی کہ میں اس کے ساتھ چلوں گی امی اور بھابی بھی ابوبکر والے اپارٹمنٹ میں آج رات رکیں گی تو یقیناً مجھے بھی وہیں جانا ہوگا، کل ولیمہ ہے اس کے بعد جیسا بابا کہیں گے وہیں چلی جاؤں گی۔'' اس نے تفصیلاً بتایا تو شہوار نے سر ہلا دیا۔

''بابا صاحب تو دو تین دن بعد حویلی جارہے ہیں ان کی خواہش ہے کہ شادی حویلی سے ہی ہو، ہوسکتا ہے دو تین دن بعد آپ لوگ بھی حویلی شفٹ ہوجائیں اور میری طرح آپ کی رخصتی بھی یقیناً حویلی سے ہی ہوگی۔'' شہوار نے چھیڑا تو عباس کے سامنے رخصتی کے الفاظ پر رابعہ جھینپی تھی۔

کچھ دیر بعد ابوبکر کچھ لوگوں کی ہمراہی میں اوپر آ گیا تھا اب رسم کے مطابق سلامی اور تحائف وغیرہ کا سلسلہ چلنا تھا۔ ہادیہ کو بھی وہیں اسٹیج پر لے جایا گیا تھا اب زیادہ تر لوگ اسٹیج کی طرف ہی متوجہ تھے۔ شہوار اور مصطفیٰ بڑے ریلیکس موڈ میں کرسیوں پر براجمان آپس میں بات چیت کررہے تھے عباس بھی رابعہ اور شہوار کے درمیان خالی چیئر پر ٹک گیا تھا۔ جبکہ بھابی کی توجہ اسٹیج کی طرف تھی اور ثریا بیگم گیدرنگ بڑھنے کے سبب اٹھ کر برائیڈل روم کی طرف چلی گئی تھیں۔

''کیا بات ہے میں نوٹ کررہا ہوں جب سے ہمارا نیا ریلیشن دریافت ہوا ہے آپ نے تو لفٹ کرانا ہی چھوڑ دیا ہے۔'' عباس نے دھیمے سے پوچھا تو رابعہ نے سر اٹھا کر دیکھا عباس مسکرا کر دیکھ رہا تھا۔ آنکھوں میں مسکراہٹ ضرور تھی لیکن ساتھ میں ان کہے سے جذبات کی فرمائش بھی تھی وہ فوراً نظریں جھکا گئی۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' اس نے ہلکی سی آواز میں کہا۔

''ہمارے لیے یہ سب کچھ بھی بہت نیا نیا سا ہے پہلے بابا (فیضان صاحب) سے اپنے حقیقی تعلق کا علم ہونا اور پھر ایک دم ان کا آپ کے خاندان سے تعلق ظاہر ہونا اور ساتھ ہی بہن بھائی کا ملنا ذہن آہستہ آہستہ ہی قبول کرتا ہے نا۔'' وہ پر اعتماد تھی سو اس نے نرمی کے ساتھ وضاحت کی۔

''ویسے آج آپ بہت اچھی لگ رہی ہیں معمول سے ہٹ کر دل کے کافی قریب قریب سی۔'' وہ جھینپ سی گئی۔ اس نے کن انکھیوں سے عباس کے دوسری طرف بیٹھے شہوار اور مصطفیٰ کو دیکھا نجانے وہ اتنے ہی بے خبر تھے یا جان بوجھ کر بے خبر ہونے کی ایکٹنگ کررہے تھے ان کی توجہ اس کے بجائے اسٹیج کی طرف تھی جبکہ عباس بہت ریلیکس موڈ میں بیٹھا ہوا تھا بات کرنے کا انداز دھیما ضرور تھا لیکن نظر انداز کیا جانے والا نہیں تھا۔

''میں سوچ رہا تھا کہ اب چند ہی دن رہ گئے ہیں ہماری شادی میں بھی کل عائشہ اور لائبہ کہہ رہی تھیں کہ کسی دن رابعہ کو ساتھ لے جا کر شادی کا جوڑا پسند کرادو زیور وغیرہ تو ماں جی کا ہیڈک ہے البتہ برائیڈل ڈریس مجھ پر چھوڑا گیا ہے۔ آپ بتائیں کب چل رہی ہیں میرے ساتھ۔'' عباس نے موضوع ہی ایسا چھیڑ دیا تھا کہ وہ ایک دم کنفیوژ ہوگئی تھی۔

''مجھے کچھ نہیں پتا میں اس قسم کی شاپنگ کی عادی نہیں۔''

''ہاں میں تو جیسے بڑا عادی ہوں نا۔'' عباس نے ہنس کر کہا تو وہ شرمندہ ہوگئی۔

''میرا مطلب یہ نہیں تھا۔'' اسے لگا کہ جیسے عباس کو برا لگا ہو۔

''پھر کس دن چل رہی ہیں میرے ساتھ۔'' عباس نے کہا تو اس نے شہوار کی طرف دیکھا وہ اسٹیج پر موجود دلہا دلہن پر کمنٹس پاس کررہی تھی۔ دونوں میاں بیوی ان کی طرف سے مکمل طور پر بے خبر تھے حتیٰ کہ بھابی بھی نظرانداز کررہی تھیں۔

''ڈونٹ وری ان پر بھی ایسا وقت آیا تھا سو کچھ نہیں کہتے۔'' عباس نے بار بار اس کا بھابی اور شہوار وغیرہ کی طرف دیکھنا نوٹ کیا تو ہنس کر کہا۔

''یہ لوگ بہت عقل مند ہیں کچھ نہیں کہیں گے۔'' رابعہ محض مسکرائی تھی۔ اس کے علاوہ عباس کچھ اور بھی کہہ رہا تھا رابعہ محض مسکراتی ہوئی اس کی باتیں سنتی رہی تھی۔

❀......❀......❀
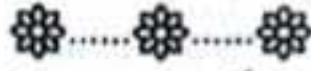
گھر آ کر بھی وہ بہت مضمحل سی تھی۔ اماں بی نے ان کو بہت دلاسہ دیا کہ یہ تمہارا وہم ہوگا لیکن ان کا دل تھا کہ اس کو کسی بھی پل کوئی قرار نہ تھا۔ وہ سب لوگ جو عرصہ دراز سے مر مٹ چکے ہوں اور اب اچانک ان کی یاد ستانے لگے یہ بھلا کیسے ممکن تھا وہ تو سب کو رو دھو کر بھلا چکی تھیں۔

وہ رات بڑی عجیب سی تھی۔ سوچ سوچ کر ماضی کو یاد کرتے کرتے ان کے اعصاب شل ہونے لگے تھے تو اگلے دن تک ان کو شدید بخار نے آلیا تھا۔ اماں بی نے ان کو بخار میں پھنکتا دیکھا تو تشویش کا شکار ہوئی تھیں انہوں نے قریبی ڈاکٹر سے میڈیسن لا دی تھی۔ خود تو وہ کہیں باہر نکلتی نہ تھیں اور نہ ہی آتی جاتی تھیں بس ہادیہ لوگوں سے ہی تعلقات استوار تھے باقی تو ساری دنیا تیاگ تھی۔ اماں بی حتی المقدور ان کی دل جوئی کرتی رہی تھیں۔ ان کو بخار دو دن رہا اور پھر وہ ٹھیک ہوگئی تھیں لیکن اندر کی بے کلی تھی کہ کسی پل بھی چین نہ تھا۔ اگلے دن انہوں نے ہادیہ کا نمبر ملایا۔ سلام دعا کے بعد انہوں نے دل کی بات کہہ دی۔

''مجھے تمہاری دوست رابعہ سے ملنا ہے نجانے کیوں جب سے اس سے اور اس کی بہن سے ملی ہوں دل کو عجیب سی بے چینی لگی ہوئی ہے۔''

''آپی جان خیریت ہے نا۔'' دوسری طرف ہادیہ پریشان ہوگئی تھی۔

''ہاں سب خیر ہے لیکن میرا دل بہت بے چین ہے۔''

''آپ کہتی ہیں تو میں آپ کی طرف آجاتی ہوں۔''

''نہیں تمہیں خوامخواہ زحمت ہوگی بس مجھے اپنی دوست کا نمبر دے دو۔'' جواباً ہادیہ نے رابعہ کا نمبر لکھوادیا کچھ دیر بات ہوئی اور پھر انہوں نے کال بند کردی۔ انہوں نے اپنے سامنے لکھے نمبر کو دیکھا اور پھر کچھ سوچا تھا۔ ان کے چہرے پر فیصلہ کن کیفیت تھی۔

❀......❀......❀

وہ کالج سے لوٹی تو ولید اسے دیکھ کر مسکرایا۔

''اچھا ہوا تم خود آگئیں ورنہ تمہیں کالج سے پک کرنا پڑتا۔'' اس نے ناسمجھی سے پہلے ولید اور پھر روشی کو دیکھا روشی نگاہیں چرا گئی جبکہ ولید مسکرادیا۔

''کیوں؟''

''مجھے شاپنگ کے لیے جانا ہے شہوار کی کافی منت سماجت کے بعد وہ راضی ہوئی ہے تم بھی ساتھ چلو پلیز۔'' ولید نے مسکرا کر کہا۔

''لیکن آپ کی شاپنگ میں میرا کیا کام؟''

''کیوں تم کوئی اچھا مشورہ بھی نہیں دے سکتیں کیا؟'' ولید ایک دم سنجیدہ ہوا تھا۔

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن جینٹس کی شاپنگ کا مجھے خاص کوئی تجربہ نہیں۔'' وہ جو مارے بندھے ولید سے مخاطب ہوئی تھی سنجیدگی سے کہا۔

''کوئی بات نہیں، شہوار بھی ہوگی تم دونوں مشورہ دینا۔'' ولید نے کہا تو اس نے روشی کو دیکھا۔ وہ کندھے اچکا گئی۔ انا کو یہ سب بڑا تکلیف دہ لگ رہا تھا۔ ولید کا رویہ اس کے ساتھ بہت بہتر ہوگیا تھا بلکہ پہلے جیسا ہی ہوگیا تھا لیکن وہ خود تو اسی اذیت میں گھری ہوئی تھی جہاں کسی بھی پل چین نہ تھا۔

''میں چینج کرلوں۔'' با دل نخواستہ اسے حامی بھرنا پڑی۔ ''میں آتی ہوں۔'' ولید نے سر ہلایا۔

''آپ جو بھی کررہے ہیں بالکل اچھا نہیں کررہے ہیں سچ کہہ رہی ہوں بہت بُری طرح پٹیں گے......'' وہ لاؤنج سے نکلی تو روشی کی جھنجھلائی ہوئی آواز سنائی دی تو ساکت رہ گئی۔

''ہائے کیا کیا ہے میں نے' پہلے تم سب کو گلہ تھا کہ میرا رویہ انا کے ساتھ ٹھیک نہیں اور جبکہ میں نے خود پہل کرتے اپنا رویہ تبدیل کرلیا ہے بالکل پہلے جیسا ہورہا ہوں تو تم سب کو اعتراض ہورہا ہے۔''

''آپ اچھی طرح جانتے ہیں میں کیا کہنا چاہ رہی ہوں۔'' روشی کی آواز میں کافی غصہ سنائی دیا تو جواباً ولید نے ایک جاندار سا قہقہہ لگایا تھا۔ انا کا دل جل کر راکھ ہونے لگا وہ تیزی سے وہاں سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ نجانے ولید نے کیا کہا تھا لیکن ولید کا یہ رویہ اسے اور زیادہ تکلیف سے دوچار کررہا تھا' وہ اس سے بہت زیادہ خفا و ناراض تھا لیکن اب ایک دم اس کا رویہ بدل گیا تھا۔

کمرے میں آئی تو آنکھیں آنسوؤں سے جلنے لگی تھیں۔ اس نے سوچا کہ وہ اب نہیں روئے گی' اپنا دل نہیں جلائے گی جو جیسا ہورہا ہے سزا کے طور پر قبول کرے گی لیکن دل تھا کہ کسی بھی پل قرار و چین نہ تھا۔ وہ خود کو سنبھالتی بمشکل تیار ہوئی تھی۔ سی گرین لائٹ سا ڈریس پہنے وہ بالکل سادہ سی اور کافی مضمحل سی لگ رہی تھی۔ وہ بیگ اور چادر لے کر باہر آئی تو روشی اور ولید دونوں دھیمے لہجے میں کچھ ڈسکس کررہے تھے اسے دیکھ کر دونوں خاموش ہوگئے' ولید نے اسے بغور دیکھا۔ سی گرین لباس میں اداس افسردہ سی آنکھیں وہ چند پل کے لیے ساکت رہ گیا' بڑا سوگوار سا حسن...... وہ یک ٹک دیکھے گیا' انا نے ناگواری سے رخ بدلا تو وہ مسکرایا۔

''اوکے چلتے ہیں ہم...... واپسی پر ادھر ہی ڈراپ کردوں گا۔'' وہ روشی کو کہہ رہا تھا۔

آج کل وہ مصطفیٰ کی طرف قیام پذیر تھا۔ اب تو اس کے رنگ ڈھنگ انداز و اطوار ہر چیز بدلی ہوئی تھی۔ بابا صاحب نے نئی گاڑی دلائی تھی' وہ اس کے ساتھ باہر آئی تو نئی گاڑی دیکھ کر چونکی۔

''بابا صاحب کی طرف سے گفٹ ملا ہے' آج ہی شوروم سے نکلوا کر لایا ہوں۔ سوچا تمہارے ساتھ پہلا سفر انجوائے کروں۔'' وہ بتا رہا تھا اور آخری الفاظ تو انا کو جلا کر خاکستر کر گئے تھے۔ اس نے بہت شکوہ بھری نگاہوں سے ولید کو دیکھا لیکن اس نے مسکرا کر اس کے لیے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا۔

''پلیز ہیو یور سیٹ میم۔'' انا نے لب بھینچ لیے۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ واپس پلٹ جائے لیکن دل پر جبر کرتے وہ بیٹھ گئی' ولید نے گاڑی گیٹ سے نکالی۔ وہ بالکل چپ چاپ ساکت سی بیگ کے اسٹریپ سے کھیلتی باہر دیکھ رہی تھی۔

''کیسی لگی تمہیں یہ گاڑی؟'' اس نے پوچھا۔

''اچھی ہے۔'' وہ مختصراً کہہ کر پھر خاموش ہوگئی تھی باقی کا سفر خاموشی سے کٹا تھا۔ وہ اس وقت چونکی جب ولید نے ایک شاندار سے ہوٹل کی پارکنگ کی طرف رخ کیا اور پھر کچھ پل بعد اس نے گاڑی روکی۔

''ہم تو شاید شاپنگ کے لیے نکلے تھے نا؟'' اس نے سنجیدگی سے ولید کو جتانا چاہا تو وہ ہنس دیا۔

''یس آف کورس۔'' انا نے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو اس نے مسکرا کر وضاحت کی۔

''اصل میں پیٹ میں چوہوں کا میچ چل رہا ہے' تم بھی کالج سے لوٹی ہو یقیناً تمہیں بھی بھوک لگی ہوگی اور میں اتنا بے مروت تو نہیں کہ شاپنگ کروالوں اور کھلاؤں' پلاؤں کچھ نہیں سو ڈیئر انا صاحبہ...... پہلا کام پیٹ پوجا پھر کوئی کام دوجا۔'' ولید کا موڈ واقعی بہت خوشگوار تھا۔ انا نے حیرت سے دیکھا۔

''لیکن مجھے بھوک نہیں۔'' اس نے ٹالنا چاہا۔

''نو ایکس کیوز پلیز کم ان۔'' اگنیشن سے چابی کھینچ کر اس نے قطعی بے پروائی سے کہا' انا کا دل جلنے لگا۔ عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی' یہ سب بڑا عجیب سا لگ رہا تھا اور دل سے ہوک بھی اٹھ رہی تھی۔ وہ اس کے ساتھ ہوٹل کے اندر داخل ہوئی۔ ولید نے اس کے لیے خود کرسی کھینچ کر بیٹھنے کو کہا' ولید کا ہر انداز ناقابل فہم تھا۔

''میری گاڑی کی خوشی میں یہ لنچ قبول کرلو۔'' انا نے سنجیدگی سے دیکھا' ولید کے چہرے پر جیسے مسکراہٹ چپک سی گئی تھی۔ وہ زندگی میں شاید پہلی بار اسے اس قدر خوش گوار موڈ میں دیکھ رہی تھی۔

''کیا کھاؤ گی؟'' مینو کارڈ اسے تھماتے اس نے پوچھا تو انا کے تیور بدلے۔

''جب لنچ آپ کروا رہے ہیں تو جو مرضی کھلا دیں کیا فرق پڑتا ہے۔'' اس کا لہجہ تیکھا ہوا تو ولید ہنس دیا۔

''اوکے جیسے تمہاری مرضی۔'' وہ واقعی مینو کارڈ کو پڑھنے لگا۔ انا کا جی چاہا کہ اٹھ کر یہاں سے چلی جائے لیکن اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ اب ولید کے سامنے مضبوط رہے گی کسی بھی قسم کے بچگانہ رویے کا مظاہرہ نہیں کرے گی۔ ولید نے تین چار آئٹمز سلیکٹ کیے تھے دونوں کی پسند کو ملحوظ خاطر رکھا تھا اس نے۔ کھانا سرو ہونے میں کچھ وقت لگا تھا۔

''آپ تو اپنی فیملی سے مل جانے پر بہت خوش ہوں گے نا۔'' اس نے پوچھا تو ولید مسکرایا۔

''آف کورس' بابا صاحب چاہتے ہیں کہ ہم سب ان کے ساتھ حویلی شفٹ ہوجائیں لیکن بابا (فیضان) ابھی نہیں مان رہے لیکن بابا صاحب کی ضد ہے کہ رابعہ کی شادی حویلی سے ہوگی۔ دیکھیں کون کس کو مناتا ہے' بابا نے ساری زندگی خودداری میں گزاری ہے اور اس عمر میں آکر وہ کسی پر بوجھ نہیں بننا چاہتے لیکن مجھے لگتا ہے کہ بابا صاحب کی ضد اور خواہش کے سامنے ان کی یہ خودداری بہت دیر تک قائم نہیں رہ سکے گی۔'' ولید نے بھی سنجیدگی سے بتایا۔

''آپ واقعی چاہتے ہیں کہ انکل آپ کے خاندان میں چلے جائیں؟''

''میں بس یہ جانتا ہوں کہ میرے والد کے ساتھ ماضی میں جو زیادتیاں ہوئیں ان کا ازالہ ہوجائے۔ بے شک انہوں نے بابا صاحب کو والد کے طور پر قبول کرلیا ہے لیکن جائیداد و دولت کسی میں بھی وہ حصہ دار نہیں بننا چاہتے لیکن میں سمجھتا ہوں یہ سب ان کا حق ہے۔ مصطفیٰ کی فیملی کو میں ایک عرصہ سے جانتا ہوں مجھے علم ہے ان سب کے دل بہت فراخ اور محبت کے لیے دل نرم ہیں اور بابا صاحب کی ضد کے سامنے بابا بہت دیر تک قائم نہیں رہ سکیں گے۔ میں بس ہر حال میں اپنی بہنوں اور اپنے باپ کو سیکیورڈ دیکھنا چاہتا ہوں۔'' ولید کا موقف اچھا تھا' انا نے سر ہلایا۔

''تو پھر اب آپ اپنے والد صاحب کے ساتھ حویلی میں رہا کریں گے؟'' اس نے پوچھا تو وہ مسکرا دیا۔

''ابھی تک تو کچھ ڈیسائیڈ نہیں کیا' وقار انکل چاہتے ہیں کہ میں ابھی بھی اسی طرح ان کا بزنس ورک دیکھوں اور شاہزیب انکل چاہتے ہیں کہ میں ان کے ساتھ عباس و سجاد بھائی کے ساتھ مل کر کام کروں' دیکھو کیا کرتا ہوں۔'' ولید نے کندھے اچکائے۔

''تو پھر آپ کس کے ساتھ کام کریں گے؟'' اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''ابھی تو میں پرانی روٹین ہی نبھا رہا ہوں' نیکسٹ دیکھیں کیا کرتا ہوں فی الحال تو کچھ بھی فیصلہ نہیں کیا۔'' ولید کندھے اچکا کر کہا' کھانا سرو کردیا گیا تھا۔

دونوں نے کھانا کھایا...... کھانا کھاتے ہوئے انا کا موڈ کچھ بہتر ہوگیا تھا۔ کھانے کے دوران شہوار کی کال آئی تھی وہ سب شاپنگ سینٹر پہنچ چکے تھے اور اب ولید کا پوچھ رہی تھی' ولید نے کچھ دیر میں پہنچنے کا کہا۔ وہ لوگ وہاں پہنچے تو وہاں شہوار' صبا' عائشہ کے علاوہ شائستہ بھابی بھی تھیں اور تو اور رابعہ کے علاوہ عباس بھائی بھی تھے سبھی گرم جوشی سے ملے تھے۔

''پھوپو کہہ رہی تھیں کہ بس آج ساری شاپنگ فائنل کرلیں۔'' شہوار نے بتایا تو انا کا چہرہ بجھ سا گیا اور جب شاپنگ کا دور چلا تو انا کے حقیقتاً ہاتھوں کے طوطے اڑے تھے۔

وہ جو سمجھ رہی تھی کہ یہ سب لوگ رابعہ کی شاپنگ کے لیے آئے ہیں تو خیال غلط تھا۔ رابعہ کے علاوہ شائستہ بھابی اس کے لیے بھی شاپنگ کررہی تھیں اور ہر چیز اس کی پسند سے لینا چاہ رہی تھیں' ان کا ارادہ تو آج برائیڈل ڈریس بھی خریدنے کا تھا۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے وہ کچھ سمجھ نہیں پارہی تھی۔ اتنے سارے لوگ' ان کی باتیں اس کا دماغ مفلوج ہو رہا تھا۔ ولید بہت خوش تھا وہ تو شاید

اپنی شاپنگ بھول بھال گیا تھا یا پھر محض انا کو ساتھ لانا مقصد تھا۔ انا کو لگ رہا تھا کہ سب بہت غلط ہو رہا ہے۔ شائستہ بھابی ہر چیز میں اس کی رائے لے رہی تھیں بلکہ وہ کیا ہر کوئی اس کی رائے کو مقدم جان رہا تھا حتیٰ کی ولید بھی۔

رابعہ کنفیوژ تھی لیکن خوش تھی۔ خوشی اس کے چہرے سے پھوٹی پڑ رہی تھی ایسے میں عباس کا ساتھ اور اس کے چھوٹے موٹے جملے خوشی سے رابعہ کا چہرہ دمک رہا تھا۔ انا بمشکل خود کو سنبھالے ہوئے تھی ان لوگوں نے نجانے کیا کیا خریدا تھا اور کیا کیا نہیں وہ تو حواس گم اور خطا اوسان لیے سب کے ساتھ تھی۔ اللہ اللہ کر کے ان سب کی شاپنگ ختم ہوئی تو انا نے گھر جانے کی ضد شروع کر دی تھی۔ وہ سب لوگ شاپنگ کے بعد کچھ کھانے پینے کے موڈ میں تھے جبکہ اس کا موڈ قطعی آف ہو چکا تھا۔ ولید کو اس کے موڈ کا اندازہ ہو رہا تھا جو وہ بمشکل بحال کیے ہوئے تھی وہ سب کے اصرار کے باوجود اسے لے کر گاڑی کی طرف بڑھ آیا۔

''یہ میرے ساتھ کیا ڈرامہ ہو رہا ہے' کیا تھا یہ سب آپ تو اپنی شاپنگ کا کہہ کر مجھے ساتھ لائے تھے لیکن یہاں تو......'' اس کا ضبط بس یہاں تک ہی تھا ولید نے جیسے ہی گاڑی ڈرائیو کی وہ پھٹ پڑی' ولید نے سنجیدگی سے دیکھا۔

''یہ لوگ تمہیں کئی دن سے ساتھ چلنے کا کہہ رہی تھیں لیکن تم مان ہی نہیں رہی تھیں۔ کل شائستہ بھابی نے مجھ سے بات کی تو میں نے کہہ دیا' تمہیں ساتھ لے آؤں گا۔'' ولید کا انداز نارمل تھا' انا نے بہت دکھ سے اسے دیکھا۔

''آپ کو شرم آنی چاہیے مجھے چیٹ کرتے ہوئے' بہانے سے مجھے لے کر آئے ہیں۔'' وہ پھٹ پڑی۔

''لو میں کیوں شرم کروں' بھابی بے چاری پریشان تھیں میں نے اس طرح ذرا ہیلپ کر دی ہے ان کی۔''

''نہیں کرنی مجھے یہ شادی...... سب کو صاف علم ہو گیا ہے کہ میں یہ سب کیوں کر رہی تھی' اس کے باوجود آپ سب لوگ مجھے تنگ کر رہے ہیں۔'' ولید نے بہت اطمینان سے اس کی بات سنی۔

''جو ہونا تھا ہو چکا ہم سب نے صورت حال سے سمجھوتہ کر لیا ہے۔ کاشفہ اپنے انجام کو پہنچ چکی ہے' سب کچھ کلیئر ہے لیکن اس سب سے زیادہ کلیئر صورت یہ ہے کہ وقار انکل کا کہنا ہے کہ وہ زبان دے کر پھرنے والوں میں سے نہیں ہیں۔ رہ گئی تمہاری رضامندی انہیں تمہاری خواہش سے زیادہ اپنی عزت پیاری ہے۔ اگر سنجیدگی کے ساتھ ان کا موقف دیکھا جائے تو وہ غلط نہیں ہیں۔ حماد کے گھر والوں کی بھی کوئی عزت ہے' خاندان بھر میں بات پھیل چکی ہے اور اب جبکہ شادی میں دن بھی بہت کم رہ گئے ہیں تو ایسے میں انکل کو بیٹی کی خواہش سے زیادہ دونوں خاندانوں کی عزت کا خیال ہے۔'' انا بے یقینی سے ولید کو سن رہی تھی۔ وہ تو ولید کے بدلے رویوں سے نجانے کیا کیا سوچنے لگی تھی اور اب۔

''اور یہ جو آپ کا بدلتا ہوا رویہ ہے کیا یہ سب بھی ڈرامہ ہے؟'' اس کے لہجے میں بے یقینی و تلخی تھی۔ ولید نے اس کو بغور دیکھا' چہرے پر عجیب سی اذیت بھری کیفیت تھی۔ اس وقت وہ بہت زیادہ قابل رحم لگ رہی تھی۔

''میں ڈرامہ نہیں کر رہا' میرے دل میں تمہارے لیے کوئی کدورت و بدگمانی نہیں ہے اب۔ تم میری بہت اچھی دوست تھی اور رہو گی۔'' ولید نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھام کر دوسرے ہاتھ کی گرفت میں لیتے نرمی سے کہا تو انا کو لگا کہ اس کے سر پر گاڑی کی چھت آ گری ہو۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے تھے' انا کو لگ رہا تھا کہ اطراف میں جیسے آکسیجن کی ایک دم شدید کمی ہو گئی ہے۔ وہ تو نجانے کیا کیا سمجھنے لگی تھی۔ وہ ولید کا اچھا رویہ دیکھ کر خوش گمانیوں کے حصار میں جکڑنے لگی تھی لیکن ولید نے تو گویا بکھیر کر رکھ دیا تھا۔

''میں آپ سے کئی بار معافی مانگ چکی ہوں آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں کیا چاہتی ہوں۔ آپ میرے لیے کیا ہیں آپ بے خبر نہیں ہیں' اس کے باوجود آپ یہ سب ہونے دیں گے۔'' وہ لحظہ بہ لحظہ مدھم ہوتی آواز کے ساتھ کہہ رہی تھی۔ ایک پل کو تو اس قدر واضح اور صاف اظہار پر ولید کا دل رکا تھا لیکن اگلے ہی پل اس پر حواس غالب آ گئے تھے۔

''ایم سوری انا......'' ولید نگاہیں پھیر گیا۔ انا کو لگا کہ جیسے ایک دم فضا میں ساری آکسیجن ختم ہو گئی ہو۔ وہ لڑکی ہونے کے باوجود دل کی بات کہنے سے باز نہیں آئی تھی اور ولید...... اس نے بے یقینی سے ولید کو دیکھا تھا۔ ولید کا چہرہ ہر قسم کے تاثرات سے عاری ہو چکا تھا۔ انا نے ولید کی گرفت سے اپنے ہاتھ نکالا۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ ابھی بے جان ہو کر گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر ڈھے جائے گی لیکن وہ اپنی عزت نفس اور وقار کھو جانے کے بعد اب ولید کے سامنے مزید بکھرنا نہیں چاہتی تھی۔

اس کے لاکھ ضبط کرنے کے باوجود چہرے پر آنسوؤں کی لکیریں بنتی چلی گئی تھیں وہ چہرہ موڑ کر دوسری طرف رخ پھیر گئی تھی۔ ولید اس کا ایک ایک انداز نوٹ کررہا تھا اس کے اندر شدید تاسف نے سر اٹھایا تھا اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن پھر لب دانتوں تلے دبا لیا۔ وہ دیکھ رہا تھا وہ رو رہی ہے لیکن انا کا وجود بالکل ساکت تھا۔ اس نے ایک بار پھر انا کو دیکھا اس کے چہرے پر انا کے لیے تشویش پھیل رہی تھی۔

''انا تم......'' کچھ توقف کے بعد اس نے پکارا تو انا کے ساکت وجود میں جنبش ہوئی تھی۔

''مجھے گھر جانا ہے پلیز مجھے گھر ڈراپ کردیں۔'' انداز بہت اجنبی سا تھا۔ وہ رو نہیں رہی تھی لیکن اس کا لہجہ بہت عجیب سا تھا اس کے بعد ولید کے اندر اتنی ہمت نہ ہوسکی کہ وہ اسے مخاطب کرتا اس نے اسے دیکھتے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

❁......❁......❁

وہ گھر آئی تو بہت عجیب سی کیفیت میں تھی۔ گھر میں سبھی موجود تھے وہ بمشکل خود کو سنبھالے ہوئے تھی۔ گھر آتے ہی وہ کمرے میں گھس گئی۔ روشی کو اس کے رویے سے تشویش لاحق ہوئی تھی۔ اس نے انا کو ڈسٹرب کرنے کی بجائے ولید کو کال ملائی اور ادھر سے جو سننے کو ملا تھا روشانے کا جی چاہ کہ اپنا سر پیٹ لے۔

''بہت برا کررہے ہیں آپ انا کے ساتھ میں سچ کہہ رہی ہوں بہت پچھتائیں گے آپ۔'' غصے سے کہہ کر اس نے کال بند کردی۔ روشی انا کے کمرے میں آئی تو وہ بہت دل گرفتہ سی قالین پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ سرخ تھا اور آنکھیں متورم۔ روشی کو شدید تاسف نے آلیا۔ انا نے اسے دیکھ کر خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

''کیا ہوا؟'' روشی اس کے پاس ہی قالین پر بیٹھ گئی۔ انا نے خاموشی سے روشی کو دیکھا۔ اس وقت وہ سخت بکھری ہوئی اور آزردہ سی لگ رہی تھی۔

''مجھے لگتا تھا کہ جیسے میرا اقرار ولید کا رویہ بدل دے گا اور آج میں اپنی انا اپنا وقار سب کچھ اس کے قدموں میں ڈال آئی لیکن وہ......'' وہ ایک پل کو رکی تھی انا کے چہرے پر آنسوؤں کی لکیریں پھر جگہ بنانے لگیں تھیں۔

''وہ مجھے ایک دوست سے زیادہ درجہ دینے کو تیار ہی نہیں۔ میں جانتی ہوں وہ ابھی بھی کافیہ والے واقعے کو لے کر انا کا مسئلہ بنائے ہوئے ہے۔ بظاہر اس نے مجھے معاف کردیا ہے لیکن وہ اس واقعے کو بھولا نہیں، میں سمجھتی تھی کہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے لیکن اسے مجھ سے محبت تو کیا انسیت تک نہیں۔'' وہ روشی کا ہاتھ جکڑ کر شدت سے روئی تھی۔ روشی نے ایک گہرا سانس لیا۔

''ٹھیک ہے اگر ایسا ہے تو ایسا ہی سہی وہ چاہتا ہے میں پچھتاؤں ساری عمر اس کے سامنے بھیک مانگوں لیکن اب ایسا نہیں ہوگا۔ میں اب خود کو مزید ارزاں نہیں کروں گی تمہارا تو وہ بھائی ہے تم سب اسی کی فیور کرتے ہو۔ تم سب کے نزدیک میں قصوروار تھی تو ٹھیک ہے میں سزا بھگتوں گی میں حماد سے شادی کرلوں گی اور کہہ دینا اپنے چہیتے بھائی سے کہ میں اس سے شدید نفرت کرتی ہوں شدید ترین نفرت......'' وہ اندر کا غبار نکال رہی تھی کہ رو رہی تھی۔ ولید کو کوس رہی تھی اور روشی وہ گہرا سانس لیتے بس اسے اندر کا غبار نکالتے دیکھ رہی تھی۔ اس کے پاس تسلی کے لیے کوئی لفظ نہ تھے ماسوائے چپ رہنے کے۔

❁......❁......❁

لالہ رخ تڑپ رہی تھی اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اڑ کر اپنے گھر اپنے بچوں کے پاس پہنچ جائے لیکن وہ بالکل بے بس تھی۔ وہ جن لوگوں کو اپنا مددگار سمجھ رہی تھی اب وہی لوگ اس کو اپنے دشمن لگ رہے تھے۔ وہ لوگ اس کے گھر لانے کی بجائے دھوکے سے ایک ایسی جگہ لے آئے تھے جہاں ان جیسے اور بھی بہت سے لوگ تھے۔ وہ عجیب سے لوگ تھے اور کوئی نہ کوئی مرد و عورت چلا آتا اور اس کی خوب صورتی اس کے حسن و جوانی کو بازاری نظروں سے ٹٹولنے لگتا تھا۔ لالہ رخ سخت خوف زدہ ہوگئی تھی اسے اب اندازہ ہورہا تھا کہ وہ کن لوگوں میں پھنس گئی ہے۔ یہاں آکر ان دونوں میاں بیوی کی اصلیت کھل کر سامنے آئی تھی۔ یہ دونوں میاں بیوی خانہ بدوش تھے کبھی یہاں اور کبھی وہاں یہ لوگ مختلف قسم کی وارداتوں اور غلط کاموں میں ملوث تھے۔ کبھی کوئی بچہ اٹھا کر بیچ دیا یا کبھی کوئی چوری کرلی لیکن اس بار ایک حسین و جمیل عورت کو دیکھ کر ان لوگوں نے ایک مختلف پلاننگ کی تھی۔

وہ عورت چند دن پہلے ہی اس علاقے میں آئی تھی اور کام کے غرض سے اس جگہ لگی تھی اور پھر اس دن وہ کھانا لے کر آئی تو

لالہ رخ کا حسن دیکھ کر چونکی تھی۔ اس نے اپنے شوہر سے بات کی اور شوہر فوراً آمادہ ہوگیا تھا اور پھر ان دونوں نے مل کر لالہ رخ کو وہاں سے نکال لیا اور اسی رات اپنا مختصر سا سامان لے کر وہ اپنی رہائش سے بھی بھاگ نکلے تھے۔ لالہ رخ ان سے کہتی رہی کہ وہ اسے اس کے گھر جانے دیں اور وہ دونوں میاں بیوی اسے تسلیاں دیتے رہے کہ جیسے ہی حالات نارمل ہوتے ہیں وہ اسے جانے دیں گے اور پھر لالہ رخ ان کے جال میں مکمل طور پر پھنس گئی۔ اس بار وہ اس کا سودا کرنا چاہتے تھے لیکن گاہک انہیں اپنی مرضی کا نہیں مل رہا تھا۔ ان دونوں نے اسے ایک بوسیدہ سے کمرے میں بند کر رکھا تھا جہاں بس ایک وقت اس کو کھانا پہنچا دیا جاتا تھا۔ لالہ رخ کو اپنی جان سے زیادہ اپنی عزت کی فکر پڑ گئی تھی' پھر بچوں کے خیال سے جان سوکھنے لگتی تھی اور پھر اس دن وہ عورت آئی تھی۔

''ہم نے سودا کردیا ہے تیرا رات کو کچھ آدمی تجھے لینے آئیں گے۔ آرام وسکون سے ہمارے ساتھ تعاون کرے گی تو ٹھیک ورنہ بے ہوش کر کے باندھ کر ڈال دیں گے ان کے آگے تجھے۔'' کاروباری انداز تھا۔ لالہ رخ شدت سے رو پڑی تھی۔

''کیوں کررہے ہو تم میرے ساتھ ایسا' تم جانتی ہو میں ایک مظلوم عورت تھی۔ اپنے بچوں کے لیے دن رات تڑپ رہی' میں نے تم لوگوں پر اعتبار کیا اور تم نے میری بے بسی کا فائدہ اٹھایا تمہیں اللہ کا واسطہ ہے' مجھ پر رحم کرو جانے دو مجھے۔''

''زیادہ بک بک نہ کر' آرام سے رہ' رات کو لینے آویں گی ذہن تیار کرلے اپنا۔'' اس شقی القلب عورت پر کچھ اثر نہ ہوا تھا۔ وہ کہہ کر اس کے سامنے کھانا رکھ کر چلی گئی تھی اور لالہ رخ وہ تو عجیب سے عذاب میں گھر گئی تھی۔

جوں جوں وقت گزر رہا تھا اسے لگ رہا تھا کہ جیسے وہ عورت اس کے تعاقب میں چلی آرہی ہے۔ وہ ماہی بے آب کی مانند تڑپ رہی تھی لیکن نجات کا کوئی سرا نہیں مل رہا تھا۔ وہ سارا دن اللہ سے دعائیں مانگتی رہی' نجات کا رستہ ڈھونڈتی رہی لیکن کچھ بھی نہ ہوسکا تھا روتے سسکتے وہ وقت آ پہنچا جب ان ظالم میاں بیوی نے اس کے روتے بلکتے وجود کو ان دو مردوں کے حوالے کردیا تھا۔

❀......❀......❀

رابعہ سہیل کی طرف تھی اسے ایک کال آئی تھی۔ وہ کال کرنے والی ہستی کا تعارف جان کر حیران ہوئی تھی اور پھر جب انہوں نے اس سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا تو وہ اور بھی چونکی' اس نے اپنا ایڈریس لکھوا دیا تھا۔

اگلے دن وہ آگئی تھیں اس کے ساتھ اماں ہی تھیں۔ ثریا اور بھابی کا ان سے پہلے ہی تعارف تھا وہ ان سے مل کر بہت خوش ہوئی تھیں۔

''مجھے رابعہ کے بارے میں بات کرنی ہے۔'' رابعہ ان کے لیے چائے بنانے چلی گئی تو انہوں نے ثریا بیگم سے کہا۔

''میں نے جب بھی رابعہ کو دیکھا مجھے نجانے کیوں لگا کہ جیسے اس سے کوئی بہت قریبی رشتہ ہے کوئی کشش ہے جو مجھے اس کی طرف کھینچتی ہے۔ آج میں روک نہیں پائی خود کو یہاں تک پہنچنے سے۔'' انہوں نے تمہید باندھی' ثریا بیگم چونکی تھیں تاہم خاموش رہیں۔

''مجھے ہادیہ سے پتا چلا کہ رابعہ آپ کی حقیقی بیٹی نہیں......''

''جی میرے بھائی کی بیٹی ہے۔'' انہوں نے رسانیت سے کہا۔

''لیکن ہادیہ بتارہی تھی کہ یہ آپ کے حقیقی بھائی نہیں ہیں۔'' انہوں نے کہا تو ثریا بیگم مزید الجھیں۔

''لیکن اپنوں سے بڑھ کر ثابت ہوئے ہیں۔'' ان کے لہجے میں فیضان صاحب کے لیے ازحد مان اور احترام تھا۔ ''لیکن آپ یہ سب کیوں جاننا چاہتی ہیں؟'' ثریا بیگم نے استفسار کیا تو ان کا چہرہ بجھ گیا۔

''ہادیہ کی شادی والے دن رابعہ کی چھوٹی بہن سے ملاقات ہوئی تھی' دونوں بہنیں ماشاء اللہ بہت پیاری ہیں۔'' انہوں نے افسردگی سے کہا۔

''میری بھی بڑی بیٹی کا نام رابعہ تھا۔'' انہوں نے مزید بتایا تو ثریا بیگم مسکرائیں۔

''لیکن پھر وہ مجھ سے بچھڑ گئی سنا ہے مرگئی تھی بے چاری۔'' ان کے لہجے میں آنسوؤں کی نمی در آئی تھی۔

''اوہ......'' ثریا بیگم کو شدید دکھ ہوا۔

"لیکن رابعہ کو دیکھتی ہوں تو لگتا ہے جیسے میری بیٹی پھر سے زندہ ہوگئی ہے۔ رابعہ نے اس دن اپنی چھوٹی بہن سے ملوایا تو لگا کہ جیسے رابعہ کے بعد اب عائشہ بھی زندہ ہوکر میرے سامنے آ گئی ہے۔" ثریا بیگم چونکیں۔

"عائشہ کون؟"

"میری چھوٹی بیٹی کا نام تھا۔" ثریا بیگم کے چہرے کا رنگ اڑا تھا۔

"لیکن وہ بے چاری بھی اللہ کو پیاری ہوگئی تھی۔"

"کیا نام ہے آپ کا؟" ثریا بیگم نے اپنی آواز کی لرزش خود بھی محسوس کی تھی۔

"لالہ رخ......"

آپی جان کے ہونٹوں سے یہ نام ایک تڑپ بن کر نکلا تھا اور ثریا بیگم وہ پھٹی پھٹی آنکھیں لیے اپنے اردگرد اس نام کی بازگشت سن رہی تھیں۔

"لالہ رخ......لالہ رخ......لالہ رخ......"

❁......❁......❁

فیضان بابا صاحب کے پاس بیٹھے تھے۔ انہوں نے فون کر کے بلوایا تھا۔

"لگتا ہے تم نے ابھی تک اپنے باپ کو معاف نہیں کیا۔" بابا صاحب کے لہجے میں آزردگی تھی۔

"ایسی کوئی بات نہیں بابا صاحب۔"

"تو پھر میری بات مان کیوں نہیں لیتے یہ کاغذات رکھ لو بیٹا......ایک عرصے سے اس امانت کا بوجھ لیے زندہ ہوں۔ تم چاہتے ہو کہ کل قیامت والے دن تمہارے باپ کو جہنم میں ڈال دیا جائے۔" وہ دکھی تھے فیضان صاحب تاسف کا شکار ہوئے۔

"میں ایسا کچھ بھی نہیں چاہتا' میں نہیں چاہتا کہ دولت وجائیداد کو لے کر آپ کی باقی اولاد میں سے کسی کو اعتراض ہو اور لڑائی جھگڑے کی نوبت آئے۔ میں اپنی زندگی میں بہت خوش ہوں یقین جانئے مجھے کسی بھی چیز کی طلب نہیں۔" باپ کا ہاتھ تھام کر یقین دلانا چاہا۔

"تو ٹھیک ہے تم یہ کاغذات رکھ لو میری باقی اولاد کو کوئی اعتراض نہیں بلکہ یہ جائیداد تو عرصہ دراز سے میں نے نکال کر الگ کردی تھی سبحان نے ضد کی تھی اور تمہارے بہتر مستقبل کو دیکھتے میں نے اسے سونپ دیا تھا لیکن تمہارے حق سے کبھی غافل نہ ہوا تھا۔ سبحان منع کرتا رہتا تھا لیکن تمہارے نام بینک میں رقم جمع کرواتا رہتا تھا اور پھر سبحان چلا گیا لیکن تب بھی میں چاہتا تھا کہ تم میرے پاس آجاؤ لیکن تم نہ مانے' تمہاری اولاد کو دیکھا تو سوچا وقت کے ساتھ ساتھ تم قائل ہوجاؤ گے تو یہ حصہ تمہاری اولاد کو دے دوں گا لیکن پھر وہ حادثہ ہوگیا اور میں جیتے جی مرگیا۔" بابا صاحب رونے لگے تھے' فیضان صاحب نے بہت محبت سے ان کو بازوؤں میں لے کر سمیٹ لیا تھا۔

"تمہیں اپنے بیٹے کی حیثیت سے ہر جگہ متعارف کروانا چاہتا ہوں' تمہاری اولاد کو جائز حق دینا چاہتا ہوں۔ بیٹا انکار مت کرنا' اپنے باپ کی آخری خواہش سمجھ کر قبول کرلو۔" بابا صاحب کا انداز بہت زیادہ التجائیہ تھا' فیضان صاحب نے ایک گہرا سانس لیتے ان کے سامنے سر خم کردیا۔

"جیسے آپ کی خواہش بابا صاحب۔" اور بابا صاحب نے خوشی سے نہال ہوتے بیٹے کو سینے سے لگالیا تھا۔

❁......❁......❁

اس کا رونا دھونا ان دونوں میاں بیوی کے کسی کام نہ آیا نیتجتاً رات کے وقت وہ ان کی گاڑی میں سفر کررہی تھی۔ ایک گاڑی ڈرائیو کررہا تھا اور دوسرا اس کے ساتھ بیک سیٹ پر بیٹھا مسلسل اس پر اپنی نگاہیں جمائے ہوئے تھا۔ ان کی گفتگو سے لالہ رخ کو اندازہ ہوا تھا وہ اسے کسی عورت کے پاس لے کر جارہے تھے جو عورتوں سے مختلف قسم کا دھندا کرواتی تھی۔ ابھی انہیں سفر کرتے چند منٹ ہی گزرے تھے جب ایک جھٹکے سے گاڑی رک گئی تھی۔

"کیا ہوا؟" پچھلے سیٹ پر بیٹھے شخص نے پوچھا تو فرنٹ سیٹ پر بیٹھا شخص بار بار اگنیشن میں چابی گھمانے لگا تھا۔

''پتا نہیں کیا ہوا ہے ایک دم ہی گاڑی بند ہوگئی ہے۔''
''اتر کر دیکھو شاید انجن میں کوئی مسئلہ ہوگیا ہو۔'' پچھلی سیٹ والے نے مشورہ دیا تھا۔
لالہ رخ کے بہتے آنسو بھی ٹھہر گئے تھے وہ جو چادر میں چہرہ چھپائے خود کو دروازے سے لگائے خوف سے کانپ رہی تھی اس نے چادر کی اوٹ سے دیکھا۔ گاڑی ایک سنسان اور تاریک سڑک پر رکی ہوئی تھی۔ یہ شہر کا کون سا علاقہ تھا لالہ رخ شناخت نہ کرپائی تھی لیکن وہ چوکنا ہوگئی تھی۔ فرنٹ سیٹ پر بیٹھا شخص باہر نکل کر گاڑی کا بونٹ اٹھا کر انجن چیک کررہا تھا۔
''کچھ پتا چلا کہ کیا ہوا؟'' ساتھ والے نے اونچی آواز میں پوچھا تھا۔
''نہیں اندھیرا ہے ٹارچ بھی نہیں ہے کچھ پتا نہیں چل رہا۔'' دوسری طرف سے اونچی آواز میں جواب ملا تھا۔
دونوں کچھ دیر کے لیے لالہ رخ سے غافل ہوگئے تھے اور پھر لالہ رخ کے ساتھ بیٹھا شخص خود بھی اتر کر گاڑی کا انجن دیکھنے لگا تھا ان کی باتوں سے لگ رہا تھا کہ گاڑی میں اچانک کوئی بڑا فالٹ ہوا ہے جو رک گئی ہے اور اسٹارٹ ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی۔ چند پل مزید سرکے تو لالہ رخ کے حواس کام کرنے لگے۔ اس نے دیکھا اس کے دوسری طرف کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور اندھیری رات میں دور دور تک سڑک تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ شاید قدرت اس کا ساتھ دینے پر آمادہ تھی وہ لوگ اس کی وجہ سے کسی سے مدد لینے کو بھی تیار نہ تھے کہ کہیں وہ چیخنے چلانے نہ لگ جائے۔
لالہ رخ نے خود کو سیٹ پر گرالیا تھا اور آہستہ آہستہ سرکتے وہ کھلے دروازے کی طرف بڑھی تھی۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ قدرت کی طرف سے ملنے والے اس موقع کو ضرور آزمائے گی اگر کامیاب ہوگئی تو ٹھیک ورنہ اپنی بدقسمتی پر وہ رو دھو تو رہی تھی۔ وہ آہستہ سے گاڑی سے نکلی تھی وہ دونوں گاڑی کا انجن چیک کررہے تھے اس کی طرف سے اپنے مسئلے میں الجھ کر شاید کچھ دیر کے لیے بے پروا ہوگئے تھے۔ لالہ رخ اسی طرح کھردری سڑک پر رینگتے گاڑی کے عقب سے ہوتے پچھلی طرف بڑھی تھی سڑک کے دوسری طرف کوئی گلی تھا۔ وہ اسی طرح سانس روکے رینگتے ہوئے اس کی طرف بڑھی اور پھر سڑک سے اٹھ کر وہ اندھا دھند اندر کی طرف بھاگی تھی۔ انجن پر جھکے دونوں آدمی چونکے تھے۔
''ارے دیکھو وہ عورت بھاگ رہی ہے۔'' وہ دونوں حواس باختہ ہوگئے تھے۔ وہ دونوں اس کے عقب میں بھاگے تھے۔
لالہ رخ کے اندر نجانے کہاں سے اتنی طاقت آسمائی تھی کہ وہ بجلی کی تیزی سے سمت کا تعین کیے بغیر بھاگتی جارہی تھی۔ وہ دونوں آدمی اس کے پیچھے تھے بھاگتے بھاگتے وہ ایک گلی میں گھس گئی تھی وہ دونوں آدمی مسلسل پیچھے تھے وہ ایک گھر کے سامنے دروازے کے دونوں طرف بنے گھروں میں سے ایک میں چھپ گئی تھی۔ وہ دونوں آدمی بھاگتے ہوئے آگے چلے گئے تھے۔ لالہ رخ دم سادھے بیٹھی رہی تھی اس کے کپڑوں پر گندگی لگ گئی تھی لیکن اسے قطعی پروا نہ تھی۔ چند پل گزرے تھے اسے تسلی ہوگئی تھی کہ وہ آدمی کافی آگے جاچکے ہیں اس نے گھر کا دروازہ بجانا شروع کردیا تھا اور بار بار خوف زدہ نظروں سے اطراف میں بھی دیکھ رہی تھی۔
''کون ہے بھئی آدھی رات کو کون آگیا ہے؟'' کچھ دیر بعد کسی خاتون کی جھنجلائی ہوئی آواز سنائی دی تھی۔
''پلیز دروازہ کھولیں پلیز......'' اس کے لہجے میں خوف تھا بے بسی تھی۔
''کون ہو تم؟'' اب کی بار چونک کر پوچھا گیا تھا۔
''پلیز دروازہ کھول دیں۔'' وہ بار بار عقب میں اور اطراف میں دیکھ رہی تھی۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا تو لالہ رخ اندھا دھند اندر گھسی تھی۔ دروازہ کھولنے والی خاتون بھی خوف زدہ ہوگئی تھی لالہ رخ نے اندر گھس کر دروازہ بند کردیا تھا۔
''ارے کون ہو تم...... کیوں اندر گھسی آرہی ہو؟'' وہ خاتون ایک دم گھبرا کر چیخی تھیں۔
''پلیز گھبرائیں نہیں میری وجہ سے آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی وہ لوگ میرے پیچھے لگے ہوئے ہیں پلیز مجھے تھوڑی دیر کے لیے رکنے دیں پھر میں چلی جاؤں گی۔'' وہ بتاتے بتاتے رو پڑی تھی خاتون نے حیران ہوکر دیکھا۔
''گھر سے بھاگی ہو کیا؟'' غصے سے پوچھا تو اس نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔
''نہ...... نہیں...... پلیز میں آپ کے پاؤں پڑتی ہوں میں کوئی غلط عورت نہیں ہوں میں کچھ دیر میں چلی جاؤں گی۔'' لالہ رخ

سیدہ لوبا سجاد

میرا نام سیدہ لوبا سجادہ ہے ضلع لودھراں کی تحصیل کہروڑپکا سے تعلق ہے۔ میں نے ایم اے اردو بی ایڈ کیا ہے۔ ہم تین بہن ہیں بھائی کوئی نہیں۔ نئی نئی ڈشز ٹرائی کرنا' بکس پڑھنا اور شاعری کرنا میرا شوق ہے۔ خامیاں خوبیاں تو سب میں ہوتی ہیں مجھ میں بھی ہیں۔ امی کے مطابق بہت بھلکو ہوں بعض چیزیں ایسی سنبھال کے رکھتی ہوں کہ مجھے ہی نہیں ملتیں (ویسے انہوں نے یہ الفاظ کافی عزت سے کہے تھے)۔ اچھی رازدار ہوں جس سے دوستی رکھتی ہوں تو خلوص سے رکھتی ہوں۔ احمد میرا پیارا بھائی (آنٹی کا بیٹا) کہتا ہے خامی کوئی نہیں ساری خوبیاں ہیں۔ مجھے میری خامی یہ لگتی ہے کہ میں ایک جگہ سے کئی بار دھوکا کھا کر بھی اعتبار کرلیتی ہوں۔ 9th کلاس سے ڈائجسٹ پڑھنا شروع کیا۔ 4 جون کے گرم دن میں پیدا ہوئی اور مزے کی بات یہ ہے کہ بیس سال تک ہر سال میری برتھ ڈے پر طوفانی بارش آتی تھی اب شکر ہے سکون ہے اور دو تین سال سے بس کیک کاٹتی ہوں۔ بہت سی کتابیں پڑھی ہیں جن میں مجھے "پیرکامل' کوئی لمحہ گلاب" طاہر لاہوتی بہت پسند ہیں۔ ہاشم ندیم اور علیم الحق حقی کے تو ہر ناول ہی بہترین ہوتے ہیں (میں مرد رائٹرز کے ناولز زیادہ پڑھتی ہوں)۔ شاعری کا تو بہت سوق ہے ناصر کاظمی میرے پسندیدہ شاعر ہیں' باقی جو بھی اچھا لکھے وہی پسند ہے۔

روتے ہوئے خاتون کے قدموں میں جھک گئی تھی' وہ خاتون بھی ساکت ہوگئی تھی۔

"کون ہے خالہ؟" اندر سے ایک اور ینگ سی عورت بھی ادھر آ گئی تھی دونوں کو دیکھ کر الجھی تھی۔

"پتا نہیں کہتی ہے کچھ لوگ پیچھے لگے ہوئے ہیں کچھ دیر میں چلی جائے گی۔"

"خالہ نکالیں اسے میرے گھر سے یقیناً کوئی چور ڈاکو ہوگی ابھی خود گھسی ہے ساتھ میں پورا گروپ ہوگا۔" وہ ینگ سی عورت تو اور بھی زیادہ خوف زدہ ہوگئی تھی۔

"نہیں پلیز میں کوئی ایسی ویسی عورت نہیں ہوں پلیز میرا اعتبار کریں میں بس پناہ لینے کے لیے ادھر آئی ہوں ابھی کچھ دیر میں چلی جاتی ہوں۔" وہ دوسری عورت کے سامنے ہاتھ جوڑ کر رونے لگی تھی' دونوں خواتین نے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔

"آپ نے دروازہ ہی کیوں کھولا تھا نجانے کون ہے کیا مقاصد ہیں' گھر میں ہم دونوں کے علاوہ اور کوئی ہے بھی نہیں۔" وہ عورت پہلی خاتون سے الجھ رہی تھی جبکہ لالہ رخ وہیں پر بیٹھ کر رو رہی تھی۔

"شکل سے کافی مظلوم لگ رہی ہے۔"

"شکلوں کا اعتبار کون کرے آج کل تو اچھے بھلے شریف لوگ گھروں میں گھس جاتے ہیں۔" وہ ابھی بھی مشکوک تھی جبکہ لالہ رخ دروازے کے ساتھ لگی زمین پر بیٹھی سسکتی رہی تھی' کچھ دیر اسی حالت میں گزری تھی۔

"پانی پیوگی؟" پہلی خاتون نے پوچھا تو اس نے ہاں میں سر ہلا دیا تھا۔ انہوں نے پانی لاکر اسے دیا تو وہ ایک ہی سانس میں پی گئی تھی۔ دونوں خواتین اسے کچھ نہیں کہہ رہی تھیں بس خاموشی سے دیکھ رہی تھیں' کچھ وقت مزید سرکا تو لالہ رخ سنبھل چکی تھی۔ دونوں خواتین کو بھی شاید اس پر اعتبار آچکا تھا وہ اندر سے چارپائی گھسیٹ لائی تھیں اور اسے بیٹھنے کو کہا تھا۔

"کہاں سے آئی ہو تم...... اور کون لوگ ہیں جو تمہارے پیچھے لگے ہوئے ہیں؟" پہلی خاتون نے پوچھا تھا۔ لالہ رخ کے آنسو اپنی مظلومیت کا سوچتے پھر بہنے لگے تھے۔ آنسوؤں کے درمیان ہی اس نے مختصر خود پر بیتنے والی ساری کتھا سنا ڈالی تھی' دونوں خواتین نے بے یقینی سے دیکھا تھا۔

لالہ رخ کو کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ انہوں نے یقین کیا ہے یا نہیں وہ تو بس کچھ وقت عزت کے ساتھ اس چار دیواری میں گزارنا چاہتی تھی۔ رات بھر وہ دونوں خواتین اس سے مختلف سوالات کرتی رہی تھیں اور وہ اپنے اوپر بیتنے والی قیامت کا احوال سناتی رہی تھی۔ صبح ہوئی تو لالہ رخ نے وہاں سے نکلنے کا قصد کیا تھا۔

''سنو ہوسکتا ہے وہ لوگ اردگرد ہی ہوں ابھی مت جاؤ' میں باہر دیکھ کرآتی ہوں تم آرام سے ادھر بیٹھی رہو۔'' بڑی عمر کی خاتون کو جیسے اس پر یقین آ گیا تھا انہوں نے روک لیا تھا اور لالہ رخ رک گئی تھی۔ اچھی طرح صبح کا سویرا پھیلا تو وہ خاتون باہر نکلی تھیں' وہ برقع پہنتی تھیں اور کچھ دیر بعد وہ لوٹی تھیں۔

''خاص طور پر تو کچھ دکھائی نہیں دیا بس بڑی سڑک کے کنارے جیسی گاڑی تم نے بتائی ہے وہ ابھی بھی کھڑی ہے۔ ہوسکتا ہے وہ آدمی بھی اردگرد ہی ہوں۔'' لالہ رخ پھر سہم گئی تھی۔

''فکر نہیں کرو میں ناشتا بناتی ہوں' کھاؤ پیو حالات بہتر ہوتے ہیں تو چلی جانا۔'' وہ برقع اتار کر اندر کی طرف چلی گئی تھیں۔ یہ ایک بہت ہی پرانا گھر تھا' دو کمرے تھے ایک کچن اور ایک باتھ روم' ان لوگوں کے اصرار پر اس نے ناشتا کرلیا تھا۔

صبح دوپہر اور دوپہر شام میں ڈھلنے لگی تو گھر میں ایک درمیانی عمر کا مرد داخل ہوا تھا' وہ اسے دیکھ کر چونکا تھا بڑی عمر والی خاتون اس آدمی کو لے کر ایک الگ کمرے میں گھس گئی تھیں پھر وہ آدمی آیا تھا اور اس سے مختلف سوالات کرتا رہا تھا۔ پتا نہیں وہ مطمئن ہوا تھا کہ نہیں البتہ خواتین کی نسبت اس نے زیادہ شکوک وشبہات کا اظہار نہیں کیا تھا۔

وہ رات بھی عجیب سی تھی۔ اتنی راتوں کی بے خوابی تھی رات گئے اسے نیند آ گئی تھی۔ وہ غافل ہوکر سوئی تھی اور کسی نے جگایا بھی نہ تھا اور وہ اگلے دن چڑھے تک سوتی رہی تھی۔ اگلے دن دوپہر کو اٹھی تو خاتون نے اسے ناشتا لادیا تھا۔

''یہ میری بھتیجی کا گھر ہے اس کا شوہر باہر ہوتا ہے بچے کی ولادت کے سبب میں آج کل ادھر رکی ہوئی ہوں۔ یہ جو تم سے کل ملے تھے یہ میرے شوہر تھے اسکول ماسٹر ہیں کہہ رہے تھے کہ تم بے فکر ہوکر یہاں رہو۔''

لالہ رخ نے سر ہلادیا تھا' وہ مزید چند دن وہاں رہی تھی پھر ایک رات برقع پہنا کر وہ خاتون اور اس کے شوہر اسے اپنے گھر میں لے آئے تھے۔ ان خاتون کے شوہر اس کے دیئے گئے ایڈریس پر گئے تھے اور واپس آ کر جو خبر انہوں نے دی تھی وہ لالہ رخ کو پاگل کردینے کو کافی تھی۔ لالہ رخ کے گھر کو آگ لگ چکی تھی اس رات سب کچھ جل کر تباہ ہوگیا تھا اور اس کے بچے بھی اس آگ میں جل کر خاک بن گئے تھے۔ افشاں کے بارے میں بس اتنا پتا چل سکا تھا کہ مرنے والی ایک خاتون دو بچیاں اور ایک بچہ تھا۔

لالہ رخ سمجھ گئی تھی کہ افشاں اور اس کی بچی بھی اس کے بچوں سمیت مرگئی ہے۔ وہ کسی طرح ضیاء تک پہنچنا چاہتی تھی لیکن ضیاء باہر واپس جاچکا تھا۔ ماسٹر صاحب نے اپنے طور پر پتا کیا تھا ہمایوں بھی ملک چھوڑ چکا تھا۔ کیس پولیس کی تحویل میں تھا لیکن پیروی کرنے والا کوئی نہ تھا۔ لالہ رخ کئی دن تک پاگلوں کی طرح روتی رہی ان دونوں میاں بیوی کی کوئی اولاد نہ تھی دونوں اس کے دکھ پر دکھی تھے۔ دونوں اس کا بیٹی کی طرح خیال رکھ رہے تھے۔ لالہ رخ خود باہر جانا چاہتی تھی لیکن انہوں نے روک لیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ باہر ابھی بھی بہت سے لوگ اس کے تعاقب میں ہوں گے بہتر ہے وہ بھی گم نام ہی رہے۔ حالات بہتر ہوں گے تو وہ خود ہی اسے لے کر تھانے جائیں گے۔

وقت کب رکا تھا وقت کا تو کام ہی چلتے رہنا تھا۔ لالہ رخ کا صدمہ ایسا تھا کہ شاید ہی بھر پاتا۔ وہ جب تک سنبھلی ماسٹر صاحب فوت ہوگئے تھے اور لالہ رخ جو اُن خاتون کو اماں بی کہنے لگی تھی وہ اپنا دکھ بھول کر ان کو سنبھالنے لگ گئی تھی۔ خالہ بی نے سب سے اسے اپنی بھانجی کہہ کر متعارف کروار کھا تھا اور خالہ بی کا چند ایک رشتہ داروں کے علاوہ اس دنیا میں اور کوئی تھا بھی نہیں۔ سب کی اپنی اپنی زندگی تھی کون کسی کے لیے اتنی دیر رکتا۔

لالہ رخ کا تو سب کچھ ختم ہوچکا تھا۔ شوہر اور ایک بیٹی کو ہمایوں کے آدمی قتل کرچکے تھے' گھر کو آگ لگادی گئی تھی افشاں اس کی بچی اور اس کے اپنے دونوں بچے جل گئے تھے اب وہ واپس جاتی تو کس کے پاس؟ افشاں کا پرانا گھر بند تھا۔ وہ کس کے پاس جاتی اور کس لیے۔ اس کے پاس اب بچا بھی کیا تھا۔ دنیا کے اصل رنگ کو اس نے بہت قریب سے دیکھا تھا' زندہ رہنے کی لگن اور خواہش جیسے ختم ہوگئی تھی اب تو بس سانس کی ڈور کو نبھانا تھا سو وہ سب کچھ بھلا کر خود کو کسی کال کوٹھڑی میں بند کرتے زندہ رہنے کا طریقہ سیکھ گئی تھی۔ وہ اماں بی کا سہارا بن گئی تھی اور اماں بی اس کے دکھوں کا مداوا۔ خود کو مصروف رکھنے کے لیے محلے کے بچوں کو پڑھانا شروع کردیا تھا ان میں ایک ہادیہ بھی تھی ایک پیاری سی گول مٹول سی بچی۔

ہادیہ میں انہیں اپنی رابعہ دکھائی دیتی تھی۔ ہادیہ سے انہیں خاص انسیت پیدا ہوگئی تھی۔ وہ تھانے پولیس ہمایوں ہر طرح کے جھمیلوں کو بھلا کر خود کو مصروف کرچکی تھیں۔ یہاں کوئی بھی ان کی حقیقت نہیں جانتا تھا سو وہ لالہ رخ سے آپی جان بن گئی تھیں۔ وقت بہت تیزی سے گزر رہا تھا۔ ماہ وسال بیتتے چلے گئے تو ان کے وجود پر بھی نشان ثبت ہوتے گئے لیکن لالہ رخ کے حسین سراپے کی وہ دلکشی وہ رعنائی سوز اور وقار میں ڈھل کر انہی اور بھی پروقار بنا گئی تھی۔

ہادیہ کے گھر والے وہاں سے شفٹ ہوگئے تھے لیکن ہادیہ کبھی کبھار ملنے آجاتی تو انہیں لگتا کہ ان کی پیاسی ممتا سیراب ہونے لگی ہے اور پھر بہت سالوں بعد انہیں وہ چہرہ دکھائی دیا تھا۔ نام بھی رابعہ تھا لیکن باپ کا نام مختلف تھا۔ وہ جانتی تھیں کہ ان کے بچے مرچکے ہیں لیکن رابعہ کو دیکھ کر دل میں خوش گمانیاں سی پیدا ہونے لگی تھیں۔ ہوسکتا ہے رابعہ اور سکندر زندہ ہوں' اس خانہ بدوش عورت نے اس سے جھوٹ بولا ہو لیکن ان کی رابعہ اور اس رابعہ میں بے پناہ مماثلت ہونے کے باوجود وہ اس سے کچھ بھی نہ پوچھ سکی تھیں۔ وہ دوسری بار ملیں تو دل اور بے قرار ہوا تھا اور پھر تیسری بار رابعہ کے ساتھ اس کی بہن شہوار بھی تھی انہیں لگا کہ جیسے شہوار ان کی ننھی عائشہ ہو۔

شہوار کا رنگ وروپ' نین نقوش بھی چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے کہ دونوں میں کچھ نہ کچھ مماثلت ہے لیکن وہ پھر دل پر پتھر رکھ گئی تھیں لیکن ہادیہ کی زبانی رابعہ کے حقیقی باپ کا سن کر وہ چونکی تھیں۔ سکندر کا ماضی کیا تھا وہ کون تھا انہیں کبھی خبر نہ ہوئی تھی بس ایک بار سکندر نے یہ ضرور بتایا تھا کہ وہ سبحان احمد کا لے پالک بیٹا ہے۔ وہ کس خاندان سے تھا کون تھا کبھی جاننے کی جستجو ہی نہ کی تھی اور اب سب جان کر وہ رہ نہیں پائی تھیں۔ نجانے انہیں کیوں لگ رہا تھا کہ رابعہ اور شہوار کے والد اور ان کے سکندر میں کوئی قدر مشترک ضرور ہے بس یہی کشش ان کو یہاں تک کھینچ لائی تھی اور آج وہ ثریا بیگم اور رابعہ کے سامنے اپنی گزری زندگی کا حرف حرف سنا رہی تھیں۔

❀......❀......❀

ثریا بیگم نے فیضان صاحب کو کال کی اور فوراً پہنچنے کا کہا تھا۔ ساتھ میں ولید اور شہوار کو بھی لانے کا کہا تھا۔ انہوں نے ولید کو کال کی تھی کچھ دیر بعد ولید آ گیا تھا ولید اور شہوار کے ہمراہ وہ سہیل کی طرف چلے آئے تھے لیکن وہاں آ کر تو جیسے ایک قیامت ان کی منتظر تھی۔

''دیکھیں تو سہی فیضان......! کون آیا ہے؟'' وہ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئے تھے ثریا بیگم نے آنسوؤں سے بھیگی آواز میں کہتے ایک وجود کو ان کے سامنے کیا تھا اور لالہ رخ اور فیضان کو لگا کہ جیسے ان کے اطراف میں ہزاروں بم پھٹ گئے ہوں۔

''لالہ رخ......'' وہ پکارے تھے۔

''سکندر......'' وہ سسکی اور ان کے عقب میں کھڑے ولید اور شہوار دونوں اپنی جگہ پتھر بن گئے تھے۔ لالہ رخ کو بازوؤں کے حصار میں لے کر روتی رابعہ کا وجود ایک لہراتی ڈال بن گیا تھا۔

❀......❀......❀

مصطفیٰ حیران تھا اگر لالہ رخ زندہ تھیں مرنے والی افشاں بھی نہ تھیں' تینوں بچے بھی زندہ تھے تو پھر وہ مرنے والی عورت اور تینوں بچے کون تھے؟ ایسا سوال تھا کہ سبھی الجھے ہوئے تھے۔ لالہ رخ کو مصطفیٰ کی طرف لے آئے تھے' اماں بی بھی ساتھ تھیں سبھی وہاں جمع تھے صبوحی' افشاں' وقار ضیاء' ثریا بیگم اور بھی نجانے کون کون، کہانی ہی کچھ ایسی تھی جو سنتا حیران ہوتا۔ ایک بکھرا ہوا خاندان آج ایک مرکز پر جمع ہوا تھا اور فیضان اس بکھرے ہوئے خاندان کا وہ ٹوٹا ہوا تارا تھا جو سالوں سے اپنے مدار سے ٹوٹ کر خلا کی وسعتوں میں چکر کاٹ رہا تھا وہ ٹوٹا ہوا تارا اپنے مدار سے کیا آ کے ملا تھا گویا سبھی افراد ان تک آ پہنچے تھے۔

لالہ رخ بے یقین تھی' بے یقین تو فیضان' ولید' شہوار اور رابعہ بھی تھے۔ وہ سب ایک دوسرے کے لیے مرچکے تھے اور کہیں نہ کہیں زندگی کے مدارج طے کررہے تھے اور آج سب اکٹھے تھے۔

بابا صاحب اپنے بیٹے کے خاندان کو پھر سے آباد دیکھ کر ایک دم نہال ہوگئے تھے۔ وہ پھر سے اپنے اندر زندگی کی حرارت محسوس کرنے لگے تھے۔ انہوں نے دل کھول کر صدقہ وخیرات کیا تھا۔

مصطفیٰ نے امجد خان کو بلوالیا تھا‘ امجد خان لالہ رخ سے مل کر حیران ہوا تھا۔
”یہ کیسے ممکن ہے سر! لالہ رخ زندہ ہے تو پھر وہ عورت اور تینوں بچے کون تھے؟“ وہ خود بھی حیرت زدہ تھا۔
”اللہ بہتر جانتا ہے لیکن آج ایک بات پر یقین اور بھی پختہ ہوگیا کہ جسے اللہ بچانا چاہے اسے کوئی بھی طاقت نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ لالہ رخ اور اس کے سارے خاندان کو ہمایوں نے ختم کرنا چاہا تھا اور اپنی طرف سے کر بھی چکا تھا لیکن قدرت نے کیسے کیسے انداز میں اور کن کن لوگوں کے توسط سے لالہ رخ اور اس کے شوہر اور بچوں کی حفاظت کی تھی۔“ امجد خان حیرت سے ساکت تھا۔
”تمہیں میں نے ان مرنے والوں‘ بچوں اور عورت کی پوسٹ مارٹم کی رپورٹ حاصل کرنے کو کہا تھا۔“
”جی سر......! میں نے بہت کوشش کی تھی کہ کسی طرح وہ رپورٹس مل جائیں لیکن نہیں مل سکی۔“
”کیوں؟“
”لاشیں اس قدر جل چکی تھیں کہ ثبوت اکٹھے کرنا ناممکن سی بات تھی پھر بھی پوسٹ مارٹم کے بعد جو رپورٹ بنی تھی وہ شکوک وشبہات پر مبنی تھی میں پھر پتا کرتا ہوں شاید کچھ اصل حقائق مل جائیں‘ اب تو میں بھی اس کیس کے اصل سرے تک پہنچنا چاہتا ہوں آخر ہمیں بھی تو پتا چلے کہ وہ مرنے والے کون تھے؟“ مصطفیٰ نے پرسوچ نظروں سے امجد خان کو دیکھا۔
”کچھ دن پہلے میں نے آپ کے بیٹے کی شادی اٹینڈ کی۔“ مصطفیٰ نے پرسوچ لہجے میں کہا تو امجد خان نے سر ہلایا۔ وہ دونوں لالہ رخ سے ملنے کے بعد ڈرائنگ روم میں آگئے تھے اور تب سے مسلسل اسی کیس کو ڈسکس کررہے تھے۔
”آپ نے کبھی نہیں بتایا تھا کہ آپ کا ایک بیٹا بھی ہے اور آپ نے دو شادیاں کر رکھی ہیں۔“
”ایم سوری سر...... لیکن یہ بہت ذاتی سا سوال ہے اور آپ جانتے ہیں کہ میں نے کبھی اپنی ذاتیات کو ڈسکس نہیں کیا۔“ مصطفیٰ نے سر ہلایا۔
”آپ نے جب مجھے یہ فائل دی تھی تو کہا تھا کہ اس کیس سے اور ہمایوں سے متعلق معلومات کو اکٹھا کرنے کے پیچھے کچھ خاص وجوہات تھیں۔ میں نے وجوہات کے بارے میں پوچھا تھا تو آپ نے کہا تھا کہ وقت آنے پر بتاؤں گا‘ میں اب وہ سب وجوہات جاننا چاہتا ہوں۔“ امجد نے ایک گہرا سانس لیا۔
”سب سے پہلی وجہ یہ تھی کہ میں لالہ رخ کی والدہ کے ملازمین کی اولاد میں شمار ہوتا تھا اور جب ان کی ناگہانی حادثاتی موت کے بارے میں کئی ماہ بعد سنا تو میں پریشان ہوگیا تھا۔ ان کے شوہر غائب تھے جس سے بھی ملا کچھ اور ہی سننے کو ملا پھر کیس کا رخ ضیاء صاحب اور ان کی بیگم افشاں کی طرف بھی جاتا تھا جو کیس درج تھا اس کے مطابق جلنے والی افشاں اور لالہ رخ کے دو بچے تھے لیکن بعض لوگوں کے خیال میں اس کیس کے پیچھے سکندر صاحب کا ہاتھ ہے جبکہ ضیاء صاحب کی طرف سے جو کیس دائر کیا گیا تھا اس کے مطابق یہ سارا کیا دھرا ہمایوں کا تھا۔ مختلف پوائنٹس تھے جو ملے تھے پھر ان کی روشنی میں جائزہ لیا تو جو جو معلومات حاصل ہوئیں وہ سب اس فائل میں درج تھیں جو آپ کو دی تھی لیکن سب سے زیادہ اہم وجہ جو اس کیس میں انوالو ہونے کا سبب بنی تھی وہ میری بیوی اور میرے بچوں کا غائب ہوجانا تھا۔“ امجد خان نے کہا تو مصطفیٰ چونکا۔
”کیا مطلب؟“

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

میرا اعتبار لوٹا دے

صدف آصف

> چند خوابوں کے عطا کر کے اُجالے مجھ کو
> کردیا دنیا نے وقت کے حوالے مجھ کو
> جن کو سورج میری چوکھٹ سے ملا کرتا تھا
> اب وہ خیرات میں دیتے ہیں اجالے مجھ کو

آسمان پر سورج پوری آب وتاب سے چمک رہا تھا، حبس زدہ فضاء نے چرند پرند کو نڈھال کردیا تھا، ایسے میں اتنے بڑے صحن کی صفائی اسے عذاب لگ رہی تھی، ملتان میں گرمی کا گراف دن بدن بڑھتا جارہا ہے تھا، اس پر مزید ستم یہ ہوا کہ مختصر وقفے کی بارش کے بعد زمین مزید تپ گئی، لال اینٹوں کے فرش سے جیسے گرم بھاپ سی اٹھنے لگی، اس کے لیے سانس لینا بھی دشوار ہونے لگا تو جلدی سے کام نمٹانے کا سوچا۔

''کیا یہ میں ہی ہوں۔'' سیلن زدہ دیوار پر ٹنگے پرانے آئینے میں اپنا عکس دیکھ کر وہ خود کو یقین دلانے کی کوشش میں مصروف تھی۔ شیشے کے جگہ جگہ سے تڑخ جانے کی وجہ سے اسے اپنا آپ دھندلایا سا لگا۔ تھوڑی دیر خیالوں میں گم رہنے کے بعد، جب پسینہ ماتھے سے بہہ کر ایڑیوں تک جا پہنچا تو اس نے سر جھٹک کر نیم کے بکھرے پتے تیزی سے ہاتھ چلاتے ہوئے جھاڑو سے سمیٹے۔ جو اپنی من مانی کرنے پر تلے ہوئے تھے۔

گرمیوں کے موسم میں وہ صبح جلدی اٹھ کر سرسری سی صفائی کرنے کی کوشش کرتی تاکہ موسم کی شدت سے بچا جاسکے، مگر شومئی قسمت اس کے اٹھنے سے قبل ہی نوکیلی دھوپ آنگن کے کونے کونے کو اپنے پنجے تلے داب لیتی اور اس کی ساری کوشش بے کار چلی جاتی۔ کام کرتے کرتے وہ پسینے میں شرابور ہوجاتی۔ اس وقت بھی اتنے بڑے صحن کی صفائی کرتے

کرتے اس کی جان آدھی ہو کر رہ گئی۔ جھاڑو دینے کے بعد سارا کچرا کونے میں رکھے بڑے سے ٹین کے ڈبے میں ڈالا، الگنی پر پھیلا تولیہ کھینچ کر قدیم انداز کے بنے ہوئے واش روم کی جانب بڑھی تاکہ نہا کر فریش ہو جائے۔ لوہے کے گرم دروازے سے اندر گھستے ہی کانوں میں مسلسل پانی گرنے کی آواز پڑی، دیکھا تو نل سے پانی ٹپک ٹپک کر بالٹی میں جمع ہو کر اب پتلی دھار کی صورت میں نیچے بہہ رہا تھا، اس نے غیر ارادی طور پر ہاتھ بڑھا کر نل کس کر بند کیا اور پانی کے ضیاع کو روکنے کی کوشش کی، وہ ہر معاملے میں اتنی ہی حساس تھی۔

"تھوڑی دیر پہلے خالو ہی نہا کر باہر نکلے ہیں۔ یہ بے احتیاطی وہ ہی کر سکتے ہیں تب ہی تو اتنا پانی ضائع ہو گیا۔ وہ اپنے معاملے میں جتنے فکرمند ہوتے ہیں، دوسروں کے لیے اتنا ہی بے فکرا پن دکھاتے۔" حریم نے تولیہ لوہے کی کھونٹی پر ٹانگتے ہوئے سوچا اور وجود پر ایک بے چینی سی سوار ہونے لگی۔ ماتھے پر پسینے کی بوندیں جمع ہو گئیں۔ اس نے نگاہ اٹھا کر پتلی ٹین کے چھت والے چھوٹے سے غسل خانے کا جائزہ لیا، جو شروع ہوتے ہی ختم ہو جاتا، ٹھنڈی سانس بھر کر نل کھولا، گرم پانی کی پتلی دھار نے ہاتھ پر گرتے ہی اس کے اندر کا غصہ جگا دیا، دھوپ سے ٹین کی چھت بری طرح سے جل رہی تھی جس کی وجہ سے تپش کا احساس بڑھتا جا رہا تھا یا اس کے وجود میں پھیلی دکھوں کی حدت نے اسے مر جانے کی حد تک بیزار کر دیا تھا۔

وہ خوش حال ماضی کے جھروکوں میں جھانکتے ہوئے بے حال ہونے لگی۔ اس کا خوب صورت جدید سہولتوں سے آراستہ واش روم جس میں داخل ہوتے ہی اس کا وجود ہلکا پھلکا ہو جاتا تھا جسے اس کے پسندیدہ ہلکے نیلے رنگ کے ٹائلز سے سجایا گیا تھا۔ بلیو کلر کا واش بیسن اور باتھ ٹب، ائر فریشنر کی خوشبو وہ ایک ایک چیز کو یاد کرتی چلی گئی پلاسٹک کے مگ سے بالٹی میں بھرے ٹھنڈے پانی کو نکال کر منہ پر چھپاکے مارے تو ساتھ ہی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ کافی دیر غسل کرنے کے بعد کہیں جا کر ذہن پر چھائی کبیدگی کا خاتمہ ہوا۔ موڈ قدرے بہتر ہوا تو گیلے بالوں کو تولیہ میں لپیٹ کر باہر نکل آئی مگر یہ کیا۔ اس نے صحن میں کھڑے ہو کر اردگرد کا جائزہ لیا نیم کے درخت سے پتے دوبارہ جھڑنے کے بعد صحن میں بڑے مزے سے مٹر گشت کرتے پھر رہے تھے۔

"ساری محنت اکارت گئی۔" اس نے ٹھنڈی سانس بھری۔ "اس گرمی میں صفائی کیا فائدہ، یہ گھر تو دو گھڑی کے لیے بھی صاف نہیں رہ سکتا۔" وہ اپنے گھنے لمبے بالوں کو مخروطی انگلیوں سے خشک کرتے ہوئے باآواز بلند اظہار افسوس میں مصروف تھی۔ گوہر علی جو تیار ہو کر آفس جانے کے لیے ہیلمٹ تھامے باہر نکل رہا تھا، حریم کا شکوہ سن کر مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو گئی، نگاہ اٹھا کر دیکھا تیز دھوپ میں نہائی وہ لمبے بالوں کو سلجھاتی ہوئی بہت پیاری دکھائی دی۔ سادہ حلیے کے باوجود چہرے سے پھوٹتا سنہرا پن کسی خاص ماحول کی دین کی چغلی کھا رہا تھا۔ وہ اس کے حال پر من ہی من میں تھوڑا دکھی ہوا، اس کے بعد چوڑی کلائی پر بندھی گھڑی پر نگاہ گئی تو فوراً ہی باہر کی جانب قدم بڑھا دیئے۔

❁.......☆.......❁

بشریٰ جبار شہر کے پوش علاقے میں واقع ہزار گز کے بنگلے میں اپنے شوہر کے انتقال کے بعد چھوٹی بیٹی حریم کے ساتھ بڑے آرام سے رہ رہی تھیں۔ بیٹا کوئی تھا نہیں بڑی بیٹی کی شادی کر دی تھی۔ شوہر کے چھوڑے ہوئے دو فلیٹوں کا کرایہ ان ماں بیٹی کی گزر اوقات کے لیے کافی تھا۔ شوہر کے مرنے کے بعد بشریٰ نے جس طرح سے حالات کا مردانہ وار مقابلہ کیا وہ قابل ستائش تھا، یہ ہی وجہ تھی کہ غموں کو دل میں چھپائے دونوں ماں بیٹی اپنی دنیا میں مگن جیے جا رہے تھے، کبھی کبھی بڑی بیٹی فرحین کا فون آ جاتا تو ان کی خوشیاں دوبالا ہو جاتیں۔

حریم ماں کی لاڈلی ہونے کے باوجود بہت طریقے سلیقے والی لڑکی تھی۔ ہاں اس کا اپنی ممی بشریٰ جبار کے ساتھ ہمیشہ خالہ خورشیدہ کے گھر جانے کے معاملے پر اختلاف ہوتا، سہولتوں سے عاری اس چھوٹے سے گھر میں اس کا دل کبھی نہیں لگا، خالہ کی بے لوث محبت اسے اپنی جانب ضرور کھینچتی مگر یہاں کا منجمد سا ماحول جلد ہی بیزار کر دیتا۔ شاید خالہ کی کوئی بیٹی ہوتی تو اس کو یہاں آنا اچھا لگتا۔ پر اپنے اکلوتے کزن گوہر علی سے نہ اس کی بہت دوستی تھی نہ دشمنی، وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بھی لیے دیئے سے رہتے۔ اس وقت گوہر کو بھی اپنی یہ حسین و جمیل نک چڑھی کزن ایک آنکھ نہ بھائی، جس کا منہ غبارے کی طرح پھولا رہتا۔ اگر وہ بات نہ کرتی تو گوہر خود بھی حریم کو زیادہ لفٹ نہیں کرواتا۔ حال کے برعکس ممتاز علی چہیتے والی سالی اور اس کی بیٹی کے آگے پیچھے

پھرتے، جو جاتے جاتے ان کو ہمیشہ خطیر رقم سے نوازتیں۔ حریم کو ایسے ماحول سے سخت کوفت محسوس ہوتی۔ اکثر تو وہ پڑھائی کا بہانہ بنا کر ماں کے ساتھ جانے سے انکار کردیتی، اور گھر میں جمن بوا کے ساتھ رک جاتی۔ اگر زور زبردستی جانا پڑ جاتا تو ایک جگہ چپکی بیٹھی رہتی افتاد اس وقت پڑتی جب ان ماں بیٹی کا وزٹ موسم گرما میں ہوتا۔ حریم کے لیے، ملتان کی گرمی جھیلنا خاصا دشوار گزار ہوتا وہ وہاں سے واپسی پر ماں کے سامنے اعلان کرتی آئندہ مر کر بھی خالہ کے گھر نہیں جائے گی، مگر جب حالات کے گرم تھپیڑے منہ پر پڑے تو اس چھوٹے سے گھر نے ہی اس کو پناہ دی اور وہ یہاں رہنے کی عادی ہوگئی۔

بشریٰ کی دور رس نگاہوں نے آنے والے حالات کا اندازہ پہلے ہی کرلیا تھا، جبار خان سے محبت کی شادی کے بعد ان کے میکے والے برسوں قبل ہی قطع تعلق کرچکے تھے۔ اسی لیے بشریٰ نے اپنے تئیں بیٹی کے لیے یہاں کا ایک راستہ کھلا رکھنا چاہا اور بچپن کی دوست اور خالہ زاد بہن سے تعلقات استوار رکھے۔ ان کے اندیشے غلط نہ تھے۔ وہ دونوں بچپن کی سہیلیاں بھی تھیں، خورشیدہ بشریٰ کے حالات سے مکمل طور پر واقف تھیں، بہن کے انتقال پر جب کھڑے کھڑے کراچی گئیں، تب ہی جبار ہاؤس پر شہباز خان کے گھر والوں کا حد سے بڑھا ہوا عمل دخل دیکھ کر غمزدہ ہوگئیں، اتنے رش میں کوئی ان سے واقف نہ ہوسکا، انہوں نے بھی واپسی کا قصد کیا، خاموشی سے حریم کے کمرے میں جا کر چپکے سے بھانجی کے ہاتھ پر اپنا پتا رکھا اور تسلی دی کہ جب بھی حالات برداشت سے باہر ہوجائیں تو وہ کسی کو بتائے بغیر چپکے سے ان کے گھر چلی آئے۔

بشریٰ کے اچانک دنیا سے چلے جانے کے بعد، حریم جیسے کڑکتی دھوپ میں ننگے سر کھلے آسمان تلے آ کھڑی ہوئی۔ دن بے حد سوگوار مایوس کن اور رنجیدہ ہو چلے تھے۔ ماں کے مرنے کے بعد، جب حریم نے اپنے تایا کے پھیلائے ہوئے لالچ کے جال کو توڑ کر بھاگ نکلنے کی کوشش کی تو اس کے ذہن میں پہلا نام خالہ خورشیدہ کا ہی آیا، وہ چھپتی چھپاتی وہاں پہنچی۔ خورشیدہ نے بھانجی کا کھلے دل سے استقبال کیا۔ حریم کو خود سے چمٹا کر پیار کیا اور اسے بے فکری سے یہاں رہنے کی خوش خبری سنادی۔

❁......☆......❁

''آپ کے خیال میں کیا میرے پاس اور کوئی کام نہیں ویلا بندہ ہوں جو دھوپ میں کھڑا ہو کر آپ کے آنے کا گھنٹوں انتظار کرتا رہوں۔'' حریم کو خراماں خراماں لکڑی کے دروازے سے باہر آتا دیکھ کر جو غصہ اس کے اندر سے امڈا وہ ہی زبان پر میں اتر آیا مبالغہ آرائی کی حد کرتے ہوئے وہ چیخا۔

''ایکسکیوزمی مجھے بھی آپ کے ساتھ جانے کا کوئی شوق نہیں خالہ خورشیدہ نے پتا نہیں کون کون سی میچنگ لانے کے لیے روک لیا تھا۔ اسی لیے دیر ہوئی ورنہ آپ کو انتظار کی زحمت نہ اٹھانی پڑتی۔'' اس کے لہجے کی کاٹ گوہر ممتاز کو خاصی گراں گزری، گندمی وجیہہ چہرے پر سرخ رنگ آ کر ٹھہر گیا۔

''میں بھی اماں کی وجہ سے ہی آپ کو بازار لے جارہا ہوں ورنہ میرے لیے یہ کام ہرگز بھی اہم نہیں۔'' وہ اس کے ماضی کے طور طریقے کو حال سے جوڑتے ہوئے بھول گیا وہ اب جس لڑکی پر اپنا غصہ نکال رہا ہے اسے حالات نے کتنا بدل کر رکھ دیا تھا۔

''آپ کو کوئی پرابلم ہے تو میں خود بھی بازار تک جاسکتی ہوں۔'' حریم نے بائیک کے کیریئر پر رکھا بڑا سا شاپر اٹھایا اور منہ بگاڑ کر بولی۔ گوہر کا اس درجہ اہانت آمیز سلوک ناقابل برداشت تھا۔

''ایسی کوئی بات نہیں محترمہ...... میں جب کسی بات کی ذمہ داری اٹھاتا ہوں تو اسے پایۂ تکمیل تک بھی پہنچاتا ہوں آپ کے پاس دو گھنٹے ہیں اپنی ضرورت کی ساری اشیاء آرام سے خرید لیجیے گا۔'' حریم کے یوں الجھنے پر گوہر نے ہونٹ بھینچ کر ایک نظر اس کی سنہری، دمکتی رنگت کو دیکھا۔ اچانک دل میں کچھ ہونے لگا مگر رعب جمانے سے باز نہ آیا سر پر چڑھانا مقصود نہ تھا۔

''ذمہ داری پوری کرنے سے قبل یوں جتانا یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے خیر...... چلیں۔'' اس کا طنز بھرا لہجہ، صاف صاف جتلاتا محسوس ہوا۔

''اوکے چلو بیٹھو اگر ہم یوں ہی لڑتے رہے تو شام یہیں ہوجائے گی۔'' حریم کی بات پر اسے تھوڑی شرمندگی ہوئی تو زبان میں نرمی گھلی۔

''ٹھیک ہے تو پھر لڑائی کے لیے کوئی اور دن مخصوص کرتے ہیں۔'' وہ بڑے مزے سے کہتی ہوئی اس کے پیچھے

آ کر یوں بیٹھ گئی جیسے ہمیشہ سے اس سواری کی عادی ہو۔

''ہونہہ۔'' گوہر سر ہلاتا تیز رفتاری سے بائیک چلاتا ہوا اسے لے اڑا۔ حریم کے یہاں پناہ لینے کے بعد سے ان دونوں کی یہ پہلی اور آخری جنگ ثابت ہوئی، وقت کے ساتھ ساتھ دوستی بڑھی اور پھر جانے انجانے...... بن کہے ایک خوب صورت بندھن نے جیسے انہیں ایک ڈوری سے باندھ دیا۔ انا زبان سے اقرار کرنے نہ دیتی مگر دونوں کے دل ایک ہی لے پر تھرکتے چلے گئے۔

......☆......

وہ ٹی وی والے کمرے میں داخل ہوا تو خالہ بھانجی کو زار وزار روتا دیکھ کر گھبرا گیا غور کرنے پر اس کی ہنسی چھوٹ گئی۔

''اوہ بس ایک بار سب سونیا کو معاف کردیں تاکہ اس کی زندگی فواد کے ساتھ سیٹل ہوجائے۔'' حریم نے آنکھوں سے ٹپکنے والے آنسوؤں کو ٹشو میں جذب کرتے ہوئے دل سے دعا مانگی۔

''ہائے اس جھگڑے میں بے چاری معصوم سی سونیا کا کیا قصور ہے بھلا۔'' خورشیدہ نے بھی دوپٹے کے پلو سے آنکھیں رگڑیں اور ہاں میں ہاں ملائی۔

''ہا...... ہا اماں یہ تو جعلی ہے مگر آپ کو کیا ہوا جو اس کے ساتھ بیٹھی آنسو بہارہی ہیں۔'' گوہر علی نے ان دونوں کو ایک ساتھ غم مناتے دیکھا تو برداشت کرنا مشکل ہوگیا۔ ہنستے ہوئے مذاق اڑایا۔

''گوہر کے بچے جس بات کا پتا نہ ہو اس میں ٹانگ نہ اڑایا کرو۔'' حریم اپنی عزت افزائی پر زور سے چیخی۔

''توبہ کرو لڑکی شادی سے قبل بچے...... بڑوں کا کچھ تو لحاظ کرو۔'' اس نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے اعلیٰ درجے کی اداکاری کا مظاہرہ کیا تو حریم ایک دم بلش ہوگئی۔

''پتر نہ تنگ کر ہمیں ڈرامہ دیکھنے دے۔'' خورشیدہ کو اس وقت بیٹے کی دخل در معقولات بہت ناگوار گزری، ان کی ساری ہمدردیاں سوپ کی ہیروئن سونیا کے ساتھ جڑی ہوئی تھیں۔

''اے لڑکی جب سے تمہارے قدم اس گھر میں پڑے ہیں تم نے میری بھولی بھالی ماں کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ قسم سے فضول قسم کے ڈراموں کا رسیا بنا کر انہیں اپنے جیسا عادی بنادیا ہے۔ وہ بیٹے کے آنے جانے کا روٹین تک بھول جاتی ہیں مگر ڈراموں کے ٹائم انہیں ازبر رہتے ہیں۔'' گوہر نے ماں سے نظر بچا کر اسے گھورا۔

''بالکل...... بالکل میں نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے' بولو تم میرا کچھ بگاڑ سکتے ہو تو۔'' زبانی گولہ باری کے ساتھ ساتھ حریم نے سائیڈ میں رکھا ہوا کشن اٹھا کر اس کی طرف اچھال دیا۔ گوہر نے جھک کر خود کو بچایا، بدقسمتی سے ممتاز علی اسی وقت اندر داخل ہوئے اور کشن جا کر ان کے سینے سے ٹکرا کر قدموں میں ڈھیر ہوگیا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے۔'' وہ دھاڑے خوش گوار ماحول ایک دم یاسیت میں ڈھل گیا۔

''خالو جی آپ......'' ممتاز علی کی سرخ گھورتی ہوئی آنکھوں کا سامنے کرتے ہوئے حریم کی حالت خراب ہونے لگی۔

''یہ گھر ہے یا کھیل کا میدان؟'' وہ اسے گھور کر بولے۔ چہرے کے تمام عضلات تن گئے۔

''سوری ابا وہ...... میں نے ہی......'' گوہر نے صفائی دیتے ہوئے پاس پڑے ریموٹ کا بٹن دباتے ہوئے جلدی سے ٹی وی آف کیا۔

''بس بس تو کیا ہر وقت زنانیوں میں گھسا مخول کرتا رہتا ہے کوئی کام دھندا ہے کہ نہیں۔'' ممتاز علی نے ہاتھ اٹھا کر جوان بیٹے کو کچھ بولنے سے روکتے ہوئے ذلیل کیا۔ گوہر کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔

''اوہ جی سنیں تو۔'' خورشیدہ سر پر دوپٹہ درست کرتی ہوئی غیض وغضب کا شکار میاں جی کو ٹھنڈا کرنے آگے بڑھیں مگر یہ حربہ بھی بیکار ثابت ہوا۔

''تو جا اور کچھ کھانے کے لیے لے کر آ انسان تھکا ہارا گھر میں گھسے تو آرام کرنے کی جگہ ایک نیا مقدمہ نمٹانے میں لگ جائے۔'' ممتاز علی بولے تو آنکھوں کی سرخیاں بہت زیادہ نمایاں ہوگئیں۔

''سوری۔'' حریم کو اپنی بے وقوفی اور بے احتیاطی پر افسوس ہوا۔ سب کچھ جانتے ہوئے بھی اس نے ایسا کیا۔ خالو کے چہرے کے بدلتے تاثرات اور چلتی زبان نے اسے ایک بار پھر عدم تحفظ کا شکار بنادیا۔ اسے سب سے خوف سا محسوس ہوا اور وہ معذرت کرتی ہوئی کمرے میں جا کر بند ہوگئی۔

حریم نے ماں کے دنیا سے چلے جانے کے بعد چند دنوں

میں رشتوں کے ایسے بھیانک روپ دیکھے کہ وہ گنگ رہ گئی۔ خونی رشتوں پر سے اس کے اعتبار کا شیشہ کرچی کرچی ہوگیا۔ ممتاز کا خیال تھا کہ حریم اپنے ساتھ جائیداد کے کاغذات بھی لے کر آئی ہوگی مگر انہوں نے جب خاموشی سے اس کے سامان کی تلاشی لی اور کچھ نہیں ملا تو انہیں اس لڑکی کی بے وقوفی پر شدید غصہ آیا جو خالی ہاتھ جھلاتی اتنا کچھ چھوڑ چھاڑ یہاں چلی آئی۔ یہ ہی وجہ تھی کہ ممتاز علی کو بیوی کی بھانجی کا یہاں رہنا بری طرح سے کھلتا اور وہ اسے ذلیل کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔

اس واقعے کے بعد ایک ہفتے تک گھر پر سوگواری سی طاری رہی خورشیدہ کی ساری دل جوئی اور گوہر کا سیز فائر بھی اسے مسکرانے پر مجبور نہ کرسکا اور وہ چپ چاپ گھر کے کام نمٹانے کے بعد جاکر اپنے کمرے میں چھپ جاتی قسمت کی گردش حریم جبار کو کہاں سے کہاں لے آئی۔ نوکروں کی فوج پہ حکم صادر کرنے والی یہ کھلنڈری سی لڑکی جس کی خوب صورتی بڑے آرام سے دیکھنے والے کو اپنا اسیر کرلیتی یہاں آکر جیسے مرجھائی ہوئی کلی بن کر رہ گئی تھی۔

❁......☆......❁
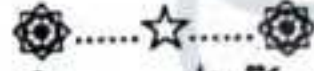
"پتری...... دیکھ تجھے سلیم بہت خوش رکھے گا' مرد کا کیا ہے وہ دوسری شادی کرے یا تیسری۔" ماں کے بعد وہ ان کی یاد میں آنسو بہانے بیٹھی کہ اس کی تائی نے کاندھے پر ہاتھ رکھ محبت جتاتے ہوئے ایک نئی بات اس کے کان میں پھونکی۔

چاچی کے انتقال کے بعد سلیم خان کی ہٹ دھرمی اس حد تک بڑھ گئی کہ وہ بہانے بہانے سے حریم کے اردگرد پروانوں کی طرح گھومنے لگا۔ اب اسے اپنی بیوی بھی زہر لگنے لگی تھی۔ جب وہ شوہر سے احتجاج کرتی تو بات بہ بات دھنک کر رکھ دیتا۔ فائزہ بھی انسان تھی کب تک بے جا ظلم برداشت کرتی، چھ ماہ کے بچے کو لے کر روتی ہوئی میکے جا بیٹھی یہاں پروا کسے تھی ان سب کی راہ کا کانٹا آپ ہی نکل گیا۔

"تائی اماں پلیز...... آپ کو پتا بھی ہے کہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" وہ ایک دم بھڑک اٹھی تو نذیراں نے بھی آنکھیں ماتھے پر رکھ لیں۔

"ہائے ہائے ایسی کون سی انوکھی بات کردی جو تو یوں پھاڑ کھانے والے انداز میں دیکھ رہی ہے۔" انہوں نے ماتھے پر بل ڈال کر دونوں ہاتھ نچاتے ہوئے کہا۔

"مجھے نہیں کرنی شادی وادی یہ خیال اپنے دل سے ہمیشہ کے لیے نکال کر باہر پھینک دیں۔" حریم نے بھی ہمت دکھائی اور اپنے ارادے سمیت ان کے سامنے عیاں ہوگئی۔

"تیرے منہ میں خاک شادی تو تیری ہونی ہی ہے وہ بھی میرے بیٹے سلیم سے...... آیا سمجھ۔" انہوں نے جما جما کر اس کے سامنے اپنی بات رکھی۔

"تائی کیوں فائزہ بھابی کی بددعا سمیٹتی ہیں میرا نہیں تو اپنے پوتے کے بارے میں ہی سوچیں۔" اس نے شرم دلانا چاہی مگر وہاں کوئی اثر نہ تھا۔

"دیکھ میری دھی وہ ایک کونے میں پڑی رہے گی رانی تو تو بنے گی مان جا ماں باپ تیرے ہیں نہیں بہن سات سمندر پار بیٹھی ہے ایسے میں ہم لوگ ہی تیرے اپنے ہیں تیرا برا نہیں چاہیں گے۔" انہوں نے پیار سے چمکارا کر اس کے گھنے بال سنوارے۔

"نہیں میں مر کر بھی سلیم بھائی سے شادی نہیں کروں گی اور آپ اپنی بھلائی کا جذبہ اپنے پاس رکھیں۔" اس کے اندر سے نفرت کی لہر اٹھی دو رہٹ کر ٹکا سا جواب دیا۔

"تو چاہتی کیا ہے...... ہاں دیکھ آرام سے مان جا تیرے تائے نے سن لیا تو غضب ہوجائے گا۔" انہوں نے تھوڑی پر ہاتھ رکھ اس کا چہرہ اپنی جانب گھما کر دھمکانا چاہا۔

"تائی کوئی سنتا ہے تو سن لے بلکہ ایسا کریں انہیں بلا لائیں میں خود ان کے منہ پر انکار کردیتی ہوں۔" ایک جنون سا اس کے سر پر سوار ہوا۔ پوری طاقت سے چیخی۔ نذیراں نے بڑھ کر اس کا منہ دبا دیا۔

"یہ بات دوبارہ مت کہنا۔ پتری کیوں خود کو زندہ در گور کرنے پر تلی ہے۔ تیرا انکار سن کر یہ لوگ تجھے اتنی آسانی سے جینے نہیں دیں گے۔" وہ چپکے چپکے اس کا منہ دبائے سمجھانے کا فریضہ انجام دیتی رہیں۔ حریم ایسے ڈھل گئی جیسے کسی نے کلیجہ نوچ ڈالا ہو، گھبرا کر انہیں دھکیل کر آہنی چنگل سے آزاد ہوئی اور گہری گہری سانس بھرنے لگی۔

"ممی...... آپ مجھے ایسے ظالم لوگوں کے بیچ کیوں چھوڑ گئیں۔" اس کی آنکھوں سے آنسو بہتے چلے گئے۔ تلخ لمحے جانے کیوں اس کا پیچھا نہیں چھوڑ رہے تھے۔

"کیا ہوا میری دھی رانی یہاں اکیلے میں بیٹھی کیوں رو

رہی ہے؟'' خورشیدہ نے بھانجی کو ایسے منہ دبا کر روتے دیکھا تو پیار سے پوچھا۔

''کچھ نہیں خالہ بس ممی پاپا کی یاد آرہی ہے۔'' اس نے خالہ سے بے اختیار لپٹ کر کہا تو خورشیدہ نے اسے اپنی بانہوں میں بھرلیا۔

''میری سوہنے رب سے دعا ہے کہ تیرے سارے غم خوشیوں میں ڈھل جائیں۔'' بھانجی کے دکھ پر خورشیدہ بھی دکھی ہوگئیں۔

......☆......
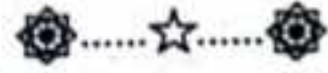
''بھائی ممتاز...... پھر کیا ارادہ ہے؟'' امیر احمد نے طنزیہ نگاہوں سے دکان کا شٹر گراتے ممتاز علی کو پیچھے سے پکارا۔

''کس بارے میں؟'' اس کا اکھڑ لہجہ امیر کے کانوں کو ناگوار گزرا۔

''واہ بھئی واہ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے بھائی میں اپنے پیسوں کے بارے میں پوچھ رہا ہوں جو تو نے ایک مہینے کے وعدے پر لیے تھے اب تو پورے چھ ماہ گزر چکے ہیں۔'' امیر علی نے اس کے سامنے کھڑے ہوکر آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جتایا۔

''وہ ہاں میں کب اس بات سے انکاری ہوں مگر آج کل تھوڑا ہاتھ تنگ ہے۔'' وہ امیر علی کے خشک انداز تخاطب پر تھوڑا گڑبڑا کر صفائی دینے لگا۔

''دیکھ بھائی پرانی دوستی کا خیال کرکے میں تجھے ایک مہینے کا وقت اور دیتا ہوں اس کے بعد اپنے طریقے سے پیسے وصول کروں گا تو پھر شکایت نہ کرنا...... آئی سمجھ۔'' امیر علی نے کاندھے پر پڑا ہوا رومال اس کے منہ پر جھاڑا اور تیز قدموں سے اپنی گاڑی کی جانب بڑھ گیا۔ ممتاز علی کا وجود پسینے پسینے ہوگیا ایک خوف سا اس کے وجود پر چھاتا چلا گیا۔

......☆......
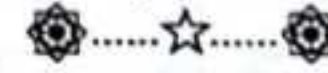
''جبار خان اپنی بیوی بشریٰ اور دو بیٹیوں فرحین اور حریم کے ساتھ ایک خوش گوار زندگی بسر کررہے تھے مگر ان کی زندگی میں اچانک کالی گھٹا چھا گئی۔ جب گاؤں میں رہنے والے بڑے بھائی شہباز خان نے اپنی فیملی کے ساتھ شہر میں شفٹ ہونے کا ارادہ باندھا اور بھائی پر زور ڈالتے ہوئے ان کے اوپر والے پورشن میں رہائش اختیار کرنے کی فرمائش کرڈالی۔

بشریٰ نے شوہر کی بات سن کر ان لوگوں کو اپنے گھر میں رکھنے پر ناک بھوں چڑھائی۔ انہیں پتا تھا کہ جٹھانی نذیراں کے لاڈ پیار اور جہالت نے ان کے دونوں لڑکوں سلیم اور کریم کو بری طرح سے بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ جبار خان بھائی کی محبت میں مجبوراً حامی بھر بیٹھے اور وہ سب خوشی خوشی شہر آگئے۔

جبار نے حفظ ماتقدم کے طور پر اوپر والے پورشن میں عقبی سمت سے سیڑھیاں بنوا کر ان لوگوں کا راستہ نیچے سے بالکل علیحدہ کروادیا۔ یوں ایک گھر میں رہنے کے باوجود وہ دونوں الگ زندگی گزارنے لگے۔ یہاں آکر بھی سلیم اور کریم کی روش نہ بدلی، پڑھائی میں دل لگانے کی جگہ الٹے سیدھے کاموں میں پڑگئے۔ والدین کی بے جا حمایت نے ان کی خودسری آسمان تک پہنچادی، بلاوجہ لوگوں سے تو تکار کرنے لگے چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑائی جھگڑا کرنے کی عادت بنالی۔

جبار خان بھائی کو اپنے یہاں بلا کر ایک نئی مصیبت میں پھنس گئے تھے۔ پہلے علاقے میں ان کا نام عزت سے لیا جاتا تھا، اب لوگ گھروں پر شکایات لے کر پہنچنے لگے۔ ایک ہی گھر میں مقیم ہونے کی وجہ سے لوگوں نے ان کی شرافت پر بھی انگلیاں اٹھانا شروع کردیں۔

جبار خان کو بھائی کے گھر کے بگڑے معاملات نے کافی رنجور کردیا اس پر محلے والوں کا دباؤ انہوں نے شہباز خان سے اس معاملے پر کئی بار بات کی بھتیجوں کو سمجھانا چاہا مگر سب بے سود رہا وہ سب الٹا جبار خان کا مذاق اڑاتے کہ شہر آنے کے بعد ان کی رگوں میں دوڑتا گرم خون ٹھنڈا پانی بن گیا ہے۔ وہ اپنا سا منہ لے کر نیچے والے پورشن میں لوٹ آتے۔ تھوڑے دنوں تک کہیں سے بھتیجوں کی کوئی شکایت نہیں آئی تو انہوں نے سکون کا سانس لیا۔ مگر یہ خاموشی تو بڑے طوفان کا پیش خیمہ ثابت ہوئی ایک دن شہباز خان مٹھائی اور پھلوں کے ٹوکروں سے لدے پھندے نیچے اترے اور سلیم کے لیے فرحین کا ہاتھ مانگ لیا۔ وہ دونوں میاں بیوی حیران و پریشان رہ گئے۔ ان لوگوں کی طرف ابھی اقرار یا انکار میں جواب بھی نہیں آیا کہ نذیراں نے بڑے فخر سے خاندان بھر میں یہ بات پھیلادی کہ فرحین تو سلیم کی منگ ہے۔ وہ اپنی پڑھی لکھی معصوم سی بیٹی کی شادی سلیم جیسے نکھٹو لڑکے سے کرکے اسے زندہ درگور کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے تھے۔ ویسے بھی جب سے ان کے کانوں میں بھائی کی یہ بات پڑی کہ......

''جبار کی کوئی اولاد نرینہ نہیں اس لیے ان کے مرنے کے

بعد جائیداد پر شہباز خان کا حق ہوگا۔ خاص طور پر سلیم کا جو کہ ان کا داماد بننے والا ہے۔" تو وہ دکھوں کے سمندر میں گرتے چلے گئے۔

ان باتوں پر جبار نے باز پرس کی تو رنجشوں نے جنم لیا۔ انہوں نے تنگ آکر رشتے سے صاف انکار کردیا جس پر دونوں خاندانوں میں میل ملاپ بالکل ختم ہوکر رہ گیا۔ بشریٰ نے جیٹھ کی فیملی سے قطع تعلقی کا پورا فائدہ اٹھایا اور چپکے چپکے کوشش کرتے ہوئے فرحین کے لیے ایک اچھے خاندان میں لڑکا ڈھونڈ کر اندر ہی اندر رشتہ طے کرنے کے بعد اچانک شادی کی تاریخ کا اعلان کر کے خاندان بھر میں کارڈ بانٹ دیئے۔ شہباز خان کو جب تک یہ بات پتا چلی، شادی کے انتظامات ہوچکے تھے۔ انہوں نے اس بات پر بھائی سے خوب جھگڑا کیا مگر ہونی کو کون ٹال سکتا ہے۔ فرحین بیاہ کے بعد اپنے شوہر ارسلان چوہدری کے ساتھ بیرون ملک چلی گئی۔ اس دوران دونوں میاں بیوی کی سانس سینے میں اٹکی رہی۔ یہ کام بخیر وخوبی انجام پاگیا تب کہیں جاکر ان سب نے سکون کا سانس لیا۔

نذیراں کو دیورانی کے اقدام نے دھچکہ پہنچایا۔ وہ بھی ضد میں آگئیں اور بیٹے کی مرضی کے خلاف ایک متوسط گھرانے سے فائزہ کو بیاہ لائیں۔ ڈھونڈ تو وہ تگڑا سمدھیانہ رہی تھیں مگر بیٹے میں کوئی گن ہوتے تب نا ہر جگہ منہ کی کھانے کے بعد فائزہ سے بیٹے کی شادی کردی جو والدین کے انتقال کے بعد بھابھیوں کے سینے پر مونگ دل رہی تھی۔ فرحین کی شادی کے بعد شہباز خان کی خواہش سینے میں ناسور بن کر رہ گئی۔ انہیں بھتیجی سے زیادہ بھائی کی جائیداد سے محبت تھی۔ اپنی گاؤں کی زمینیں تو انہوں نے عیاشیوں کی نذر کردی تھی۔ اب جو کچھ بھی ملنا تھا وہ یہیں سے ملنا تھا۔ کچھ اور نہ بن پڑا تو ان لوگوں نے جبار خان کو بلاوجہ تنگ کرنا شروع کردیا۔ بھائی اور ان کے بیٹوں کا کینہ توز رویہ جبار خان کے لیے ناقابل برداشت ہونے لگا۔ ایک دن دل کا دورہ پڑا اور وہ جانبر نہ ہوسکے۔

انتقال سے ایک ہفتہ قبل جانے ان کے دل میں کیا سمائی انہوں نے اپنی جائیداد بیوی کے نام کردی۔ بشریٰ کافی نڈر خاتون تھیں۔ شوہر کے انتقال کے بعد بھی انہوں نے شہباز خان کی فیملی کو حریم سے دور رکھنے کے لیے گھر سے چلے جانے کا کہہ دیا۔ انہوں نے جانے سے انکار کردیا۔ بشریٰ نے اپنے وسیع تعلقات کی بناء پر پولیس کے ذریعے انہیں وارننگ بھی دلوائی یوں معاملہ اس بات پر طے پایا کہ وہ اگر جبار ہاؤس میں رہائش پذیر رہنا چاہتے ہیں تو بشریٰ اور حریم کی زندگی سے دور رہیں گے جب تک وہ زندہ رہیں شہباز اور ان کے بیٹوں کے حوصلے پست رہے مگر بشریٰ کے دنیا سے چلے جانے کے بعد جیسے سب کچھ بکھر کر رہ گیا۔ وہ یتیم بھتیجی کے اکیلے رہ جانے کا جواز گھڑ کر ہمدردی دکھاتے جبار ہاؤس کے نچلے پورشن میں بھی گھس آئے۔ حریم ماں کے غم کو سینے سے لگائے اپنے کمرے میں بند پڑی رہتی۔ سلیم کو ایسے میں کھل کر کھیلنے کا موقع مل گیا۔ اس نے حریم کو ہراساں کرنا شروع کردیا۔ بہانے بہانے سے اس کے کمرے کا چکر لگاتا۔ وہ جمن بوا سے لپٹ کر خوب روتی۔ شہباز اور نذیراں نے بھی بیٹے کی مکمل پشت پناہی جاری رکھی وہ چاہتے تھے کہ حریم ان کے بیٹے سلیم کی دوسری بیوی بن جائے، کیوں کہ فرحین کی شادی کے بعد سے اس نے ضد باندھ رکھی تھی کہ وہ چچا کی بیٹی سے شادی ضرور کرے گا۔ بھلے دوسری ہی سہی۔ اس معاملے میں اس نے چھوٹے بھائی کو دور رکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔

حالات اس نہج تک جا پہنچے کہ حریم نے رو رو کر فرحین کو ساری بات بتائی اور پاکستان آنے سے منع کردیا۔ ویسے بھی وہ ماں بننے والی تھی۔ ڈاکٹر نے اسے طویل سفر کرنے سے منع کیا تھا اسی لیے ماں کے انتقال پر بھی نہ آسکی۔ ان سب باتوں سے دل برداشتہ ہوکر حریم اپنے کمزور وجود کے ساتھ حالات سے لڑنے کے لیے کمر کس کر میدان میں اتر آئی۔

☆
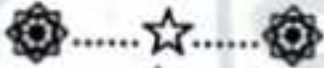
ممتاز علی جلتے بھنتے دکان سے گھر لوٹے تو دل ودماغ کی کھولن انتہاؤں تک جا پہنچی۔ دروازے پر لات رسید کرتے اندر داخل ہوئے شومئی قسمت سامنے ہی تخت پر حریم بیٹھی دکھائی دی جو مزے سے پاؤں ہلاتی چائے میں رسک ڈبو ڈبو کر کھاتے ہوئے زہر سے بدتر لگ رہی تھی۔

"ارے غیرے مفت خورے۔" حریم کا مسکراتا چہرہ دیکھ کر ممتاز علی کے تن بدن میں جیسے آگ سما گئی، اسے گھورتے ہوئے ہاتھ میں تھاما تھیلا سائیڈ میں پٹخا۔

"السلام علیکم خالو!" اس نے جلدی سے سنبھل کر سلام داغا جس کا جواب اشارے سے دیا گیا۔

"اگر یہ لڑکی اپنے ساتھ کچھ مال ودولت بھی لے آتی تو

حالات کتنے مختلف ہوتے، یوں ٹکے ٹکے کے لوگوں سے ادھار کرکے اپنی دکان نہیں چلانی پڑتی۔'' ممتاز علی نے ایک ہاتھ سے ہینڈ پمپ چلاتے ہوئے منہ پر پانی کے چھینٹے مارتے ہوئے جلبلا کر سوچا۔

''خورشیدہ مجھ غریب کو بھی آکر پوچھ لے یا اس گھر پر صرف مفت خوروں کا راج ہے۔'' شوہر کی دھاڑ پر خورشیدہ جلدی سے اندر سے باہر آئیں۔ حریم کو خالو کی بات پر ایک دم پھندا لگا چائے کا کپ ایسے ہی تخت پر چھوڑا اور اندر کی جانب بڑھ گئی۔ وجود پر چیونٹیاں سی رینگنے لگی۔ قسمت نے آج یہ دن بھی دکھانا تھا۔ ایک ایک نوالے کا حساب و کتاب دینا ہوگا۔

☆
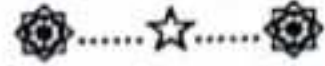
شہباز خان اس بات سے بے خبر تھے کہ بھائی نے مرنے سے قبل اپنی تمام جائیداد بیوی اور بیٹی کے نام کردی تھی۔ وہ تو اسی خوش فہمی میں مبتلا رہے کہ دونوں بھتیجیوں کے ساتھ ساتھ بھائی کی جائیداد میں ان کا بھی حصہ ہوگا۔ فرحین تو ویسے بھی یہاں موجود نہ تھی اور حریم کی شادی بڑے والے سلیم سے کرنے کے بعد ان کی پانچوں انگلیاں گھی میں اور سر کڑاہی میں ہوجاتا مگر شومئی قسمت کہ نذیراں نے دیور کی بیٹی پر رعب جمانے کے لیے شوہر کی منصوبہ بندی کا بھانڈا پھوڑ دیا۔ یہ بات حریم کے حق میں ایک طرح سے اچھی ثابت ہوئی اور وہ چوکنا ہوکر موقع کی تلاش میں رہنے لگی۔ ایک دن جب تایا اور اس کے کزنز گاؤں گئے ہوئے تھے۔ بھری دوپہر میں جمن نے نذیراں کے بالوں میں تیل لگایا تو آنکھیں نیند سے بند ہونے لگیں۔ وہ اے سی چلا کر کمرہ بند کرکے سوگئیں۔ جمن نے اشارے سے اسے وہاں سے جانے کا کہا۔ حریم نے اپنے ضروری کاغذات، تھوڑے سے پیسے اور ماں کے سارے زیورات سمیٹ کر ایک بیگ میں ڈالے اور بوا جمن کی مدد سے پچھلے دروازے سے بھاگ نکلی۔ فوراً ہی رکشہ پکڑ کر بس اسٹینڈ پہنچی اور ملتان جانے کے لیے ٹکٹ کٹوا کر منہ چھپا کر بس میں بیٹھ گئی۔ ہوش اور مدہوشی کی کیفیت میں خالہ خورشیدہ کے گھر کے دروازے تک پہنچی اور اندر داخل ہوتے ہی ان کی مہربان بانہوں میں جھول گئی۔

شہباز خان نے حریم کو غائب پاکر گھر میں ایک ہنگامہ کھڑا کردیا۔ نذیراں کو دو ہاتھ بھی لگائے، جو ایک بالشت بھر کی لڑکی پر قابو نہ پاسکی۔ تاہم بھتیجی کی گمشدگی کا خاندان میں چرچا ہونے نہیں دیا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی ان کی طرف سے مشکوک ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ سلیم اور کریم باپ کے ساتھ مل کر کزن کی تلاش میں کمربستہ ہوگئے۔ حریم کا خورشیدہ کے گھر پناہ لینے کی بات تو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔

دوسرے شہر میں ہونے کی وجہ سے اتفاق سے شہباز خان کا کبھی خورشیدہ سے آمنا سامنا نہیں ہوا تھا۔ بشریٰ اپنی زندگی میں خود بھی اس معاملے میں کافی محتاط رہی ویسے بھی وہ جیٹھ کی فیملی سے اتنی قریب نہ تھی کہ اپنے معاملات میں ان لوگوں کو دخل اندازی کرنے دیتی۔ اسی لیے یہ گھر حریم کے لیے بہترین جائے پناہ ثابت ہوا۔

☆
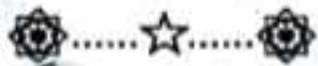
''حریم اتنی چپ چاپ کیوں رہنے لگی ہو۔'' گوہر نے اسے کافی دیر سے نیم کے درخت کے تنے کو کریدتے دیکھا تو نزدیک آکر پوچھا۔

''پھر کیا کروں؟'' حریم نے ہلکی سانس بھر کے اپنا رخ اس کی جانب موڑا۔

''شہزادی صاحبہ کو لگتا ہے کہ ہماری کوئی بات بری لگ گئی۔'' گوہر نے چھیڑنے کی غرض سے کہا مگر اسے یہ لفظ جاکر سیدھا دل پر لگا۔

''میں تو اپنی ممی کی شہزادی...... تھی وہ نہ رہی تو سڑکوں پر آگئی۔'' حریم بڑی اذیت سے مسکرائی۔ گوہر کو ایک پل کے لیے اپنے اعصاب شل ہوتے ہوئے محسوس ہوئے۔

''پلیز ایسے تو نہ کہو۔'' حریم نے نگاہ اٹھا کر گوہر کو دیکھا۔ جس کا چہرہ اس کی بات سنتے ہی یک دم یاسیت کی لپیٹ میں آگیا تھا۔

''یہ نہ کہوں تو اور کیا کہوں۔'' اس نے منہ پھیر کر اپنے آنسو چھپائے مگر ہونٹوں سے نکلتی سسکی نے چغلی کھائی۔

''تم رو رہی ہوناں؟'' گوہر نے بے قرار لہجے میں پوچھا اور اس کا رخ اپنی جانب پھیرا۔

''ہاں گوہر...... میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ممی کے جانے کے بعد اتنی تنہایوں اکیلی رہ جاؤں گی۔'' حریم نے بھیگی آنکھوں سے نظر بھر کر گوہر کو دیکھا۔

''کیوں ہم لوگ تمہارے کچھ نہیں لگتے کیا؟'' اس کی سوالیہ نگاہوں کے جواب میں حریم نے خاموشی اختیار کرلی۔

''چلو موڈ ٹھیک کرو باہر واک کرتے ہیں، اس کے بعد

بابدولت تمہارے پسندیدہ فلیور کی آئس کریم کھلائیں گے۔‘‘ گوہر نے اس کا نازک سا ہاتھ تھام کر تسلی دی۔

’’آج...... دل نہیں کر رہا پھر کبھی سہی۔‘‘ حریم کے نرم لبوں کی تراش میں مدھم سی مسکراہٹ بکھری۔

’’مجھے پتا ہے کہ تم ابا کی باتوں سے ہرٹ ہوئی ہو مگر کیا کریں ان کا رویہ میرے اور اماں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہے۔‘‘ گوہر کے لہجے میں اس کے لیے فکر اور محبت تھی، اسی لیے سمجھانے لگا۔

’’میں کروں تو کیا کروں خالو ممتاز کی طعنہ دیتی نگاہیں اور تحقیر آمیز لہجہ کبھی کبھی ناقابل برداشت ہونے لگتا ہے روٹی کا ایک ایک نوالہ میرے حلق میں جیسے اٹک جاتا ہے۔‘‘ گوہر کی بات پر زخموں سے کھرنڈ ہٹا، دکھ بہہ نکلا، گوہر اس کی لاچاری پر بے قرار ہوا تھا۔

’’چند دنوں تک مزید صبر سے کام لے لو...... میں اپنی پوری کوششوں میں لگا ہوا ہوں ان شاء اللہ حالات بدل جائیں گے۔‘‘ وہ حریم کو جانے کیا سمجھانا چاہ رہا تھا۔ امید کی کون سی کرن اسے تھما کر جینے کی نئی راہ دکھا رہا تھا۔

’’بے غیرتی کی ایسی زندگی گزارنا گوارا نہیں مگر مجبوی سی مجبوری......‘‘ اس نے گوہر کی باتوں کو سنی ان سنی کرتے ہوئے خود پر غصہ اتارا اور گھنے بالوں کو سمیٹتے ہوئے وہاں سے ہٹ گئی۔ گوہر نے سرد آہ بھر کر اسے جاتا دیکھا۔

’’اس گھر میں رہتے ہوئے ممتاز علی کی چھوٹی باتوں کو برداشت کرنا حریم کے ضبط کا بہت کٹھن امتحان ثابت ہو رہا تھا۔ یہ سب بہت کڑا سہی مگر اس کی مجبوری تھی کیوں کہ آج وہ مجبور ہو کر ان کے در پر جو آپڑی تھی۔

❁......☆......❁
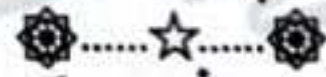
’’خورشیدہ یہ بتا تیری بھانجی کا قیام کچھ زیادہ ہی طویل نہیں ہو گیا؟‘‘ ممتاز علی جب سونے کے لیے پلنگ پر دراز ہوئے تو کروٹ بدل کر بیوی سے استفسار کیا۔

’’جی اس بے چاری نے اب کہا جانا ہے؟ بس ہمارے ساتھ ہی رہے گی۔‘‘ خورشیدہ نے لہجے میں فرماں برداری سمو کر جواب دیا۔

’’کیوں میں نے تیرے رشتے داروں کے لیے کوئی یتیم خانہ کھول رکھا ہے کیا؟‘‘ وہ غصے میں جل بھن گئے۔

’’ایسے کیوں بولتے ہو جی اللہ نے ہمیں نیکی کا ایک موقع دیا ہے اسے بلاوجہ کی باتوں میں پڑ کر ضائع کرنے کا کیا فائدہ؟‘‘ خورشیدہ نے لجاحت سے شوہر کو سمجھانا چاہا۔

’’ہاہا ساری نیکیاں بس ہم ہی سمیٹ لیں اچھا ایک بات سن یہ لڑکی اپنی جائیداد تو چھوڑ آئی ہے۔ کوئی زیور پیسہ بھی ساتھ لائی ہے کہ نہیں؟‘‘ وہ بیوی کے نزدیک ہو کر رازداری سے پوچھنے لگے۔

’’توبہ کرو جی اس نے کیا چھپا کر لانا تھا اپنی جان بچا کر آگئی یہ ہی بہت ہے۔‘‘ خورشیدہ نے شوہر سے نگاہیں چراتے ہوئے صفا جھوٹ بولا۔

’’ہونہہ جان کا ہم نے کوئی اچار ڈالنا ہے کیا۔‘‘ ممتاز علی نے پہلے خورشیدہ کے چہرے کے تاثرات کو جانچا پھر چڑ کر جواب دیا۔

’’آپ اتنے غصے میں کیوں ہو جی؟‘‘ خورشیدہ شوہر کی رگ رگ سے واقف تھی فوراً ہی پوچھا۔

’’غصہ نہ کروں تو کیا کروں دکان میں دوست سے پیسے ادھار لے کر مال ڈلوایا تھا اس کے تقاضے بڑھتے جا رہے ہیں مگر ادھار ادا نہیں ہو پا رہا اگر فوری طور پر پیسے نہ دیئے تو......‘‘ انہوں نے بیوی کے ہاتھ میں پڑی سونے کی پتلی سی چوڑی کو جانچتے ہوئے سارا قصہ بتایا۔

’’میں کہتی ہوں ایسی دکان کا بھلا فائدہ کیا جو نفع دینے کی جگہ نقصان دیتی ہو سارا دن آپ کے آوارہ دوست دکان میں بیٹھ کر مفت میں چائے بسکٹ اڑاتے ہیں اسی لیے کاروبار کی ساری برکت اڑ گئی ہے۔‘‘ وہ جھنجلا کر بولیں۔

’’بک بک نہ کر اگر بھانجی کو یہاں رکھنا ہے تو اس سے بول مجھے دس ہزار روپے کا انتظام کر کے دے؟‘‘ ممتاز نے بیوی کو جذباتی بلیک میلنگ کا شکار بنایا۔

’’وہ اتنے پیسے کہاں سے لا کر دے گی جی؟‘‘ خورشیدہ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

’’تجھے اس سے بڑی ہمدردی آرہی ہے نا پھر ایسا کر اس کی جگہ تو پیسوں کا انتظام کر دے۔‘‘ ممتاز نے بیوی کو دیکھ کر مکاری سے کہا۔

خورشیدہ نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولنا چاہا پھر نگاہیں اپنی اکلوتی چوڑی پر گئیں۔ ٹھنڈی سانس بھر کر اتار کر شوہر کو تھما دی۔

❁......☆......❁

فرحین سے کافی دیر بات کرنے کے بعد خوش خوش اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ حریم کو دکھی دیکھنے کا وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس کی کزن ہی نہیں پہلی چاہت بن کر روم روم میں سماتی چلی جارہی تھی۔ حسین چہرے پر چھائی اداسی کی ایک لکیر بھی گوہر کو پاگل کرنے کے لیے کافی ہوجاتی۔ جب سے حریم یہاں پناہ لینے آئی تھی وہ زندگی کے ایسے مذاق پر حیران رہ گیا تھا، عرش سے فرش تک کا سفر اس نے کیا مگر پریشان وہ ہوا، اس کا شاندار ماضی اور ذات کا طنطنہ نگاہوں میں پھر جاتا تو عجیب سی شرمندگی آگھیرتی۔

جبار ہاؤس میں ناز سے اٹھلانے والی، یہاں ایک معزول شہزادی کی سی زندگی گزارنے پر مجبور ہوگئی تھی، اپنے گھر کا عیش وآرام بھلا کر ایک قیدی کی طرح خاموشی سے سر جھکائے، ان لوگوں کی محتاج بن کر رہ گئی تھی۔ گوہر نے اسی وقت دل میں عہد کیا کہ وہ حریم کو پہلے سے بھی اچھی زندگی دے گا۔ خورشیدہ کے منع کرنے کے باوجود جب وہ سارے کام اپنے ہاتھوں سے انجام دیتی جو اس نے پہلے کبھی کرنے کا سوچا بھی نہ تھا تو گوہر اس کی ہمت پر دل ہی دل میں داد پیش کرتا۔ وہ معصوم سی شکل بنا کر ٹی وی کے آگے بیٹھتی تو اسے ٹوٹ کر پیار آتا ایک یہ ہی شوق تو باقی رہ گیا تھا۔ وہ حریم کے لیے بہت کچھ کرنا چاہتا تھا مگر کر نہیں پارہا تھا۔ اچانک جیسے سرا ہاتھ آگیا اور اس کی مشکل آسان ہوگئی۔ وہ جو دل کے قریب بے حد قریب آتی جارہی تھی اسے کسمپرسی بھری زندگی سے نکالنے کے لیے جوان بازوؤں میں توانائی بھرگئی۔

کیسا انوکھا رشتہ تھا ان دونوں کے بیچ کبھی محبت کا اظہار نہیں ہوا پھر بھی گوہر کو اپنی چاہت پر مکمل یقین تھا اندھا اعتماد تھا مگر وہ پہلے خود کو اس کے قابل بنانا چاہتا تھا پھر اس کا ہاتھ تھامنے کا سوچے بیٹھا تھا۔ اسی لیے جبر کا راستہ اختیار کیا اور اپنے جذبوں کو سینے میں چھپالیا۔ چند دنوں پہلے تک اس کی اداس صورت اور روتی آنکھیں دیکھ کر اعصاب پر دباؤ بڑھنے لگتا۔ وہ عجیب دوراہے پر آکر کھڑا ہوا تھا۔ اسے یوں لگتا کہ وہ چاہ کر بھی حریم کے معیار تک نہیں پہنچ پائے گا۔ مگر آج ایسی خوشی ملی کہ اس کے قدم زمین پر نہیں ٹک رہے تھے وہ آسمانوں پر اڑنے لگا۔

⚙......☆......⚙

''میں بشریٰ جبار کی بیٹی ہوں جنہوں نے ہمیشہ لوگوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا آج میں اتنی مجبور کیسے ہوگئی؟'' اس نے آئینے میں اپنا مرجھایا ہوا عکس دیکھا، جھیل سی آنکھوں میں پانی ڈبڈبایا پھر بھی خود کو حوصلہ دیا۔

''کیا کروں؟'' وجود میں پھیلی بے چینی سے پریشان ہوکر کمرے میں چکر لگاتے ہوئے سوچا، ایسا لگا جیسے دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا ہو وہ، تھک کر بستر پر بیٹھ گئی ہاتھوں سے نرم گداز پیروں کو دبایا، وحشت سے ادھر ادھر دیکھا کھڑکی سے ہوا کا جھونکا آیا اور سامنے پڑا اخبار پھڑ پھڑا کر بکھر گیا اس نے جلدی سے انہیں سمیٹا تو نگاہ ایک اشتہار پر جم گئی۔ ملازمت والا صفحہ ہاتھ میں لے کر پڑھنا شروع کیا تو ذہن میں ایک دم جھماکا ہوا۔ جلدی سے نگاہیں مطلوبہ اشتہار پر دوڑا ئیں اور پین سے اس ویکینسی کے گرد دائرہ کھینچ دیا۔ وہ مطلوبہ کوائف پر پوری اترتی تھی۔ حریم کے دل میں جیسے اطمینان کی لہر دوڑنے لگی پیاری سی مسکراہٹ لبوں کے نرم گوشوں سے جھانک اٹھی۔ اس نے دوبارہ اشتہار کو پڑھا اور اٹھ کر الماری سے اپنا براؤن بیگ نکالا جس میں وہ جبار ہاؤس سے اپنی اسناد ساتھ لے کر آئی تھی۔

''اوہ میرے اللہ یہ کیا'' اس نے بیگ کھول کر سارے ڈاکومنٹس نکال کر چیک کیے کاغذات تو موجود تھے مگر اس کی ماں کی نشانی سونے کے قیمتی زیورات غائب ہوچکے تھے اس نے ایک بار نہیں کئی بار بیگ کی تلاشی لی مگر بے سود۔ ایک چھلا بھی نہ بچا سب غائب تھا۔ وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی ایک بار پھر قسمت نے ہاتھ دکھا دیا۔ اعتبار کا شیشہ کرچی کرچی ہوگیا، اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی قطار بہہ نکلی۔

''لوگ اپنا بنا کر دھوکا کیوں دیتے ہیں اس سے بہتر ہے کہ ایک جھٹکے میں جان لے لیا کریں۔'' اس کا وجود چیخا۔

''ایسے روز روز کے مرنے سے بہتر ہے کہ سامنے والا گلا گھونٹ کر ایک لمحے میں ختم کردے۔'' وہ بری طرح سے رو دی۔ اسے زیور جانے سے زیادہ اپنا مان ٹوٹنے کا دکھ تھا۔

کافی دیر غم منانے کے بعد حریم نے اس بارے میں کسی سے کوئی بات نہ کرنے کا فیصلہ کیا اور آنکھیں نرم ہتھیلی سے رگڑ کر خشک کرلیں۔ ایک ہی بات ذہن پر سوار تھی کہ وہ جب تک اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل نہ ہوجائے یہ آخری ٹھکانا نہیں چھوڑے گی۔

⚙......☆......⚙

''٨
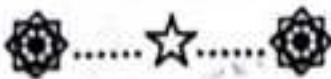
گوہر ممتاز مسکراتا ہوا اس کے برابر والی کرسی پر چپکے سے آ کر بیٹھ گیا۔ حریم نے نگاہ اٹھا کر دیکھا، بلیک کرتا شلوار میں اس کی غضب کی اسمارٹنس بے حد نمایاں ہو رہی تھی۔ وہ بھرپور مردانہ وجاہتوں کا شاہکار تھا۔ جب ہی تو حریم کے دل پر ایک دم قابض ہو بیٹھا مگر آج جانے کیوں اتنا دور دور لگ رہا تھا شاید دیکھنے کا انداز بدل گیا تھا۔

"شکر ہے تم مل گئی۔" گوہر نے بیٹھنے کے بعد پھولی سانسیں بحال کرتے ہوئے دونوں ہاتھ اٹھا کر اظہار تشکر کیا۔

"کیوں میں کیا کہیں کھو گئی تھی؟" حریم نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا، گوہر کی نگاہیں اس کے دلکش چہرے پر نثار ہونے پر مجبور تھیں۔

"مجھے تو کچھ ایسا ہی لگا۔" وہ شوخ ہوا۔

"اور جو میں سچ مچ کھو جاؤں تو؟" حریم نے اسے گہری نگاہوں سے تکنا شروع کیا۔ وہ اس کے دل میں جھانکنا چاہتی تھی، بدگمانی نے بوکھلا ڈالا تھا۔

"کیا بات ہے حریم! کوئی پریشانی ہے؟" گوہر کا انداز اپنائیت آمیز ہو گیا۔

"نہیں تو میں بھلا کیوں پریشان ہوں گی۔" حریم نے بے فکری سے شانے اچکا کر بے پروائی کا تاثر دیا۔ وہ گوہر کی نگاہوں کے سامنے اپنے من کے بھید کھولنے کی ہرگز حامی نہ تھی۔

"بتاؤ نا کیا ہوا ہے کیا ابا نے پھر کچھ کہہ دیا؟" گوہر نے اس کی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کی وہ کچھ کھوجنے میں کوشاں رہا۔

"آں کچھ نہیں..... تم بتاؤ کیا کام ہے؟" حریم نے خود پر قابو پایا، اس کا چہرہ بظاہر بے تاثر تھا..... کہ اس خموشی کے پیچھے کون سا بڑا طوفان کروٹیں لے رہا ہے۔ یہ بات تو بس اس کا دل ہی جانتا تھا۔

"یار..... کینیڈا سے میری فیلڈ کی جاب کی آفر آئی ہے دعا کرو کہ میرا کام بن جائے یہ ہی بات شیئر کرنے کے لیے تمہیں ڈھونڈ رہا تھا۔" اس نے بڑی محبت اور حق سے سے بتایا، خوشی اس کے چہرے پر چھائی ہوئی تھی۔

"اچھا پھر تو تمہیں اس کے لیے خطیر رقم کی ضرورت ہوگی۔" اس نے چونک کر مشتبہ نگاہوں سے گوہر کو دیکھا۔

"ہاں خرچہ تو بہت ہوگا مگر اس کا انتظام میں نے کر لیا ہے بس تم دعا کرو ایک بار میری وہاں جاب ہو جائے تو ساری چیزوں کا مداوا ہو جائے گا۔" گوہر اس کے دل میں پھیلے اندیشوں سے انجان بنا مسکرا مسکرا کر اسے اپنی خوشیوں میں شریک کرنا چاہ رہا تھا۔

"ہونہہ مگر ایک بات کا خیال رکھنا بعض باتیں ناقابل تلافی ہوتی ہیں اور کچھ چیزوں کا مداوا ممکن ہی نہیں ہوتا۔" حریم نے اسے بغور دیکھا اور دھیرے دھیرے لب ہلائے۔

"تم فکر نہ کرو میری جان میں ایک بار باہر چلا جاؤں تو تمہاری ساری محرومیاں دور کر دوں گا میں جانتا ہوں اس چھوٹے سے گھر میں رہتے ہوئے بھی تم جبار ہاؤس میں گھوم پھر رہی ہوتی ہو میں تمہیں اس سے بھی اچھا گھر بنا کر دوں گا۔" گوہر نے اپنے قریب بیٹھی حریم کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

وہ اس کی اداسی کو گھر سے دوری پر محمول کر رہا تھا اسے زندگی کی خوشیوں سے نوازنے کا سوچتے ہوئے گوہر کے چہرے پر سکون پھیل گیا۔

"لوگ دوسروں کا سکون چھین کر اتنا پرسکون کیسے رہ سکتے ہیں؟" حریم نے گوہر کے خوبرو چہرے کو بغور دیکھ کر سوچا مگر وہ اپنی دھن میں مگن رہا۔

گوہر نے خود کو ہمیشہ حریم سے کمتر جانتے ہوئے اپنے جذبے اس سے چھپا کر رکھے، وہ جب بھی حریم سے اپنی محبت کا اعتراف کرنے کا سوچتا، ڈر جاتا کہ کہیں اس کی سچی اور بے ریا محبت بدگمانی کا شکار نہ بن جائے، حریم اسے لالچ کا نام دے کر رد نہ کر بیٹھے۔ وہ دن شاید اس کے لیے جان لیوا ثابت ہوتا مگر اب امید کی ایسی روشنی پھوٹی کہ وہ خوشی سے جھوم اٹھا۔

✿.....☆.....✿
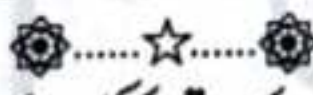
ملتان پہنچنے کے بعد ملک اقرار کو کئی دن تک تو فیکٹری کے کاموں نے سر اٹھانے کی فرصت نہیں دی۔ اس سیکٹر میں لگائی جانے والی فیکٹری کی کارکردگی اس حد تک خراب ہوگی یہ بات تو اس کے وہم وگماں میں نہ تھی، ان حالات پر ابھی بہت محنت اور توجہ کی ضرورت محسوس ہوئی اور وہ بھرپور توجہ دینے کے ساتھ قابل اور نئے لوگوں کی بھرتی کے کام میں بھی جت گیا۔ اخبار میں اشتہار دیا گیا۔ ایک طویل اور بور انٹرویو کے بعد جیسے اسے اپنا گوہر مقصود مل گیا۔

انٹرویو کے لیے آنے والی حریم جبار سے بات کر کے، ملک اقرار کا دل مطمئن ہو گیا، اسے اپنی فیکٹری میں پبلک

ریلیشن منیجر کے طور پر جیسی قابل لڑکی کی تلاش تھی، اس پوزیشن کے لیے وہ پرفیکٹ ثابت ہوئی، جواں سالہ اقرار جو خود بھی بیرون ملک سے تعلیم حاصل کرکے اپنے باپ کا بزنس آگے لے جانے کا ارادہ رکھتا تھا، ایسے ہی قابل لوگوں کی تلاش میں مشغول تھا۔ وہ حریم کی قابلیت اور شستہ لب ولہجہ سے خاصہ متاثر ہوا۔ ملک اقرار نے سامنے پھیلی اس کی اسناد اور فائل پر ستائشی نگاہ ڈالنے کے بعد سادہ لباس میں ملبوس اس لڑکی کے وقار کو خصوصیت سے محسوس کیا اور آفیشل فارملیٹی کو ایک طرف رکھتے ہوئے اسے فوری طور پر جاب ملنے کی نوید سنادی۔ وہ جیسے خوشی سے کھل اٹھی مگر ظاہر نہ ہونے دیا اور ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بڑی متانت سے شکریہ ادا کیا۔

''یہ لڑکی کتنا پیارا مسکراتی ہے۔'' اقرار نے بغور دیکھتے ہوئے سوچا اور پہلی بار ذرا دھیان سے اُس کا مکمل جائزہ لیا۔ چوٹی کی شکل میں گندھے ہوئے بھورے گھنے بال، نازک کلی سے گلابی ہونٹ، جھیل سی گہری شفاف آنکھیں اور مخملیں نرم جلد جس سے سنہری روشنی سی پھوٹ رہی تھی۔ سادگی کے باوجود وہ سامنے والے کو اپنے سحر میں جکڑنے کی صلاحیتوں سے مالا مال تھی۔ کئی گھاٹوں کا پانی پینے والا ملک اقرار لمحے بھر کو مبہوت رہ گیا۔

''سر...... میں جاؤں۔'' نئے باس کو ایک ٹک گھورتا دیکھ کر۔ حریم کے ماتھے پر ناگواری کی شکن پھیل گئی۔ اسے محتاط ہونے کا اشارہ ملا تو نگاہیں چراتے ہوئے لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہوگیا۔

''اوکے مس بیسٹ آف لک۔'' اس کے اندر کا ملک بیدار ہوا بے نیاز بننے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''تھینک یو سر۔'' حریم نے بھی نارمل انداز میں شکریہ ادا کیا اور پیون کی معیت اپائمنٹ لیٹر لینے کے لیے ایڈمن آفس کی جانب روانہ ہوگئی۔

''ملک صاحب ذرا دل پر قابو رکھیں بھلا یہ بھی کیا سوچتی ہوگی کہ ہم اپنے یہاں کام کرنے والی لڑکیوں پر ایسی تنظمی نگاہ رکھتے ہیں؟'' اقرار نے حریم کے کمرے سے نکلتے ہی خود کو سرزنش کی اور گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرنے کے بعد ایک طویل انگڑائی لی۔

⚜......☆......⚜
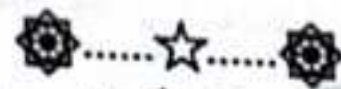
گوہر کئی گھنٹوں سے احمقوں کی طرح سڑکوں، بازاروں اور بسوں کے اڈوں پر حریم کو ڈھونڈتا پھر رہا تھا دل تھا کہ جیسے ڈوبے جارہا تھا۔

''وہ کہیں اپنے تایا کے ہتھے تو نہیں چڑھ گئی۔'' عجیب عجیب سے وسوسے اس کے گرد اپنا پھندا کس رہے تھے۔

''اماں کو بھی آج ہی فوتگی میں جانا تھا۔'' اس نے گھبرا کر سوچا۔

''صبح جب اماں ابا کے ساتھ جانے کو نکلی تو حریم گھر پر ہی تھی۔ اب کہاں غائب ہوگئی۔'' اس نے بائیک پر کک مارتے ہوئے ایک ہی سوال کو بار بار دہرایا۔

وہ شام کو جب آفس سے لوٹا تو لکڑی کے دروازے پر بڑا سا لوہے کا تالا دکھائی دیا۔ پڑوس والی خالہ کے بچے نے اس کی بائیک دیکھ کر جلدی سے چابی لا تھمائی۔

''پپو باجی کہاں گئی ہیں؟'' حریم کے بارے میں پوچھنے پر بچے نے کاندھے اچکائے اور اپنے گھر کے اندر چلا گیا۔ گوہر نے تالا کھول کر اسے اندر بھی تلاش کیا، گلی میں بھی ایک دو گھروں میں پتا کروایا مگر سب بے سود ثابت ہوا تو وہ باہر نکل کھڑا ہوا۔ ہر جگہ تلاش کرنے کے بعد وہ دل شکستہ اور مایوسی کے ساتھ واپس لوٹ آیا۔ ناامید ہوکر صحن میں بچھی چارپائی پر بے دم سا گر کر لیٹ گیا۔ آس ٹوٹ گئی یوں لگا جیسے جسم سے روح کھینچ کر نکال لی ہو دل ودماغ میں شور بپا ہوا ساتھ ہی بیرونی دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں۔

''کاش حریم آگئی ہو۔'' تیزی سے اٹھ کر بیرونی دروازہ کی طرف بھاگتے ہوئے لبوں سے دعا نکلی۔

''تم کسی کو بتائے بناء کہاں چلی گئی تھی۔ مغرب ہونے والی ہے۔ یہ ٹائم ہے گھر لوٹنے کا؟'' وہ جو بے چینی سے حریم کی واپسی کا انتظار کررہا تھا۔ اسے بے نیازی سے اندر گھستے دیکھ کر ابل پڑا۔ حریم کی تکان زدہ نگاہیں لمحے بھر کو اس کے پژمردہ چہرے پر جمیں پھر وہ کتراتی ہوئی دوسری جانب بڑھ گئی۔

''حریم میں نے کچھ پوچھا ہے؟'' وہ تنتناتا ہوا ننگے پاؤں اس کے پیچھے لپکا اور مرمریں بانہوں کو اپنی آہنی شکنجے میں جکڑ کر اسے محصور کیا۔

''گوہر پلیز میں کسی غلط کام سے نہیں گئی تھی ایک جگہ انٹرویو دے کر آرہی ہوں۔'' اس کا انداز ایک دم روکھا ہوگیا۔

''انٹرویو وہ کس سلسلے میں بھئی۔'' گوہر نے حیرانی

سے پوچھا۔
"میں جاب کرنا چاہتی ہوں پلیز اب تم کوئی لیکچر شروع نہ کردینا؟" اس نے منہ بنا کر اصل مدعا اس کے سامنے رکھا۔
"جاب......!" وہ شکوہ کناں نگاہوں سے اسے دیکھ کر رہ گیا مگر حریم "پروانہیں۔" کی تفسیر بن کر کھڑی رہی، گوہر کے اندر جیسے خون کھولا۔
"مانا کہ ہم لوگ غریب ہیں مگر ذلیل نہیں کہ تمہیں دو وقت گھر میں بٹھا کر روٹی نہ کھلاسکیں۔" اندر کا غیرت مند مرد بلبلایا۔ لہجے میں غصہ اور اضطراب ایک ساتھ در آئے۔ حریم نے لمحہ بھر کو گلابی ہونٹوں کو باہم بھینچ کر خود پر قابو پایا اور بناء کوئی جواب دیے اپنے کمرے میں جا کر بند ہوگئی۔

❁......☆......❁
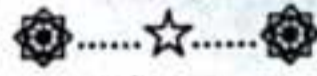
"حریم بچے اگر تو برا نہ مان تو مجھے ایک بات کرنی تھی۔" وہ آفس جانے کے لیے رات کو اپنا سوٹ استری کررہی تھی۔ خورشیدہ پر شفیق مسکراہٹ لیے داخل ہوئیں۔
"جی خالہ خیریت تو ہے؟" وہ جما جما کر کاٹن کے سوٹ پر استری کرتے ہوئے انجان بن کر پوچھنے لگی۔
"تجھے اس گھر میں کوئی تنگی ہے جو نوکری کا سوچا؟" انہوں نے اس کے پاس کھڑے ہوکر نرمی سے پوچھا۔
"نہیں خالہ پورے دن بور ہوتی رہتی ہوں بس اس لیے سوچا۔" حریم نے بات بناتے ہوئے استری کا سوئچ آف کیا۔
"اچھا...... پر مجھے اچھا نہیں لگے گا جب میری شہزادی چند روپوں کی خاطر ایسی دھوپ گرمی میں بسوں میں دھکے کھاتی پھرے گی۔" انہوں نے اتنے پیار سے اس کے گرد اپنی بانہوں کا گھیرا ڈالا کہ وہ گم صم سی انہیں دیکھے گئی۔
"یا اللہ کیا سچ ہے کیا جھوٹ میں کیسے جان پاؤں گی۔" اس کی پرسوچ نگاہیں خورشیدہ کے چہرے کا طواف کرنے لگیں۔
"دھی تو جانے کن جھمیلوں میں اپنی ننھی سی جان پھنسانے جارہی ہے۔" اس کی خاموشی پر انہوں نے مزید دباؤ ڈالا۔
"خالہ...... میں بہت سخت جان ہوں آپ پریشان نہ ہوں۔" اس نے تذبذب کی کیفیت سے باہر نکل کر انہیں دلاسہ دینا چاہا۔
"میری تو بڑی خواہش ہے کہ تیری اور گوہر کی شادی کردوں مگر......" ڈرتے ہوئے دل کی خواہش زبان تک آپہنچی۔
"خالہ میری زندگی اتنے مسائل کا شکار ہے کہ میں ابھی تو ایسی کوئی بات سوچ نہیں سکتی سب سے پہلے اپنے پیروں پر کھڑی ہوکر تایا اور ان کے بیٹوں سے اپنے ممی پاپا کی نشانی ہمارا پیارا گھر واپس لینا ہے۔" اس کا لہجہ دوٹوک تھا، کسی بھی گنجائش سے عاری ہوکر اس نے اپنا موقف واضح کیا۔
"حریم تجھے تیرا حق ضرور ملے گا مگر ماضی کے دکھوں کو خود پر سوار کرتے ہوئے آنے والی خوشیوں سے منہ نہ موڑ۔" خورشیدہ اسے جانے کیا سمجھانا چاہ رہی تھی۔
"خالہ...... میں ساری باتیں بھول کر اپنے لیے خوشیوں کے راستے نہیں کھول سکتی میری بہن فرحین مجھ سے ملنے کو تڑپتی ہے مگر وہ ڈر وخوف کی وجہ سے یہاں آنہیں سکتی مجھے حالات کو اپنے حق میں موڑنا ہوگا۔" وہ پرعزم لہجے میں گویا ہوئی۔
"میں تجھے کیسے سمجھاؤں دیکھ آج میں اس گھر میں تیرے لیے مضبوط دیوار بن کر کھڑی ہوں مگر کل کو میری آنکھیں بند ہوگئیں یا مجھے کچھ ہوجائے تو تیرا کیا بنے گا میں نے گوہر سے شادی کی بات فرحین سے مشورہ کرنے کے بعد ہی کی ہے۔" خالہ نے ایسی کڑوی سچائی اس کے سامنے رکھی کہ وہ تھرتھرائی جیسے کسی نے اس کا کلیجہ نوچ لیا ہو۔
"اللہ نہ کرے خالہ......!" اس نے گھبرا کر بچوں کی طرح خورشیدہ کا دامن کس کر تھام لیا تو انہوں اسے اپنے سینے میں چھپالیا۔

❁......☆......❁

گوہر حریم کو یہ بات سمجھانے میں ناکام ثابت رہا کہ حریم، بے وقوفی کی انتہاؤں پر پہنچ کر حقیقت سے نگاہیں چرانے پر کمربستہ ہے، یہ نوکری اس کو کسی نئی مصیبت میں بھی گرفتار کرواسکتی تھی۔ شہباز خان اور ان کے بیٹوں نے حریم کی تلاش ختم نہیں کی ہوگی۔ وہ اس کی تلاش میں سرگرداں ہوں گے اگر انہیں اس کی بو بھی مل جائے تو کتنا بڑا مسئلہ کھڑا ہوسکتا ہے۔ مگر آنکھوں پر ناراضگی کا چشمہ چڑھائے وہ اپنے متعین کردہ راستے پر چلنا چاہ رہی تھی۔ گوہر نے خود بھی سمجھایا ماں کے ذریعے بھی دباؤ ڈلوایا مگر اس وقت وہ کچھ بھی سمجھنے کو تیار نہیں

تھی۔ اگر شہباز خان کا خدشہ نہیں ہوتا تب بھی یہ بات گوہر کی حمیت کے منافی تھی کہ اس کے گھر کی عورت یوں لور لور نوکری کے لیے خوار ہوتی پھرے۔

''تمہیں کتنے پیسے چاہئیں مجھ سے لے لو مگر خدارا اپنے ارادے سے باز آجاؤ۔'' اسے صبح صبح آفس جانے کے لیے تیار ہوتا دیکھ کر وہ کڑوا منہ بنا کر اس کے قریب جا کر کمر پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

''ایسی کوئی بات نہیں مگر...... برے حالات میں جینے کے لیے اپنے ہاتھ پاؤں چلانا چاہیے۔'' وہ رسانیت سے جواب دینے کے بعد گھنے بالوں میں کنگھا پھیرنے لگی۔

''شاید تمہیں ہمارے خلوص پر اعتماد نہیں رہا۔'' وہ اپنے دراز قد کے ساتھ اس کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا بہت بھلا لگا۔ دل کی کدورتیں جاتی رہیں۔

''میں نے ایسا کچھ نہیں کہا لیکن......'' حریم نے اس کی دلکش مردانہ شخصیت سے نگاہیں چراتے ہوئے کہا۔

''کچھ رشتوں میں لیکن نہیں آتے...... سمجھی؟'' گوہر نے اس کے نرم ہاتھوں پر اپنا بھاری ہاتھ رکھ کر بڑے مان سے دیکھا۔

''کاش رشتوں کو پرکھنے کا بھی کوئی پیمانہ ہوتا خیر مجھے جاب کرنی ہے بس۔'' وہ ہاتھ چھڑا کر دوبارہ ضدی ہوئی۔

''آخر ایسا کیا ہوگیا ہے جو تم اتنی بدل گئی ہو۔'' اس کا ہاتھ چھڑانا، دل کو اداس کر گیا، لہجے میں اترتے ہیجان پر ضبط کے پہرے بٹھائے۔ اس کی آنکھوں نے فریاد کی۔

''کچھ بھی تو نہیں ہوا۔'' وہ بڑے اطمینان سے بالوں کو لپیٹتے ہوئے اپنی تیاری مکمل کرنے لگی۔

''اس کا مطلب ہے کہ تمہاری نگاہ میں میری کوئی اہمیت نہیں رہی۔'' گوہر نے نگاہوں میں اترنے والی سرخی چھپانے کے لیے منہ پھیر کر بے رخی سے پوچھا۔

''تمہاری مرضی جو بھی سمجھو۔'' اس کا لہجہ قطعیت سے بھرپور تھا، وہ گنگ سا رہ گیا۔

''اوکے...... تو جو دل چاہتا ہے وہ کرو۔'' وہ اس کے روڈ لہجے پر ناراض سا دکھائی دینے لگا پھر اس کو ہاتھ سے دھکیل کر پرے کیا اور لمبے ڈگ بھرتا ہوا گھر سے باہر نکل گیا۔

حریم نے دیوار کا سہارا لے کر اپنا توازن قائم رکھا۔ اسے کبھی گوہر کا اجڈ پن اور غصہ بہت اچھا لگتا تھا، وہ جب بھی اس پر رعب جما کر اپنی کوئی بات منواتا تو وہ اسے پہلے سے بھی زیادہ اپنے دل کے قریب پاتی، جانے کب اور کیسے وہ دل میں سماتا چلا گیا تھا۔ اسی لیے وہ اسے اپنا سب کچھ سمجھ بیٹھی۔ اس کی مرضی پر چلتی، اپنا ایک ایک دکھ سکھ اس سے شیئر کرتی۔ گوہر اگر اس پر کسی بات پر خفا ہوتا تب بھی برا ماننے کی جگہ اس کی ناراضگی میں چھپی فکر اور محبت کے رنگوں کو پہچان کر دل ہی دل میں خوش ہوتی، اسے کبھی برا نہیں جانتی مگر ایک واقعے نے جیسے اس کا ذہن بدل کر رکھ دیا۔ وہ سب کو شک کی نگاہوں سے دیکھنے پر مجبور ہوگئی، خالہ کی محبت سے بیزار، گوہر کی چاہت سے بے بہرہ بنی اپنی من مانی پر تل گئی۔

❁......☆......❁

ملک اقرار ایک اہم اور طویل سیمنار میں شرکت کے بعد بڑے برے موڈ کے ساتھ آفس لوٹا تو اندر داخل ہوتے ہی اس نے گلاس وال کے کیبن میں بیٹھی حریم کی جھلک دیکھی وہ مستعدی سے اپنے کام میں مصروف تھی۔ گھنی مونچھوں تلے اس کے بھرے بھرے لبوں پر بڑی جاندار سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اپنے روم میں داخل ہونے کے بعد سیٹ پر بیٹھتے ہی انٹر کام اٹھا کر پہلا کام یہ کیا کہ حریم کو اپنے کمرے میں حاضری کا عندیہ دیا۔ اس کے بعد پیون کو دو کپ کافی لانے کا کہا اور خود سر کے پیچھے بازو ٹکا کر منتظر نگاہوں سے دروازے کی جانب دیکھا۔

''سر مے آئی کم ان۔'' چند لمحوں کے بعد ہی دروازہ مدھر انداز میں بجا اور وہ اجازت طلب کرتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

''او...... پلیز۔'' وہ ریوالونگ چیئر پر گھوم کر اس کی جانب متوجہ ہوا اور ہاتھ سے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ دیا۔ ہلکے زیتونی سبز کرتے اور بلیک ٹراؤزر میں اس کی سنہری رنگت دمک رہی تھی۔ بالوں کو سادے سے انداز میں لپیٹ کر کیچر لگایا ہوا تھا۔ معصوم بے ریا سا چہرہ دیکھ کر اس کے اندر تک سرور پھیل گیا۔ مزاج پر چھائی کبیدگی ایک دم دور ہوگئی اور وہ تازہ دم ہوگیا۔

''جی مس حریم جبار آفس کا پہلا دن کیسا رہا؟'' پیون کے کافی رکھ کر جانے کے بعد اقرار نے اس سے سوال کیا۔

''سر...... بہت اچھا اور مصروف بھی۔'' حریم کے چہرے پر چھائے فطری اعتماد کے آثار نے اسے ہمیشہ متاثر کیا۔

''گڈ اینی وے اگر کوئی پرابلم ہو تو پلیز مجھے ضرور بتائیے گا۔'' اس کا لہجہ کچھ گھمبیر ہوا تو حریم سر ہلاتی ہوئی

اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ایکسکیوزمی مس کیا آپ کو کافی اچھی نہیں لگتی یا میرے ساتھ بیٹھ کر پینا پسند نہیں۔" ملک اقرار نے کرسی کی بیک سے ٹیک لگا کر شرارت آمیز انداز میں اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جج جی..... وہ ایک اہم فائل پر کام کررہی تھی اس لیے....." وہ گڑبڑائی۔ مزید کچھ کہنا چاہا، تو اقرار نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

"ریلیکس ریلیکس مس حریم پانچ منٹ سے کوئی فرق نہیں پڑتا بیٹھ جائیں کافی پی لیں پھر چلی جایئے گا۔" وہ بڑے دلنشین انداز میں کھلکھلایا پھر نرمی سے بولا تو حریم گھبرا کر کرسی پر واپس بیٹھ گئی اور مزید ار کافی کے گھونٹ بھرنے لگی۔

❁.....☆.....❁
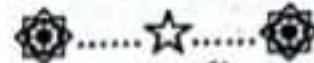
"السلام علیکم اماں!" آنگن میں لگے نیم کے درخت تلے بچھے تخت پر بیٹھی ماں کو دیکھ کر گوہر نے ادب سے پکارا۔ اونگھتی ہوئی خورشیدہ نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں۔

"وعلیکم السلام آ گیا میرا بچہ؟ چل یہاں آ کر بیٹھ جا میں پانی لاتی ہوں۔" خورشیدہ نے کھسک کر بیٹے کے لیے جگہ بنائی۔

"نہیں پانی کی خواہش نہیں ہے آپ بس یہیں میرے پاس بیٹھی رہیں۔" وہ ماں کو منع کرنے کے بعد قریب ہی ڈھیر ہوگیا۔ اس نے لیٹے لیٹے نگاہیں گھما کر حریم کو تلاش کیا مگر وہ کہیں دکھائی نہ دی۔

"کیسی ضدی لڑکی ہے مجال ہے جو میری ایک بھی سن لے بس اپنے من کی کرتی ہے آخر جاب کرنے نکل گئی نا۔" اس کے دل پر بھاری بوجھ آن پڑا۔ آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر ماں کی جانب سے پیٹھ موڑ لی۔

فضا میں پھیلی چائے کی خوشبو اور کچن میں کھڑ پڑ کی آوازوں نے حریم کی موجودگی کی اطلاع دے کر اسے چونکا دیا۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھا وجود میں سکون کی لہر دوڑ گئی۔ اُس کی رکی ہوئی سانس بحال ہونے لگیں۔

"خالہ یہ لیں میری نوکری کی خوشی میں گرما گرم چائے کے ساتھ فرنچ ٹوسٹ۔" وہ اپنی دھن میں مگن ٹرے ہاتھ میں تھامے گنگناتی ہوئی ان دونوں کے قریب پہنچ گئی۔

"لا میری دھی ادھر رکھ دے۔" خورشیدہ نے مسکرا کر کہا۔

"جناب..... آپ کی چائے۔" اس نے کپ گوہر کی طرف بڑھایا جو صدمے کی کیفیت میں گنگ بیٹھا تھا، اسے امید تھی کہ حریم اس کی بات مان لے گی۔

"مجھے نہیں پینی۔" اس نے بڑھے ہوئے نازک ہاتھوں میں تھامی پیالی کو نظر انداز کیا۔

"بیٹا پی کر دیکھ حریم کے ہاتھ کا سواد ہی انوکھا ہے۔" خورشیدہ نے گرم چائے کی چسکی لیتے ہوئے بیٹے کو للچایا جو منہ پھلائے اسے ہی گھور رہا تھا۔

"ایک بار کہہ دیا نہیں پینی بس۔" وہ یک دم رُوڈ ہوا' حریم نے بھی پروا نہیں کی۔

"کیوں تو' تو دفتر سے آنے کے بعد چائے ضرور پیتا ہے۔ اب کیا ہوا۔" خورشیدہ نے حیرانی سے بیٹے سے پوچھا اور ٹرے سے کپ اٹھا کر اس کی جانب بڑھایا۔

"رہنے دیں خالہ نہیں پی رہا تو اس کی مرضی۔" وہ شانے اچکا کر بے نیازی سے بولی تو گوہر کا غصہ ساتویں آسمان تک جا پہنچا، ایک دم اٹھ کھڑا ہوا، ہاتھ لگنے سے پیالی چھوٹ کر دور جا گری۔

"یہ کیا حرکت ہے؟" حریم کو کچھ اور سمجھ میں نہ آیا تو چیخ کر بولی اور پیر پٹختی ہوئی اندر چلی گئی۔ گوہر نے گہرا سانس بھرا اور سر جھٹک دیا ماں کی ملامتی نظریں اس کا پیچھا کرنے لگیں۔

"حریم کاش تم صرف ایک بار میری آنکھوں میں جھانک کر دیکھ لیتی تو تمہیں اپنے لیے میرے جنون کا اندازہ ہوجاتا۔" اس کے لبوں سے سرگوشی نکلی۔ گوہر نے بڑی مشکل سے خود پر قابو پایا، اُس کے پیچھے جانے اور اُسے منانے کا ارادہ موخر کرکے، خورشیدہ البتہ اپنا بھاری وجود سنبھالتی ہانپتی کانپتی بھانجی کے پیچھے چل دیں۔

❁.....☆.....❁

ملک اقرار مسکراتا ہوا اپنے روم میں داخل ہوا آج وہ خاص تیاری کے ساتھ آفس آیا تھا۔ بلیک سوٹ میں اپنے دراز قامت کی وجہ سے بڑا نمایاں دکھائی دے رہا تھا۔ پچھلے کئی مہینوں سے وہ حریم جبار کو متاثر کرنے کے سارے داؤ آزما چکا تھا مگر وہ کسی طرح بھی اس کے آگے گھٹنے ٹیکنے کو تیار نہ ہوتی بس اپنے کام سے کام رکھتی۔ کسی قسم کی بھی فضول ہنسی مذاق سے پرہیز کرتی، اس کی بے جا تعریفوں پر بھی ہلکی سی مسکراہٹ دے کر وہاں سے ہٹ جاتی۔ ملک اقرار اس آنکھ مچولی سے بور ہونے لگا، اندر کے مرد نے کئی بار لتاڑا کہ اس

کے زیر تسلط کام کرنے والی لڑکی کی نگاہوں میں اس کی ذرا سی بھی اہمیت نہیں ہے یہ سب سوچتے سوچتے وہ ضد میں آگیا۔
اسے حریم سے عشق نہیں تھا، وہ جس ماحول میں پلا بڑھا تھا، وہاں پیار، عشق و محبت نہیں ہوتا بس ضرورتیں پوری ہوتی ہیں۔ حریم کے ساتھ بھی وہ صرف وقتی دوستی کا خواہش مند تھا مگر اس نے اپنے پروں پر پانی پڑنے نہیں دیا تو اسے اپنی جانب متوجہ کرنے کے لیے خصوصی تیاری کے ساتھ آفس چلا آیا۔
''مس حریم پلیز ذرا میرے کمرے میں تشریف لائیے گا۔'' اقرار نے انٹرکام اٹھا کر بڑی رسانیت سے کہا اور خود اپنے کمپیوٹر کی ایک فائل اوپن کر کے مصروف دکھائی دینے لگا۔ چند لمحوں کے توقف کے بعد ہی وہ اجازت چاہتی اندر داخل ہوئی۔
''جی سر!'' تھوڑی دیر کھڑے رہنے کے بعد حریم نے خود سے ہی پوچھا۔
''ہاں ارے آپ ابھی تک کھڑی ہیں پلیز بیٹھ جائیں نا۔'' اس نے دانستہ تاخیر سے نگاہ اٹھا کر دیکھا اور آہستگی سے مسکرا کر کرسی کی جانب ہاتھ سے اشارہ کیا۔
''تھینکس۔'' اس نے تکلف سے بیٹھتے ہوئے کہا۔
''اور سنایئے کیسی ہیں آپ؟'' اقرار اب پوری طرح سے اُس کی جانب متوجہ تھا۔
''جی سر میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' وہ اس کے دیکھنے کے انداز پر تھوڑی سی نروس ہوئی۔ ملک اقرار نے اندر ہی اندر مزہ لیا۔
''آپ کو یہاں جاب کرتے ہوئے پورے تین مہینے مکمل ہو چکے ہیں۔ گویا نوکری کے لیے آپ کی آزمائشی مدت کی تکمیل ہوگئی ہے اب کیا خیال ہے۔ آپ کی ملازمت میں توسیع کی جائے یا نہیں؟'' ملک اقرار نے قدرے جھکتے ہوئے اس کی جھیل سی آنکھوں میں جھانکا اور معنی خیز انداز میں پوچھا۔
''آپ کو جیسا بہتر لگے وہ ہی کریں۔ میں اس بارے میں کیا کہہ سکتی ہوں۔'' وہ تھوڑا پزل ہو کر بولی، اسے اقرار کے انداز جداگانہ سے لگے۔
''آپ کا یہی اسٹائل تو مجھے پسند ہے اگر اسی طرح فرماں برداری سے میری ہر بات مانتی رہیں تو......'' اس نے خوشی پر سنجیدگی کا پردہ ڈالتے ہوئے کچھ باور کرایا۔ حریم کو اپنے باس کا انداز اب ناگوار گزرنے لگا مگر خاموشی سی بیٹھی اسے مزید سننا چاہتی تھی۔
''کیا خیال ہے آج ہم دونوں کہیں باہر لنچ پر چلیں؟'' اس نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بڑے اطمینان سے سوال کیا۔ نظریں مستقل حریم کے حسین چہرے کے اردگرد گھوم رہی تھیں۔
''سوری سر...... یہ بات میرے لیے ممکن نہیں۔'' پہلے تو وہ بری طرح سے ٹپٹائی۔ پھر خود کو سنبھال کر صاف لہجے میں انکار کر دیا۔
''مجھے اپنے آفس میں نافرمانی کرنے والے لوگ پسند نہیں۔'' حریم کے انکار سے ملک اقرار کی انا کو گہری چوٹ پہنچی، وہ ایک دم روکھا اور سرد نظر آنے لگا۔
''ٹھیک ہے سر......'' حریم نے لمحوں میں فیصلہ کیا اور بغیر خائف ہوئے اپنی سیٹ چھوڑ کر باہر کی جانب قدم بڑھائے۔
''مس حریم کیا لنچ پر جانے کی تیاری کرنی ہے؟'' ملک اقرار نے اس کے انداز کو حیرت سے دیکھا اور پیچھے سے آواز لگائی۔
''نہیں سر سیٹ پر جا کر اپنا ریزائن لیٹر لکھنے کی تیاری کرنی ہے۔'' وہ بڑے انداز سے مڑی اور پورے اعتماد سے اقرار سے نگاہیں ملا کر بولی۔
اقرار نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا مگر حریم کی آنکھوں اور چہرے کے تاثرات اتنے سخت اور منجمد کر دینے والے تھے کہ وہ اپنی کرسی پر جھولتا رہ گیا۔

❀......☆......❀

حریم دکھی پژمردہ سی گوہر کی بائیک پر بیٹھی دوبارہ اسی تپلی گلی میں داخل ہوئی۔ وہ اسے گھر کے سامنے چھوڑ کر جانے کہاں رفو چکر ہو گیا۔ اس نے ٹھنڈی آہ بھری اور ہاتھ بڑھا کر دروازے پر دستک دینا چاہی مگر وہ ہلکے سے دباؤ کے ساتھ ہی چرچرایا اور کھل گیا۔ حریم دھیرے سے اندر داخل ہوئی، خلاف معمول وسیع صحن سنسان دکھائی دیا۔ اس نے ایک ہاتھ سے ہینڈ پمپ چلا کر دوسرے ہاتھ کی اوک میں پانی جمع کیا اور منہ پر چھینٹے مارے اس کے بعد الگنی سے تولیہ اٹھا کر منہ پونچھا۔ وہ ذہنی طور پر اتنی پراگندہ ہو رہی تھی کہ گھر میں پھیلی خاموشی بھی اسے نہیں چونکا سکی۔ نرم پیروں کو سیاہ سینڈل کی قید سے آزاد کیا اور جا کر خاموشی سے نیم کے درخت تلے بچھی چارپائی پر بیٹھ

کر آج کے واقعے پر غور کرنے لگی۔

"سب کی مخالفت مول لے کر جس جاب کے لیے لڑ بھڑ کر گھر سے نکلی اسے اچانک چھوڑنے کا کیا جواز پیش کروں گی؟" ایک بات اس کے اردگرد چکر لگا رہی تھی۔

"اس شخص کو مزید برداشت کرنا مشکل ہوگا۔" حریم نے بڑے حوصلے کے بعد اپنے باس کے منہ پر استعفیٰ مارا تو یہ بات دوبارہ سوچ کر اس کے اندر سکون پھیل گیا۔ ملک اقرار کو حریم سے اس اقدام کی امید نہیں تھی، اسے افسوس ہوا کہ اپنی رنگین مزاجی کے ہاتھوں اتنی اچھی ورکر سے ہاتھ دھونا پڑ گیا تھا۔ اس نے روکنے، منانے کی بڑی کوشش کی مگر وہ طمطراق کے ساتھ آفس کی بلڈنگ سے باہر نکل آئی اور سامنے ہی گوہر اپنی بائیک کے ساتھ کھڑا دکھائی دیا۔

"یہ گوہر...... اچانک آفس...... کیسے پہنچا؟" یہ بات سوچتے ہی وہ وقتی فیز سے باہر آئی۔

"گھر میں اتنی خاموشی کیوں ہے؟" اب اس کی سوچ دفتر سے یہاں منتقل ہوگئیں۔

"خالہ خورشیدہ کہاں ہیں؟" اس کے من میں اچانک سوالات گردش کرنے لگے تو حریم ہول کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

❁......☆......❁
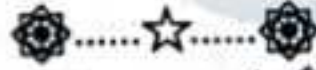
"خالہ گوہر سب لوگ کہاں ہیں؟" اس پر وحشت سوار ہونے لگی ایک دم پکارا۔ اچانک کسی نے پیچھے سے آکر اس کی گردن میں اپنی بانہیں ڈال کر بالوں کو چوم لیا وہ حیران ہو کر مڑی تو فرحین کا ہنستا مسکراتا چہرہ اپنے مقابل پایا۔ اس نے پٹ سے آنکھیں بند کرلیں ایسے سپنے دن میں کئی بار کھلی آنکھوں سے وہ دیکھ چکی تھی۔

"حریم میری جان کیا ہوا یہ میں ہوں تمہاری فری۔" اس کے کانوں میں بہن کی آواز پڑی تو آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔ تھوڑی دیر پلکیں جھپک جھپک اس کی موجودگی کا یقین کرنے میں لگایا پھر چیخ مار کر فرحین سے چمٹ گئی۔ وہ اس سے لپٹ کر اتنا روئی کہ چپ کرانا مشکل ہوگیا، پھر پاس بیٹھے بھانجے کو اٹھا کر سینے سے لگایا چٹاچٹ کئی بوسے اس کے بھولے گالوں پر لے ڈالے۔

"میری چھوٹی نے بڑی مشکلیں تنہا سہہ لیں مگر اب میں آگئی ہوں نا اب تمہیں اپنے ساتھ لے کر جاؤں گی۔" فرحین نے چھوٹی بہن کا ماتھا کئی بار چوم کر اسے خوش خبری سنائی دونوں کو ایک دوسرے کے سامنے موجود ہونے کا یقین نہیں آرہا تھا بار بار ایک دوسرے کو چھو کر خوش ہورہی تھیں۔ خورشیدہ ہاتھ میں شربت کی ٹرے لے کر اندر داخل ہوئیں اور ان کی بے قراری پر ہنستی رہیں۔

"آپ کے آنے کا سب کو پتا تھا پھر مجھے کیوں نہیں بتایا؟" اس نے شربت کا گلاس غٹاغٹ چڑھاتے ہوئے شکوہ کیا۔

"سرپرائز میری جان سرپرائز...... صرف گوہر کو میرے یہاں پہنچنے کی خبر تھی اسی لیے مجھے ائرپورٹ سے گھر لانے کے بعد وہ تمہیں آفس لینے دوڑا۔" فرحین نے ہنستے ہوئے بتایا۔

"بھائی صاحب کہاں ہیں؟" باتوں کے دوران حریم کو ارسلان کا خیال آیا تو اس نے بہن سے پوچھا۔

"وہ دو مہینے بعد مجھے لینے آئیں گے ابھی تو میں چھوٹے میاں کے ساتھ آئی ہوں۔" فرحین نے سنی کو گود میں لے کر پیار کرتے ہوئے بہن کو بتایا۔

"واؤ دو مہینے مزہ آگیا۔" حریم نے بھانجے کو گود میں بھر کو گول چکر لگاتے ہوئے خوشی کا اظہار کیا۔

خورشیدہ نے دونوں بہنوں کو آرام کرنے کے لیے کمرے میں بھیجا اور خود باورچی خانے کی جانب چل دیں۔

❁......☆......❁

"حریم ذرا یہاں آکر بیٹھو مجھے تم سے کچھ خاص باتیں کرنی ہیں۔" فرحین نے سنجیدگی سے بہن کو پکارا۔

"ہاں فری بولو نا۔" بھانجے کے گالوں کو کئی بار چومنے کے بعد اس کا دل نہیں بھر رہا تھا۔ سر ہلا کر وہیں سے پوچھا۔

"میں چاہ رہی تھی کہ تمہاری اور گوہر کی شادی کا فریضہ میں اپنے سامنے انجام دے دوں۔" فرحین نے بہن کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"مجھے نہیں کرنی شادی وادی اور گوہر سے تو بالکل نہیں۔" وہ منہ بنا کر بولی۔

"تمہیں شاید اس بات کی خبر نہیں کہ ممی نے اپنی زندگی میں ہی تمہاری اور گوہر کی بات طے کردی تھی انہوں نے یہ بات مجھے بھی کئی بار بتائی تھی اصل میں پاپا کی ڈیتھ کے بعد ان کے لیے دنیا میں خالہ خورشیدہ سے زیادہ قابل اعتبار رشتہ کوئی دوسرا نہیں رہا وہ تایا جان سے بھی ڈرنے لگی تھیں۔" فرحین نے کانپتی ہوئی آواز میں بمشکل کہا۔

''کیا کہہ رہی ہو فری......'' اس نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے بہن کو دیکھا۔
''ہاں جان ممی نے خالہ سے خود تمہارے اور گوہر کے رشتے کی بات کی اور مجھے بھی وہ تمہارے لحاظ سے پرفیکٹ لگا۔'' فرحین نے ماں کی خواہش بتانے کے ساتھ ساتھ اپنی رائے بھی دی۔
''آپ بھی ممی کی طرح اس معاملے میں دھوکا کھاگئیں۔'' حریم جو سر جھکائے بہن کی بات سن رہی تھی منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔
''تم نے کچھ کہا؟'' فرحین نے بستر کے نیچے سے ایک بیگ نکال کر اس کے سامنے رکھتے ہوئے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔
''اچھا دیکھو یہ ممی کی جیولری ہے اس میں سے یہ بڑا جڑاؤ سیٹ میں نے تمہیں شادی پر دینے کے لیے نکالا ہے۔ باقی تمہیں جو پسند آئے وہ بھی رکھ لینا۔'' فرحین نے بیگ کھول کر طلائی زیورات اس کے سامنے بکھیر دیے۔ حریم کو ایک جھٹکا لگا یہ تو سارے وہ ہی زیور تھے جو وہ جبار ہاؤس سے لے کر بھاگی تھی اور یہاں بیگ سے غائب ہوگئے تھے۔
''یہ آپ کے پاس کہاں سے آئے؟'' حریم نے ہکلاتے ہوئے پوچھا۔
''پگلی خالہ خورشیدہ نے ہماری امانت سنبھال کر رکھی ہوئی تھی جیسے ہی میں یہاں پہنچی، انہوں نے پہلی فرصت میں سارے زیور میرے حوالے کرکے اپنی جان ہلکی کی۔'' فرحین نے ایک بڑا سا ہار اٹھا کر حریم کے گلے سے لگا کر چیک کرتے ہوئے بتایا۔
''خالہ خورشیدہ کے پاس میں کچھ سمجھی نہیں؟'' وہ ابھی تک حیران و پریشان نظر آئی۔
''ہاں حریم یہ بات سچ ہے جب تو یہاں پہنچی تو اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔'' خالہ خورشیدہ نے اندر داخل ہوتے ہوئے قطع کلامی کی۔
''اچھا پھر؟'' حریم بے قراری سے پوری بات سننا چاہ رہی تھی کیونکہ اس واقعے نے ہی تو اس کے اور گوہر کے بیچ ایک ان دیکھا فاصلہ حائل کردیا تھا۔
''میری دھی میں تیرے خالو کی عادت کو اچھی طرح سے جانتی ہوں اگر ان کی نگاہ ان سونے کے قیمتی زیوروں پر پڑ جاتی تو بھلا وہ ہاتھ سے جانے دیتے۔ اسی لیے پہلی فرصت میں ان سب کو اپنی پیٹی میں سب سے نیچے چھپا کر رکھ دیا تھا۔'' خورشیدہ نے آخر وہ راز افشا کر ہی دیا جس نے حریم کے دن کا چین اور راتوں کی نیند اڑا دی تھی۔
''خالہ اگر آپ نے زیور نکال لیے تھے تو مجھے کیوں نہیں بتایا؟'' حریم کی تسلی نہیں ہو پا رہی تھی ایک اور سوال ذہن میں کلبلایا۔
''دھی جن دنوں تو یہاں آئی ان کو اپنے کسی دوست کا قرضہ دینا تھا وہ اس وجہ سے بہت پریشان اور چڑچڑے ہو رہے تھے، میں نے سوچا کہ کہیں ایسی نوبت نہ آجائے کہ وہ تیرے سامنے اس بات کا رونا روئیں اور تو ہمدردی میں زیور نکال کر ان کے ہاتھ پر رکھ دے بس اس وجہ سے اس بات سے تجھے بھی بے خبر رکھا میں اپنی مرحومہ بہن اور اس کی بچیوں سے دغا کیسے کرسکتی تھی۔'' خورشیدہ کا صاف لہجہ اور چہرے پر چھائی سچائی کی چمک نے ان دونوں کو نگاہیں جھکانے پر مجبور کردیا تھا۔

❁......☆......❁

''تم جا رہے ہو۔'' حریم نے اس کے کمرے میں داخل ہونے کے بعد اسے پیکنگ کرتے پا کر سرد آہ بھری۔ اس کے ہاتھ فضاء میں ٹھہر گئے پلٹا اور اسے دکھ بھری نگاہوں سے تکتے ہوئے مسکرا کر سر ہلایا۔
''واپسی کا دروازہ کھلا رہے گا۔'' وہ کچھ شرمساری بولی۔
''اچھا......مگر مجھے واپس نہیں آنا۔'' اس کے لہجے میں خفگی چھائی ہوئی تھی۔
حریم نے نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا پھر ہونٹ کاٹنے لگی اس کے حسین چہرے سے واضح بے بسی کا اظہار چھلک اٹھا۔
''جہاں انسان کی جگہ چیزوں کی قدر ہو وہاں لوٹ کر آنے کا کیا فائدہ۔'' گوہر کی یاسیت محسوس کی جانے والی تھی۔
''تم کہنا کیا چاہتے ہو؟'' حریم نے پریشان ہوکر پوچھا۔
''کچھ خاص نہیں خیر دعا کرتا ہوں کہ تمہارے سارے خواب پورے ہوجائیں۔'' اس نے سرخ ہوتی آنکھوں سے حریم کو دیکھا، یوں لگا جیسے پورے جسم کو ایک بھاری بوجھ تلے دبا دیا گیا ہو۔
''خواب تو نیند ٹوٹتے ہی آنکھوں سے دور ہوجاتے ہیں

میں نے تو اب حقیقتوں میں جینا سیکھ لیا ہے۔" حریم اسے جو سمجھانا چاہ رہی تھی، وہ شاید سمجھ نہیں پارہا تھا۔

"تم کہنا کیا چاہتی ہو؟" اب کی بار اس نے یہ سوال دہرالیا۔

"ہم سب سے دور جانا ضروری ہے گوہر؟" حریم نے ہار مانتے ہوئے اسے روکنے کی کوشش کی۔

"ہم سے تمہاری مراد اگر اماں ابا ہیں تو میں نے ان کو سمجھالیا ہے۔" گوہر نے قطعیت بھرے انداز میں جواب دیا۔

وہ یک دم کتنا مغرور لگ رہا تھا، حریم نے اس کی محبت کے بدلے میں کتنی بے رخی برتی اور آج حقیقت جاننے کے بعد جب وہ اس کی محبت میں ایک بار بھرپور ڈوب چکی تھی تو، وہ اس کی طرف ملتفت ہی نہیں ہو پارہا تھا۔

"اس ہم میں اگر میرا وجود بھی شامل ہو تو......؟" حریم کے ہونٹوں سے لفظ ٹوٹ ٹوٹ کے برسے۔

"پلیز حریم......بس بہت ہو چکا۔ اب مزید ایک لفظ بھی نہیں کہنا۔ اوکے؟" اس کی آنکھوں میں پہلے شکایت کا رنگ جھلکا پھر گہرے دکھ کا احساس چھاتا چلا گیا۔

......☆......

رات کے پیروں میں بندھ کر شوخیاں محو رقص تھیں مگر وہ اداس صورت بنی اپنے بستر پر بیٹھی بہن کا انتظار کررہی تھی۔

"کیا ہوا حریم؟" فرحین سونے کے لیے کمرے میں آئی تو بہن کا لٹکا منہ چونکا گیا۔

"ہونہہ کچھ نہیں۔" اس نے گردن ہلا کر انکار کیا۔ وہ فرحین کے آنے سے جتنا خوش تھی، گوہر کے جانے کا سن کر اس کا وجود اتنا ہی اداسی کی لپیٹ میں آ گیا تھا۔

"میں تو سونے چلی بہت نیند آرہی ہے۔" فرحین نے تکیہ اٹھایا اور بستر کے دوسرے کونے کی طرف جالیٹی۔ سنی کو خورشیدہ نے اپنے ساتھ لٹالیا تھا، ممتاز بھی کینیڈا پلٹ بھانجی کی آمد پر کافی خوش دکھائی دیئے۔

"فری سنو تو۔" حریم نے اسے جھنجھوڑ ڈالا۔ وہ تو سمجھ رہی تھی کہ بہن بیٹھ کر دکھڑے سنے گی مگر یہاں تو بے مروتی کی حد ہوگئی۔

"ابھی نہیں صبح بات کرتے ہیں۔" فرحین نے جان بوجھ کر جمائی لی ورنہ گوہر اسے ساری بات پہلے ہی بتا چکا تھا۔

"وہ گوہر کا بچہ مجھے چھوڑ کر جارہا ہے ہمیشہ کے لیے۔" حریم نے اس کی سر تک تنی چادر کھینچ کر دہائی دی۔

"ہاں تو کیا کرے یہاں رہ کر تمہاری بدگمانیوں کا شکار ہوتا رہے۔" وہ بھی اٹھ بیٹھی اور دوبدو جواب دیا۔

"کیا مطلب؟" اس کا منہ پورے کا پورا کھل گیا۔

"منہ بند کرو اور غور سے ایک بات سنو گوہر کے لیے تمہارے بہنوئی نے ہی کینیڈا میں جاب کی کوشش کی ہے۔ شادی کے بعد وہ ایک سال کے کانٹریکٹ پر اکیلا جائے گا، اس کے بعد کمپنی اسے فیملی ویزہ دے گی اور تم بھی وہیں آجاؤ گی ہم سب کے پاس آئی سمجھ۔" فرحین نے معنی خیز نگاہوں سے بہن کو دیکھا۔ جو دوبارہ منہ کھول کر اسے تک رہی تھی۔

"مطلب مجھے بے وقوف بنایا گیا اور آپ سب اس پلان میں شریک ہیں۔" حریم نے برا مانتے ہوئے پوچھا۔

"جان صرف شریک نہیں میں تو اس پلان کی ماسٹر مائنڈ ہوں۔" فرحین نے چھوٹی بہن کو پیار سے اپنے قریب کیا۔

"وہ کیسے؟" حریم نے بھی لاڈ اٹھواتے ہوئے مطلب کی بات پوچھی۔

"ممی کے انتقال کے بعد میں تمہارے لیے بہت تڑپی مگر سنی کی پیدائش کے بعد اچانک بیمار پڑ گئی جسم میں خون کی اتنی کمی ہوگئی کہ میں مہینوں بستر پر پڑی رہی۔ بس تمہیں یاد کرکے آنسو بہاتی رہتی پھر تم نے تایا جان کی وجہ سے پاکستان آنے سے روک دیا۔ ان ساری باتوں نے مل کر مجھے ڈپریشن کا شکار بنادیا ارسلان سے میرا دکھ دیکھا نہیں گیا، انہوں نے مجھے اس بات پر اکسایا کہ تمہیں کینیڈا بلوالوں۔ تب ہی میرے دماغ میں یہ خیال آیا اور تمہیں اور گوہر کو یہاں بلوانے کا منصوبہ ترتیب دے ڈالا۔" فرحین نے بشاشت سے سب کچھ بتایا تو وہ بھی پرسکون ہوگئی۔

"ایک بات کہوں حریم......گوہر اور خالہ خورشیدہ کا خمیر ہی محبت سے گندھا ہوا ہے۔ یہ سیدھے سادھے لوگ ہیں تمہاری تھوڑی سی قربانی بہت سارا پیار اور چھوٹا سا ایثار ان کو تاعمر تمہارا گرویدہ بنا کر رکھے گی بس رشتوں کے بیچ اعتبار کی جو پتلی سی پرت ہوتی ہے اسے کبھی ٹوٹنے نہ دینا۔" فرحین نے بڑی بہن ہونے کا فرض نبھایا۔ حریم نے مسکرا کر چادر میں منہ چھپالیا۔

......☆......

''السلام علیکم تائی!'' کتنے سالوں بعد ان دونوں بہنوں نے دھڑکتے دل اور کانپتے لبوں کے ساتھ جبار ہاؤس میں قدم رکھا تو پہلا سامنا نذیراں سے ہوا۔ وقت نے انہیں دھندلا دیا تھا۔ بھرا پھرا گھر اجاڑ اور بے رونق ہوگیا تھا۔ ان کے شوہروں نے بھی تقلید کی اور اندر داخل ہوئے۔ بچوں کو وہ خورشیدہ کے پاس چھوڑ آئے تھے۔

نذیراں پہلے تو ان لوگوں کو دیکھ کر ششدر رہ گئیں پھر باری باری لپٹ کر روتے ہوئے معافی مانگتی رہیں۔ اس کے بعد ہوش آیا تو گوہر اور ارسلان کے سر پر ہاتھ پھیر کر خیریت پوچھی۔ حریم شادی کے بعد گوہر کے ساتھ کینیڈا شفٹ ہوگئی تو زندگی اتنی مصروف ہوگئی کہ جبار ہاؤس کے لیے اس کا جنون کم ہوتا چلا گیا۔ کئی سالوں بعد جب دونوں بہنیں ایک ساتھ بچوں کی چھٹیوں میں پاکستان آئیں تو اپنے اپنے شوہروں پر دباؤ ڈالا اور گھر دیکھنے کی فرمائش کردی۔ وہ اب پہلے جیسی ڈری سہمی لڑکیاں نہیں تھیں، وقت نے ان کا اعتماد بحال کردیا تھا۔ وہ کینیڈا کی معزز شہری تھیں۔ اسی لیے بڑے طمطراق سے تایا کی فیملی کا سامنا کرنے یہاں تک آگئیں۔

''چلو چلو اندر۔'' وہ سب تائی کے کہنے پر بڑے کمرے میں داخل ہوئے تو شاک رہ گئے۔ وہ تایا جنہوں نے برسوں قبل جائیداد کے لالچ میں اپنی یتیم بھتیجیوں کے سر سے چھت چھیننے کی کوشش کی تھی۔ اسی چھت تلے بے یار و مددگار پڑے تھے۔

''دونوں بچیاں آگئی ہیں جی۔'' نذیراں نے زور سے بتایا تو بڑے سے بیڈ پہ موجود کمزور و معذور فالج زدہ بوڑھے انسان میں جنبش ہوئی۔ یہ عبرت ناک منظر دیکھ کر فرحین اور حریم کی روح کانپ اٹھی آنکھیں جیسے غم سے پھٹنے لگیں۔

''یہ تایا...... جان کو کیا ہوا؟'' حریم نے اپنی حالت پر قابو پانے کے بعد ٹشو سے آنسو پونچھتے ہوئے دکھ سے پوچھا۔

''بس کیا بتاؤں سلیم کے جیل جانے کے بعد اور کریم کے روڈ ایکسیڈنٹ میں انتقال کے بعد سے تمہارے تایا کی یہ حالت ہوگئی ہے۔'' نذیراں تھکن زدہ لہجے میں بولی بیوی کی آواز پہ شہباز خان نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں۔

''سلیم بھائی کو جیل کیوں ہوئی؟'' فرحین کے لبوں نے بڑی مشکل سے جنبش کی۔ وہ قدرت کے انتقام پر حیران و پریشان کھڑی تھی۔

''کیا بتاؤں دھی اس کا کسی سے پیسوں کے لین دین پر جھگڑا ہوا غصے کا تو وہ شروع سے تیز تھا آؤ دیکھا نہ تاؤ بندے کو اتنا مارا کہ وہ بچ نہ سکا وہیں مر گیا۔ بس پھر مقدمہ چلا تمہارے تایا نے بڑا پیسہ خرچ کیا۔ تب کہیں جاکر اسے پھانسی کی جگہ عمر قید کی سزا ہوئی۔'' اپنے منہ سے خود کی بربادی کی داستان سنانا مشکل امر ہے مگر نذیراں نے چپکے چپکے ساری بات بتادی۔

''تم دونوں مجھے معاف کردو۔'' شہباز خان نے کپکپاتے ہاتھ جوڑ کر بڑی مشکل سے یہ الفاظ ادا کیے۔ ان کی دھندلی آنکھوں میں ایک آس دکھائی دی مگر دونوں بہنوں کی خاموشی اور چہرے کے تاثرات دیکھ کر پھر سے ناامیدی اور یاس نے ڈیرا ڈال لیا۔

ان کے دماغ میں وہ سارے منظر تازہ ہوگئے، پاپا کی مجبوری، ممی کی پریشانی۔ تایا اور ان کے بیٹوں کی کینہ توزی۔ ایسا محسوس ہوا جیسے یہ سب تھوڑی دیر قبل ہی وقوع پذیر ہوا ہو۔ خاص طور پر حریم نے جو کچھ اپنی روح پہ سہا اسے ایک دم سے بھول جانا ہرگز آسان نہ تھا۔ مگر اس نے جس طرح سے صبر کیا اس کا پھل ایک خوش حال زندگی کی صورت میں اسے مل چکا تھا۔

''تایا کو معاف کرکے ان کی مشکل آسان کردو۔'' گوہر نے بیوی کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کچھ سمجھانا چاہا۔ حریم جھرجھری لے کر اپنے خیالوں سے واپس آئی۔

''میری بچیوں انہیں معاف کردو تمہاری معافی میں ہی ان کی جان اٹکی ہے؟'' فرحین اور حریم کے منہ سے نکلنے والی سسکیوں کی آواز ہچکیوں میں بدل گئیں۔ ماحول بے حد سوگوار ہوگیا تو گوہر اور ارسلان کے اشارے پر وہ دونوں آگے بڑھیں اور شہباز خان کا ہاتھ تھام کر چند لمحوں تک انہیں دیکھتی رہیں۔

''تایا جی آپ ہمارے بڑے ہیں لیکن اگر زبان سے کہے ہوئے چند الفاظ آپ کے لیے سکون کا باعث ہیں تو جائیے ہم نے آپ کو معاف کیا۔'' حریم اور فرحین نے یک زبان ہوکر کہا اور ایک جھٹکے سے پلٹ کر باہر نکل گئیں گوہر اور ارسلان بھی ان کے پیچھے چل دیئے۔

میرے لیے صرف تم

نزہت جبیں ضیا

> اداس دل کی ویرانیوں میں بکھر گئے ہیں خواب سارے
> یہ میری بستی سے کون گزرا، نکھر گئے ہیں گلاب سارے
> نہ جانے کتنی شکایتیں تھیں، نہ جانے کتنے گلے تھے تم سے
> جو تم کو دیکھا تو بھول بیٹھے، سوال سارے، جواب سارے

کشمبا کب سے دیوار سے لگی ممانی کے گھر میں دیکھ رہی تھی صحن میں فارحہ پودوں کو پانی دے رہی تھی۔ سعدیہ بیگم نظر نہیں آرہی تھیں جب کہ زائر غالباً ابھی ابھی نہا کر نکلا تھا بلیک اینڈ وائٹ ٹراؤزر پر ڈھیلی ڈھالی بلیک ٹی شرٹ پہنے گھنے بالوں کو تولیے سے رگڑتا ہوا نکھرا نکھرا فریش سا اپنے دراز قد سمیت سیدھا کشمبا کے دل میں گھسا جارہا تھا۔ وہ ایک ٹک محویت کے عالم میں اسے دیکھ رہی تھی اچانک تولیہ کاندھے پر ڈال کر زائر نے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے نگاہ چھت کی طرف اٹھائی تو محویت سے دیکھتے پایا۔

"اوئے کیا ہوگیا ہے لڑکی...... ایسے کیوں گھور گھور کے دیکھے جارہی ہو...... نظر لگاؤ گی کیا؟"

"اے مسٹر...... منہ دھو رکھو تم کو اور میں نظر لگاؤں گی...... ہنہہ!" وہ طنز سے ہنسی۔ "میں...... میں تو فارحہ بھابی کو دیکھ رہی ہوں۔" پہلے تو گڑبڑائی اور پھر سنبھل کر جلدی سے جھوٹ کا سہارا لیا۔

"ہاہاہا...... فارحہ بھابی کو دیکھ رہی ہوں۔" زائر نے منہ بنا کر نقل اتاری۔ "اول درجے کی جھوٹی ہو توبہ توبہ......" زائر نے گالوں کو ہاتھ لگا کر کہا۔

"شرم تو نہیں آتی یوں کسی نوجوان خوب صورت لڑکے کو چپکے چپکے تاڑتے ہوئے۔" اس بار اس کے لہجے میں شرارت تھی۔

"اے ہیلو...... زیادہ خوش فہمیوں کا شکار ہونے کی ضرورت نہیں ہے مجھے کوئی شوق نہیں ہے تمہارے لنگور جیسے منہ اور زرافے جیسے قد کو دیکھنے کا زیادہ بک بک کرنے کی ضرورت نہیں ہے کارٹون جیسے منہ والے بڑے آئے کہاں سے۔" کشمبا بری طرح تپ کر بولی۔

"کہاں سے نہیں یہیں سے آیا ہوں اپنے گھر میں ہوں۔ تمہاری طرح کی عادت نہیں ہے میری دوسروں کے گھروں میں تانکا جھانکی کرنے کی۔" وہ کہاں چپ رہنے والا تھا۔

"دیکھیں فارحہ بھابی...... سمجھالیں اسے حد سے بڑھنے لگا ہے اب۔" وہ روہانسی ہوکر فارحہ کی طرف پلٹی۔

"افوہ بھئی پتا نہیں تم لوگوں کو کیا پرابلم ہے ہر وقت

چڑیوں کی طرح چیں چیں کرتے رہتے ہو۔ زائر کیا ہے چپ کیوں نہیں ہو جاتے تم؟" فارحہ نے جھنجھلا کر زائر کو ڈانٹا۔

"آپ بھی مجھے کہیں گی بھابی...... اسے نہیں دیکھ رہی ہیں جو اب تک ڈھیٹ بنی کھڑی ہے' پتا نہیں کیوں ہر وقت ہمارے گھر میں چوری چوری جھانکتی رہتی ہے خوامخواہ ٹوہ لیتی رہتی ہے' بی جمالو کہیں کی۔" زائر ہار ماننے کو تیار ہی نہ تھا۔

"لعنت ہو تم پر ہزار بار......" غصے سے لعنت دکھا کر وہ پلٹی تب یاد آیا کہ امی نے کہا تھا اوپر سے دھلے کپڑے لے آؤ۔ "ہائے اللہ......" سر پر ہاتھ مار کر رسّی سے کپڑے اتارنے لگی۔

"پاگل کچھ زیادہ ہی اتراتا ہے۔ اللہ نے شکل اچھی کیا دے دی خوامخواہ شو آف کرتا رہتا ہے۔ بدتمیز جاہل......" برابر زائر کی شان میں قصیدے بھی پڑھ رہی تھی۔ ڈھیر سارے کپڑے سنبھالے وہ چھت سے اتر کر اپنے پورشن میں آئی تو ارجمند بانو کے پاس زائر کو بیٹھا دیکھ کر بری طرح جل گئی' اوپر سے ارجمند بانو کی آواز نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔

"کشیا ذرا دو کپ چائے تو بنا لاؤ۔" کشیا نے برا سا منہ بنا کر زائر کو گھورا' اس کے چہرے پر دبی دبی مسکراہٹ دیکھ کر دل چاہا کہ سامنے رکھا سل کا بٹہ اٹھا کر اس کے سر پر دے مارے' بُرا سا منہ بناتی ہوئی زائر کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھتی وہ کچن میں آ گئی۔

"ایک گلاس پانی ملے گا ٹھنڈا؟" وہ چائے کا پانی چولہے پر رکھ کر جیسے ہی پلٹی وہ سامنے کھڑا تھا۔

"میرا بس چلے تو ایک گیلن زہر پلا دوں تمہیں' تمہارے گھر میں چائے پانی میسر نہیں ہے جو یہاں منہ اٹھائے چلے آتے ہو ندیدے' کنجوس اماں کے کنجوس بیٹے......" وہ دانت پیس کر بولی۔

"اوئے خبردار...... جو میری معصوم اماں کو کچھ کہا تو' پانی تو میں تمہارے لیے مانگ رہا تھا یہ جو دماغ کھول رہا ہے ناں تمہارا بھٹی جیسا اس پر ٹھنڈا پانی ڈالو ذرا سا اور ہاں اماں تو تمہاری ہیں ایک نمبر کی چاپلوس اور مکھن باز جو تمہارے چکر میں میری اتنی آؤ بھگت کرتی ہیں کہ میں رحم کھا کر ان کا یہ بوجھ......"

"چپ کرو زبان جلا دوں گی اگر امی کے بارے میں بکواس کی تو...... لعنت ہے تم پر ہزار بار اتنے حسین نہیں ہو تم۔" وہ گرم چمٹا لے کر زائر کی طرف لپکی تب تک زائر قہقہہ لگا کر وہاں سے جا چکا تھا۔

"پاگل' اُلو' شوباز کہیں کا......" وہ چائے بناتے بناتے مسلسل بڑبڑا رہی تھی۔

"میرا بس چلے تو اس کے حسین چہرے پر تیزاب پھینک دوں' بہت اتراتا ہے ناں۔"

❀......❀......❀

وارث صاحب کے والدین کا انتقال ہو چکا تھا پہلے والد اور پھر والدہ کا جب انتقال ہوا تو اس وقت ارجمند بانو سولہ اور وارث صاحب بائیس سال کے تھے۔ انہوں نے ابھی اپنی تعلیم مکمل کی تھی کہ والد کا انتقال ہو گیا' والد صاحب کی گورنمنٹ جاب تھی ان کے انتقال کے بعد وارث صاحب کو ان کی جگہ پر ملازمت دے دی گئی اور پھر چند ماہ بعد والدہ بھی چل بسیں۔ پہلے والد اور پھر والدہ کی وفات سے ارجمند بانو مکمل ٹوٹ گئی تھیں ایسے میں وارث صاحب نے اسے بالکل باپ کی طرح سے سہارا دیا وہ ارجمند بانو سے بہت پیار کرتے تھے' بہت خیال کرتے تھے۔ اس کی چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کا خیال رکھتے' معصوم اور سیدھی سادی ارجمند نے جیسے تیسے گھر سنبھال لیا تھا۔ نمو خالہ جو اُن کی اماں کی کزن تھیں وہ آ جاتیں اور اپنی بیٹیوں کو بھی لے آتی تھیں ان کی دو بیٹیاں غیر شادی شدہ تھیں' بڑی بیٹی شہلا کی منگنی کر دی تھی۔ نمو خالہ اور ان کی بیٹیاں ارجمند کو بالکل اچھی نہیں لگتی تھیں' تیز طرار اور فیشن ایبل۔

ارجمند بانو اپنی ٹیچر سے ٹیوشن پڑھنے جایا کرتی تھیں ان کو اپنی ٹیچر کنول بہت اچھی لگتی تھیں' سیدھی سادی اور اچھے گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کے والد اسکول

کے ہیڈ ماسٹر اور والدہ بھی ٹیچر تھیں گھر کا ماحول مذہبی اور پڑھا لکھا تھا۔ سب لوگوں نے وارث کو مشورہ دیا کہ اب وہ شادی کرلیں اس وقت وارث چوبیس برس کے تھے شادی ایک طرح سے ضرورت بھی بن گئی تھی۔ ارجمند کالج جاتی پھر ٹیوشن بھی لیتی' گھر سنبھالنے کے لیے ایک ذمہ دار عورت کا ہونا ضروری تھا۔ شادی کے بارے میں باتیں ہونے لگیں تو ارجمند کو کنول ہر لحاظ سے اچھی لگیں' انہوں نے اس سلسلے میں وارث صاحب سے بات کی اور وارث صاحب سر ہلا کر مسکرادیئے۔ ارجمند خوش ہوگئیں کہ بھائی راضی ہوگئے ہیں اور دوسرے دن انہوں نے باتوں باتوں میں کنول کا عندیہ لے لیا۔

"کنول آپی آپ نے میرے بھائی کو دیکھا ہے ناں؟"

"ہاں ایک دو بار دیکھا ہے جب تمہیں لینے آئے تھے۔"

"ہمم! وہ آپ کو کیسے لگے؟" اس سوال پر کنول نے چونک کر دیکھا۔

"مطلب......" اس بار اس کا لہجہ تھوڑا سا تیز تھا۔

"مطلب یہ ہے کہ آپ...... آپ میری بھابی بنو گی؟"

"ہائیں......" نہایت سادگی سے کیے گئے سوال پر کنول نے آنکھیں پھیلائیں اس نے ایک دو بار دیکھا تھا وارث صاحب اچھے بھلے اسمارٹ بندے تھے' کسی کو بھی اچھے لگ سکتے تھے۔ آج کل اچھے رشتوں کی ویسے بھی کال پڑی تھی ایسے رشتوں کی لڑکیاں خواہش کرتی ہیں نہ بڑی فیملی نہ روک ٹوک کرنے والا' نہ ساس سسر کا جھنجھٹ۔ کنول کے چہرے پر شرمگیں مسکراہٹ پھیل گئی۔

"واؤ آپی! تھینک یو سو مچ' ہم جلد ہی آپ کو اپنے گھر لے جائیں گے۔" ارجمند بانو نے آگے بڑھ کر کنول کے ہاتھ تھام کر محبت بھرے لہجے میں کہا' کنول کے چہرے پر بکھرے قوس وقزح اس کو مطمئن کردینے کے لیے کافی تھے۔

"جب آپ مجھ سے بات کرتی ہیں' مجھے ڈانٹتی ہیں یا مجھ سے خوش ہوتی ہیں تو مجھے بے اختیار اماں کی یاد آجاتی ہے۔ مجھے آپ میں اماں کی جھلک دکھائی دیتی ہے آپ...... آپ ہمیشہ میرا یونہی خیال رکھو گی ناں؟" ارجمند بانو کی آنکھیں جھلملانے لگیں۔

"ارے پاگل لڑکی...... یوں اداس نہیں ہوتے میں ہمیشہ تمہارا خیال رکھوں گی' بہت پیار کروں گی بالکل چھوٹی بہن کی طرح جیسے ہمیشہ سے سمجھا ہے ویسے ہی سمجھوں گی۔ بس جب بھی اماں کی یاد آئے ان کے لیے دعائے مغفرت کرنا' ان کے بلند درجات کے لیے دعا کرنا یوں دکھی ہوکر انہیں بھی اداس مت کرنا۔" کنول نے آگے بڑھ کر اس کی آنکھوں کے پوروں کو ٹشو سے صاف کرتے ہوئے شفقت بھرے لہجے میں کہا اور روتے روتے ارجمند کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس روز کنول سے ارجمند نے ڈھیروں باتیں کیں' ابا اماں کی اور اپنی' وارث کی اور خوشی خوشی گھر واپس آئی کہ آج ہی وارث صاحب سے فائنل بات کرکے جلد از جلد کنول کو اپنے گھر لے آئے گی۔ وہ بہت خوش تھی' گھر آئی تو گھر پر وارث صاحب کے ساتھ نمو خالہ بھی بیٹھی تھیں۔

"سلام خالہ!" ارجمند نے سلام کیا۔

"جیتی رہو بیٹی...... کیسی ہو؟" انہوں نے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دی۔

"بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں' آپ کیسی ہیں خالہ؟" وہ خوش دلی سے بولی۔

"بس بیٹی یہ موا بلڈ پریشر اور کم بخت دل نے پریشان کر رکھا ہے۔" انہوں نے کہا۔ "گڑیا...... اچھی سی چائے تو بنا کر لے آؤ ذرا۔" وارث صاحب نے ارجمند سے کہا تو وہ ابھی لائی کہہ کر کچن کی طرف آ گئی۔

ارجمند چائے کی ٹرے لیے کمرے میں آئی تو کمرے کا ماحول یکسر بدلا ہوا تھا۔ نمو خالہ رو رہی تھیں' ان کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا اور وارث صاحب ان کو تسلیاں دے رہے تھے۔

''خالہ آپ کیوں فکر کرتی ہیں' دل پر اتنا بوجھ مت ڈالیں' آپ کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں رہتی۔ اللہ پاک سب بہتر کرنے والا ہے۔''

''بس بیٹا مجھے تیرا ہی آسرا ہے تجھ سے ہی......''

''نہیں نہیں خالہ! پلیز ایسی باتیں نہ کریں۔'' وارث صاحب نے ان کی بات کاٹ کر مزید کچھ کہنے سے روکا۔

''ہمیں آسرا ہے تو صرف اور صرف اپنے رب کا' وہی ہماری حاجات پوری کرنے والا' ہمارے لیے صحیح اور غلط کا انتخاب کرنے والا' ہماری دعاؤں کو قبولیت کا درجہ بخشنے والا' ہماری تکالیف کو دور کرنے والا ہے۔ بس اس پر بھروسہ رکھنا ہمارے لیے بہتری کا راستہ ہے اور وہ ضرور بہتر کرے گا۔'' وارث صاحب نے ٹھہرے ٹھہرے انداز میں بات مکمل کی۔

''لیں ارجمند بھی آ گئی ہے' بہتر ہے کہ اس کے سامنے بات ہوجائے۔'' وارث صاحب نے جملہ مکمل کر کے جیسے ہی ارجمند کو دیکھا تو مسکراتے ہوئے کہا۔

''آؤ گڑیا...... میرے پاس آ کر بیٹھو۔'' وارث نے اشارے سے اپنے برابر میں بیٹھنے کے لیے کہا تو ارجمند ٹرے میز پر رکھ کران کے پاس آ بیٹھی۔

''ارجمند گڑیا...... تم کہتی ہو ناں کہ گھر میں تم اکیلی بور ہوجاتی ہو اور میں تمہارے لیے بھابی لے آؤں تو اب میں تمہاری خواہش پوری کرنے کو تیار ہوں۔'' وارث صاحب نے ارجمند کے سر پر ہاتھ رکھ کر نرم لہجے میں کہا۔

''واؤ بھائی اور میں بھی آپ سے آج یہی بات کرنے والی تھی۔'' وہ خوش ہوتے ہوئے بولی۔

''اور میں بھی تم سے یہی بات کرنے والا تھا۔'' وارث خوش گوار موڈ میں بولے۔

''سچ بھائی......؟'' ارجمند نے معصومیت اور خوشی سے آنکھیں پھیلائیں۔

''ہاں گڑیا...... یہ بتاؤ تمہیں تمہاری شہلا آپی کیسی لگتی ہیں؟'' وارث کے سوال پر ارجمند نے ہڑبڑا کر وارث کی جانب دیکھا۔

''یہاں شہلا آپی کا کیا ذکر بھیا؟'' نہ چاہتے ہوئے بھی ارجمند کا لہجہ تلخ ہوگیا۔

''ارے بھئی اس لیے ذکر آیا ہے کہ میں نے سوچا ہے کہ شہلا کو تمہاری بھابی بنا کر ہمیشہ کے لیے اپنے گھر لے آؤں۔''

''شہلا...... شہلا......'' ارجمند کے چہرے کا رنگ یکلخت بدل گیا' اس نے عجیب انداز سے پہلے وارث کو اور پھر نمو خالہ کی جانب دیکھا ایسی نظریں جن میں ناپسندیدگی اور انکار برملا ظاہر ہو رہا تھا۔ نمو خالہ نے کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں انہوں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ چال چلی تھی اور شاید اس ری ایکشن کی توقع نہیں تھی لیکن...... ایک لمحے میں وہ جان گئی تھیں کہ ارجمند کے خیالات شہلا کے بارے میں کیا ہیں۔

''اچھا بیٹا...... میں چلتی ہوں اللہ پاک تم کو اجر عظیم عطا کرے۔'' یہ کہہ کر وارث صاحب اور پھر ارجمند کے سر پر ہاتھ رکھ کر وہ جا چکی تھیں۔

''بھائی میں نے آپ سے کنول آپی کے لیے بات تو کی تھی' سیدھی سادی' سمجھدار اور سگھڑ ہیں' مجھ سے بہت پیار کرتی ہیں۔ اماں کی طرح میرا خیال رکھتی ہیں' میں نے ان سے ذکر بھی کردیا تھا' بھائی وہ بہت خوش تھیں۔ یہ اچانک سے...... شہلا آپی ہمارے درمیان میں کیوں اور کیسے آ گئیں؟ ان کو بھابی بنانے کا تو میں سوچ بھی نہیں سکتی۔'' ارجمند نمو خالہ کے جاتے ہی پھٹ پڑی۔

''ارجمند...... شہلا بھی اچھے خاندان کی لڑکی ہے ہمارے خاندان کی ہے۔ نمو خالہ بے چاری بیوہ خاتون وہ کب تک دو دو بیٹیوں کا بوجھ سنبھال پائیں گی' اس لیے وہ چاہتی ہیں کہ شہلا کے بوجھ سے فارغ ہوجائیں۔ شہلا بھی تو پڑھی لکھی ہے' سمجھ دار ہے' پہننے اوڑھنے کی تمیز ہے گھر چلانے کی صلاحیت ہے۔'' نمو خالہ نے خوب اچھی طرح سے وارث کا برین واش کیا تھا' ان کا یوں بار بار چکر لگانا کام آ گیا تھا۔

''مگر بھائی! آپ کو یہ بھی تو معلوم ہے ناں کہ ان کا

پہلے والا رشتہ کس وجہ سے ختم ہوا؟''

''ہاں' مجھے سب پتا ہے اگر ہم خاندان والے بھی ایسی باتیں کریں گے تو غیر کیا کیا الزام نہیں لگائیں گے۔ ایسے وقتوں میں اپنوں کو ہی دل بڑا کرنا چاہیے اگر اپنے بھی دامن جھٹک لیں گے تو وہ لوگ مزید تنہا ہوجائیں گے۔ ایسے وقت پر تو اپنوں کو ہی اپنوں کا سہارا بننا چاہیے جب کبھی بھی کسی شخص پر برا وقت آتا ہے یا وہ زمانے کی اونچ نیچ اور حالات کی گردش کا شکار ہوتا ہے تو وہ صرف مورل سپورٹ چاہتا ہے لیکن بعض اوقات انسان ٹوٹ کر اتنا بکھر جاتا ہے کہ اس کو دیرینہ پرخلوص اور سچے ساتھی کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کے غم بانٹ لے اس کے دکھوں پر اپنی محبت اور خلوص کا مرہم رکھ دے اور اس وقت شہلا بھی ایسی کیفیت سے دوچار ہے ایسے میں ہمیں چاہیے کہ اس کے لیے مثبت سوچ روا رکھیں۔''

یہاں تو شہلا نامہ اور نمو خالہ کی بیٹیوں کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ نمو خالہ بھی بڑی دور کی کوڑی لائی تھیں وہ جانتی تھیں کہ یہاں بھلا کون تھا جو شہلا بیگم کو روک ٹوک کرنے والا تھا۔ ایک ارجمند جو سیدھی سادی اور معصوم سی تھی اور وارث صاحب تو سیدھے سادے شریف اور کم گو بندے تھے۔ انہوں نے نہ جانے ارجمند کی غیر موجودگی میں کیسے کیسے رو کر اپنی مظلومیت کی داستانیں سنا سنا کر اپنی بیماری کی دہائیاں دے دے کر وارث صاحب کو مکمل طور پر اپنے بس میں کرلیا تھا اور اب وارث صاحب کو شہلا سے آگے دنیا ختم نظر آرہی تھی تب ہی ارجمند کے لاکھ سمجھانے پر بھی ان کی ہاں ناں میں نہ بدلی۔

دراصل وارث صاحب شریف النفس تھے آج تک کسی لڑکی کو اس تصور سے نہ دیکھا تھا انہیں تو بس گھر داری کے لیے بیوی چاہیے تھی۔ شہلا بیگم صورت شکل کی اچھی بھلی ضرور تھیں مگر فطرتاً چالاک تھیں۔ وارث سے عمر میں کچھ ہی چھوٹی ہوں گی' دو سال پہلے ان کی منگنی ان کی پسند سے خاندان سے باہر ہوچکی تھی۔ شہلا بیگم کو آزادی' کھلا ماحول اور اپنی مرضی چلانا پسند تھی مگر سسرال والے خاندانی رسم ورواج کے پابند تھے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو محسوس کرتے تھے' شہلا بیگم کی خواہش تھی کہ منگنی کے بعد وہ اپنے منگیتر کے ساتھ گھومیں پھریں' شاپنگ کریں' فلمیں دیکھیں لیکن سسرال والے ایسی باتوں کے خلاف تھے وہ رات رات بھر فون پر اپنے منگیتر سے بات کرنا چاہتی تھیں۔ کبھی کبھی وہ مصروف ہوتا' کوئی مہمان وغیرہ آجاتے تو بات نہ ہو پاتی۔ اس بات کو لے کر شہلا بیگم ہنگامہ کھڑا کردیتیں کہ ابھی سے تمہاری نظر میں مجھ سے زیادہ دوسرے لوگوں کی اہمیت ہے' چھوٹی چھوٹی باتیں بڑی ہوگئی تھیں اور آخرکار ایک دن شہلا بیگم نے اپنی منگنی کی انگوٹھی اپنے منگیتر کے منہ پر دے ماری اور یوں رشتہ ختم ہوگیا۔

''بھائی میں نے آپ سے بات کرنے کے بعد ہی کنول آپی سے بات کی تھی وہ راضی بھی تھیں اور آپ نے یوں اچانک یہ فیصلہ کرلیا مجھے بتاتے تو......'' ارجمند بدستور کنول کو لے کر ہی پشیمان ہورہی تھی۔

''مجھے کیا پتا تھا کہ تم آج ہی بات کرلو گی۔'' وارث صاحب نے کہا۔ ''تمہیں مجھ سے فائنل کرکے بات کرنی چاہیے تھی ناں۔ بحرحال اب میں نے نمو خالہ کو زبان دے دی ہے ہمارے گھر آکر شہلا یقیناً اچھی لڑکی ثابت ہوگی اس لیے تم بھی ذہنی طور پر اس رشتے کو نبھانے کے لیے تیار ہوجاؤ۔'' وارث صاحب نے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا' ارجمند منہ پھاڑے بھائی کو دیکھتی رہی ویسے ہی ارجمند کو نمو خالہ اور ان کی بیٹیاں سخت ناپسند تھیں اور شہلا...... شہلا سے تو خاص طور پر ارجمند کو چڑ تھی۔ اب گھر میں بھاوج کی صورت میں شہلا کو عمر بھر نبھانا پڑے گا یہ سوچ کر ہی ارجمند کا دماغ گھوم رہا تھا۔ وارث سیدھے سادے بندے تھے' نمو خالہ کی چالاکیوں سے ناواقف تھے۔ اسی لیے نمو خالہ کے بچھائے ہوئے جال میں باآسانی پھنس گئے تھے اور ارجمند کی خوشی اور خواہش کو پس پشت ڈال کر انہیں رشتہ داری نبھانا اور نمو خالہ کی صحت اور شہلا کی عزت کی زیادہ فکر لاحق تھی۔

ارجمند کو ایک جانب اس ناپسندیدہ رشتے کو نبھانا خاصا دشوار لگ رہا تھا تو دوسری جانب کنول بے چاری کے بارے میں سوچ کر اور اپنی بے عزتی کے خیال نے پریشان کررکھا تھا۔ پھر ارجمند امتحانات سے فارغ ہوگئیں شہلا بیگم وارث کی دلہن بن کر گھر میں آ گئیں اور بڑے سے گھر کے ساتھ ساتھ وارث کے دل پر بھی مکمل قابض ہونے کی تیاریاں کرنے لگیں۔ ارجمند بانو جن کو آنے والے حالات کا بخوبی اندازہ تھا اس لیے انہوں نے بھی خود کو کسی حد تک تیار کرلیا تھا کہ اگر شہلا بیگم سیر ہوئیں تو وہ بھی سوا سیر بن کر دکھائیں گی۔

اور یہ سیر اور سوا سیر کے درمیان بے چارے وارث صاحب کی حیثیت چھٹانک بھر کر رہ گئی تھی' نند بھاوج میں سدا اختلافات رہتے تھے۔ ارجمند بانو کالج سے آ کر زیادہ تر اپنے کمرے میں ہی رہتی تھیں۔ بھاوج کی طرف سے ان کے دل میں بال آ گیا تھا اور دوسری طرف نمو خالہ کی تربیت بھی اپنا مکمل رنگ جمائے ہوئے تھی کہ وارث کو اپنے آپ میں یوں الجھائے رکھنا کہ وہ بہن سے زیادہ بات نہ کرسکے۔

''وہ چھٹانک بھر کی لڑکی بہت آفت کی پرکالا ہے میں نے اس کی آنکھوں میں تمہارے لیے جو ناپسندیدگی دیکھی ہے ناں وہ بعد میں گن گن کر بدلے نکالے گی۔ اپنے بھائی کے کان بھر بھر کر تمہارے خلاف کرسکتی ہے اس سے اچھی طرح نپٹ لینا اور ہاں جتنی جلدی ہوسکے اسے گھر سے دفع کردینا۔ زیادہ منہ نہ لگانا۔'' اور شہلا بیگم سر ہلا ہلا کر اماں کو مطمئن کرکے آئی تھیں۔

شہلا کے ہاں پہلا بیٹا فائز پیدا ہوا تو ارجمند بانو بہت خوش ہوئیں بھاوج سے تمام تر اختلافات کے باوجود بچہ تو ان کا اپنا ہی خون تھا وہ اسے پیار کرتی تھیں اور جب فائز دو سال کا ہوا تو زائر آ گیا۔ زائر ہو بہو اپنے دادا کے جیسا تھا ارجمند زائر کو اور زیادہ پیار کرتی تھیں۔ اب ارجمند کے لیے رشتے کی تلاش شروع ہوگئی تھی۔ سادات سیدھا سادا اور پڑھا لکھا نوجوان تھا۔ وہ اکیلا تھا اور سب سے بڑا مسئلہ اس کی رہائش کا تھا ابھی تو وہ اپنے دوست کے ساتھ رہتا تھا اور ارجمند بانو بھی گھر چھوڑ کر جانے کو راضی نہ تھیں۔ گھر امی نے دونوں کے نام کردیا تھا یوں طے یہ پایا کہ اوپر کا پورشن بنوا کر ارجمند بانو شادی کے بعد وہاں رہیں گی۔ شہلا نے اس بات پر خوب واویلا کیا۔

''شادی کے بعد لڑکا چاہے کہیں بھی رکھے جھونپڑی ہو یا محل لڑکی کو اس کے ساتھ رہنا چاہیے۔'' ارجمند بانو بھی اپنی ضد کی پکی تھیں یوں ان کی شادی ہوگئی اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسی گھر میں رہنے کا مکمل بندوبست بھی کرچکی تھیں۔ شہلا بیگم نے دل کی بھڑاس لفظوں کی صورت میں دل کھول کر نکالی۔

''لو بھئی...... یہ اچھا تماشا دیکھنے کو ملا ہے' دنیا کی ہر لڑکی شادی کے بعد رخصت ہوتی ہے اور ہماری نند صاحبہ نے میاں جی کی رخصتی کروالی۔ ہم نے تو سوچا تھا کہ جان چھوٹ جائے' مگر یہ تو ساری زندگی چھاتی پر سوار رہیں اور اب ہمارے سروں پر دندناتی پھریں گی۔''

''ارے واہ...... میرے باپ کا گھر ہے' برابر کا حصہ ہے میرا۔ میں کیوں جاؤں چھوڑ کر' ابا جی نے میرے لیے سارا انتظام کررکھا تھا آپ نے کون سا محنت کرکے جوڑ جوڑ کر میری شادی کی تیاریاں کی ہیں؟ کون سا بھاوج ہونے کا حق ادا کیا ہے اور...... اور چھاتی پر تو آپ سوار ہوئی ہیں زبردستی ہماری۔'' ارجمند بانو کی زبان بھی کم نہ تھی۔

''ہائے ہائے...... توبہ ہے زبان دیکھو تو کیسے چلتی ہے مانو منہ میں کپڑا رکھو تو کپڑا کٹتا ہی چلا جائے۔''

''اوہو آپ کے منہ سے تو پھول جھڑتے ہیں گلاب کے آپ کے منہ سے نکلے پھولوں سے ہی ہمارا صحن آباد ہوا ہے۔'' ارجمند کی بات پر وہ تلملا کر رہ گئیں۔

''شکر ہے اللہ کا سادات میاں اکیلے ہیں ورنہ تو بے چاری ساس تو دوسرے دن ہی تمہارے الفاظ کے نشتروں سے مرجاتی۔'' وہ جل کر بولی۔

''اللہ کی طرف سے ہوا ہے یہ سب میں نے آپ کی طرح پلاننگ کرکے بنا ساس سسر والا گھر نہیں چنا۔''

ارجمند کی بات نے شہلا بیگم کے اندر آگ بھڑکا دی۔

''اُف کتنی بدتمیز اور جاہل لڑکی ہے یہ اس سے بات کرنا کسی عذاب سے کم نہیں۔'' بڑبڑ کرتیں غصے سے پیچ وتاب کھاتی ہوئیں شہلا بیگم کچن کی سمت چل دیں اور ارجمند بُرا سا منہ بنا کر رہ گئی۔

بچپن سے ہی شہلا بیگم نے بیٹوں کو پھپو کے خلاف خوب کان بھر دیئے تھے اور پھر بچے بھی دیکھتے کہ کبھی بھی پھپو اور اماں میں نہیں بنی تھی رہی سہی کسر شہلا بیگم پوری کررہی تھیں۔ وارث صاحب کی حیثیت معذور بادشاہ کی سی ہو کر رہ گئی تھی جبکہ سادات کو گھر کے دھندوں سے کوئی سروکار نہ تھا' وہ زیادہ تر کام کے سلسلے میں شہر سے باہر ہی رہتے۔ ارجمند بانو کی ایک بیٹی کشیا تھی' جو بہت حسین تھی۔ سرخ وسفید رنگ' خوب صورت نقوش لیے سنہری مائل سلکی بال' متناسب جسم اور دراز قد ارجمند بانو نے کشیا کے دل میں ممانی کے بارے میں خاصی الٹی سیدھی باتیں ڈال دی تھیں کہ زبردستی وہ شادی کرکے آئی ہیں' تیز طرار اور چالاک ہیں۔ بچوں کے دل میں کدورتیں تھیں جبکہ فائز پھپو اور کشیا کے خلاف منفی سوچ نہیں رکھتا تھا۔ اسے اپنی اماں کی فطرت کا بھی بخوبی اندازہ تھا۔ زائر مردانہ وجاہت کا مکمل نمونہ تھا سانولا' دراز قد' اسمارٹ اور پُرکشش جب وہ تیار ہو کر گھر سے باہر نکلتا اور سن گلاسز لگا کر بائیک اسٹارٹ کرتا تو کشیا اوپر سے چپکے چپکے اسے دیکھا کرتی اسے زائر اچھا لگتا تھا لیکن زائر حد درجہ اتراتا تھا اور خود کو شو آف کرتا تھا۔ یہ بات کشیا کو زہر لگتی اور ساتھ ساتھ ممانی کی کرخت آواز تیز نظریں اکھڑ رویہ دیکھ کر اسے بہت غصہ آتا تھا۔

❁......❁......❁

ڈھیر سارا وقت گزرتا چلا گیا اس عرصے میں سادات صاحب کا انتقال ہوگیا۔ فائز اور زائر پڑھائی سے فارغ ہو کر جاب کرنے لگے۔ فائز کی شادی ہوگئی اور کشیا کالج میں آگئی۔ دلوں میں کینہ' نفرتیں آج بھی اسی طرح برقرار تھا۔ فارحہ (فائز کی بیوی) سمجھ دار اور اچھی لڑکی تھی۔ اسے کشیا اچھی لگتی تھی وہ چاہتی تھی یہ تعلقات بحال ہو جائیں' آپس میں نفرتیں ختم ہو جائیں مگر دونوں جانب سے صرف لال جھنڈیاں ہی نظر آتی تھی۔

شہلا بیگم کو کشیا سے چڑ تھی جب وہ تیار ہوتی تو انہیں خطرہ لاحق ہو جاتا اسی لیے انہوں نے فائز کی شادی جلدی کرڈالی زائر تو ویسے بھی پھپو اور کشیا سے' بہت چڑتا تھا اس طرف سے انہیں اطمینان تھا فائز کی شادی میں وہ ہر تقریب میں بہت پیاری لگی خصوصاً ولیمے والے دن کشیا نے فیروزی بنارسی اور شیفون کی نگینوں کے کام والی میکسی پہنی تھی چھوٹے سے میچنگ نگینوں کے سیٹ اور ہلکے میک اپ میں اس نے اپنے لمبے گولڈن براؤن سلکی بالوں کو کھلا چھوڑ دیا تھا۔ وہ سامنے سے آتے زائر کی آنکھوں سے ہوتے ہوئے سیدھے اس کی دل میں اترتی چلی جارہی تھی۔ جبکہ زائر بلیک سوٹ میں بہت ڈیسنٹ لگ رہا تھا۔

''ہنہہ......'' کشیا نے منہ بنا کر نظر ہٹالیں۔ ''اگر بندہ اسمارٹ ہے' ڈیشنگ ہے تو ضروری ہے کہ وہ خود کو شو آف بھی کرے۔'' منہ بنا کر وہ سوچنے لگی۔

''اللہ نے خوب صورت کیا بنا دیا محترمہ کے پیر زمین پر ہی نہیں ٹکتے' خود کو حور پری سمجھتی ہے۔'' یہ زائر کے خیالات تھے۔

''کیا ہوگیا...... دانت میں درد ہے کیا جو اس قدر بُرا منہ بنالیا ہے۔'' زائر نے طنز سے پوچھا۔

''نہیں الحمدللہ...... مجھے یہ تکلیف نہیں ہوتی' میرا تو موڈ خراب ہوگیا ہے مغرور اور چغد شکل دیکھ کر۔'' کشیا نے تڑ سے جواب دیا۔

''ہاہاہا...... اتنا مت جلاؤ کہ دل کے جلنے کی بو یہاں تک آجائے' حد ہے جیلسی کی۔''

''اوئے ہوش میں رہو' میرا دل جلے گا...... وہ بھی تم سے' ہنہہ جلتی ہے میری جوتی۔'' وہ کھول کر بولی اور تنتناتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ زائر کا اونچا قہقہہ اسے مزید تپا گیا۔

اس روز زائر نے چپکے چپکے اس کی بے شمار تصویریں اتار لیں' زائر کو کشیا اچھی لگتی تھی مگر نہ جانے کیوں وہ اس قدر اتراتی تھی' غرور اور تکبر میں ڈوبی رہتی اور اس بات سے زائر

کو چڑھتی اور آپس کے تعلقات مزید کشیدہ کرنے اور دلوں میں کدورتیں پیدا کرنے میں دونوں کی اماؤں کا کردار بہت مضبوط اور معاون ثابت ہورہا تھا۔

فارحہ جب سے آئی تو گھر کا ماحول چینج ہوا تھا‘ بہت پیار سے بات کرتی تھی۔ کشیا کو وہ بہت اچھی لگتی تھی اب بھی کبھار کشیا آجاتی‘ شہلا بیگم کا منہ تو کشیا کو دیکھ کر ضرور بگڑ جاتا مگر فارحہ بہت خوش ہوجاتی۔ اس سے پڑھائی کے بارے میں پوچھتی‘ فیشن اور کپڑوں کے ڈیزائننگ پر بات ہوتی۔ فارحہ کا ٹائم بھی اچھا پاس ہوجاتا۔

موسم بدل رہا تھا ہلکی ہلکی سردیاں شروع ہوئیں تو ارجمند بانو نے گرم کپڑے وغیرہ دھوپ لگانے کے لیے چھت پر پھیلا دیئے اور شام کو وہ کپڑے اتارنے اوپر گئی تھی کہ اسے زائر نظر آگیا اور پھر دونوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی اور اس کا موڈ آف ہوگیا۔

کشیا کے فائنل ایگزامز اسٹارٹ ہوئے تو وہ تمام تر جھگڑوں اور فساد سے دور ہوکر صرف اور صرف پڑھائی میں بزی ہوگئی۔ اللہ اللہ کرکے پیپرز ختم ہوئے تو اس روز کشیا نے اپنی نیند پوری کی‘ ریلیکس ہوکر سوئی تو ٹائم کا اندازہ نہیں ہوا‘ مغرب کی اذان سے کچھ پہلے اس کی آنکھ کھولی۔

”اُف کافی دیر سوگئی۔“ گھڑی پر نظر ڈالی اور طویل جمائی لے کر اٹھ بیٹھی۔ منہ دھوکر باہر آئی تو زائر کو ارجمند بانو کے پاس بیٹھا دیکھ کر اچھے بھلے موڈ کا ستیاناس ہوگیا۔

”السلام علیکم!“ آج زائر نے اسے سلام کیا تھا‘ کشیا نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا اور کوئی جواب نہیں دیا اور سامنے تخت پر رکھے مٹھائی کے ڈبے پر نظر پڑی۔

”یہ...... یہ کس خوشی میں لے کر آئے ہو کیا کسی بدنصیب کا نصیب پھوڑنے کا فیصلہ کرلیا ہے؟“ زائر کی بات کو قطعی نظر انداز کرکے مٹھائی کے ڈبے کی طرف اشارہ کیا۔

”ارے وہ خوش نصیب اتنی آسانی سے ہماری زندگی میں نہیں آسکتی جس کی قسمت ہم جیسے حسین‘ ڈشنگ اور چارمنگ بندے کے ساتھ منسلک ہو وہ تو ہزاروں‘ لاکھوں میں سے ایک ہوگی۔ یہ تو ہماری جاب کی خوشی میں ہے ماشاء اللہ سے مابدولت کو ملٹی نیشنل کمپنی میں زبردست جاب مل گئی ہے۔“ زائر نے کالر کھڑے کرکے اتراتے ہوئے کہا۔

”آجاؤ تم بھی منہ میٹھا کرلو اس خوشی کو سلیبریٹ کرلو میرے ساتھ۔“ اس بار لہجے میں مصالحت تھی‘ کشیا نے حیرت سے اسے دیکھا اور آگے بڑھ کر مٹھائی کا ایک ٹکڑا اٹھا کر منہ میں رکھ لیا۔

”مبارک ہو ویسے اس کمپنی کا اللہ ہی حافظ ہے جہاں پر تم جیسا شو آف کرنے والا بندہ اعلیٰ عہدے پر فائز ہو تم کام کم کرو گے اور لڑکیوں کے سامنے شو زیادہ مارو گے۔“ ترچھی نظروں سے زائر کو دیکھتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

”ہاہاہا...... پانی ڈالو...... پانی ڈالو جلنے کے بو یہاں تک آرہی ہے۔“ پیچھے سے زائر کی آواز آئی تھی اور وہ کچن کی طرف چلی گئی۔

وقت تھوڑا سا آگے بڑھا‘ اس روز موسم کافی اچھا تھا۔ گرمیوں کی خوش گوار شام تھی۔ وارث صاحب آفس سے آچکے تھے‘ سب لوگ صحن میں بیٹھے چائے پی رہے تھے فارحہ اور فائز بھی موجود تھے۔ شہلا بیگم چند ماہ کے پوتے کو گود میں لیے بیٹھی تھیں۔

”بھئی شہلا اب تو زائر کے لیے بھی لڑکی تلاش کرنا شروع کردو‘ ماشاء اللہ سے برخوردار اچھا خاصا کمانے لگے ہیں۔“ وارث صاحب نے چائے کا گھونٹ لے کر کچھ دیر بعد کہا۔

”ہاں ہاں دیکھ لوں گی کہہ دوں گی آپا کو کوئی اچھی لڑکی نظر میں ہو تو بتادیں گے۔“ شہلا بیگم نے اپنی بڑی بہن کا ذکر کیا۔

”ارے ابا جی...... لڑکی تلاش کرنے کی کیا ضرورت ہے اپنی کشیا ہے ناں‘ دیکھی بھالی‘ خاندانی اور شریف بچی۔“ فارحہ نے ڈرتے ڈرتے دل کی بات کہہ ڈالی۔

"ہائیں...... گھر کے متعلق فیصلے تم کب سے کرنے لگیں؟" شہلا بیگم کو فارحہ کی بات چنگاری کی طرح سیدھی دل پر جا لگی تھی۔

"نہیں اماں! میرا یہ مطلب ہرگز یہ نہیں تھا' فیصلے تو آپ ہی کرنے والی ہیں میں نے تو ایک بات کی تھی۔" فارحہ نے جلدی سے صفائی پیش کی۔

"کیوں تمہیں پچھلے دو سالوں میں ہم نند بھاوج کے تعلقات کا علم نہ ہوا' اندازہ نہیں ہوا کہ ارجمند بانو کیسی کھڑوس اور انتہائی فضول قسم کی خاتون ہیں اور ہماری آج تک نہیں بنی؟"

"جی اماں...... یہ ارجمند پھپو کے بارے میں ٹھیک ہے مگر...... مگر کشیا تو پھپو کے مقابلے میں اچھی ہے۔" اس بار فائز بولا تھا جبکہ وارث صاحب بالکل چپ بیٹھے تھے۔ انہیں بہن اور بیوی دونوں کے بارے میں اندازہ تھا نہ وہ بہو بنائیں گی نہ ہی وہ بیٹی دیں گی۔

"فائز میاں! تم اور تمہاری بیگم دونوں اچھی طرح سے کان کھول کر سن لو کہ آج تو یہ بات کہہ دی مگر آئندہ نہیں کہنا' وہ عورت جو ساری زندگی ہمارے سروں پر دندناتی پھرتی رہی اب میں اس کی بیٹی کو اپنی بہو بنا کر لے آؤں تاکہ اماں سر پر اور بیٹی سینے پر دندناتی پھریں اور میں مرتے دم تک دونوں کے عتاب کا نشانہ بنی رہوں یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔" وہ اپنا فیصلہ سنا کر وضو کرنے کے لیے اٹھ گئیں۔ فائز اور فارحہ ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ کیسی نفرتیں پال رکھی تھیں عمر کے اس حصے میں دونوں میں کوئی لچک نہ آئی تھی۔ وارث صاحب اٹھ کر مسجد کے لیے نکل گئے۔ اب ارجمند بانو بھی کشیا کے لیے مناسب رشتے کی تلاش میں تھیں تاکہ اپنے فرض سے سبکدوش ہوجائیں۔

دوسری جانب شہلا بیگم بھی زور و شور سے زائر کے لیے لڑکیاں تلاش کررہی تھیں' روزانہ کہیں نہ کہیں لڑکی دیکھنے جاتیں اور ان کو کوئی لڑکی پسند ہی نہیں آتی اور بے دردی سے مسترد کردی جاتی۔ اس کی آنکھیں چھوٹی ہیں اس کی ناک دیکھو کیسی پکوڑا جیسی ہے توبہ ہے اس کے بال دیکھے چار دن میں گنجی ہوجائے گی۔ ہائے اللہ معاف کرے لگتا ہے بونی ہے' کسی کی آنکھوں میں مکاری تھی۔ اس کی چال ٹھیک نہیں ہائے ہائے کالی کلوٹی تھی بالکل' ہزاروں کریمیں ملتی ہیں بازار میں کم از کم وہ ہی لگالے۔ اس کی ماں کو دیکھا تھا کیسی آنکھیں تھیں چھوٹی چھوٹی اور چالاک لومڑی جیسی' ایسی لڑکی کی بیٹی تو دو دن میں ہی زائر کو لے کر چلتی بنے گی۔" یہ شہلا بیگم کے خیالات ان لڑکیوں کے بارے میں ہوتے جن کے پاس جاکر وہ کبھی ریفریشمنٹ تو کبھی جوس یا کولڈ ڈرنک پی کر ڈکاریں لیتی ہوئی گھر لوٹتی تھیں۔ اس روز بھی وہ زائر کے لیے لڑکی دیکھ کر آئی تھیں اور حسب معمول بالکل غیر مطمئن تھیں۔

"اماں آپ مجھے بوڑھا کردو گی۔" زائر ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹا ہوا تھا ان کا بے زار چہرہ دیکھ کر کہا۔ وارث صاحب زیر لب مسکرادیے۔

"ویسے آج کیا بات نامناسب لگی آپ کو؟" زائر نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"اللہ معاف لڑکی کی ماں انتہائی چھچھوری خاتون لگیں' بات بے بات ان کی باچھیں کھل کھل کر کنپٹی سے جالگتی تھیں۔" شہلا بیگم کے بے تکے انداز پر فارحہ نے سر پیٹ لیا حالانکہ اچھی بھلی لڑکی تھی۔ اس کی والدہ تھوڑی سی ہنس مکھ تھیں بس۔

"میرے بچے دیکھنا تیرے لیے کیسی حور ڈھونڈ لاؤں گی۔" انہوں نے زائر کی طرف محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور میں لاٹھی لے کر جاؤں گا بارات لے کر۔" زائر ٹھنڈی سانس لے کر مسکرایا۔

ادھر کشیا کے لیے لڑکا پسند کرلیا گیا' معقول رشتہ اور معقول لوگ تھے اس لیے اس لڑکے کے بارے میں سوچا جانے لگا اس موقع پر ارجمند بانو نے بھائی' بھاوج وغیرہ کو بھی بلوالیا تھا۔ آخر لے دے کے ایک بھائی ہی تو تھا تاکہ لڑکے کے بارے میں ضروری معلومات حاصل کرکے فائنل کردیا جائے۔ فارحہ نے جب کشیا سے اس کی مرضی

پوچھی تو کشیا چپ رہی ایسے موقعوں پر جو خوشی وانجانا سا احساس ہوتا ہے کشیا کے اندر کوئی ایسا میٹھا اور کومل سا احساس نہیں اترا تھا۔ عجیب سی بے چینی کا احساس ہو رہا تھا' اپنی کیفیت سے وہ خود بھی انجان تھی۔

''دیکھو کشیا..... سوچ سمجھ کر جواب دو۔''

''جی بھابی۔'' وہ سر جھکا کر بولی۔

''کشیا کہیں تم کسی اور کو پسند.....''

''نہیں بھابی.....!'' کشیا نے جلدی سے فارحہ کی بات کاٹی۔

''پکا.....'' فارحہ نے اس کی آنکھوں میں بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''جی..... جی..... بھابی.....'' گڑبڑا کر کشیا نے جلدی سے نگاہیں جھکا لیں۔

''اوکے۔'' فارحہ نے اس کی بدلتی کیفیت کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ویسے پھپھو نے ایک ہفتے کا ٹائم لیا ہے بلال کے گھر والوں سے تم سوچ سمجھ کر صحیح فیصلہ کرنا۔'' فارحہ نے پیار سے اس کے گال چھوتے ہوئے کہا تو وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

دوسرے دن ارجمند بانو کہیں گئی ہوئی تھیں' کشیا کو معلوم تھا کہ آج ممانی بھی کہیں لڑکی دیکھنے جانے والی تھیں۔ فائز اور زائر آفس میں ہوں گے فارحہ اور طٰہ گھر پر ہوں گے یہ سوچ کر کشیا چلی آئی۔ دروازہ کھلا تھا وہ اندر آ گئی اور فارحہ کو آوازیں دینے لگی تب ہی غیر متوقع طور پر سامنے کے کمرے سے زائر نکلا وہ اچانک زائر کو سامنے دیکھ کر ٹھٹکی۔

''سلامتی تو تم پر بھیجوں گا نہیں کیوں کہ تم اس قابل نہیں ہو۔'' کڑوے لہجے میں بولا۔

''تم سے توقع بھی نہیں ہے کسی اچھی بات کی' بھابی کہاں ہیں؟'' جواب دے کر ساتھ ہی سوال بھی کر ڈالا۔

''اماں اور بھابی مارکیٹ گئی ہوئی ہیں اور سنا ہے دشمنوں کے رشتے طے ہو رہے ہیں۔'' زائر نے تیکھی نظر ڈال کر تیکھے لہجے میں سوال کیا۔

''ہاں الحمدللہ کیونکہ ہمارے گھر میں نارمل لوگ رہتے ہیں اتنی دیر نہیں لگائیں گے نہ ہی گھر گھر جا کر مفت کھا کر آئیں گے ویسے تمہیں کوئی تکلیف ہے کیا اس بات سے؟'' پہلے چوٹ کی اور پھر سوال کر ڈالا۔

''ہاں ہے تکلیف' تمہیں بڑی خوشی ہو رہی ہے؟'' سوال پر سوال کر ڈالا۔

''ہاں' ظاہر ہے بلال جیسا لڑکا جو مل رہا ہے۔'' اترا کر جواب دیا۔

''اچھا..... اچھا..... تم خوش ہو..... سچ سچ بتاؤ۔'' اس بار وہ سر پر پہنچ کر سوال کر رہا تھا۔

''ارے..... ارے.....'' وہ گڑبڑا کر دو قدم پیچھے ہٹی۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے زائر؟''

''بکواس بند کرو اپنی جو سوال پوچھا ہے اس کا جواب دو مجھے۔'' وہ غصے سے گرج کر بولا۔

''نہیں دیتی جواب زبردستی ہے کیا..... تم کون ہوتے ہو سوال کرنے والے' کیا سمجھتے ہو اپنے آپ کو؟''

''میں کون ہوتا ہوں..... کون ہوں میں..... اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر پوچھو اپنے آپ میں جھانک کر خود سے یہ سوال کرو۔ میں تمہارے لیے کیا ہوں؟ اس کا جواب مجھ سے نہیں اپنے آپ سے مانگو۔'' اس کا لہجہ بدلا ہوا تھا۔

''اُف.....'' اس کی قربت سے کشیا ٹپٹا رہی تھی اس کے پسینے چھوٹ رہے تھے۔

''تم..... تم..... نہایت بدتمیز' اکھڑ' مغرور' انسان ہو جسے صرف اپنے آپ سے پیار ہے۔'' وہ کسی حد تک سنبھل کر منہ پھیر کر سخت لہجے میں بولی۔

''اور تم..... تم اسی بدتمیز' مغرور اور اکھڑ انسان سے پیار کرتی ہو ناں؟'' اس کے پُراعتماد لہجے میں کیے گئے بااعتماد سوال پر کشیا بُری طرح گھبرا گئی۔

''زائر اب تم حد سے بڑھ رہے ہو یہ کیا فضول بکواس ہے؟ یہ تمہیں کس نے کہہ دیا کہ میں..... میں تم جیسے انسان سے پیار کرتی ہوں۔ یہ بکواس ہے میں تم سے نفرت کرتی ہوں نفرت.....''

''اچھا......'' آگے بڑھ کر زائر نے اس کی نازک کلائی اپنے مضبوط ہاتھوں میں تھام لی اور اس کے قریب آ کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مخاطب ہوا۔ ''اگر مجھ سے اتنی نفرت کرتی ہو تو کیوں مجھے گھنٹوں چھپ چھپ کر دیکھا کرتی ہوں...... کیوں ابھی تک رشتے کے لیے حامی نہیں بھری...... کیوں تمہارے چہرے پر اداسی اور آنکھوں میں کوئی خوشی کے دیپ نہیں جل رہے...... کیوں خوشی کی کوئی جھلک تمہارے چہرے پر واضح نہیں ہو رہی؟'' سوال پر سوال کرتے وہ تو آنکھوں کے راستے دل میں اترا جا رہا تھا۔ کتنی دھونس اور یقین سے وہ سوال کیے جا رہا تھا کیسے وہ دل کے اندر کی باتیں بیان کر رہا تھا۔ کتنے اعتماد سے دل کے تاروں کو چھیڑ رہا تھا۔

''زائر تم پاگل ہو گئے ہو...... یہ جھوٹ ہے' کس نے کہا ہے بکواس ہے' چھوڑو میرا ہاتھ......'' تمام تر کوششوں کے باوجود لفظ کشبیا کا ساتھ نہیں دے پا رہے تھے۔

''یہ جھوٹ اور بکواس نہیں ہے' یہ تمہاری آنکھوں نے کہا ہے تمہارے چہرے نے کہا ہے کہ تمہارے دل میں میرے لیے کیا ہے؟ بچپن سے آج تک میں نے تمہاری آنکھوں میں اپنے لیے چاہت دیکھی ہے۔ زبان پر لاکھ میرے لیے زہر ہوتا لیکن دل میں...... دل میں میرے لیے محبتیں تھیں۔ اگر یہ جھوٹ ہے تو ایک بار میری آنکھوں میں دیکھ کر اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر کہہ دو کہ تمہیں مجھ سے نفرت ہے' تمہارے دل میں میرے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔'' وہ بدستور مضبوطی سے ہاتھ تھامے آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بے بس کیے جا رہا تھا۔

''یہ...... یہ سب تم کیسے کہہ سکتے ہو؟'' وہ بمشکل کہہ پائی۔

''اس لیے کہ بچپن سے لے کر آج تک زائر نے صرف اور صرف ایک پاگل' نک چڑھی اور مغرور لڑکی کو چاہا ہے جس کے ساتھ جینے کے خواب دیکھے ہیں' جس کی تمام تر بدتمیزیوں کے باوجود اسے دل کی گہرائیوں سے پسند کرتا ہے اور اس پاگل لڑکی کو کسی اور کا ہوتا نہیں دیکھ سکتا۔ وہ اس کے بنا نہیں رہ سکتا اور وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ وہ پگلی بھی زائر کو دل و جان سے چاہتی ہے۔'' کشبیا آنکھیں پھاڑے مبہوت اس دشمن جاں کے لبوں سے نکلتے ایک ایک لفظ کی میٹھی پھوار میں بھیگتی جا رہی تھی بظاہر نفرتوں کے درمیان پلنے والے نہ جانے کیسے ایک دوسرے کے اتنے قریب آ چکے تھے۔ تمام تر اختلافات اور ماؤں کے منفی رویے بھی ان دونوں کے درمیان جنم لینے والے حسین رشتے کی بنیاد کو ہلانے میں کامیاب نہ ہو سکے تھے۔

''مگر امی اور ممانی......؟'' دوسرے لمحے ہی کشبیا نے مایوسی سے سوال کیا۔

''اوہو ہم دونوں اگر ڈٹ گئے تو وہ دونوں بھلا کیا کر سکیں گے ویسے بھی باقی سب ہمارے ساتھ ہیں ناں اور ہم دونوں مل کر ان دونوں کی صلح کروائیں گے یہ بھی نیا اور انوکھا ہوگا کہ بچوں نے ماؤں کے تعلقات بحال کروائے۔'' زائر نے کہا تو کشبیا اسے دیکھے گئی۔ آج وہ کتنا الگ' کتنا عقل مند لگ رہا تھا۔

''اوئے لڑکی! اب اتنے حسین بندے کی نظر کرم پا کر ہواؤں میں مت اڑنے لگنا۔'' زائر کی رگِ ظرافت پھڑکی۔

''ارے...... ارے سوری جانِ زائر!'' وہ جو تنک کر کوئی جواب دینے والی تھی زائر کو سامنے جھک کر ہاتھ جوڑے دیکھا تو مسکرا دی۔ زائر کی محبتوں کے آگے بے بس ہونے لگی۔ میرے لیے ''صرف تم'' زائر کی سرگوشی اسے مدہوش کیے جا رہی تھی۔

❀

شب ہجر کی پہلی بارش
نازیہ کنول نازی

درد کی خوش بو گئی، زخموں کی رعنائی گئی
موسمِ ہجراں تری اب کے پذیرائی گئی
کون سی محفل، کہاں کے روز و شب کیسا قیام
زندگی تو اصل میں اک سانس ہے آئی گئی

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

صمید حسن اوران کی فیملی کی کہانی ہے۔جنہیں ان کے والدین کی رحلت کے بعد کرنل شیر علی اپنا بیٹا بنا کر گھر لے آتے ہیں اور بعدازاں اپنی بھتیجی مریرہ رحمان کی شادی ان کے ساتھ طے کردیتے ہیں۔ مریرہ رحمان کی بڑی بہن بریرہ رحمان کی شادی ان کے سگے بیٹے سکندر علوی کے ساتھ طے ہوتی ہے مگر سکندر علوی بیرون ملک اپنی ایک کلاس فیلو کے ساتھ شادی رچا کر وہیں کے ہو رہتے ہیں۔جس کی خبر بریرہ کو ہوتی ہے تو وہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہے۔ صمید حسن اور مریرہ رحمان کے دو بچے زاویار صمید اور درمکنون صمید ہیں۔ بعدازاں دونوں کے راستے ایک چھوٹی سی غلط فہمی سے الگ ہوجاتے ہیں تو زاویار صمید حسن صاحب کے پاس رہ جاتا ہے جبکہ درمکنون کو مریرہ بیگم اپنے ساتھ لے جاتی ہیں۔ادھر بیرون ملک سکندر علوی کثرت شراب نوشی کے سبب جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے تو کرنل شیر علی اس کی بیٹی عائلہ علوی کو اپنے ساتھ پاکستان لے آتے ہیں۔زاویار بے حد الجھے مزاج کا شخص ہے لندن میں اس کا سارا وقت اپنے انگریز دوستوں جولی، رابرٹ اور ایبک کے ساتھ گزرتا ہے وہیں اسٹور پر کام کرنے والی ایک لڑکی ہوزان اس کی دیوانی ہے۔ درمکنون اپنی ماں مریرہ کا بزنس سنبھال لیتی ہے اس کے آفس میں ہیام آفندی جو اس کا پرسنل سیکرٹری ہے اس سے محبت کرتا ہے مگر اظہار نہیں کرتا۔ صمید حسن کی زندگی میں نامساعد حالات کے سبب دوسری آنے والی عورت سارا احمد ہے۔ جن کے والد صمید حسن صاحب کے بزنس پارٹنر ہیں اور انہی کے بھتیجے کے ساتھ سارا بیگم کا نکاح ہوچکا ہے مگر وہ آوارہ مزاج انسان ثابت ہوتا ہے اور سارا بیگم کے طلاق کے مطالبے پر ان کی عزت برباد کرکے انہیں طلاق دے دیتا ہے۔ سارا بیگم کی بیٹی پرہیان اس حقیقت سے بے خبر ہے اور اپنی ماں کو گناہ گار سمجھتی ہے کیونکہ اس کا منگیتر ساویز آفندی جو صمید حسن صاحب کے قریبی دوست احمد آفندی کا اکلوتا بیٹا ہے اسے ناجائز سمجھ کر چھوڑ دیتا ہے۔ اسی لیے وہ بھی لندن اپنے یونیورسٹی فیلوز کے پاس آجاتی ہے۔ ساویز آفندی کی ماں سعدیہ آفندی کرنل شیر علی کی پوتی عائلہ علوی کے منگیتر سدید علوی کی بھی حقیقی ماں ہیں۔ سدید کرنل شیر علی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آرمی جوائن کرلیتا ہے۔ دوسری طرف کرنل شیر علی کے جگری دوست ملک اظہار اور زلیخا بی بی کا بیٹا عمر عباس مریرہ رحمان سے عشق کرتا ہے مگر مریرہ کو اس کے سچے جذبوں کی خبر نہیں۔ ملک اظہار کی ساری فیملی ان کی حویلی میں دفن ہے اسی حویلی کے راز جاننے کے لیے ان کی پوتی اور عمر عباس کی بھتیجی شہرزاد پاکستان آتی ہے۔ صمید کے آنے کے بعد مریرہ کا اس کی طرف بے قراری سے بڑھنے پر عمر کے اندر کچھ ٹوٹتا ہے۔ عمر اداس ہوکر گزرے ہوئے وقت کو یاد کرنے لگتا ہے عمر شروع سے ہی غصہ کا تیز رہا ہے۔ کرنل صاحب کو بھائی اور بھابی کی اچانک رحلت نے توڑ کر رکھ دیا ہے بریرہ اور مریرہ کی ذمہ داری ان پر آ گئی ہے اس صدمے سے بھی ابھی نکلے ہی نہیں کہ اکلوتے بیٹے نے ملک سے باہر جانے کی ضد باندھ لی اور گھر سے زیور اور نقدی چرا کر ملک سے باہر چلا گیا۔ کرنل صاحب بریرہ اور مریرہ کو لے کر گاؤں آ جاتے ہیں۔

طیب احمد کے گھر میں فاطمہ، عاشے اور والد اللہ یار اور والدہ نور بانو اور طلحہ رہتے ہیں طیب احمد خود ایک مجاہد ہے اس کی تلاش میں بھارتی فوجی مسلسل اس کے گھر پر نظر رکھے ہوئے تھے لیکن مایوس ہوکر اس کے بھائی کو اپنے ساتھ لے جاتے

ہیں۔ صمید حسن زاویار کو ڈاکٹر سے چیک اپ کرانے کے بعد گھر آجاتے ہیں۔ صمید حسن مریہ کو پچھلی باتوں کی وضاحت دیتا اسے منالیتا ہے عمر عباس اور قمر عباس کے درمیان سنی گئی گفتگو بھی صمید حسن مریہ کے گوش گزار کردیتا ہے۔ ایلی بہت حساس انسان تھا اسے محبت کے بدلے میں صرف دکھ ہی ملے تھے پرہیان ایلی کی آیا سے ایلی کی زندگی کے بارے میں جاننا چاہتی ہے وہ پرہیان کو ایلی کے والدین کی سفاکی کا بتا کر حیران کردیتی ہیں۔ درمکنون صیام کے حالات دیکھتے ہوئے اسے شہر ہی میں رہائش اختیار کرنے کا کہتی ہے۔ جس پر صیام معذرت کرلیتا ہے۔ صیام شہر میں کرائے کا گھر افورڈ نہیں کرسکتا تھا جس پر درمکنون اپنی دوست کا گھر صیام کو دکھا کر اسے فوراً شفٹ ہونے کے لیے کہتی ہے۔ مہک اظہار کے بیٹے کے قتل کے جرم کے عینی شاہدین ملک وقار کی ہدایت پر حویلی پہنچ گئے تھے ملک وقار نے انہیں ڈرا دھمکا کر بیان سے مکرنے کا کہہ دیا تھا لیکن مائی جیراں عین موقع پر پنچائیت کے سامنے حاضر ہوگئی تھی۔ ایلی پرہیان کو اس کی محبت واپس لوٹانا چاہتا ہے ساویز اور ایلی ایک ساتھ کام کررہے تھے ایلی پرہیان کو ساویز کا بتاتا ہے لیکن وہ ناجائز رشتوں کے دکھ میں ٹوٹ گئی تھی، اس لیے ایلی کے بنائے گئے پلان کا حصہ بننے سے پرہیان انکار کردیتی ہے۔ رات سدید کی واپسی دیر سے ہوئی تھی اس لیے وہ فاطمہ پر کیے گئے تشدد کو نہیں دیکھ سکا تھا لیکن عائشے نے سدید کو بھارتی فوج کی آمد اور ان کے مقصد کے بارے میں بتادیا تھا کہ بھارتی فوجی طلحہ کو اٹھا کرلے جاچکے تھے اور طیب احمد کی مسلسل تلاش میں تھے سدید کو یہ سب جان کر دکھ ہوتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

❀......♥......❀

من آنگن میں شہر بسا ہے
شہر میں اک دریا بہتا ہے
جس میں چاند ستارے درپن
کبھی نہ ٹوٹنے والے بندھن
کبھی نہ بھولنے والی یادیں
ٹوٹی پھوٹی سی فریادیں
روشن دن اور جھلمل راتیں
لفظ ادھورے پوری باتیں
لہروں پر اٹھتے جذبے بہتے جائیں
کوئی کہانی کہتے جائیں
ہرے بھرے پیڑوں پہ شاخیں سایوں کی زنجیر بنائیں
نئے موسم کے خوش حال پرندے پلکوں پر پھیلے رنگوں سے
آنکھوں میں تصویر بنائیں
دریا میں افلاک نہائیں
اندر کے سب بھید کنارے کھلتے جائیں
دریا کی لہروں میں رستے
رستوں میں ان دیکھے سپنے کھلے ہوئے ہیں

خواب دھنک خوش بو اور پہرے ملے ہوئے ہیں
تیز ہوا میں دیپ سے کے جلے ہوئے ہیں
لیکن شہر کے دروازے پر
بے خوابی کے دکھ سکھ اوڑھے جانے
کس کی آس میں آنکھیں
نیندوں کا پہرا دیتی ہیں!!

❀......♥......❀

شب کے اڑھائی بجے تھے جب کسی لڑکی کی دلدوز چیخوں کی آواز سے "چھوا" کی فضاء لرز اٹھی۔ سدید اس رات گھر نہیں تھا کیونکہ پورے علاقے میں انڈین آرمی نے کریک ڈاؤن کر رکھا تھا ایسی صورت حال میں کسی بھی قسم کا خطرہ مول لینا دانش مندی کی بات نہیں تھی۔ شب کے اندھیرے میں گونجنے والی اذیت ناک چیخوں کی آواز اسی محلے کی ایک نوجوان لڑکی آسیہ کی تھی جس سے فاطمہ کی بہت گہری دوستی تھی۔ ننھی عائشے کی آنکھ انہی چیخوں کی آواز سے کھلی تھی۔
فاطمہ اور اس کی ماں جاگ رہی تھیں اور اللہ رب العزت سے رحم و نصرت کی بھیک مانگتے ہوئے چپ چاپ رو رہی تھیں۔ عائشے ڈر کر ماں کی گود میں چھپ گئی۔ شب کے اندھیرے میں آئے روز کسی نہ کسی کشمیری کے گھر سے دلدوز چیخوں کی آوازیں فضاء میں گونجنا کوئی نئی بات نہیں تھی کیونکہ جمہوری بھارت کی سیکولر فوج کے پاس لامحدود اختیارات تھے۔ کسی بھی کشمیری نوجوان کو بغیر کسی جرم یا ثبوت کے کہیں بھی لے جا کر ٹارچر کرنا' گولیوں سے بھون دینا' کسی بھی کشمیری دوشیزہ کی عزت کے دامن کو گھر گھر تلاشی کے دوران تار تار کر دینا' کسی بھی آباد کشمیری گھرانے کو توڑ پھوڑ کر آگ کی نذر کر دینا اس کے روز کے معمولات میں شامل تھا۔ اس دن بھی یہی ہوا تھا۔ کرش ٹاپ کے دامن میں آباد گاؤں "چھوا" کی گلیاں بھارتی درندگی کا شکار ہوئی تھیں۔ "چھوا" کے علاقے میں مجاہدین کی موجودگی کا بہانہ بنا کر انہوں نے پورے علاقے کے گرد اپنا حصار باندھ کر وہاں کریک ڈاؤن کیا تھا۔ شب بھر کی خواری کے بعد بھی وہاں کوئی کشمیری مجاہد نہ ملا تو اشتعال میں آ کر انہوں نے علاقے کی مقامی آبادی پر چڑھائی شروع کر دی۔
آسیہ کا گھر بھی ان بدنصیب گھروں میں سے ایک تھا جہاں بھارتی درندوں کے ناپاک قدم پڑے تھے۔ وہ دو بہنیں تھیں اور سوائے کشمیری زبان کے اور کوئی زبان نہیں جانتی تھیں۔ بچپن میں ہی باپ کے سائے سے محرومی نے ان سیدھی سادھی معصوم لڑکیوں کو ہمت۔ سے زیادہ محنت مشقت کا عادی بنا دیا تھا۔
چند سال قبل ان کا اکلوتا جوان بھائی کہ جس کے سر پر سہرا سجانے کے لیے اس کی ماں کب سے خواب دیکھ رہی تھی بھارتی درندگی کی بھینٹ چڑھ گیا تھا۔ اس روز بھی بھارتی فوج نے علاقے میں مجاہدین کی موجودگی کا بہانہ بنا کر وہاں کریک ڈاؤن کر رکھا تھا۔ اس کے بھائی راشد کی ابھی مونچھیں بھی نہیں پھوٹی تھیں کہ اس کی ماں نے محلے ہی میں ایک لڑکی تلاش کر کے اس کی منگنی کر دی۔ آسیہ اور صباء کو بھائی کے سر پر سجے سہرے کے خواب دن رات بے چین رکھتے تھے۔ دونوں بہنیں خوب محنت کر کے اپنے اکلوتے بھائی کی خوشیاں پوری کرنے کی کوشش میں جتی رہتی تھیں۔ منگنی کو تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ گھر میں شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔
اکثر فاطمہ بھی ان کے گھر جا کر کام کاج میں ان کا ہاتھ بٹا دیا کرتی تھی۔ سرخ و سپید رنگت اور سبز آنکھوں والی آسیہ اسے ہمیشہ سے اپنی تمام دوستوں میں سب سے زیادہ عزیز رہی تھی۔ پورے محلے میں ان کا گھر بے حد معزز مانا جاتا تھا۔ آسیہ کا بھائی راشد بھی اپنی بہنوں کی طرح سیدھا سادھا اور صوم و صلوٰۃ کا پابند تھا۔

اس رات وہ عشاء کی نماز پڑھ کر گھر آ رہا تھا جب شب کے اندھیرے میں اسے ہینڈز اپ کی آواز سنائی دی اس کے پاس چونکہ کوئی اسلحہ یا گن وغیرہ نہیں تھی لہٰذا اس نے فوری ہاتھ اوپر کر لیے۔ گاؤں چیوا کی گلیوں میں اس وقت مکمل سناٹا تھا۔ راشد کو بھارتی فوج کے اہلکار گریبان سے پکڑ کر قریبی کھیتوں میں لے گئے۔ اگلے پانچ منٹ وہ اس سے گاؤں میں مجاہدین کی آمد کے بارے میں تصدیق کرتے رہے پانچ منٹ کے بعد بھی جب انہیں راشد کی زبانی کشمیری مجاہدین کی علاقے میں موجودگی کی کوئی اطلاع نہ ملی تو وہ جاتے ہوئے اس کے سر میں گولی مار کر اسے وہیں کھیت میں تڑپتا چھوڑ گئے۔

آسیہ اور اس کی ماں پر وہ رات قیامت بن کر گزری تھی۔

شب کے اندھیرے میں گونجنے والی فائر کی آواز سننے کے باوجود بھی وہ ماں بیٹیاں شب بھر دہلیز کو تکتی راشد کی واپسی کا انتظار کرتی رہی تھیں۔ انہیں خبر ہی نہیں تھی کہ جس سر پر سہرا سجانے کے وہ خواب دیکھ رہی ہیں وہ سر بھارتی درندوں کی دہشت گردی کا شکار ہو چکا ہے۔

اگلی صبح گاؤں میں کسی نے اطلاع دی کہ قریبی کھیتوں میں کسی نوجوان کی لاش پڑی ہوئی ہے۔ محلے کے لوگوں نے جا کر دیکھا تو اکڑی ہوئی وہ بے گور و کفن لاش کسی اور کی نہیں بلکہ آسیہ کے بھائی راشد کی ہی تھی جو نہ کسی تنظیم کا سر کردہ رکن تھا نہ ہی کوئی گوریلا کمانڈو مگر پھر بھی اسے نہایت بے دردی سے موت کی نیند سلا دیا گیا تھا۔ ایسی نیند جس کا حساب لینے والا یا جسے کسی حساب میں شمار کرنے والا پوری دنیا میں کوئی نہیں تھا سوائے خود کشمیری مجاہدین اور کشمیری قوم کے!

آسیہ اس وقت بہت بیمار ہوگئی مگر رفتہ رفتہ زندگی کی بے حسی نے اسے پھر سے سانسوں کا ساتھ دینے پر مجبور کر دیا تھا یہ الگ بات تھی کہ اب اس کے ہونٹوں پر بات بے بات مسکراہٹ کی جگہ ایک مستقل چپ ڈیرا ڈال کر بیٹھ گئی تھی۔ چند سالوں کی مسافت کے بعد وقت کا پہیہ گھومتے ہوئے پھر اسی مدار پر آ گیا تھا اس بار ایک جمہوریت پسند طاقت ور ریاست کے کارندوں کی دہشت گردی کی لپیٹ میں آنے والی خود آسیہ تھی۔

ایک باعصمت کشمیری بیٹی کہ جس کا کل اثاثہ ہی عزت تھی!

وہ ایک اندھیری رات تھی۔

چیوا کے باسیوں کی میٹھی نیندیں تو کب سے حرام ہو چکی تھیں مگر اس رات بھارتی فوج کے کریک ڈاؤن نے علاقے میں عجیب سے خوف اور بے چینی کا سحر پھونک دیا تھا۔ دروازے پر ہونے والی زوردار دستک نے آسیہ اور اس کی ماں کی ساتھ ساتھ ننھی سی صباء کا دل بھی دہلا دیا تھا۔ پھر اس سے پہلے کہ تینوں ماں بیٹی کچھ سوچ سمجھ پاتیں بھارتی فوج کے اہلکار بیرونی دروازے کا لاک توڑ کر گھر میں گھس آئے تھے۔ آسیہ اور صباء فوج کو دیکھتے ہی دوڑ کر ماں سے چپک گئی تھیں۔ تبھی ایک اہلکار نے آگے بڑھ کر ان کی ماں کو بالوں سے پکڑ لیا۔

”کہاں ہیں ملی ٹینٹ (جنگ جو) بتاؤ کہاں چھپایا ہے انہیں؟“

پوچھنے کے ساتھ ہی اس اہلکار نے اس کی ماں کو زوردار لات رسید کرتے ہوئے گھر سے باہر نکال لیا تھا۔ تبھی فضا میں آسیہ اور اس کی بہن صباء کی چیخوں کی آواز گونجی تھی۔ اپنی مہربان ماں کو ظالم فوج کے شکنجے میں دیکھ کر آسیہ تڑپتے ہوئے اس کے قریب آئی تھی۔

”میری ماں کو چھوڑ دو ہمیں کسی ملی ٹینٹ کا نہیں پتہ۔“

”بکواس بند کرو۔“

اسی اہلکار نے غرا کر کہتے ہوئے اسی وقت پلٹ کر اس کے منہ پر زوردار تھپڑ رسید کیا تھا آسیہ لڑکھڑا کر رہ گئی۔ تبھی ایک دوسرے اہلکار کی نظر آسیہ کے شباب پر پڑی اور اس کی آنکھوں میں فوراً شیطانی ہوس اتر آئی۔

محلے کے چیدہ چیدہ لوگ جو گھروں سے باہر نکل آئے تھے اللہ سے اس گھرانے کے لیے رحم کی بھیک مانگ رہے تھے اسی اثناء میں بھارتی فوجی اہلکار نے آسیہ کو بازو سے پکڑ کر گھر کے اندر دھکیل دیا۔

''چلو اندر اور بتاؤ کہاں کہاں خفیہ ''ہائیڈز'' بنا رکھی ہیں تم مکار لوگوں نے؟''

اس اہلکار کی دیکھا دیکھی دوسرے کارندے بھی اس کی ماں کو وہیں گلی میں چھوڑ کر گھر کے اندر گھس آئے تھے۔ ننھی صباء کو بھی انہوں نے ساتھ ہی گھسیٹ لیا۔ دروازہ دوبارہ بند ہو چکا تھا۔ ان کی ماں لپک کر دروازے کی طرف بڑھنے لگی تو ساتھ والے گھر کی ایک عورت نے انہیں زبردستی پکڑ کر روک لیا۔

''پاگل ہوئی ہو عشرت...... یہ بے دین کافر لوگ ہیں' اس وقت تم ان کا مقابلہ نہیں کرسکتیں' ابھی جوان عورت ہو' سوائے اپنی عزت گنوانے کے اور کچھ حاصل نہیں ہوگا۔'' مگر وہ پھر بھی تڑپتی رہیں۔ ان کے گھر کے بلب توڑ دیئے گئے تھے۔

گھر کے اندر سے آسیہ اور صبا کی دلخراش چیخوں کی صدائیں فضاء میں گونجتی رہیں۔ فاطمہ اور اس کی ماں سمیت تمام محلے والوں نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں۔

گھر کے اندر وحشی درندے بنا کسی خوف یا انجام کے نوخیز کلیوں کو مسل رہے تھے اور گھر کے باہر کھڑے مظلوم کشمیری لوگ اپنے اپنے گھروں کے دروازے بند کیے بے بسی سے روتے رہے۔ اس وقت وہاں کوئی بھی ان معصوم نوخیز کلیوں کی مدد کرنے سے قاصر تھا کیونکہ بے دین کافروں سے اگر وہ ان دونوں بہنوں کی عصمت بچانے کی کوشش کرتے تو خود ان کی اپنی بیٹیوں کی عزت خطرے میں پڑ جاتی۔ شدید سردیوں کی وہ تاریک رات جیسے صدیوں پر محیط ہوگئی تھی۔

اگلی صبح کا سورج چیوا کے باسیوں کے لیے سوگواریت کا پیغام لے کر طلوع ہوا تھا۔ کریک ڈاؤن کے خاتمے کے ساتھ ہی بھارتی فوج کی بکتر بند گاڑیاں ایک ایک کر کے علاقے سے نکل گئی تھیں مگر...... آسیہ کے گھر میں کچھ بھی سلامت نہیں رہا تھا۔ ہرے بھرے جنگل میں زبردستی گھس آنے والے خونخوار درندوں کے نوکیلے جبڑوں نے اس رات بستی کے اس گھر میں دو نوخیز جوانیوں کا خون پی کران کے سونے جیسے شفاف بدنوں کو بھنبھوڑ ڈالا تھا۔ ننھی صبا یہ جبر برداشت نہیں کرسکی تھی' لہٰذا دوران تشدد ہی اس کی موت واقع ہوگئی تھی۔

جبکہ آسیہ پھٹے کپڑوں کے ساتھ کمرے کے کونے میں سہمی ہوئی یوں بیٹھی تھی جیسے کوئی شاندار عمارت کسی اچانک زلزلے یا طوفان سے منہدم ہو کر مٹی کا ڈھیر بن جائے۔ اس وقت گاؤں چیوا کے ہر باسی کی آنکھوں میں آنسو تھے' آسیہ اور صباء کی ماں اپنا کل اثاثہ لٹ جانے پر سینہ کوبی کرتے ہوئے دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی' جبکہ فاطمہ اپنے سوجھے ہوئے بازوؤں کی پروا کیے بغیر بے حسی سے گھر کے کام نپٹاتی رہی۔ تمام رات انگاروں پر لوٹنے کے بعد' صبح کا یہ انجام اس سے پوشیدہ نہیں تھا۔

صرف ایک الزام پر اجمل قصاب اور افضل گورو کشمیری کو پھانسی کے تختے پر چڑھانے والی جمہوری حکومت کے لیے اس جنت نظیر وادی میں' پاکستان سے الحاق کرنے کی خواہش رکھنے والوں اور پاکستانی سرزمین سے محبت کرنے والے بے گناہ کشمیریوں کے لیے ایسی ہی سزائیں تھیں۔

❁......♥......❁

بارش ہو رہی تھی۔ جس وقت وہ آفس سے گھر آیا اس کے کپڑے مکمل طور پر بارش میں بھیگ چکے تھے۔ شگفتہ ہینڈ پمپ کی مدد سے کپڑے دھو رہی تھی' جبکہ عشرت شام کے کھانے کی تیاری کررہی تھی۔ البتہ اس کا بیٹا اماں کی گود میں تھا جو گھر کے حالات اور شوہر کی اچانک وفات کے بعد بہت کمزور ہو کر رہ گئی تھیں۔ صیام فریش ہونے کے بعد انہی کی

چارپائی پر ٹک گیا۔
"السلام علیکم!"
"وعلیکم السلام آج جلدی آ گئے پتر؟"
"جی ماں جی آج کچھ ضروری کام نپٹانے تھے اس لیے جلدی نکل آیا۔"
"ہوں...... میں نے بھائی صاحب سے بات کرلی ہے۔ تیری غیر موجودگی میں وہ یہاں آ جائیں گے تین چار روز کے لیے۔" اس کی ماں اسے اطلاع دے رہی تھیں تاکہ وہ اسلام آباد جا کر پریشان نہ ہو۔ تبھی وہ گہری سانس بھرتے ہوئے بولا۔
"اب اس کی ضرورت نہیں ہے ماں جی؟"
"کیوں؟" ماں جی کو حیرانی ہوئی تھی جبکہ عشرت اور شگفتہ نے بھی اسے چونک کر دیکھا تھا۔
"کیونکہ ہم اب یہاں نہیں رہیں گے۔"
"اللہ خیر کرے کیسی باتیں کررہے ہو پتر' کہیں ملازمت تو نہیں چھوڑ دی تو نے؟ ارے پگلے بھلا یہاں نہیں رہیں گے تو کہاں رہیں گے اور کون سا ٹھکانہ ہے ہم غریبوں کا۔"
"ہم شہر شفٹ ہورہے ہیں اماں جی' ایک ایسے گھر میں جہاں زندگی کی ہر عیش اور خوشی ہوگی اور وہ بھی ابھی اسی وقت۔"
"مگر...... ہمارے حالات؟"
"حالات بھی ٹھیک ہوجائیں گے ماں جی' آپ بس چلنے کی تیاری کریں۔" اس کے لہجے میں خوشی تھی' شگفتہ کپڑے چھوڑ کر چلی آئی۔
"بھائی...... ہم شہر کے اخراجات کیسے پورے کریں گے؟ ابھی تو یہاں اتنے لوگوں کا قرض دینا ہے' پھر ابا کی قبر یہاں ہے' ہم شہر چلے گئے تو اسے کون سنبھالے گا؟"
"میں سنبھالوں گا' آتا جاتا رہوں گا یہاں' پھر ہمارا یہاں اپنا گھر تو نہیں ہے ناں؟ یہاں بھی کرایہ دینا ہے وہاں بھی' ویسے بھی اس گھر میں اب کوئی سہولت نہیں ہے' مجھے آفس سے یہاں آنے جانے میں جو خواری اٹھانی پڑتی ہے وہ الگ ہے' باقی جہاں تک قرض کی بات ہے تو وہ میں اس ماہ کی تنخواہ سے ایک ایک پائی ادا کرچکا ہوں اب جلدی سے سامان باندھ لو تمہیں ایک محفوظ گھر میں شفٹ کرنے کے بعد ہی میں کہیں جا پاؤں گا۔" اس کے لہجے میں فکر تھی۔ شگفتہ نے اثبات میں سر ہلایا۔
"ٹھیک ہے بھائی' پر پتہ نہیں شہر کا ماحول کیسا ہو؟ وہاں' ہمیں کیسے گھر میں رہنا نصیب ہو۔"
"یہ سب میرا مسئلہ ہے تم سامان باندھو جلدی۔"
"جی ٹھیک ہے۔" اس بار اس نے بحث نہیں کی۔
گھر میں کل سامان ہی کتنا تھا جو باندھنے اور سمیٹنے میں دیر لگتی۔ عشرت کھانا تیار کرچکی تھی لہٰذا کھانے سے فارغ ہوکر وہ لوگ فوراً گاؤں سے نکل آئے تھے۔ سامان کی منتقلی کے لیے وہ پہلے ہی شہر سے گاڑی ساتھ لے آیا تھا' لہٰذا جس وقت وہ گاؤں سے شہر پہنچے' رات کے تقریباً گیارہ بج رہے تھے۔ گاؤں میں جو چیدہ چیدہ جاننے والے تھے ان سے میل ملاقات میں بھی کافی وقت نکل گیا تھا۔
بارش تھم چکی تھی۔ ماں جی' عشرت اور شگفتہ کی آنکھیں سامنے موجود شاندار گھر کو دیکھ کر کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔

"بھائی کیا ہم یہاں رہیں گے؟" شگفتہ کو یقین نہیں آرہا تھا لہٰذا اس نے پوچھا۔ جواباً صیام کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

"ہوں......" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ماشاء اللہ یہ تو بہت پیارا گھر ہے۔ یقیناً یہاں لائٹ کا بھی کوئی مسئلہ نہیں ہوگا' مگر......ایک مسئلہ ہے۔"

"کیا؟"

"جتنا شاندار یہ گھر ہے ہمارا تو آدھا بجٹ اس کے کرائے میں ہی پورا ہو جائے گا۔"

"نہیں ایسا نہیں ہوگا' کرایہ مناسب ہی ہوگا اور پھر میری تنخواہ بھی بڑھ گئی ہے اس ماہ۔" گاڑی سے سامان اتارتے ہوئے اس نے جواب دیا۔ پھر بیرونی گیٹ کا لاک کھولتے ہوئے وہ انہیں گھر کے اندر لے آیا۔ اندر سے گھر کی خوب صورتی اور بھی قابل دید تھی۔

عشرت اور شگفتہ کو تو یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ وہ اتنے شاندار گھر میں بھی رہ سکتی ہیں۔ ماں جی کی آنکھوں میں ستائش تھی۔ جیسے انہیں بھی اتنی بڑی تبدیلی کا یقین نہ آرہا ہو۔ کہاں تو کھانے کو دو وقت کی روٹی بھی میسر نہیں تھی اور کہاں اب جیسے محل میں آگئے تھے جہاں ضرورت کی ہر چیز پہلے سے موجود تھی کچھ صیام لے آیا تھا۔ وہ پوری رات ان سب نے جاگ کر گزاری تھی۔

ایک کمرہ صیام نے اپنے لیے سیٹ کرلیا تھا جبکہ دوسرے کمرے میں ماں جی اور عشرت شگفتہ نے اپنے بستر لگالیے۔ کچن میں گیس اور پانی کی سہولت کے ساتھ ساتھ پورے مہینے کا راشن بھی موجود تھا' وہ اللہ کا جتنا بھی شکر ادا کرتے کم تھا۔

اگلے روز صیام آفس آیا تو درمکنون چھٹی پر تھی۔ اس کے دل کی ساری خوشی جیسے سمندر کے جھاگ کی مانند بیٹھ گئی۔ درمکنون کی سیٹ پر شہزاد کو براجمان دیکھ کر ایک عجیب سی بے کلی نے اسے اپنے حصار میں لیا تھا تاہم اس نے اپنے تاثرات چھپالیے۔

اگلے پندرہ بیس منٹ کے بعد وہ ضروری کام کا عذر پیش کر کے آفس سے نکل گیا۔ اگر درمکنون آفس میں نہیں تھی تو اس کا بھی آفس میں کوئی کام نہیں تھا۔

❀......♥......❀

فلائٹ کا ٹائم ہوگیا تھا۔ درمکنون صیام کے ساتھ جس وقت ایئرپورٹ پہنچی سرد ہواؤں کے تھپیڑوں نے اسے بے ساختہ کپکپانے پر مجبور کردیا تھا۔ ان کا قیام فائیو اسٹار ہوٹل میں تھا۔ درمکنون اور صیام کے کمرے سیکنڈ فلور پر بک تھے۔ دونوں کے کمرے ایک دوسرے کے بالکل آمنے سامنے تھے۔

ساویز آفندی بھی اس میٹنگ میں مدعو تھا مگر درمکنون بے خبر تھی۔ اسے محض اتنا پتہ تھا کہ وہ ایک بڑی میٹنگ تھی جس میں پاکستان کے تمام بڑے شہروں کے کمپنی مالکان اور ان کے پی اے کے علاوہ بیرون ملک سے بھی کچھ وفود آرہے تھے۔ تاہم ان وفود میں ساویز آفندی کا نام بھی شامل ہوگا یہ وہ نہیں جانتی تھی۔ ساویز کا کمرا بھی سیکنڈ فلور پر تھا اور وہ صرف ایک دن کے لیے انگلینڈ سے اسپیشلی پاکستان آیا تھا۔

رات جس وقت وہ لوگ ہوٹل پہنچے تھے اسلام آباد میں ٹھنڈ کافی تھی اوپر سے درمکنون کی طبیعت پہلے ہی ناساز تھی لہٰذا ہوٹل پہنچتے تک اس کا بخار کافی بڑھ چکا تھا' صیام جو اس کے ساتھ ساتھ تھا اس کی بگڑتی ہوئی طبیعت سے بے خبر نہیں رہ سکا تھا مگر عجیب بے بسی تھی کہ وہ اس کی کوئی مدد بھی نہیں کرسکتا تھا' جب تک کہ وہ خود اس سے نہ کہتی۔

وہ لوگ اوپر اپنے کمروں تک جانے کے لیے لفٹ میں آئے تب اچانک اسے زور کا چکر آیا اور اس نے لڑکھڑاتے ہوئے بے ساختہ صیام کا ہاتھ تھام لیا۔

"آپ ٹھیک تو ہیں مادام؟" صیام کی جان پر بن گئی تھی۔ درمکنون نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"اگر آپ بہتر سمجھیں تو پہلے کسی ڈاکٹر کے پاس چلیں؟"

"نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔"

"مگر آپ کا بخار؟"

"آپ پریشان نہ ہوں' مجھے اکثر ایسا بخار ہو جاتا ہے۔"

"مگر......"

"نو اگر مگر آپ پلیز اپنے کمرے میں جا کر آرام کریں' صبح ہمیں میٹنگ میں بہت اچھی تیاری کے ساتھ شریک ہونا ہے۔" خود کو سنبھالتے ہوئے وہ خالصتاً پروفیشنل لہجے میں بولی۔ صیام کو گہری سانس بھرتے ہوئے اثبات میں سر ہلانا پڑا۔ اپنے کمرے میں آ کر بھی اس کی بے چینی کم نہیں ہوئی تھی تبھی اس نے روم سروس کو بلا کر ایک گلاس گرم دودھ اور ساتھ میں بخار کی میڈیسن کا آرڈر دیا۔

درمکنون ابھی لباس تبدیل کر کے بستر پر دراز ہونے ہی والی تھی جب دروازے پر ہونے والی دستک نے اس کی توجہ کھینچ لی۔ شب کے تقریباً گیارہ بج رہے تھے اس نے ڈور ہول سے دیکھا باہر ویٹر ہاتھ میں ٹرے لیے موجود تھا اس نے دروازہ کھول دیا۔

"جی فرمائیے۔"

"یہ گرم دودھ اور بخار کی میڈیسن ہے سامنے والے سر نے آپ کے لیے بھجوائی ہے۔" ویٹر اس کے استفسار پر اسے بتا رہا تھا۔

درمکنون نے نظر اٹھا کر دیکھا صیام اپنے کمرے کے دروازے میں کھڑا بے حد پریشان سا اسے ہی دیکھ رہا تھا' اس کا دل بے ساختہ دھڑک اٹھا۔ ویٹر سے ٹرے تھام کر اس نے آہستہ سے دروازہ بند کیا مگر اس رات صیام کے ساتھ ساتھ وہ خود بھی ایک پل کے لیے بھی نہیں سو سکی تھی۔

❀......♥......❀
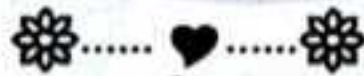
پنچائیت اپنا حتمی فیصلہ سنانے ہی والی تھی کہ اچانک وہاں مائی جیراں کی آمد اور الفاظ نے ملک اظہار اور ان کے بیٹوں سمیت گاؤں کے تمام معزز افراد کو حیران کر ڈالا تھا۔

ملک وقار جو ابھی سکون کی سانس لے کر بیٹھے تھے مائی جیراں کی آمد اور مداخلت پر پہلو بدل کر رہ گئے۔ اب جانے وہ کون سا انکشاف کرنے والی تھی۔ ان کی آنکھوں کی سرخی عود کر آئی وہ مائی جیراں کو ایسی خشمگیں نگاہوں سے گھور رہے تھے گویا کچا چبا جائیں گے۔ گاؤں میں ان کی طاقت اور رعونت سے اچھی طرح واقف ہونے کے باوجود وہ بڑھیا ان کے خلاف جانے کی گستاخی کر رہی تھی۔ اس کا یہ قصور کسی طور قابل معافی نہیں تھا۔ مائی جیراں کہہ رہی تھی۔

"چھوٹے چوہدری صاحب کے کھیت میرے گھر کے بالکل قریب ہیں سرکار' جس وقت وہ انہونی ہوئی میں بدنصیب بڑھیا اپنے گھر کے باہر اپلے تھاپ رہی تھی۔ میں نے قمر سائیں کو خود اپنی آنکھوں سے کھیت میں کام کرتے ہوئے دیکھا تھا' میرا حال چال بھی پوچھا تھا انہوں نے اور یہ دعا کرنے کے لیے بھی کہا تھا کہ اللہ انہیں سلامتی کے ساتھ

صحت مند اولاد نصیب کرنے میں نے دعا دی تھی' پھر وہ اپنے کام میں اور میں اپنے کام میں مصروف ہوگئی تھی' تبھی وہاں کسی جیپ کے رکنے کی آواز سنائی دی' میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو بڑی حویلی کے سپوت ملک ریاض کو وہاں قمر سائیں کے قریب کھڑے پایا' انہوں نے سفید لٹھے کی شلوار پر گہرا جامنی کرتا پہن رکھا تھا اور وہ کچھ ایسا کہہ رہے تھے کہ جس سے قمر سائیں کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا' میں اپلے چھوڑ کر تھوڑی قریب گئی تو میں نے ملک ریاض کو کہتے سنا' وہ قمر سائیں سے کہہ رہا تھا۔

''نئی نئی شادی ہوئی ہے تیری' مزے کر اور نورین کی جان چھوڑ دے' کہیں ایسا نہ ہو کہ تجھے بھی اپنی دلاری بہن کے پاس جانا پڑ جائے۔''

قمر عباس سائیں نے یہ سن کر اسے وہاں سے دفع ہوجانے کے لیے کہا تھا' تبھی ملک ریاض نے پستول نکال لیا اور میرے دیکھتے ہی دیکھتے قمر سائیں کے جسم میں ایک ساتھ تین گولیاں اتار دیں' جب اس سے بھی اس کی تسلی نہیں ہوئی تو اس نے ان کے سینے پر بیٹھ کر چاقو کے وار کرنے شروع کردیئے' میں چیخی تھی' میری چیخ پر ماچھی کرم داد بھی وہاں آیا تھا اس نے بھی اپنی آنکھوں سے وہی منظر دیکھا جو میری بدنصیب آنکھیں دیکھ رہی تھیں' آپ کو اگر مجھ پر یقین نہ ہو تو آپ ماچھی کرم داد سے بھی ساری حقیقت معلوم کرسکتے ہیں۔''

''بس...... بہت ٹر ٹر کرچکی تو بڑھیا' ماچھی کرم داد اپنا بیان ریکارڈ کروا چکا ہے' جو اصل گناہ گار ہیں وہ اقبال جرم بھی کرچکے ہیں' تو ہم دو بھائیوں کے درمیان پھوٹ ڈلوانے کی کوشش نہ کر۔'' ملک وقار شدید اشتعال میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ مائی جیراں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔

''اقبال جرم......'' اسے جیسے اپنی سماعتوں پر یقین ہی نہیں آیا۔

جانے کون بدنصیب تھا جس نے ملک ریاض جیسے درندے کے گناہ کا اقرار اپنے ذمے لے لیا تھا۔ اسے بے ساختہ دس سال پہلے کا اپنے بیٹے کا اقبال جرم یاد آیا' جس کے معصوم جسم کی کھال پولیس والوں کے فرض نے ادھیڑ ڈالی تھی' جو گاؤں میں اس قتل کا واحد چشم دید گواہ تھا جو قتل ملک وقار کے ہاتھوں ہوا تھا مگر جس کا اقبال جرم اس کے نابالغ معصوم بیٹے نے کیا تھا اور بالآخر پھانسی کے تختے پر جھول گیا تھا۔

وقت پھر وہی کہانی دہرا رہا تھا' فرق صرف اتنا تھا کہ اس بار ناکردہ گناہ کا اقرار کرنے والے اس کے نہیں کسی اور ماں کے جگر کے ٹکڑے تھے۔

پنچائیت نے اس کے بیان کو زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ وجہ گاؤں میں اس کی وہ شہرت تھی جو اس کے معصوم بے گناہ بیٹے نے اقبال جرم کے بعد گاؤں میں ماں کے ماتھے پر چپکا دی تھی۔ وہ ایک عزت کے لٹیرے' قاتل بیٹے کی ماں تھی بھلا اس کی گواہی کیسے معتبر مانی جاسکتی تھی' نتیجتاً اسے بے عزت کرکے وہاں سے واپس بھیج دیا گیا۔ اگلے چند دنوں میں پولیس نے اپنی ضروری کارروائی مکمل کرکے کیس عدالت کے سپرد کردیا۔ جہاں دو عینی شاہدین کی گواہی کو کافی ثبوت مانتے ہوئے انصاف کی کرسی پر بیٹھے منصف کے قلم نے حق نواز کے بیٹے شہزاد اور ارشاد حسین کمی کے بیٹے راشد کو انصاف کے تقاضے پورے کرتے ہوئے موت کی سزا سنادی۔

دو اور ماؤں کی گود اجڑ چکی تھی۔ کائیں کائیں کرتے شور مچاتے پرندوں کا احتجاج کسی ریکارڈ میں نہیں آیا تھا۔ قانون اور انصاف کے تقاضے پورے ہوگئے تھے۔

ملک ریاض دوبارہ حویلی آ گیا' جس رات وہ شہر سے حویلی آیا حویلی کا جشن دیکھنے لائق تھا' دوسری طرف پرانی حویلی میں ایک مرتبہ پھر ماتم ہو رہا تھا۔ سردیوں کی طویل راتوں میں دل پر لگنے والے گھاؤ اور بوجھ نے بے جی کی جان لے لی

تھی۔ رات عشاء کی نماز پڑھ کر وہ ایسی سوئیں کہ پھر صبح کسی کے جگانے پر بھی انہوں نے بناآ نکھیں نہیں کھولی تھیں۔

حویلی کے پچھواڑے میں شگفتہ اظہار عباس اور قمر عباس کے بعد تیسری بننے والی آرام گاہ "بے جی" کی ہی تھی جنہیں وقت کے ناگ نے ڈس لیا تھا۔

❀......♥......❀

پرانی حویلی میں بے جی کی وفات کے بعد ملک اظہار اور ملک وقار کے درمیان دشمنی کی بنیاد پڑ گئی تھی۔ عمر عباس نے قمر عباس کے قتل کا کیس واپس لے کر حق نواز اور ارشاد حسین کمی کے بے گناہ بیٹوں کو قانون کی بھینٹ چڑھنے سے بچالیا تھا مگر وہ مائی جیراں کی بیٹی اور گھرانے کو ملک وقار کے انتقام کی بھینٹ چڑھنے سے نہیں بچاسکا۔ مائی جیراں پنچائیت سے واپسی کے بعد وہ گاؤں چھوڑ کر ساتھ والے گاؤں میں اپنی بہن کے پاس چلی گئی تھی۔ اسے محض گمان نہیں پختہ یقین تھا کہ ملک وقار اپنے بیٹے کے خلاف گواہی کے بعد یقیناً اسے معاف نہیں کرے گا لہٰذا کوئی نقصان اٹھانے سے پہلے ہی وہ گاؤں چھوڑ کر چلی گئی تھی۔

تاہم چار ماہ بعد جب بات پرانی ہوگئی اور ملک ریاض بھی حویلی واپس لوٹ آیا تھا وہ ایک شام چپ چاپ گاؤں واپس آ گئی۔ اس کی جوان بیٹی کے شادی کے دن رکھے جاچکے تھے اور اسے ابھی اس ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کے لیے بہت محنت اور کام کرنے تھے۔ اس روز بہت دنوں کے بعد قدرے تیز دھوپ نکلی تھی۔

مائی جیراں کو بخار تھا لہٰذا گھر کے کام کاج کے ساتھ ساتھ باہر کے کام بھی مائی جیراں کی بیٹی شہناز کے کندھوں پر آپڑے تھے۔ دن بھر تپتے سورج کی کرنوں کی تمازت عصر کی اذان کے ساتھ ہی کم پڑنے لگی تھی۔ گاؤں کی پرسکون فضاء میں گونجتی پن چکی اور ٹیوب ویلوں کی آواز بے حد بھلی محسوس ہورہی تھی جب مائی جیراں کی بیٹی شہناز نے ہاتھ میں پکڑی درانتی کو ایک سائیڈ پر رکھ کر کٹے ہوئے سبز چارے کو کپڑے میں رکھ کر گانٹھ لگادی۔ گھر میں موجود دو بکریاں صبح سے بھوکی کھڑی تھیں مگر کپڑوں کی دھلائی میں مصروف شہناز کو اتنا وقت ہی نہیں مل سکا تھا کہ وہ ان کے چارے کے لیے سبز گھاس کاٹ لاتی۔ کپڑوں کی دھلائی سے فارغ ہونے کے بعد مائی جیراں کو جن کا اصل نام نذیراں بی بی تھا بخار کی دوا اور چائے کی پیالی دے کر وہ درانتی سنبھالتے ہوئے کھیتوں کی طرف نکل آئی تھی۔ ساتھ والے گاؤں میں اس کا منگیتر آج کل شہر گیا ہوا تھا شادی کی تیاریوں کے سلسلے میں، وہ اسی کے خیالوں میں مگن، سر پر چارے کی گٹھڑی رکھے گھر کی طرف آرہی تھی جب اچانک قریبی کھیت سے نکلتے ایک نقاب پوش نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے کماد (گنا) کی فصل کے اندر کھینچ لیا۔

عصر کے بعد مغرب ہوگئی تھی مگر شہناز گھر نہیں آئی۔

تیز بخار میں پھنکتی مائی جیراں کا دل اچانک سے گھبرایا تھا۔ بنا اپنی حالت کی پروا کیے وہ گھر سے باہر نکل آئی تھی۔ پن چکی کی آواز ابھی بھی فضاء میں گونج رہی تھی۔ ٹیوب ویلوں کا شور بھی سماعتوں کی زینت بن رہا تھا مگر اس کی شہناز کہیں نہیں تھی۔ چار ماہ کے بعد اس کے خدشے پورے ہوگئے تھے۔ اس کے دل کا چور باہر نکل آیا تھا۔ عجیب بے بسی تھی کہ وہ کسی کو کچھ بتا بھی نہیں سکتی تھی کہ رسوائی کا ڈر تھا۔ جس بیٹی کے ہاتھ پر محض چند دنوں کے بعد مہندی لگنے والی تھی وہ اس کے اجلے دامن پر کوئی داغ کیسے لگنے دیتی۔ مغرب سے عشاء ہوگئی تھی مگر شہناز کا کہیں کچھ پتہ نہیں چلا تھا۔ وہ رات مائی جیراں کے لیے جیسے قیامت کی رات تھی۔ تیز بخار کی پروا کیے بغیر وہ پوری رات بیرونی دروازہ کھول کر دہلیز پر بیٹھی رہی تھی۔ اگلے روز مغرب کے قریب کسی نے آ کر اسے شہناز کے ملنے کی اطلاع دی تھی۔ گاؤں سے چند کلومیٹر کی مسافت پر بہنے والی نہر کے پانی میں تیرتی شہناز کی برہنہ لاش اس لائق بھی نہیں تھی کہ اسے نظر بھر کر دیکھا جاتا۔ دس سال پہلے

ایک جرم اس کے بیٹے سے سرزد ہوا تھا' ملک وقار کی درندگی کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا جرم اور اس جرم کی سزا اسے اپنی جان گنوا کر ادا کرنی پڑی تھی۔

دس سال بعد ٹھیک ویسا ہی جرم مائی جیراں کر بیٹھی تھی اور اس بار اس جرم کا کفارہ اسے بیٹی کی جان کے ساتھ ساتھ اس کی عزت بھی گنوا کر ادا کرنا پڑا تھا۔

❀......❤......❀

دن ڈھل چکا تھا۔ صبح سے شام کی مسافت کے بعد تھکا ماندہ سورج اپنی سنہری کرنوں کو آغوش میں لیے مغرب کے سینے میں منہ چھپانے کی تیاری کر رہا تھا۔ جب مائی جیراں کی بیٹی شہناز نے سبز چارے کی گٹھڑی سر پر رکھی اور گھر کی طرف چلنا شروع کر دیا۔

قرب و جوار کے کھیت سنسان پڑے تھے۔ دو روز قبل ہوئی بارش نے کچی سڑک پر پھیلنے والے کیچڑ کو آتے جاتے راہ گیروں کے لیے مصیبت بنا دیا تھا' تبھی وہ نیچے کچی سڑک پر نگاہ جمائے' اپنے ہی خیالوں میں مست جا رہی تھی کہ اچانک قریبی کھیت سے کسی تنومند نقاب پوش نے لپک کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

شہناز پر ٹوٹنے والی یہ آفت اتنی اچانک تھی کہ اسے سنبھلنے کا موقع بھی نہیں مل سکا تھا۔ اس کی گٹھڑی زمین بوس ہو گئی تھی ہاتھ سے درانتی بھی چھوٹ کر گر پڑی۔ نقاب پوش نے اسے کماد کی فصل میں گھسیٹ کر اس کا منہ مٹی سے بھر دیا تھا تاکہ وہ چلا نہ سکے بعد ازاں اسے قریب رکنے والی ٹرالی میں ڈال کر اس کے اوپر کماد ڈال دی' ارد گرد کسی کو اس انہونی کی کانوں کان خبر نہیں ہو سکی تھی۔ شہناز کی گٹھڑی اور درانتی کو بھی کماد کی فصل کے اندر ہی چھپا دیا گیا تھا۔

شہناز کو جس وقت ہوش آیا دن مکمل طور پر تاریکی میں ڈوب چکا تھا اور وہ ایک ویران سے کھنڈر مکان میں بے یار و مددگار پڑی ہوئی تھی۔ ابھی وہ اٹھنے کی کوشش ہی کر رہی تھی کہ ملک وقار کا بیٹا ملک ریاض اور اس کے کارندے وہاں اس کے سامنے آ گئے۔ ان کی حالت سے اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہ سب نشے میں تھے۔ شہناز کا دل بے ساختہ زور سے دھڑک اٹھا۔

وہ جانتی تھی کہ اس کے ساتھ وہاں کچھ بھی اچھا نہیں ہونے والا تھا۔ تبھی اس نے چلانے کی کوشش کی تھی مگر اس کے اندر سے اٹھنے والی چیخیں اس کے حلق میں ہی دم توڑ گئی تھیں۔ وہاں فرار کے لیے کوئی راستہ نہیں تھا' لہٰذا اس نے ملک ریاض کے پاؤں پکڑ لیے۔

''مجھے چھوڑ دیں سائیں' میں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔''

''تو نے نہیں کیا مگر تیری ماں نے تو کیا ہے' اسے سزا تو ملنی چاہیے ناں۔'' اسے بالوں سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے وہ غرایا۔ شہناز بلبلا اٹھی۔

''خدا کا واسطہ ہے آپ کو' مجھے اور میری ماں کو معاف کر دیں دوبارہ ایسی غلطی نہیں ہو گی۔''

''دوبارہ غلطی کرنے کے قابل رہو گی تم ماں بیٹی تو غلطی کرو گی ناں؟ ہماری عدالت میں ہر غلطی کی صرف سزا ہے' معافی نہیں ہے۔'' شراب کے نشے میں دھت وہ بے حد رعونت سے کہہ رہا تھا۔ شہناز کا وجود خشک پتے کی مانند کانپ کر رہ گیا۔ اس شیطان نما انسان سے انسانیت کی توقع رکھنا حماقت کے سوا اور کچھ بھی نہیں تھا۔

سب سے پہلے اس کا دوپٹہ نوچ کر دور پھینکنے والا فرعون ملک ریاض ہی تھا پھر اس کی ایماء پر اس کے کارندے قریب آئے تھے' وہ کس کس کے ہاتھ جھٹکتی' کس کس سے اپنا اجلا دامن بچانے کی کوشش کرتی' ہوش و حواس سے بے خبر ان بھیڑیوں میں بھلا انسانیت ہی کہاں تھی۔

مغرب سے عشاء اور عشاء سے صبح فجر تک ان بھیڑیوں نے یوں اس کے جسم کو بھنبھوڑا تھا کہ اسے اپنا کوئی ہوش ہی نہ رہا۔ جسم کے ایک ایک عضو پر ان کی حیوانیت کے نشانات رقم تھے وہ سرتا پیر زخم بن گئی تھی۔ وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر چلاتی رہی مگر وہاں کوئی اس کی مدد کے لیے نہ آسکا۔ اچھی طرح اپنی ہوس پوری کرنے کے بعد ملک ریاض کے کارندوں نے اس کے حکم پر اس کے لمبے دراز بال قینچی سے کاٹ کر اس کے سر کو ٹنڈ منڈ کر دیا تھا۔ بالوں کے بعد اس کے جسم کے اعضاء کی باری آئی تھی۔ پہلے دونوں کان کاٹے گئے' پھر ناک کو بھی چہرے سے الگ کر دیا گیا۔ شہناز کے لیے یہ تکلیف قابل برداشت نہیں تھی لہٰذا اس نے وہیں تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔ اس کے جسم سے جان نکلنے کے بعد اس کی عصمت کو بھنبھوڑنے والے درندوں نے اپنے آقاء کے حکم پر سورج طلوع ہونے سے پہلے پہلے اس بدنصیب کو اسی حال میں بہتی ندی کے سرد پانی کے سپرد کر دیا۔

پورا دن تیرنے کے بعد یہ لاش پانی میں بہتی اس کے گاؤں پہنچی تھی اور اب پورے گاؤں میں چہ مگوئیاں ہو رہی تھیں' ہر کسی کے لبوں پر اس کی اپنی من پسند کہانی تھی۔ کسی کو لگتا تھا کہ شہناز ساتھ والے گاؤں میں اپنی شادی سے خوش نہیں تھی' لہٰذا اسی دکھ میں شادی سے فقط چند روز قبل اس نے نہر کے پانی میں کود کر اپنی جان دے دی' جبکہ کسی کا خیال تھا کہ وہ ماں سے جھگڑ کر گاؤں میں کسی کے ساتھ فرار ہوگئی تھی مگر جس کے ساتھ وہ فرار ہوئی تھی اس نے اس کے ساتھ وفا نہیں کی تھی اسے بے عزت کرنے کے بعد اس کا برا حشر کر کے اسے پانی کی سفاکی کے سپرد کر دیا۔

مائی جیراں سب کے تبصرے سنتی بس خالی خالی سی ویران نگاہوں کے ساتھ اپنی معصوم شریف بیٹی کے اوپر ٹوٹنے والی قیامت کا جائزہ لیتی رہی۔ پورے دس سال کے بعد اسے اپنے اکلوتے بیٹے کے بے گناہ ہونے کے باوجود اقبال جرم کرنے کی وجہ سمجھ میں آئی تھی۔ کتنی اذیت سہی تھی اس کی بیٹی نے اپنی ماں کے جرم کا تاوان بھرنے کے لیے...... اس روز کے بعد کسی نے اس گاؤں میں مائی جیراں کو نہیں دیکھا تھا...... اپنا ذہنی توازن کھونے سے پہلے ہی وہ اس گاؤں سے کوچ کر گئی تھی۔

❁......❤......❁

شہناز کی المناک موت کو تیسرا ہفتہ مکمل ہو رہا تھا جب ملک وقار نے ملک ریاض کو ایبروڈ بھجوانے کی تیاری کر لی مگر ریاض فی الحال ایبروڈ جانے کے حق میں نہیں تھا۔ نورین کے ساتھ اس کی بات طے ہوگئی تھی لہٰذا وہ اب شادی کے بعد ہی کہیں جانے کا سوچ رہا تھا۔

زبیدہ بی بی نے اس بار جہیز میں اپنی اکلوتی بیٹی کو دو عدد بھینسوں کے ساتھ تین مربعے زمین بھی دی تھی جو ریاض نے شادی سے پہلے ہی اپنے نام کروالی۔ ملک وقار کے کارندوں نے ان کے حکم پر پرانی حویلی اور اس کے تمام مکینوں پر کڑی نگاہ رکھی ہوئی تھی۔ ملک اظہار دل کے شدید اٹیک کے بعد زیادہ تر بستر کے ہی ہو کر رہ گئے تھے۔ خضر عباس اور نظر عباس ہی ان کی جگہ تمام معاملات سنبھالے ہوئے تھے۔

عمر عباس کی سرگرمیاں البتہ مشکوک ہوگئی تھیں۔ وہ بہت کم حویلی میں ٹھہرتا تھا۔ کئی کئی دن کی غیر حاضری کے بعد اس کا حویلی میں بسیرا ہوتا تھا' وہ بھی محض ایک رات یا دو رات کے لیے۔ شگفتہ اظہار عباس کے بعد قمر عباس اور بے جی کی موت لاوا بن کر اس کے دل کو دکھائے ہوئے تھی یہی وجہ تھی کہ ملک وقار کی کڑی نگرانی کے باوجود' شادی سے صرف ایک دن پہلے جب نورین نے ریاض کو کھیت پر ملنے کے لیے بلایا' اس نے یہ موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا تھا۔

نئی حویلی کی سجاوٹ اور جشن ادھورے رہ گئے تھے۔

رات بھر گھر سے غائب رہنے والی نورین کا مردہ جسم' ملک ریاض کے بے جان جسم کے ساتھ برہنہ حالت میں خود

انہی کے کھیتوں میں پایا گیا تھا۔ جوان بیٹے کی موت کا دکھ کیا ہوتا ہے اس وقت ملک وقار کو پتہ لگا تھا۔ پورے گاؤں میں جیسے کھلبلی مچ گئی تھی۔ ایک طرف نئی حویلی میں ماتم ہورہا تھا تو دوسری طرف پرانی حویلی میں شہربانو نے ایک چاندی سی خوب صورت، صحت مند بچی کو جنم دے کر گویا پوری حویلی میں خوشیاں بکھیر دی تھیں۔ شگفتہ اظہار عباس اور خضر کی بیٹی کے بعد اس حویلی میں جنم لینے والی وہ تیسری لڑکی تھی مگر بدقسمتی سے اس کا باپ یہ خوشی دیکھنے کے لیے زندہ نہیں تھا۔ وہ پیدائشی یتیم تھی تاہم اظہار ملک صاحب نے روتی ہوئی شہربانو کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دی تھی۔

"دل چھوٹا نہ کر پتر، قمر نہیں رہا تو کیا ہوا اس کا باپ ابھی زندہ ہے، میں اس کے سر پر دست شفقت رکھوں گا آج سے یہ قمر کی نہیں میری بیٹی ہے، ملک اظہار کی بیٹی شہرزاد بانو۔" ان کا لہجہ مضبوط تھا۔ روتی ہوئی شہربانو کے آنسو تھم گئے۔

اگلی صبح ملک ریاض اور نورین کے پراسرار قتل کی خبر پرانی حویلی تک بھی پہنچ گئی تھی، شہربانو کو لگا جیسے اس کے زخموں پر مرہم لگ گیا ہو۔ زبیدہ بی بی اکلوتی بیٹی کی ذلت آمیز موت پر سینہ کوبی کرتے ہوئے بین کررہی تھی جبکہ ملک وقار کا بس نہ چل رہا تھا کہ وہ پورے گاؤں کو تہس نہس کر کے رکھ دیتا۔ پاگل کتے کی طرح وہ کبھی تھانے تو کبھی حویلی کے چکر لگا رہا تھا۔ انہیں عمر عباس پر شک تھا مگر عمر گاؤں میں نہیں تھا، لہٰذا پولیس چاہتے ہوئے بھی اس کیس میں کوئی کردار ادا نہیں کرسکی تھی۔ ملک ریاض کے بڑے دونوں بھائی ایبروڈ سے حویلی واپس آ گئے تھے۔ ملک وقار کی طرح ان کی رگوں میں بھی جوشیلا خون تھا لہٰذا اپنے جوان بھائی ملک ریاض کی تدفین کے بعد انہوں نے اپنے باپ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی تھی کہ جب تک وہ عمر عباس اور اس کے بھائیوں سے اپنے بھائی کے قتل کا بدلہ نہیں لیں گے سکون سے نہیں بیٹھیں گے نہ ہی ایبروڈ واپس جائیں گے۔

قمر عباس کے بے رحمانہ قتل کے بعد سے شروع ہونے والی یہ جنگ خاصی سنگین شکل اختیار کر گئی تھی۔

❀......♥......❀

زاویار صمید حسن ان دنوں چھ ماہ کا تھا جب مریہ کو شگفتہ اظہار عباس کے بعد قمر عباس اور بے حد مشفق بے جی کی ناگہانی رحلت کی خبر ملی۔ حمنہ ان دنوں چھٹیوں میں گھر آئی ہوئی تھی۔ مریہ نے اسے صمید حسن سے متعلق ساری سچائی بتا کر ایک مرتبہ پھر صمید حسن کا قد اونچا کر دیا تھا۔

اس روز حمنہ کی چھٹی کا آخری دن تھا، جب وہ اس سے مل کر بہت سارا وقت اس کے ساتھ بیتانے کے بعد گھر واپس آئی تو خلاف توقع صمید گھر پر موجود تھا۔ لاؤنج میں ٹی وی چل رہا تھا اور صمید بنا کپڑے تبدیل کیے چپ چاپ سا اس کے سامنے بیٹھا جانے کن سوچوں میں گم تھا۔ مریہ ننھے زاویار کو بانہوں میں لیے اس کے قریب آ بیٹھی۔

"خیریت آج آپ آفس سے جلدی گھر آ گئے؟"

"ہوں، تمہیں اچھا نہیں لگا؟" بنا اس کی طرف دیکھے اس نے پوچھا تھا جب وہ بولی۔

"مجھے برا کیوں لگے گا؟"

"کہاں تھیں تم......؟ میں پچھلے تین گھنٹوں سے پاگلوں کی طرح تمہیں کالز کرتے ہوئے تمہارا انتظار کررہا ہوں۔" اس کے سوال کو قطعی نظر انداز کرتے ہوئے اس نے بے حد خشک لہجے میں پوچھا تھا جب وہ قدرے شرمندہ ہوتے ہوئے بولی۔

"ایم سوری صمید، میں ذرا حمنہ کی طرف چلی گئی تھی وہ رات میں اپنی جاب پر واپس جارہی ہے تو میں اس کی تیاری میں مدد کرواتی رہی، سیل یہاں گھر پر ہی رہ گیا تھا۔"

"او کے، مگر مجھے تمہارا حمنہ کے ساتھ زیادہ میل ملاپ پسند نہیں ہے، وجہ تم جانتی ہو۔"

"ہوں، مگر وہ صرف ایک غلط فہمی تھی صمید! اس نے جو دیکھا وہی بتایا اس کا مقصد مجھے آپ سے بدگمان کرنا نہیں تھا۔"

"جو بھی ہے، میں کبھی پسند نہیں کروں گا کہ وہ دوبارہ یہاں میرے گھر میں قدم رکھے یا ہمارے درمیان کوئی نئی غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کرے، اگر تمہارے لیے میری پسند ناپسند کی ذرا سی بھی اہمیت ہے تو میں امید کرتا ہوں کہ تم میری بات کی لاج رکھوگی۔"

"ٹھیک ہے۔" اسے حمنہ کے لیے صمید کا بات کرنے کا انداز پسند نہیں آیا تھا تبھی وہ دھیمے سے کہتے ہوئے اس کے پاس سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ کچن میں آ کر ابھی اس نے آٹا گوندھنا شروع ہی کیا تھا جب وہ اس کے پیچھے ہی وہاں چلا آیا۔

"تمہارے لیے ایک بری خبر ہے مریرہ۔" اور وہ جو الجھے دماغ کے ساتھ اپنے کام میں لگی تھی ایک دم سے چونک کر پلٹی۔

"کیا......؟"

"ہوں، حویلی میں قمر عباس کے قتل کے بعد بے.جی کی رحلت بھی ہوگئی ہے آج ہی آفس میں کسی سے پتہ چلا ہے۔" تاسف سے سر جھکائے وہ اسے بتا رہا تھا۔ مریرہ کو لگا جیسے کسی نے بہت وزنی چیز اس کے سر پر دے ماری ہو۔

"کیسے؟" بہت مشکل سے وہ ہونٹ ہلا پائی تھی جب وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"میں وجہ نہیں جانتا مگر ملنے والی اطلاع کے مطابق یہ سب خاندانی دشمنی کی وجہ سے ہوا ہے، عمر عباس کے تایا کے بیٹے کا کارنامہ ہے یہ۔" عمر عباس کے نام پر اسے یاد آیا تھا کہ پچھلے چھ ماہ سے اس کا عمر عباس یا حویلی کے کسی فرد سے کوئی رابطہ نہیں تھا۔ صمید نے اس کا وہ نمبر بند کروا دیا تھا جس پر کبھی کبھار عمر کی کال آ جاتی تھی۔ کرنل صاحب دیارِ غیر بیٹھے تھے وہ جیسے اپنے ہر رشتے سے کٹ کر رہ گئی تھی۔ کیا گزری ہوگی حویلی والوں پر، یہی سوچ سوچ کر اس کا دل پھٹ رہا تھا آنسو تھے کہ بہتے چلے جا رہے تھے۔ چند لمحے خاموشی سے روتے رہنے کے بعد اس نے اپنی آنکھیں رگڑ ڈالیں۔

"میں حویلی جانا چاہتی ہوں۔"

"ہرگز نہیں، فی الحال گاؤں کا ماحول تمہارے لیے سازگار نہیں ہے، پرانی حویلی اور نئی حویلی کے درمیان دشمنی ٹھن گئی ہے ایسی صورت حال میں تمہارا وہاں جانا کسی طور خطرے سے خالی نہیں ہے۔"

"نہ ہو مگر میں حویلی جا کر رہوں گی، میں آپ کی طرح بے حس نہیں ہوں۔"

"ٹھیک ہے جاؤ، مگر میرا بیٹا تمہارے ساتھ نہیں جائے گا۔ میں نہیں چاہتا تمہاری حماقت میں اسے کوئی نقصان ہو۔" وہ کہہ رہا تھا اور مریرہ رحمان حیرانی سے شاکڈ نگاہوں کے ساتھ اسے دیکھے جا رہی تھی۔ کیا یہ وہی صمید حسن تھا جس کے ساتھ اس کی محبت کی شادی ہوئی تھی؟ کیا یہ وہی شخص تھا جو بچے کو پیدا کرنے کے حق میں ہی نہیں تھا؟ بجائے اس کے کہ وہ اس کے احساسات کو سمجھتے ہوئے اسے خود گاؤں لے کر جاتا، الٹا وہ اس کے بچے کو بھی اس کے ساتھ جانے سے روک رہا تھا تاکہ وہ وہاں سکون سے نہ رہ سکے۔ کیا اس شخص کی محبت بس یہیں تک تھی؟ کیا ایک مرد کی محبت کی حقیقت بس یہی تھی؟ اس کا بس نہ چلتا تھا کہ وہ اس وقت دھاڑیں مار مار کر رونا شروع کر دیتی۔

"ٹھیک ہے، میں اکیلی چلی جاؤں گی، لیکن اگر میری غیر موجودگی میں میرے بچے کا کوئی نقصان ہوا تو اس کے ذمہ دار آپ ہوں گے۔" اس کی نم آنکھوں میں غصہ تھا۔ صمید حسن نے لب بھینچ کر سر جھٹک دیا۔

پورے تین دن گاؤں رہ کر چوتھے روز وہ شہر واپس آئی تو اپنے گھر میں ایک خوب صورت جوان لڑکی کو دیکھ کر چونک اٹھی۔

''السلام علیکم!'' اس کی دستک کے جواب میں دروازہ کھولنے والی خوبصورت لڑکی نے بنا اس کی حیرانی کو کوئی اہمیت دیئے سلام جڑ دیا تھا۔ مریہ نے ہاتھ میں تھاما بیگ زمین پر رکھ دیا۔

''وعلیکم السلام! کون ہو تم؟''

''اندر آجاؤ' میں بتاتا ہوں کون ہے یہ۔'' اپنے سوال کے جواب میں صمید حسن کی آواز سن کر وہ خالی ذہن کے ساتھ گھر کے اندر چلی آئی۔

زاویار کا بیٹا صمید حسن کی گود میں کھیل رہا تھا۔ وہ خاموشی سے اس کے مقابل بیٹھ گئی۔ تبھی اس نے کہنا شروع کیا تھا۔

''یہ سارا ہے زاویار کی گورنس۔''

''مگر مجھے اپنے بیٹے کی پرورش کے لیے کسی گورنس کی ضرورت نہیں ہے۔''

''تمہیں نہیں ہے مگر مجھے ہے۔'' مریہ کے دبے دبے لہجے میں احتجاج پر اس نے قدرے تیز آواز میں اس کے احتجاج کا گلہ گھونٹا تھا۔

''تم کیا سمجھتی ہو تم تین تین چار چار دن کے لیے کہیں بھی کسی کے دکھ میں شریک ہونے کے لئے گھر سے چلی جاؤ گی تو میں سارا دن کام کاج چھوڑ کر گھر بیٹھا بچے کی نیپیاں بدلتا رہوں گا؟ کل پھر حویلی میں کسی کی موت ہو جاتی ہے اور تم پھر اپنے شوہر اور بچے کی پروا کیے بغیر حویلی کا رخ کرتیتی ہو تو بتاؤ میں کیا کروں گا؟ کیا میں بھی تمہاری طرح بے حس ہو کر یہاں اپنے بچے کو گھر میں اکیلا روتا بلکتا چھوڑ کر چلا جایا کروں؟ یا پھر وہاں آفس میں بازوؤں میں اٹھائے پھروں۔'' اس کی بات غلط نہیں تھی۔ مریہ نے جھک کر زاویار کو اس کی گود سے اچک لیا۔

''دوبارہ اس کی نوبت نہیں آئے گی کیونکہ دوبارہ میں جہاں بھی جاؤں گی اپنے بچے کو ساتھ لے کر جاؤں گی۔''

''خوش فہمی ہے تمہاری' اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ میں اپنے بچے کو وہاں گاؤں میں کسی کی دشمنی کی بھینٹ چڑھنے دوں گا تو یہ تمہاری خام خیالی ہے۔'' صمید نے سخت لہجے میں کہا تھا۔

مریہ سنی ان سنی کرتی اندر اپنے کمرے میں آ گئی۔ اس کی آنکھیں ابھی تک بے تحاشا رونے کی وجہ سے سوجھی ہوئی تھیں۔ شدید تھکن کے سبب ایک ایک جوڑ دکھ رہا تھا مگر وہ اپنی تھکن کی پروا کیے بغیر اپنے بیٹے کے ساتھ کھیل میں لگی رہی۔ یونہی زاویار کے ساتھ کھیلتے کھیلتے کب اس کی آنکھ لگ گئی اسے پتہ ہی نہ چلا۔

❀......♥......❀

رات آدھی سے زیادہ بیت گئی تھی جب پیشانی پر کسی کے ہونٹوں کے پرحدت لمس نے اچانک اسے گہری نیند سے بیدار کر دیا۔ کمرے میں نائیٹ بلب کی مدھم مدھم سی ٹھنڈی روشنی بکھری ہوئی تھی۔ بیڈ کی طرف کروٹ کے بل زاویار سو رہا تھا جبکہ دوسری طرف صمید حسن تھا جو تقریباً اس کے اوپر جھکا ہوا تھا۔ مریہ ایک ہاتھ سے اسے پرے دھکیلتی فوراً اٹھ بیٹھی تھی۔

''مجھے دکھاوے کے پیار کی ضرورت نہیں ہے صمید حسن۔''

''ہونی بھی نہیں چاہیے۔'' بے حد پیار سے کہتے ہوئے اس نے اپنا بازو مریہ کے کندھوں کے گرد پھیلا لیا تھا۔ مریہ کے حلق میں ڈھیر سارے آنسو ایک ساتھ جمع ہونے لگے۔

''پتہ نہیں آج کل کیوں مجھے شدت سے اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ شادی کے لیے آپ جیسے مرد کا انتخاب کر کے مجھ سے بڑی غلطی سرزد ہوئی ہے۔''

''ایسا تو ہوگا' جب دو لوگوں کے درمیان غلط فہمیوں کی فصیل کھڑی ہونے لگتی ہے تو اکثر یہی احساس ہوتا ہے' مگر یہ

سب ٹھیک نہیں ہے میرؤ میں لاکھ برا انسان سہی مگر خدا گواہ ہے تمہارے لیے میری محبت میں کوئی کھوٹ نہیں ہے روزِ اول کی طرح آج بھی میری دھڑکن صرف تمہارے ہی نام کی تسبیح کرتی ہے۔"

"بس کریں پلیز...... جتنا بدلاؤ میں آپ کے اندر دیکھ چکی ہوں اس کے بعد آپ کی یہ لچھے دار باتیں مجھے مزید بیوقوف نہیں بنا سکتیں۔"

"میرے اندر بدلاؤ لانے والی بھی تم ہی ہو۔"

"میں بدل جانے والی محبتوں کو لفظ محبت میں شمار نہیں کرتی۔"

"فضول کی بحث ہے میرؤ یہ چھوٹی چھوٹی غلط فہمیاں کہیں ہمیں بہت دور نہ لے جائیں، میں بس اسی بات سے ڈرتا ہوں۔"

"ہم ابھی بھی ایک دوسرے کے قریب نہیں ہیں، اگر تمہیں لگتا ہے کہ تمہارے رویے کی وجہ سے ہمارے تعلق میں کوئی فرق نہیں آیا تو یہ تمہاری سب سے بڑی بھول ہے۔"

"او کے، تمہیں لگتا ہے کہ سارا قصور صرف میرا ہے۔"

"بالکل۔"

"اب تم زیادتی کر رہی ہو میرؤ تم مجھے ضد اور غصہ دلاتی ہو ان چیزوں کے پیچھے بھاگ کر جن سے میں تمہیں منع کرتا ہوں۔"

"ضد اور غصے میں انسان اس ہستی کے لیے بے حس نہیں ہو جاتا جس سے اس نے کبھی پیار کیا ہو۔"

"میں بے حس نہیں ہوں بس تھوڑا سا الجھ گیا ہوں، شاید ہم دونوں ہی اس وقت ایک دوسرے کو نہیں سمجھ پا رہے۔"

"مجھے آپ سے کوئی گلہ نہیں ہے پلیز سو جائیں۔"

"ہرگز نہیں، کیونکہ مجھے تم سے بہت گلے ہیں اس لیے آج نہ سوؤں گا نہ تمہیں سونے دوں گا۔"

"مجھے اب آپ کی ایسی باتیں اچھی نہیں لگتیں صمید۔" قدرے بیزاری سے کہتی ہوئی وہ بیڈ سے اتر کر باہر ٹیرس کی طرف چلی آئی تھی۔ صمید برا ماننے کی بجائے اس کے پیچھے چلا آیا۔

"تمہیں نہیں لگتا مریہ تم جب بھی گاؤں سے ہو کر آتی ہو تمہارا رویہ میرے ساتھ یونہی اجنبی سا ہو جاتا ہے۔"

"آپ کا وہم ہے اور کچھ نہیں۔"

"ٹھیک ہے چلو مان لیا کہ میں سو فیصد غلط ہوں تم صحیح ہو...... بس......؟ اب تم مجھے وہ بات بتاؤ جس کی وجہ سے تمہارا موڈ آف ہوا ہے، کیا تم زاویار کی گورنس کو لے کر ناراض ہو؟"

"مجھے کیا حق ہے کسی بھی وجہ سے آپ سے ناراض ہونے کا۔" دونوں بازو سینے پر لپیٹے لپیٹے اس نے خفگی سے کہا تھا جب صمید نے مسکراتے ہوئے اسے کندھوں سے پکڑ کر اس کا رخ اپنی طرف پھیر لیا۔

"میرے سارے حقوق تمہیں ہی تو حاصل ہیں پگلی، میں ایسا کوئی کام نہیں کرنا چاہتا جس سے تمہیں تکلیف ہو مگر پھر بھی کچھ نہ کچھ ایسا ہو ہی جاتا ہے۔" اب وہ اسے وضاحت دے رہا تھا۔ مریہ نظریں پھیرے کھڑی سنتی رہی۔

"جہاں تک زاویار کی گورنس کا سوال ہے تو وہ ایک بے سہارا شادی شدہ خاتون ہے میرؤ اس کے غریب باپ کی التجا پر صرف اسے چھت کا آسرا اور تین وقت کی روٹی کا سودا کر کے میں اسے یہاں لایا ہوں تاکہ وہ میری محبوب بیوی اور بچے کی خدمت کرے۔ اس کا دنیا میں کوئی نہیں ہے، جو خون کے رشتے ہیں وہ عزت اور جان کے دشمن ہیں اوپر سے حالت دیکھو اس کی، شاید ڈلیوری کا آخری مہینہ چل رہا ہے، صرف انسانیت کے ناطے ترس کھا کر میں نے اسے یہاں ملازمت پر

رکھا ہے۔ تاکہ میری غیر موجودگی میں تم تنہائی محسوس نہ کرو اگر میں کسی وجہ سے رات میں گھر نہ آسکوں تو تمہیں کوئی مسئلہ نہ ہو اگر تم پسند نہیں کرو گی تو میں اسے فارغ کردوں گا۔" اس کا دل صاف کرتے ہوئے وہ اس کی نظروں میں کھویا ہوا اپنا اعتماد دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کررہا تھا۔ مریہ ابھی بھی خاموش کھڑی رہی۔

"اگر تم گاؤں والے مسئلے کی وجہ سے۔ مجھ سے بدظن ہو تو میں تمہیں کوئی صفائی نہیں دوں گا' کیونکہ میرا دل تمہارے اس گاؤں سے بہت کھٹا پڑ چکا ہے۔ میں یہ برداشت ہی نہیں کرسکتا کہ دنیا میں کوئی بھی شخص تمہیں میرے سوا دیکھے' سوچے' چاہے اس معاملے میں چاہے تم مجھے جتنا بھی غلط سمجھو مگر میں مکمل بے بس ہوں' کیا کروں۔" وہ اب واقعی بے بس لگ رہا تھا۔ مریہ گہری سانس بھر کر رہ گئی۔

"میرا عمر عباس کے ساتھ کسی بھی قسم کا کوئی ایسا ویسا تعلق نہیں ہے صمید' اس معاملے میں تم ضرور کسی بہت بڑی غلط فہمی کا شکار ہو۔"

"نہیں' مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی ہے۔ میں نے خود اس شخص کو کسی سے یہ کہتے سنا ہے کہ وہ تمہیں چاہتا ہے اور زندگی بھر تمہارے سوا اور کسی لڑکی سے شادی نہیں کرے گا۔"

"ٹھیک ہے' مان لیتی ہوں کہ آپ جھوٹ نہیں بول رہے' مگر یہ بھی سچ ہے صمید کہ اس شخص نے کبھی میرے سامنے ایسا کوئی اظہار نہیں کیا' میں نہیں جانتی کہ اس کے دل میں کیا ہے' مگر میرے دل میں کیا ہے میں بہت اچھی طرح سے جانتی ہوں' اگر اس نے کبھی میرے سامنے ایسی ویسی کوئی بات کی ہوتی تو یقیناً میں اسی وقت اس کا دماغ صاف کردیتی' وہ بہت اچھی طرح سے جانتا ہے کہ میرے لیے آپ اور میرا گھرانہ کتنی اہمیت رکھتے ہیں۔"

"ہوں...... اب اندر چلو باہر بہت ٹھنڈ ہے۔"

"تو کیا ہوا' جو شخص کئی کئی دن بناء میری حالت کی پروا کیے گھر سے غائب رہ سکتا ہے' بے حد مشکل ترین وقت میں مجھے تنہا چھوڑ سکتا ہے' ذرا سی رنجش پر میرا بچہ چھین کر مجھے اکیلے گاؤں بھیج سکتا ہے اسے اتنی سی ٹھنڈ کی پروا نہیں ہونی چاہیے۔" ہر طرح سے دل صاف ہونے کے باوجود اس نے اپنی خفگی ختم نہیں کی تھی۔ صمید بالوں میں ہاتھ پھیرتا گہری سانس بھر کر رہ گیا۔

"ایک ہی جرم کی سزائیں' کتنی بار لفظوں کے یہ چابک مارو گی تم مجھے؟"

"جتنی بار میرا دل چاہے گا۔"

"ٹھیک ہے' مجھے منظور ہے میرا بھی وعدہ ہے کبھی اف نہیں کروں گا۔"

"اتنے اچھے نہیں ہو تم۔" اس بار پلٹ کر کہتے ہوئے مریہ نے صمید کے گال پر چٹکی بھری تھی۔ وہ مسکرادیا۔

"اتنا ہی اچھا ہوں میں کبھی آزما کر دیکھنا۔" اسی کی ٹون میں کہتے ہوئے اس نے مریہ کے بال کھینچے تھے۔ وہ بھی مسکرادی۔ اگلی صبح ناشتے کی میز پر وہ سارا احمد سے کہہ رہا تھا۔

"میری بیوی کو فی الحال اس گھر میں کسی ملازمہ کی ضرورت نہیں ہے لہٰذا تم اپنا بندوبست کہیں اور کرلو۔" سارا جو ٹیبل پر ناشتے کا سامان رکھ رہی تھی اس کے الفاظ پر تڑپ اٹھی۔ مریہ نے دیکھا اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کے ساتھ ساتھ بے حد کرب اور بے بسی تھی تبھی اس کا دل پسیجا تھا۔

"نہیں' کہیں اور بندوبست کرنے کی ضرورت نہیں ہے' جب تک تمہیں کوئی مضبوط آسرا نہیں مل جاتا تم یہیں اسی گھر میں میرے پاس رہ سکتی ہو۔"

"بہت شکریہ۔ میں آپ کا یہ احسان مرتے دم تک نہیں بھولوں گی۔"

شکیلہ نصیب

السلام علیکم! ہم ہیں شکیلہ نصیب ہمارا تعلق میاں چنوں کے قریب قصبہ اقبال نگر سے ہے۔ ہم 6 مئی 1987ء میں پیدا ہوئے ہم پانچ بہن بھائی ہیں۔ ہم صرف آٹھویں تک پڑھ سکے پھر ہماری شادی ہوگئی۔ ہماری فیملی آنچل کی فیملی کی طرح ہے ہم سب اکٹھے رہتے ہیں جوائنٹ فیملی سسٹم ہے۔ میرے میاں جانی کے چار بھائی ہیں اور ان کے بچے بھی۔ میرے تین بیٹے ہیں' حیدر نصیب' سعد نصیب وہ اب ہمارے ساتھ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے پاس جنت کے مزے لے رہا ہوگا اور وارث نصیب جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک سال بعد واپس دے دیا۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھوں بار شکر ہے۔ جی میری پسندیدہ شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور علامہ اقبال اور اب مولانا طارق جمیل ہیں۔ خامیاں تو جناب بہت سی ہیں کیا کیا بتاؤں سب سے بڑی خامی نماز کبھی کبھی پڑھتی ہوں (صبح کی تو ضرور پڑھتی ہوں)۔ کسی سے کوئی بات نہیں کہہ سکتی اس لیے کوئی ناراض نہ ہوجائے' بزدل ہوں' ہاہاہا۔ خوبیاں تو دوسرے زیادہ بہتر بتاتے ہیں' میری بہن کہتی ہے کہ مجھ میں صبر بہت ہے۔ کھانا بھی اچھا پکاتی ہوں' چائنیز بریانی اور اچار گوشت بہت اچھا پکاتی ہوں۔ تعارف کیسا لگا ضرور بتانا' اللہ حافظ۔

''کوئی بات نہیں' یہ احسان نہیں صرف انسانیت ہے' میں امید کرتی ہوں کہ تم میرے اعتماد کو کبھی ٹھیس نہیں پہنچاؤ گی۔''

''جی...... اللہ نے چاہا تو آپ کو مجھ سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوگی۔''

''ٹھیک ہے' اب تم جاسکتی ہو' صبح کا ناشتہ اور رات کا کھانا میں خود پکاؤں گی' تم کوشش کرنا میرے شوہر کی موجودگی میں صرف اپنے کام سے کام رکھو۔''

''جی ٹھیک ہے۔'' اس کے حکم پر سارا احمد نے ہاتھ میں پکڑے برتن وہیں رکھ دیئے تھے۔

صمید حسن نظریں چرا گیا۔ یہی بہت تھا کہ اس کی توقع کے عین مطابق' مریرہ رحمان نے اپنے نرم دل کے ہاتھوں مجبور اس لڑکی کو گھر میں رہنے کی اجازت دے دی تھی' وگرنہ اسے کتنا خوار ہونا پڑتا اپنے فرض کی ادائیگی میں' یہ صرف وہی جانتا تھا۔

سارا احمد نے صرف ایک نظر اسے دیکھا تھا اور پھر پلٹ کر وہاں سے چلی گئی۔ ان دونوں محبت کرنے والوں کے درمیان شاید اس کی جگہ کہیں بنتی بھی نہیں تھی۔

❀......♥......❀

تتلیاں پکڑنے کو کتنا سہل جانا تھا
خوشبوؤں کو چھو لینا
بارشوں کے موسم میں شام کا ہر اک منظر
گھر میں قید کر لینا!
روشنی ستاروں کی مٹھیوں میں بھر لینا
کتنا سہل جانا تھا!
جگنوؤں کی باتوں سے پھول جیسے آنگن میں
روشنی سی بھر لینا
اس کی یاد کا چہرہ خواب ناک آنکھوں کی
جھیل کے گلابوں پر دیر تک سجا رکھنا

کتنا سہل جانا تھا!

اے نظر کی خوش فہمی اس طرح نہیں ہوتا!!

تتلیاں پکڑنے کو دو جانا پڑتا ہے!!

اس روز وہ اسٹور سے گھر واپس لوٹی تو پورا بدن تھکن سے چور چور ہو رہا تھا۔ لندن کی سرد فضاؤں میں آئے اسے یہ دوسرا ماہ تھا۔ اس نے پاکٹ سے اپنی سیلری کے پیسے نکالے اور کرائے کی رقم الگ کر کے باقی پیسے واپس پاکٹ میں رکھ لیے۔ ایلی کے کمرے سے میوزک کا اٹھتا ہوا شور اس بات کا ثبوت تھا کہ وہ آج گھر پر موجود تھا۔ تبھی وہ کچھ دیر آیابی کے پاس بیٹھ کر اس کے کمرے کی طرف چلی آئی تھی۔ دروازہ بند تھا مگر لاک نہیں تھا۔

پرہیان کے ذرا سے دھکیلنے پر دونوں پٹ وا ہو گئے تھے۔ اس نے جھانک کر دیکھا اندر ایلی اپنے بیڈ پر اوندھا لیٹا ہوا تھا جبکہ اس کے کمرے کی لائٹس بھی آف تھیں۔ پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ وہ اس کے کمرے کی طرف آئی تھی۔

''ایلی!'' ہاتھ بڑھا کر کمرے کی مین لائٹ آن کرتے ہوئے اس نے اسے پکارا مگر دوسری طرف ایلی بے سدھ پڑا رہا۔ اس نے پرہیان کی پکار کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ قدرے پریشان مزید آگے بڑھ آئی۔

''ایلی......'' اس بار پکار قدرے بلند تھی مگر ایلی کی خاموشی برقرار رہی۔ اتنے تیز میوزک میں یقیناً وہ سو نہیں سکتا تھا تبھی اس نے ہاتھ بڑھا کر سی ڈی پلیئر بھی خاموش کر دیا۔

''ایلی تم ٹھیک تو ہو؟'' اب وہ اس کے بیڈ کے بالکل قریب اس پر قدرے جھک کر پوچھ رہی تھی۔ مگر ایلی کے جسم میں اب بھی کوئی حرکت نہیں ہوئی۔ پرہیان کی پریشانی بڑھ گئی۔ ہاتھ بڑھا کر اس نے جیسے ہی اسے سیدھا کیا' شاکڈ رہ گئی۔ ایلی کا وجود تیز بخار میں جل رہا تھا۔ اس کی خوب صورت غلافی آنکھیں مکمل بند تھیں۔ جانے وہ رات کب گھر واپس آیا تھا اور کب سے اس کی یہ حالت تھی۔ نہ اس نے آفس کے کپڑے تبدیل کیے تھے نہ ہی پاؤں کو جوتوں کی قید سے آزاد کرنے کی کوشش کی تھی۔ بہت پہلے ایک بار اس نے بتایا تھا کہ جب وہ بہت اذیت میں ہوتا ہے تب تین چیزوں کا سہارا لیتا ہے' شراب' شباب اور تیز میوزک......! وہاں شباب تو موجود نہیں تھا مگر شراب اور تیز میوزک کی نشانیاں ضرور مل گئی تھیں۔ شاید یقیناً وہ رات ڈرنک کرتا رہا تھا۔ پرہیان چونکہ صبح لیٹ اٹھی تھی لہٰذا جلدی جلدی تیار ہو کر بنا ناشتہ کیے گھر سے نکل گئی۔ اسے گمان بھی نہیں تھا کہ ایلی اس وقت گھر پر ہو سکتا ہے۔ اپنی عقل اور جلد بازی پر ماتم کرتی وہ اس پر جھکی تھی اور پھر اس کے پاؤں کو جوتوں کی قید سے آزاد کر کے گرم کمبل اس کے اوپر ڈال دیا۔ اس کے کمرے کی ونڈو بھی کھلی ہوئی تھی جس سے فضاء میں خنکی کا احساس جیسے ہڈیوں میں گھستا جا رہا تھا۔

شام کی بڑھتی ہوئی تاریکی نے اردگرد اندھیروں کا جال بچھانا شروع کر دیا۔ پرہیان نے ایک نظر کھڑکی سے باہر گرتی ہلکی ہلکی برف کو دیکھا' پھر مضبوطی سے دونوں پٹ بند کر کے پردے برابر کر دیے۔ ایلی کا بخار گزرتے ہر پل کے ساتھ بڑھتا جا رہا تھا مگر عجیب مشکل تھی کہ نہ اس کے پاس کسی قریبی ڈاکٹر کا نمبر تھا نہ وہ اس علاقے کے لوگوں کے متعلق زیادہ جانتی تھی۔ آیابی کو وہ ابھی کھانا کھلا کر نیند کی ٹیبلٹ دے کر آئی تھی۔ ان کو اس وقت جگانا اور کسی مدد کی امید رکھنا بیکار تھا۔ تبھی وہ اس پر جھکی تھی!!

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

رنگ دھنک کے

سحرش فاطمہ

مجھے چپ لگی ہے مدعا کہتے کہتے
رکے ہیں وہ کیا جانے کیا کہتے کہتے
چلے تم کہاں میں نے تو دم لیا تھا
فسانہ دل زاد کا کہتے کہتے

''ہائے مجھے تو یقین نہیں آرہا میرے ساتھ بھی ایسا ہوسکتا ہے۔ دیکھو کتنی خوب صورت رنگ ہے۔'' وہ کینٹین میں بیٹھی گرمی کے موسم میں بھی کافی سے لطف اندوز ہورہی تھی اور ساتھ لڑکیوں کی باتیں بغور سن رہی تھی۔

''لیکن یار یہ کتنی مہنگی ہوگی ناں؟'' دوسری لڑکی نے اتاولے پن سے کہا۔

''تو کیا ہوا؟ بھئی جیسا فلموں ڈراموں میں ہوتا ہے وہ اب حقیقی زندگی میں بھی تو ہوسکتا ہے ناں۔ اسی سے اندازہ لگالو کتنا پیار کرتا ہے وہ مجھے۔'' پہلی والی لڑکی نے اکڑ کر جواب دیا اتنا فخریہ انداز تھا کہ وہ پلٹ کر انہیں دیکھنے لگی اور مسکرائے بغیر نہ رہ سکی۔

''بس رہنے ہی دو حقیقی زندگی میں کوئی اتنا پیسہ نہیں خرچ کرتا۔'' دوسری لڑکی نے آہیں بھرتے ہوئے کہا۔

''اچھا تم نے یہ بھی اپنے کسی ناول میں پڑھا ہوگا؟'' پہلی والی لڑکی نے منہ بسورتے ہوئے پوچھا۔

''میرے ڈائجسٹوں کو بیچ میں مت لاؤ...... ہونہہ۔'' دوسری نے ہنکارتے ہوئے کہا۔

''اف یہ لڑکیاں بھی ناں اور ان کے یہ عجیب قسم کے ڈائجسٹ، کہانیاں اور فلمیں۔'' عنایہ نے اپنی بکس سمیٹیں اور چل دی۔ کلاس تک جاتے جاتے وہ ان ہی دو لڑکیوں کو سوچ رہی تھی۔

اسکول میں کلاسز کے بعد اس کی دو ہی پسندیدہ جگہ ہوتی تھیں ایک تو کینٹین جہاں وہ کافی پیتی اور آس پاس کے لوگوں کو دیکھتی کبھی کسی کے ساتھ بیٹھتی نہیں تھی اور دوسری لائبریری وہاں بھی یہی حال تھا اس کا۔

''شکر ہے یہاں سکون تو ہوتا ہے۔ کوئی فضول باتیں تو سننے کو نہیں ملتیں۔'' وہ اپنے دھن میں سوچتی ہوئی بکس ریک میں رکھی کتابوں کو دیکھ رہی تھی۔

''نری خوابوں کی دنیا۔'' ہنکارا بھرتے ہوئے وہ بڑبڑائی۔

وہ شہر کے بڑے اور مشہور اے لیولز اسکول میں پڑھتی تھی جہاں گرلز اور بوائز ساتھ تو ہوتے تھے لیکن سیکشنز الگ تھے۔

بے دلی سے ایک کتاب اٹھائی جو سانپوں کے بارے میں تھی، وہ چیئر پر بیٹھ گئی اور ورق گردانی شروع کردی۔ اسے سانپوں کے متعلق جاننے کا بڑا شوق تھا۔ اپنے اس شوق کی وجہ سے اکثر سوتے میں ڈر بھی جاتی تھی لیکن کیا کہیے کہ ٹی وی پر بھی وہ اسی چینل کو شوق سے دیکھتی تھی جس میں سانپوں کے بارے میں بتایا جاتا تھا۔

''ہیلو......'' اسے بیٹھے تھوڑی دیر ہی گزری کہ سامنے ایک

لڑکا آکر بیٹھ گیا۔ منہ بسور کر وہ سر جھکائے اپنی کتاب کو ہی دیکھ رہی تھی۔ ''مس کمال ہے میں آپ سے مخاطب ہوں اور آپ بس اوراق پلٹ رہی ہیں۔ پڑھ تو نہیں رہی تو بات کرنے میں حرج نہیں۔'' اس لڑکے کی بات پر عنایہ نے چونک کر اسے دیکھا اور واپس نظریں کتاب پر جمادیں۔

''لائبریری میں تو آکر نئے لوگوں سے بات چیت ہوتی ہے اور یہاں لوگ اس قدر بور فطرت کے ہیں کہ ہیلو کا جواب بھی دینا گوارہ نہیں کرتے۔'' اس نے اپنے دونوں ہاتھ چیئر کی پشت پہ رکھے اور بڑے آرام دہ انداز میں گویا ہوا۔ وہ ایک دم کھڑی ہوگئی۔

''ارے ارے...... کہاں جارہی ہیں۔ اچھا بابا میں اب چپ رہوں گا، تم بھلے یہاں بیٹھی رہو اور ورق پر ورق پلٹتی رہو۔'' یہ بات صحیح تھی وہ پڑھ نہیں رہی تھی۔ عنایا نے اسے گھورا اور چلی گئی وہ لڑکا جبکہ مسکرادیا تھا۔

❀......❀❀❀......❀

''آگیا میرا بچہ' میری جان۔'' عنایہ کی امی حمیدہ بیگم فون پر کسی سے بات کررہی تھیں، جیسے ہی عنایہ کو داخل ہوتا دیکھا بول پڑیں۔ عنایہ نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

''اچھا اب یہ ٹی وی مت چلا لینا میں کھانا لگارہی ہوں تم چینج کرآؤ۔'' حمیدہ جانتی تھیں وہ ٹی وی آن کرے گی آج اس کے پسندیدہ چینل پر خاص ڈاکومینٹری آنی تھی۔

''ماں...... آپ کو پتا تو ہے پھر بھی؟ میں یہیں ٹھیک ہوں آپ بس کھانا لادیں۔'' شان بے نیازی سے عنایہ نے جواب دیا۔

''تم اپنی طبیعت خراب کرلوگی۔ اس سے اچھا کوئی ڈرامہ کوئی مووی ہی دیکھ لو ذہن فریش رہے گا۔'' انہوں نے پچکارتے ہوئے کہا۔ ویسے کہہ تو وہ عنایہ کے بھلے کے لیے ہی رہی تھیں لیکن عنایہ مانے تب ناں۔

''نہیں مجھے ان فضول چیزوں کو دیکھنے کا کوئی شوق نہیں نہ ہی دلچسپی ہے۔ آپ لوگ دیکھیں پر آج کل کی نسل کو ان چیزوں میں کیوں دھکیل رہے ہیں؟ جہاں بس فضول باتیں ہی سکھائی جاتی ہوں؟'' عنایہ آج کینٹین میں موجود ان دو لڑکیوں کی بات پر تپی ہوئی تھی اور اب سارا ماں پر ملبہ گرارہی تھی۔

''ارے بیٹا...... ڈرامے بھی بنتے ہیں تو اس میں اچھی باتیں ہوتی ہیں اور غلط دکھا بھی رہے ہیں تو وہ اصل میں یہ بتانا ہوتا ہے کہ وہ واقعی غلط ہے یہ نہ کیا جائے۔''

''تو دکھانے کی ضرورت بھی کیوں ہورہی ہے بھئی؟'' وہ صوفے پر براجمان تھی اور اس کی اور حمیدہ کی ایک نئی بحث چھڑ چکی تھی۔

''ہمارے وقت میں ٹی وی کم دیکھا جاتا تھا اور اس میں تو اکثریت سبق آموز ڈرامے ہوتے تھے اور کچھ تو کتابوں سے ماخوذ ہوتے تھے۔''

''وہ کتابیں اچھی تھیں۔ لیکن آج کل کے لڑکے لڑکیاں اپنے آپ کو پتا نہیں کیا ہیرو ہیروئن سمجھنے لگے ہیں۔'' عنایہ نے ہنکارتے ہوئے کہا۔

''ہاں تو اور کیا...... میری عنایہ بھی کسی ہیروئن سے کم ہے کیا؟'' حمیدہ بیگم نے اس کے گال کھینچتے ہوئے کہا۔

''ماں...... میں اب بڑی ہوگئی ہوں۔ یہ نہ کیا کریں آپ۔'' عنایا نے اپنی ماں کا ہاتھ ہٹایا۔

''تم چڑتی ہوناں اسی لیے اور کرنے میں مزہ آتا ہے۔''

''اب بس باتوں سے ہی میرا پیٹ بھریں گی؟ آپ کی وجہ سے میں ٹی وی نہیں دیکھ رہی ابھی کم از کم اپنی بھوکی بیٹی پر تو رحم کرلیا جائے۔'' عنایہ اب ہلکے پھلکے موڈ میں آچکی تھی۔

''جاکر کپڑے بدل لو میں کھانا لگاتی ہوں۔'' حمیدہ بیگم نے تھپکی دے کر کہا۔

❀......❀❀❀......❀

عنایہ اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی تھی۔ اسے ہمیشہ سے معلوماتی پروگرام دیکھنے کا شوق تھا، میوزیم جانا اور بکس پڑھنا۔ پڑھائی میں بھی اچھی تھی لیکن ٹی وی کے معاملے میں بس کارٹونز یا پھر سانپوں کے حوالے سے ڈاکومینٹری پروگرام دیکھنا اسے پسند تھا' بقول عنایہ کے کہ یہ صرف خوشی اور معلومات حاصل کرنے کے لیے ہوتے ہیں اور وقت گزاری کے لیے ان سے اچھا کچھ نہیں ہوسکتا۔ اس کی دوست صرف ایک ہی تھی عائشہ جو اولیولز کرنے کے دوران ہی اسکول چھوڑ کر کالج جوائن کرچکی تھی جس وجہ سے اس وقت وہ بی اے اردو ادب کی طالب علم تھی۔

❀......❀❀❀......❀

عنایہ حسب عادت کینٹین میں موجود تھی ہاتھ میں کافی کا کپ تھامے کسی کتاب کا مطالعہ کررہی تھی۔

''او ہیلو مس خوف ناک۔'' عنایا نے کتاب سے نظریں

ہٹائیں تو سامنے وہی لائبریری والا لڑکا بیٹھا ہوا تھا۔
"تم؟" عنایہ نے بےزاری سے کہا۔
"جی...... میں۔" وہی انداز لبوں پہ مسکان سجائے۔
"یہاں کیا کر رہے ہو؟" عنایہ نے گھورتے ہوئے پوچھا۔
"کیوں یہاں کیا آپ کا راج ہے؟ میرا آنا یہاں ممنوع قرار دیا گیا ہے؟" وہ ہنوز مسکراہٹ لیے عنایہ کو زچ کر رہا تھا۔
"تمہیں میں ہی ملی ہوں کیا؟" عنایہ نے دھیمی آواز میں کہا۔
"نہیں لڑکیاں تو بہت ہیں پر تم جیسی خوف ناک نہیں اس لیے تمہارے پاس آ کر بیٹھ گیا ہوں۔" وہ لطف اندوزی سے کہہ رہا تھا۔
"ٹھیک ہے...... تم یہیں بیٹھے رہو میں جا رہی ہوں۔" عنایہ اٹھ کھڑی ہوئی۔
"ایک تو تمہیں بھاگنے کی بہت جلدی رہتی ہے۔ کبھی ایک جگہ ٹک کر نہیں بیٹھ سکتیں؟" وہ اس کے پاس آ کھڑا ہوا۔
"پہلی بات میں تمہیں جانتی نہیں تو تم مجھے "تم" کہنے کے بجائے "آپ" کہو تو بہتر ہوگا اور میں تمہاری سن ہی کیوں رہی ہوں؟" عنایہ نے دوبدو ہو کر کہا۔
"کمال ہے۔ آج کل کی لڑکیاں بھی ناں مجھے تو اتنے مزے سے "تم" کہہ دیا اب میں نے کہا تو برا مان گئیں؟" اس نے تم پر زور دیا۔ "میرا نام اچھا چھوڑو نہیں بتا رہا، ایک دن تم خود ہی پوچھ لوگی۔ ویسے تمہاری کوئی دوست نہیں ہے کیا؟ جب بھی دیکھا ہے اکیلے ہی دیکھا ہے تمہیں۔" مزے سے پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا عنایہ کو تنگ کر رہا تھا۔ عنایہ نے اسے گھوری دی اور بنا کچھ بولے وہاں سے چلی گئی۔
"ایک دن تو تم سے دوستی کر کے ہی رہوں گا۔" اس نے بھی جیسے ٹھان لی تھی۔
"پتا نہیں اپنے آپ کو سمجھتا کیا ہے بدتمیز کہیں کا۔" غصے سے وہ تیز تیز قدم اٹھاتی چل رہی تھی۔
"نہ جان نہ پہچان اور چلا ہے مجھ سے بات کرنے۔ کیا کہا تھا اس نے مس خوف ناک ہونہہ۔" اسی دوران پتھر سے پاؤں ٹکرایا اور وہ لڑکھڑائی۔
"اف ہائے میں مر گئی۔" دوسرے پیر سے اس نے اس پتھر کو ہٹایا اور وہیں نزدیک زمین پر ہی بیٹھ گئی۔ "مجھے آخر اتنا غصہ کیوں آنے لگا ہے؟ وہ لڑکا جائے بھاڑ میں۔ اس کے لیے میں کیوں اپنا دماغ خراب کر رہی ہوں دوست نہیں ہے کوئی، اسے کیا میرا کوئی دوست ہو یا نہ ہو؟ ہر کسی کو دوست نہیں بنا لیتے اور نہ اس کی طرح چپکو بنے پھرتے ہیں۔ ہاں یہ صحیح ہے وہ ایک مسٹر چپکو ہے۔" عنایا بڑبڑانے کے ساتھ پیر کو سہلا رہی تھی ساتھ ہی اس کے حواسوں پر وہی لڑکا سوار تھا۔
وہ جس جگہ بیٹھی تھی اس کے پیچھے آڈیٹوریم تھا جہاں سے لڑکے لڑکیوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں وہ دکھتے پیر کے ساتھ اٹھی اور آڈیٹوریم کے اندر جانے لگی۔ وہ یہاں تب ہی آتی تھی جب کوئی تقریب ہوتی تھی۔ وقت گزاری کے لیے کینٹین اور لائبریری ہی اس کی مخصوص جگہ تھی۔
"ارے یہ تو ہماری کلاس کی ہے ناں؟" کسی لڑکی نے سرگوشی کی۔
"ہاں یہ عنایہ احمر ہے۔" دوسری لڑکی نے تصحیح کی۔
"یہ یہاں کیسے آ گئی آج؟" اسی لڑکی نے پوچھا۔ عنایہ مسکراتے ہوئے ان کے ہی پاس جا کر بیٹھ گئی۔
"کیسی ہو تم لوگ؟" عنایہ نے بڑھ کر ان لڑکیوں سے مسکرا کر بات شروع کی۔
"ہم تو ٹھیک ہیں تم بتاؤ۔ آج یہاں کیسے؟" انہی لڑکیوں میں سے ایک نے پوچھا۔
"ہاں وہ بس ایسے ہی آج موڈ ہوا تو یہاں آ گئی۔" عنایہ کچھ کنفیوژ سی ہوئی تھی۔
"کیوں آج کوئی کلاس نہیں کیا؟" کلاس فیلو کے سوال پر عنایہ چونکی۔ اس نے کبھی بنک جو نہیں کیا تھا۔
"ہاں وہ میرے ذہن سے نکل گیا۔ اصل میں، میں کلاس لینے ہی جا رہی تھی میرا پاؤں چوٹ لگی تو بس اس لیے......" عنایہ نے چور نظروں سے دیکھا۔
"اوہ تمہیں درد ہو رہا ہوگا؟ میں اسپورٹس روم سے دوائی لے کر آتی ہوں رکو۔" اسی لڑکی نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا اور جانے لگی۔
"ارے نہیں میں ٹھیک ہوں بس تھوڑی دیر بیٹھوں گی آرام مل جائے گا۔ تم دونوں کلاس میں نہیں گئیں کیوں؟" عنایہ نے ان دونوں سے پوچھا۔
"بس ایسے ہی کوئی خاص وجہ نہیں۔"

''میرا نام انوشہ ہے اور یہ سویرا ہے۔'' دوسری لڑکی نے اپنا اور ساتھ بیٹھی لڑکی کا نام بتایا۔
''اچھا اب بتاؤ یہاں کیوں بیٹھی ہوئی ہو تم لوگ اور کلاس کیوں نہیں لی؟'' عنایہ کے سوال پہ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور ہنسنا شروع ہوگئیں۔
''یار سچ بتائیں تو اسلامیات کی مس بہت بورنگ ہیں۔ اس لیے اکثر بھاگ جاتے ہیں ان کی کلاس سے، انہیں تو پتا بھی نہیں چلتا۔'' دونوں نے ایک دوسرے کو تالی مارتے ہوئے کہا۔
''یہ کیا بات ہوئی؟ ٹیچر بورنگ ہے، سبجیکٹ تو نہیں۔'' عنایہ کو ان کا یہ انداز اچھا نہیں لگا۔
''اصل میں ہم ناں۔ اس ڈائجسٹ کو ڈسکس کرنے بیٹھے تھے۔'' سویرا نے عنایہ کو ڈائجسٹ دکھاتے ہوئے بتایا۔
''آنچل؟'' عنایہ نے نام پڑھا۔
''ہاں ہمارا آنچل۔'' دونوں نے بیک وقت کہا اور ہنس دیں۔
''واٹ ربش یار!'' عنایہ چڑی۔
''کیوں کیا ہوا؟'' سویرا نے پوچھا۔
''تم لوگ یہ فضول کہانیاں پڑھتے ہو اور کلاس اس کے لیے بنک کرتے ہو شرم نہیں آتی؟'' عنایہ نے غصے سے کہا۔
''ایک تو ہم تمہیں بتا نہیں رہے تھے۔ تم نے خود ہی پوچھا اور اب اس طرح بات کر رہی ہو؟'' انوشہ کو برا لگا۔
''چلو یہاں سے سویرا۔ اسے یہیں بیٹھنے دو۔ ہم چلتے ہیں اپنے انا ولید کے بارے میں بات کرنے۔''
''ہاں چلو میں تمہیں یہ بھی بتاؤں گی 'سمیرا شریف طور' کیا پلان کر رہی ہے۔'' دونوں باتیں کر رہی تھیں اور عنایہ کو جتاتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔
''توبہ پتا نہیں کس کس کا نام لے رہی ہیں۔ ایسے جیسے کوئی ان کا اپنا ہو۔'' ہنکارتے ہوئے دھیمی آواز میں عنایہ نے کہا۔

❁......❁❁......❁
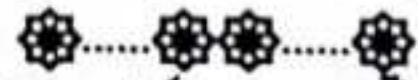
''کیا بتاؤں تمہیں۔ اس اسکول میں تو لڑکیاں بہت عجیب ہیں۔'' عنایہ نے عائشہ کے ساتھ ٹی وی دیکھتے ہوئے پوپ کارن کھاتے ہوئے اپنے اسکول کے بارے میں بتانا شروع کیا۔
''کیوں ایسا کیا ہوگیا بھئی؟'' عائشہ نے بھی بغور ٹی وی دیکھتے ہوئے پوچھا۔
''لڑکیاں سارا وقت ڈرامے اور فلموں کی باتیں کرتی ہیں، کوئی کوئی تو بس چھوڑو۔'' بے زاری سے ٹشو پیپر سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے عنایہ نے کہا۔
''تمہاری کوئی دوست نہیں بنی وہاں؟'' عائشہ نے سوال داغا۔
''تمہارے علاوہ میں کسی کو دوست بنا سکتی ہوں کیا؟'' عنایہ نے اسی سے پوچھ ڈالا۔
''جانِ عائشہ ایسا کیوں کر رہی ہو اپنے ساتھ؟ کیوں خود کو اکیلے کر رہی ہو؟ پتا ہے آنٹی کو کتنی فکر ستاتی ہے تمہاری؟''
''اچھا یعنی تم تک میری شکایت پہنچ چکی ہے۔'' عنایہ نے ابرو اچکاتے ہوئے کہا۔
''میں...... تم کیوں نہیں سمجھتیں یار۔ سب کو تمہاری فکر ہے۔ مجھے بھی۔''
''ہاں تبھی تم مجھے چھوڑ کر چلی گئیں تھیں ناں اسکول سے؟'' عنایہ نے خفگی سے کہا۔
''میری مجبوری تھی وہ۔ مجھے اردو پڑھنے کا شوق تھا لیکن اولیولز مجھے اردو میں ویک کر رہا تھا جس کے لیے میں الگ سے کلاسز لے رہی تھی جانتی تو ہو تم سب۔'' عائشہ نے اپنی صفائی پیش کی۔
''اور تم یہ بھی اچھے سے جانتی ہو کہ عنایہ احمر کی زندگی میں کوئی اور اس کی دوست کی جگہ نہیں لے سکتا۔'' عنایہ نے بھی اسے جتایا۔
''پگلی کہیں کی اور وہ جب آئے گا ناں تو مجھے بھی بھلا دوگی۔'' عائشہ نے آنکھ ماری۔
''کیا...... کیا کیا' کون آجائے گا؟'' عنایہ سمجھ نہیں رہی تھی یا سمجھنا نہیں چاہتی تھی۔
''سب جانتی ہو تم۔ بس ڈرامے کروالو تم سے۔'' عائشہ ہنسی جس پر عنایہ نے اسے چٹکی کاٹی۔
''اوئی...... مار دیا یار تم نے۔ ظالم کہیں کی۔ جب تمارا سانپ آئے گا ناں اسے بھی یونہی کاٹو گی؟'' عائشہ نے بھی حد کردی تھی۔
''سانپ کیا مطلب ہے تمہارا؟''
''بھئی تمہیں سانپ پسند ہیں تو تم ناگن ہوئیں ناں تو وہی تو آئے گا تم سے شادی کرنے۔'' عائشہ بھی اسے تنگ

کر رہی تھی۔

''لاحول ولاقوت...... بہت ہی بدتمیز ہو تم۔'' عنایہ نے مکا جڑتے ہوئے کہا۔

''بیٹا جی' جیسی بھی ہوں تمہاری ہی دوست ہوں۔'' عائشہ نے فخریہ انداز میں کہا۔

''آئش تم مجھے ہرٹ کر رہی ہو اور کچھ نہیں۔'' عنایہ نے منہ پھیر کر کہا۔

''میں نے کیا کر دیا یار؟ اچھا معافی دے دو اور اب منہ سے پھوٹو کیا ہوا ہے' اسکول میں مزہ نہیں آتا کیا' وہاں کچھ ہوا ہے؟'' عائشہ نے ہاتھ جوڑے اور سنجیدگی سے پوچھا۔

''وعدہ کرو...... کسی کو بتاؤ گی نہیں؟''

''حد ہوگئی کہہ تو ایسے رہی ہو جیسے میں نے تو تھوڑی دیر بعد فیس بک پر لگا دینا ہے ناں کہ محترمہ عنایہ احمر صاحبہ کو کسی سانپ سے عشق ہوگیا ہے۔'' عائشہ نے پھر سے اسے چھیڑا۔

''دفع ہو جاؤ...... تم دوست ہو یا آستین کا سانپ؟''

''اوئے میں سانپ کیسے ہو سکتی ہوں؟ ویسے مجھے برا نہیں لگے گا لیکن میں لڑکی ہوں ناں وہ بھی مشرقی۔'' عائشہ جتنے مزے سے اسے چھیڑ رہی تھی عنایہ نے اتنے ہی مزے سے تکیہ کھینچ کر دے مارا۔

''تم مجھے بتاؤ گی کہ ہوا کیا ہے؟''

''یار وہاں عجیب لڑکیاں ہیں۔ پڑھائی کرنے کے بجائے عجیب وغریب نام کے ڈائجسٹ پڑھتی ہیں اور انہیں ڈسکس بھی کرتی ہیں جیسے ان کے کوئی رشتے دار ہوں۔'' عائشہ کا یہ سنتے ہی ہنسی کا فوارہ چھوٹ گیا۔

''تم ہنس رہی ہو؟ حد ہوگئی قسم سے۔'' منہ پھلاتے ہوئے عنایہ نے کہا۔

''تو اور کیا کروں یار؟ اگر لڑکیاں پڑھ رہی ہیں تو تمہیں کیا؟'' عائشہ کو اس کا موقف سمجھ نہیں آیا۔

''حد ہے عائشہ سلیم!'' عنایہ بڑبڑائی۔

''تم خود الجھ رہی ہو اور مجھے بھی الجھا رہی ہو، بات کوئی ہے ہی نہیں میرے نزدیک۔'' عائشہ اٹھ بیٹھی۔

''میں تمہیں سمجھا نہیں پا رہی جو کہنا چاہتی ہوں۔'' عنایہ منمنائی۔

''جب تمہیں سمجھ آجائے تو مجھے بھی سمجھا دینا بس۔'' عائشہ کھلکھلائی۔

''اچھا ٹھیک ہے۔ تم بتاؤ پڑھائی کیسی چل رہی ہے؟'' عنایہ نے موضوع بدلنا چاہا۔

''بہت اچھی' مشکل ہے لیکن مزہ بھی آتا ہے۔ بحث ومباحثہ بھی ہوتے ہیں۔'' عائشہ اب اپنی پڑھائی کا احوال سنا رہی تھی۔

''تمہیں پتا ہے آج کل کے لوگ پرانے رائٹرز کے ساتھ نئے رائٹرز کا بھی حوالہ دینے لگے ہیں، اتنا ہی نہیں لڑکے بھی پڑھتے ہیں۔'' عائشہ نے ہنس کر بتایا۔

''کیا کہا؟ لڑکے بھی ڈائجسٹ پڑھتے ہیں......! اف میں یہاں لڑکیوں کی باتیں سن کر حیران ہو رہی ہوں اور تم لڑکوں کا بتا رہی ہو۔'' عنایہ کو اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا۔

''جی جناب! ان سے نام پوچھ لو سب رائٹرز کا نام ہی نہیں ان کی تحریر کردہ کہانیاں بھی بتائیں گے۔'' عائشہ نے مزید معلومات میں اضافہ کیا۔

''اچھا مجھے بتاؤ کس ڈائجسٹ کا نام سن کر تم حیران ہوئی تھیں؟''

''یار بڑا ہی عجیب سا نام تھا۔ ہاں یاد آیا۔ آنچل۔'' عنایہ نے بتایا۔

''ہائے آنچل وہ تو میں بھی پڑھتی ہوں۔ تم بھی پڑھ کر دیکھنا بہت اچھا ڈائجسٹ ہے۔''

''لو وہ کیا کہتے ہیں یک نہ شد دو شد صرف اسکول کی لڑکیاں ہی پاگل نہیں میری اکلوتی دوست بھی ان ہی میں شامل ہے۔'' عنایہ نے سر پکڑ کر کہا۔

''تم ایک دفعہ پڑھ کر دیکھو۔ تم خود کہو گی کہ یہ ہوتا ہے ڈائجسٹ جس میں سب کچھ موجود ہے۔'' عائشہ ایسے بتا رہی تھی جیسے آنچل اسی کا ہی ہو۔

''اب بس کرو تم بھی۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ کچھ آرڈر کروائیں۔''

''ہاں ضرور ورنہ تم اگر کچن میں گئیں تو اناڑی پیا کی ہیروئین والا کام کرو گی۔'' عائشہ نے کسی لڑکی کا ذکر کیا تھا۔

''ہیں...... ہیں...... کس کا کام' کون اناڑی...... کون پیا؟'' عنایہ نے گھورا۔

''کچھ نہیں تم فون کرو آرڈر کرواؤ کچھ۔'' عائشہ ہنس دی۔

❋ ❋ ❋

دن گزرتے جا رہے تھے عنایہ کی کسی سے دوستی نہیں ہوئی

تھی بس کبھی کسی سے کام کے سلسلے میں بات ہوگئی تو ہوگئی اس سے آگے نہیں اور سویرا اور انوشہ تو بات کرتی ہی نہیں تھیں۔ اسے دیکھتے ہی چہ مگوئیاں میں لگ جاتیں۔ اس دن کے بعد سے وہ لڑکا بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ کینٹین میں بھی عنایہ کی نظریں اسے کھوجتیں تو لائبریری میں بھی جب کوئی کتاب لے کر بیٹھتی اسے لگتا وہ سامنے بیٹھا ہوا ہے لیکن وہ منظر سے غائب ہو چکا تھا۔ عنایہ اس کا نام تک نہیں جانتی تھی اسے تو یہ بھی نہیں پتا تھا کہ وہ کس کلاس میں پڑھتا ہے۔ پورا ایک ہفتہ گزر چکا تھا۔

وہ لائبریری میں ہی تھی آج اس کا ارادہ اردو ناولز سیکشن میں جانے کا تھا۔ وہ لائبریری کے اردو ادب سیکشن میں کبھی بھی نہیں جاتی تھی نہ اسے شوق تھا۔ البتہ اس کی اردو اچھی تھی، جتنی اچھی کمانڈ اس کی انگلش میں تھی۔ اس سے کچھ حد تک اردو میں بھی تھی۔ اسی وجہ سے شاعری اس کی سمجھ سے بالاتر تھی۔

"اف اتنی ساری کتابیں ہیں اور اتنی موٹی، کیسے لوگ پڑھ لیتے ہوں گے؟" عنایہ سب کے نام دیکھتی جاتی اور حیرت کا اظہار کرتی۔

"یہ نام اچھا لگ رہا ہے لیکن محبت کیسے دل پہ دستک دے سکتی ہے کیا کروں، پڑھوں، اتنے سارے صفحے کیسے پڑھوں گی؟" عنایہ مستقل دل ہی دل میں سوچے جارہی تھی اور کتاب لے کر ایشو کروالی۔ وہ کہنی ٹکائے ٹیبل پر انہماک سے پیش لفظ پڑھ رہی تھی کہ اچانک ایک آواز سے چونک گئی۔

"مس خوف ناک...... کیا پڑھا جارہا ہے آج؟" عنایہ سامنے بیٹھے اس لڑکے کو بغور دیکھے جارہی تھی۔

"کیا ہوا میڈم؟ کیا پہلی دفعہ دیکھا ہے یا میں کچھ زیادہ ہی اچھا لگ رہا ہوں کہ نظر ہٹ ہی نہیں رہی؟" وہ ہنسا...... اس کی شرارتی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"اوہو زہے نصیب آج تو میرا نام پوچھا ہے وہ بھی مجھ سے۔ کل کو میرے بارے میں پوچھو گی ہیں ناں؟" اس نے بھی اپنی ٹھوڑی پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

"تمہیں کبھی کسی نے بتایا نہیں کہ تم کتنا فضول بولتے ہو؟" عنایہ کی بات پر زیر لب مسکرایا۔

"نہیں ابھی تک تو نہیں بتایا۔ آپ بتادیں تو آپ کو ہی یہ اعزاز حاصل ہوجائے گا۔"

"تم سے میں نام پوچھ رہی ہوں اور تم......"

"اچھا بابا اچھا بندے کو بابر کہتے ہیں اور آپ کا اسم شریف؟"

"میرا نام عنایہ ہے۔" اس نے بھی اچھے انداز میں جواب دیا۔

"آہا اچھا نام ہے۔ ویسے اس کا مطلب کیا ہے؟" بابر کے اب سوالات کی پٹاری کھل دی تھی۔

"پتا نہیں۔" عنایہ نے کندھے اچکائے۔

"اچھا...... چلو خیر یہ بتاؤ آج کیا پڑھ رہی ہو؟" بابر نے ہاتھ بڑھا کر کتاب لے لی۔

"یہ کیا حرکت ہے؟" لائبریری کی وجہ سے عنایہ نے ہلکی آواز لیکن سختی سے کہا۔

"اوہو یہ آج دماغ خراب تو نہیں ہوگیا؟ میں اتنے دن کیا غائب رہا تم اتنی میری یادوں میں کھو گئیں کہ اب یہ پڑھنے لگی ہو؟ چہ چہ......" بابر نے مذاق کے زمرے میں کہا لیکن عنایہ کو اپنی بے عزتی سی محسوس ہو رہی تھی۔ عنایہ نے تو پہلی دفعہ کوئی ناول پڑھنے کا عزم کیا تھا یہ سوچے بغیر کہ کوئی دیکھے گا تو کیا سوچے گا اور وہی ہوا بابر اس کا مذاق اڑا رہا تھا۔

"تم ہوتے کون ہو مجھ سے یہ سب سوال کرنے والے؟ نہ تم میرے دوست ہو نہ ہی کوئی خاص جسے میں ہر بات بتانا پسند کروں۔" عنایہ غصے سے اٹھی اور مزید کچھ اور بولے وہ باہر جانے لگی۔

"عنایہ رکو تو...... ارے رکو تمہاری کتاب۔" بابر نے روکنا چاہا پر وہ باہر نکل گئی۔

"سمجھتا کیا ہے خود کو؟ جب اس کا دل کرے گا وہ میرے سامنے ہوگا جہاں میں ہوں گی اور جب دل کرے گا غائب ہوجائے گا؟" وہ چلتی جارہی تھی اور بابر کو کوس رہی تھی۔ بابر لائبریری میں بیٹھا اس کتاب کو بغور دیکھ رہا تھا۔

"آہاں...... محبت دل پر دستک............ یہ لڑکی بھی ناں ضرور کینٹین چلی گئی ہوگی۔" اس نے کتاب کو اپنے بیگ میں رکھا اور قدم کینٹین کی جانب بڑھادیے۔

عنایہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اپنی ان دو کلاس فیلوز کو جا کر سنادے یا عائشہ کو۔ بابر کو دیکھنے کا بھی دل نہیں کر رہا تھا۔ وہ جاتی بھی تو کہاں؟ کسی خالی کلاس میں جا کر بیٹھنے کا ارادہ کیا کہ کوئی نہ اسے دیکھے نہ کچھ کہے نہ پوچھے۔ عنایہ کبھی کلاس نہیں چھوڑتی تھی لیکن اس وقت وہ ذہنی تناؤ کا شکار تھی۔ وہ کلاس میں

ہو کر بھی وہ سب سوچتی رہتی جس سے اس کا دھیان وہاں موجود نہ رہتا۔

"وہ اب کہیں ملے مجھے۔ میں نے اب اس سے بات ہی نہیں کرنی۔ وہ بات کرے لیکن میں اسے اگنور کروں گی ہاں۔"

وہ معصوم بچوں کی طرح اکیلی بیٹھی بابر کو کوس رہی تھی جبکہ بابر اسے ڈھونڈنے میں مشغول تھا۔

"کمال ہے...... وہ کینٹین میں بھی نہیں؟ کہیں کوئی کلاس نہ لینے چلی گئی ہو۔ کیا نام بتایا تھا اس نے اپنا؟ ہاں عنایہ...... چلو جب ملے گی تو اسے کتاب دے دوں گا۔" وہ کینٹین میں کھڑا اس کی تلاش میں نظریں گھما رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔

❀......❀❀......❀
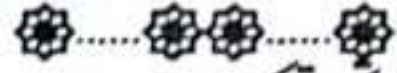
عنایہ گھر آ گئی تھی۔ تھکی ہاری چہرہ مرجھایا ہوا تھا۔

"ماں میں آرام کر رہی ہوں مجھے کوئی تنگ نہ کرے اور مجھے کھانے کے لیے بھی نہ بلایا جائے۔"

"کیوں کیا ہو گیا...... سب ٹھیک تو ہے ناں؟" حمیدہ بیگم نے فکرمندی سے پوچھا۔

"ماں ایک دفعہ کہہ دیا ہے ناں اب بات کو دوبارہ کیا دہرانا؟ بس میرا موڈ نہیں۔ اب پلیز پھر کوئی سوال نہ کریئے گا۔" عنایہ نے چڑتے ہوئے جواب دیا اور حمیدہ بیگم نے چپ رہنے میں ہی عافیت جانی۔

وہ بستر پر نیم دراز حالت میں تھی یونیفارم بھی نہ بدلا تھا۔ سوچوں کا محور اس وقت بابر تھا۔ کبھی وہ اس کی مسکان کو سوچتی تو کبھی اس کا چھیڑنا۔ عنایہ کبھی مسکرا اٹھتی کبھی غصے میں بھنویں سکیڑ دیتی۔

"کتاب کا نام کیا تھا؟ پتا نہیں کس رائٹر کی تھی۔ اب تو یہ بھی یاد نہیں۔ اوپر سے کتاب بھی وہیں چھوڑ آئی اب جرمانہ لگ جائے گا۔" عنایہ اپنے آپ سے ہی باتیں کر رہی تھی۔

"عائشہ سے پوچھوں؟ نہیں وہ مذاق اڑائے گی میرا؟ کس سے پوچھوں اب؟ کتاب کیسے چھوڑ دی میں نے وہاں۔"

آنکھیں بند کیے وہ آج کا منظر دہرا رہی تھی۔

رات تک وہ کمرے سے باہر ہی نہیں آئی۔ احمر صاحب گھر آ چکے تھے اور حمیدہ بیگم سے عنایہ کا پوچھا تھا۔

"دن سے کمرے میں ہے۔ پتا نہیں کیوں کھانا بھی نہیں کھایا۔ کچھ پوچھوں تو چڑ رہی ہے۔ شاید اسکول میں کچھ ہوا ہے۔" حمیدہ بیگم نے جواب دیا لیکن ماں تھیں وہ بھی بیٹی کی فکر شروع ہو گئی تھی۔ وہ اٹھیں کچن میں گئیں اور عنایہ کے لیے چیز سینڈوچ بنا کر اس کے کمرے میں لے آئیں۔

"میرا بچہ کیا ہوا ہے؟ یہ دیکھو آپ کے لیے کیا بنا کر لائی ہوں۔" وہ آنکھوں پر بازو رکھ کر لیٹی ہوئی تھی۔ حمیدہ بیگم اس کے پاس آ کر بیٹھ گئیں اور بازو ہٹایا۔

"ماں پلیز...... مجھے بھوک نہیں۔" عنایہ نے کروٹ لی۔

"ماں کی جان...... ماں کی بات نہیں مانو گی؟" حمیدہ بیگم نے پیار سے پچکارا۔ وہ اٹھ بیٹھی سامنے چیز سینڈوچ کی پلیٹ دیکھ اس کی بھوک جاگ اٹھی تھی۔

"بہت شکریہ ماں۔" عنایہ نے حمیدہ بیگم کو گلے لگایا تو انہوں نے بھی بھینچ لیا۔

"یہ تو میں بھی جانتی ہوں کہ بتاؤ گی تو کچھ بھی نہیں لیکن میری جان اتنا غصہ صحیح نہیں ہے...... یا تو جس پر ہے اس پر نکال دو یا پھر ضبط کرو اور بھول جاؤ۔" وہ عنایہ کو سمجھا رہی تھیں۔

"ماں...... آپ کو نہیں پتا۔ بس میرا موڈ......" وہ کھاتے کھاتے بولنا شروع ہو گئی۔

"بس اب چپ جو بھی ہوا آج کے دن اسے بھلا دو۔ جتنا سوچو گی اتنا ہی دل ودماغ پر وہ بات چھائی رہے گی۔"

"ماں...... اگر میں بھی عام لڑکیوں کی طرح ڈائجسٹ پڑھنے لگ جاؤں تو کیا آپ میرا مذاق اڑائیں گی؟" عنایہ کا پورا دھیان کھانے میں تھا۔

"اچھا...... یہ تم سوال پوچھ رہی ہو یا بتا رہی ہو کہ تم کرو گی اور میں ایسا کروں گی؟" عنایہ ایک دم بھونچکی رہ گئی۔

"ماں...... میرا مطلب یہ......" وہ بولتے ہوئے اٹکی۔

"اچھا بابا میں مذاق کر رہی تھی۔ تم اب یہ سب نہ سوچو اور چپ چاپ سینڈوچ ختم کرو اور سو جاؤ کل اسکول جانا ہے ناں۔" حمیدہ بیگم نے عنایہ کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"نہیں مجھے کل اسکول نہیں جانا۔" چھوٹے بچے کی طرح کہا۔

"کیوں نہیں جانا؟" حمیدہ بیگم نے حیرانی سے پوچھا۔

"بھئی بس میری مرضی۔" گردن اکڑ کر عنایہ نے کہا۔

"ابھی بات سمجھائی بھی تھی پر تم...... ضدی ہو گئی ہو۔ مرضی ہے تمہاری۔" مزید بحث کے بجائے وہ کمرے سے باہر آ گئیں۔

اگلے دن وہ اسکول نہیں گئی...... سارا دن کمرے میں ہی

رہی..... حمیدہ بیگم کہہ کہہ کر تھک گئیں لیکن وہ ٹس سے مس نہیں ہوئی..... بابر اسکول میں تھا اور عنایہ کو پھر سے ڈھونڈنا شروع کردیا تھا۔

''عنایہ تم کہاں غائب ہوگئی ہو یار؟'' وہ کینٹین میں لائبریری میں بار بار جارہا تھا لیکن عنایہ ہوتی تو دکھتی ناں..... عنایہ کا دل گھر میں بھی نہیں لگ رہا تھا..... یہ بات تو طے تھی بابر کو عنایہ اچھی لگنے لگی تھی لیکن وہ اس وقت پیار کی کیفیت کو سمجھ نہیں رہا تھا۔ اسے یہ احساس ہوا کہ کہیں اس کے مذاق کرنے پر وہ اسکول نہ آئی ہو۔ بابر ہنوز اپنی کلاسز بھی لیتا رہا اور دل ودماغ میں عنایہ کا غصے بھرا چہرہ بھی چھایا ہوا تھا۔

عنایہ کشمکش میں مبتلا تھی۔ اسے بابر کا ہمہ وقت سر پر سوار رہنا پسند نہیں تھا، نہ کسی سے دوستی تھی جو وہ اسکول جا کر اسی کے ساتھ رہتی۔ عنایہ نے عائشہ کو فون کیا۔

''سب خیر تو ہے اس وقت فون کیا..... اسکول نہیں گئیں کیا آج؟''

''ہاں بس ایسے ہی طبیعت کچھ اچھی نہیں لگ رہی تھی اور اب تو امتحانات ہونے والے ہیں ناں اس لیے بھی بس اسکول میں سب ریپیٹ ہی کروا رہے ہیں۔'' عنایہ نے پوری تفصیل بتائی۔

''اوہ اچھا اچھا یہ بات ہے اور سناؤ تمہارا ہیرو کیسا ہے؟'' عائشہ نے بابر کا پوچھا۔

''مجھے کیا پتا؟ اور ایک منٹ، تم نے اسے ہیرو کیسے کہہ دیا؟'' عنایہ نے اچنبھے سے پوچھا۔

''ارے میں تو مذاق کررہی تھی۔ اچھا بتاؤ پھر ملاقات ہوئی کیا؟'' عائشہ نے ہنوز چھیڑا۔

''ہاں ہوئی تھی۔ اس نے اپنا نام بھی بتایا تھا۔'' عنایہ نے آرام جواب دیا۔

''اوئے ہوئے..... کیا نام ہے ہمارے اناڑی پیا کا۔'' عائشہ نے پھر وہی نام دہرایا۔

''اف ایک تو تمہارے یہ عجیب وغریب نام۔''

''اچھا بابا نام بتاؤ اس کا پھر سوچوں گی اناڑی ہے یا واقعی ہیرو ہے۔'' عائشہ باز کہاں آنے والی تھی۔

''بابر نام بتایا ہے اس نے اپنا۔'' وہی سکون بھرا انداز۔

''بابر..... کتنا اولڈ فیشن نیم ہے آج کل تو ڈائجسٹ میں کتنے نئے نئے نام آگئے ہیں حتیٰ کہ لڑکیوں کے بھی اف میں کب ایسے نام رکھوں گی۔''

''عائشہ تم کب سے ایسی باتیں کرنے لگی ہو؟'' عنایہ کو حیرت نے آگھیرا۔

''ارے تم بھی ناں! میرا مطلب میں جب لکھوں گی ناں کہانی تو میں بھی اچھے اچھے چن چن کے نام رکھوں گی۔''

''وہ کیا کہتے ہیں؟ یہ منہ اور مسور کی دال۔'' عنایہ نے چہکتی ہوئی عائشہ کو جواب دیا۔

''تم میرے سامنے محاورے نہ بولا کرو ورنہ میں بھی کچھ بول دوں گی۔'' عائشہ دانت کچکاتے ہوئے یوں مخاطب ہوئی جیسے عنایہ سامنے بیٹھی ہو، عنایہ کھلکھلائی تھی۔

''کیا بات ہے جانِ عائشہ پہلے موڈ اچھا نہ تھا اب یک دم بدل گیا؟'' عائشہ کی بات پر عنایہ کو چپ لگ گئی۔

''اچھا چھوڑو یہ بتاؤ گھر پر ہو تو کیا کررہی ہو..... آنٹی کے ساتھ ہو یا اپنے کمرے میں؟''

''نہیں اپنے کمرے میں ہی ہوں، باہر نکلنے کا دل نہیں کررہا۔'' ابھی عنایہ نے اتنا کہا ہی تھا کہ حمیدہ بیگم نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

''ارے ماں آئی۔'' عنایہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''شکر ہے میری جان کا موڈ کچھ بحال ہوا۔ ویسے کس نے میری غصیلی نک چڑھی گڑیا کو سدھارا ہے آج؟'' حمیدہ نے فون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''عائشہ ہے اور کون ہوگا؟'' بے زاری سے عنایہ نے جواب دیا۔

''اچھا ذرا مجھ سے بھی بات کرواؤ میں شکریہ تو ادا کروں اس بچی کا۔'' حمیدہ نے فون لیا۔

''کیسی ہو عائشہ کافی دن ہوگئے کوئی چکر نہیں لگایا؟ ہم نے تو ابھی کتنی کہانیوں پر تبصرے کرنے ہیں بھئی۔''

''میں ٹھیک ہوں آپ بتائیں۔ اجی آپ حکم کریں بندی ہمیشہ حاضر۔''

''بس میں تو ترس جاتی ہوں کسی سے بات کروں۔ خیر چھوڑو تم بتاؤ پڑھائی کیسی ہورہی ہے اور آج کل کیا زیر مطالعہ ہے؟'' حمیدہ بیگم نے عائشہ سے پوچھا۔

''آنٹی..... آپ کو تو پتا ہے ناں میں آنچل کے علاوہ کوئی اور ڈائجسٹ پڑھتی ہی نہیں ہوں بس اسی کے ناولز اور افسانے ہی پڑھ رہی ہوں آج کل۔''

"اچھا اچھا...... ہاں یاد آیا ایک مزے کا قصہ سناتی ہوں۔" حمیدہ نے بات آگے بڑھائی۔

"جی جی کہیں۔" دونوں کی گفتگو سن کر عنایہ کو کوفت ہو رہی تھی۔

"یہ پچھلے دنوں خاندان میں شادی تھی ایسے ہی حال احوال کے لیے کسی کو فون کیا تو جو کہانی سننے کو ملی مجھے تو یقین ہی نہ آیا۔ لڑکا لڑکی ساتھ پڑھتے تھے تو بس دوستی ہوئی فیس بک پر تھے پسند کی بات آگئی اور گھر والوں کو بتادیا، جب ملے تو پتا چلا آپس میں سگے رشتے دار تھے اور لڑکے کا وہ ددھیال تھا...... لو بتاؤ۔"

"کیا بات کررہی ہیں آپ؟ ویسے اس طرح کی کہانی میں نے بھی پڑھی تھی آنچل میں ملتی جلتی تھی جیسے آپ بتارہی ہیں اسی طرح لڑکے کو لڑکی پسند آجاتی ہے اور بعد میں پتا چلتا ہے وہ لڑکی کی پھپو ہوتی ہے۔" عائشہ نے بھی معلومات دی۔

"اچھا کس کی کہانی تھی یہ...... میرا مطلب کس نے لکھا تھا؟" حمیدہ بیگم نے مزید پوچھا۔

"یاد کرنے دیں ذرا مجھے...... مم مم...... ہاں۔ ندا حسنین کی کہانی تھی۔" عائشہ نے جواب دیا۔

"ہیں یہ کون ہے...... کوئی نئی ہے کیا؟"

"جی جی نئی ہے لیکن زبردست لکھتی ہے۔"

"اب تم ہی اپنی دوست کو سمجھاؤ کہ یہ سب حقیقت بھی ہے۔ وہ ہے کہ سمجھتی ہی نہیں۔" حمیدہ نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

"آنٹی وہ بھی سمجھ جائے گی۔" عائشہ نے تسلی دی۔

"اگر آپ دونوں کی انتہائی اہم گفتگو اختتام پذیر ہوگئی ہو تو کیا مجھے کچھ لمحے عنایت کردیں گی جو میں اپنی سہیلی سے بات کرسکوں؟"

"ہاں بھئی ایک میری بیٹی ہے جس سے ڈراموں کی بھی بات نہیں کرسکتے اب ان سے یہ بھی گوارہ نہیں کہ میں کسی اور سے بھی یہ بات کروں۔ لو بھئی عائشہ تم کرو میری بیٹی سے بات میں تو چلی کچن میں۔" حمیدہ نے فون عنایہ کو دیا اور گدگداتے ہوئے باہر چلی گئیں۔

"تم دونوں مجھے پاگل کردو گے۔ سارا وقت یہی باتیں تھک نہیں جاتے؟"

"یار تم ایک دفعہ پڑھ کر تو دیکھو پھر میں پوچھوں گی۔" عائشہ نے جوش سے کہا۔

"ہاں کوشش کی تھی لیکن بے عزتی ہوگئی میری۔ تمہاری وجہ سے۔" عائشہ کو سمجھ نہیں آیا۔

"کیا مطلب پوری بات بتاؤ۔" عنایہ نے پوری روداد سنادی۔

"اوہو یہ بات ہے جو تم آج اسکول نہیں گئیں۔ اف نالائق لڑکی۔ اب بابر کا سوچو وہ تمہارے لیے پریشان نہ ہو رہا ہو کہیں۔"

"تمہیں اپنی دوست کی پروا نہیں کسی اور لڑکے کی ہو رہی ہے واہ کمال کی دوست ہو تم میری۔"

"اب بس آپ میری اتنی تعریفیں نہ کریں اور کل اسکول جائیں اور اس بابرِ اعظم سے ملیں آئی سمجھ۔" عائشہ نے تحکم بھرے انداز میں کہا۔

"میں کیوں اس سے ملوں؟"

"کیوں کہ میں نے کہا ہے۔ اچھا اب میں کلاس لینے جارہی ہوں تمہاری کال کی وجہ سے ایک کلاس تو چھوٹ گئی۔"

"جھوٹ بولنا تو کوئی تم سے سیکھے، بنکر ہو پوری۔ صاف صاف کہو ناں کال بند کردوں بس۔"

"ہاہاہا ارے نہیں ناں بس سمجھا کرو یہ کلاس لینے والی ہی ہے۔ نہیں سمجھ آیا تو کل جاکر بابر سے اس کی عقل شریف ادھار لے لینا۔ چل بائے ناؤ۔" عنایہ نے فوراً کال کاٹ دی۔

"ہونہہ بابر نہ ہوا پتا نہیں کہاں کا وی آئی پی ہوگیا؟" عنایہ پھر سے لیٹ گئی۔

❁......❁❁......❁

اگلے دن وہ اسکول جانے کے لیے تیار ہونے لگی۔

"ماں میں شاید دیر سے گھر آؤں کچھ کام ہے لائبریری میں۔" ناشتہ کرتے ہوئے حمیدہ بیگم کو انفارم کیا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔" حمیدہ نے گلاس میں جوس انڈیلتے ہوئے کہا۔

"ماں ایک بات بتانی تھی۔"

"ہاں کہو میں سن رہی ہوں۔"

"وہ ایک لڑکا ہے۔" ہچکچاتے ہوئے عنایہ نے بتانا شروع کیا۔

"ہمم...... اچھا کون؟" حمیدہ بیگم نے نارمل انداز میں پوچھا۔

"میں نہیں جانتی اسے۔ بس کبھی کبھی نظر آجاتا ہے تو بات کرنا شروع کردیتا ہے۔" عنایہ نے مزید بتایا۔
"لیکن وہ تم سے ہی کیوں بات کرتا ہے......اور کیا باتیں ہوتی ہیں؟" حمیدہ بیگم ویسے تو نارمل انداز میں گفتگو کررہی تھیں لیکن تھوڑا عجیب انہیں بھی لگا۔
"بس ایسے ہی ہائے ہیلو کرتا ہے میں زیادہ لفٹ نہیں کرواتی ہوں ناں تو......"
"ہاں تو مزید آگے کروانا بھی مت۔" ابھی عنایہ بول ہی رہی تھی کہ حمیدہ نے یہ کہہ کر بات ختم کردی۔
"جی بہتر۔" سر ہلاتے ہوئے تابع داری سے کہا۔ وہ اسکول چلی آئی۔
اسکول پہنچتے ہی دل نے زور سے دھڑکنا شروع کردیا تھا۔ قدم قدم پر اسے لگنے لگتا کہیں بابر پیچھے نہ ہو کہیں سے آنہ جائے۔ لائبریری کے ٹائمنگ تھے اس لیے وہ کلاس میں ہی سیدھا آ گئی۔
"اہو ہیلو عنایہ کیسی ہو؟ کل آئی ہی نہیں خیر تو تھی ناں؟" انوشہ نے خیر سگالی کی۔
"ہاں بس ایسے ہی طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو گھر پر ہی تھی۔" عنایہ نے اپنی سیٹ پر بیٹھ کر جواب دیا۔
"اب کیسی ہو؟" انوشہ نے پھر پوچھا۔
"بہتر ہوں تبھی تو آگئی۔" عنایہ نے بے دلی سے جواب دیا۔
"ایک تو اس کا پوچھیں بھی اور یہ میڈم ہونہہ۔" ایک دوسرے کو کان میں سرگوشی کرنا شروع ہوگئیں۔ بریک میں کینٹین جانے کے بجائے وہ لائبریری آگئی تھی۔
"سر وہ پرسوں میں نے ایک بک ایشو کروائی تھی......" عنایہ نے لائبرین سے جھجکتے ہوئے بات کی۔
"نام بتائیں اپنا اور کون سی بک تھی میں چیک کرتا ہوں۔"
"جی عنایہ احمر نام ہے اے ون میں ہوں اور بک کا نام میں بھول گئی ہوں آپ خود ہی دیکھ لیں پلیز۔"
"محبت دل پہ دستک۔ یہ تو کٹا ہوا ہے۔ یہ پوچھنا تھا؟"
"کٹا ہوا کیوں ہے؟ میں نے تو واپس ہی نہیں کی۔" عنایہ نے حیران ہوتے سوال کیا۔
"کوئی دے کر گیا ہوگا بک کسی کو دی ہوگی آپ نے اس نے واپس کردی تبھی کاٹ دیا ہے اور کچھ پوچھنا ہے؟"

لائبریرین نے جان چھوڑانے کے انداز میں کہا۔
"ہاں نہیں شکریہ۔" عنایہ یہ کہہ کر چلی گئی۔
"یہ ضرور بابر کا کام ہوگا۔" سر جھٹکتے ہوئے وہ لائبریری سے باہر نکلی ہی تھی کہ کسی سے ٹکرا گئی۔
"سوری۔" عنایہ نے بنا دیکھے کہا۔
"ارے واہ تم نے مجھے سوری کہا؟ کیا بات ہے۔ ایک دن گھر پر بیٹھ کر کیا پریکٹس کی تھی سوری بولنے کی؟" یہ سنتے ہی عنایہ نے نظریں اٹھا کر دیکھا وہ کوئی اور نہیں بابر ہی تھا۔
"مجھے کیا پتا تھا کہ تم ہوگے ورنہ ایسے ٹکرانے پر تو تمہیں گرا ہی دینا چاہیے تھا اور سوری مائی فٹ۔"
"ہاہاہا کیوں مجھے کیوں گرانا تھا؟ ایک تو میں نے تمہارا جرمانہ بچادیا کہ کہیں رونا دھونا نہ شروع کردو بک گم ہونے پر اور یہاں مجھے ہی؟" بابر نے کمر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔
"او ہو تو یہ احسان کرنا ضروری تھا کیا؟ جرمانہ میرا ہونا تھا تمہارا نہیں جو تمہیں فکر لگ گئی۔" عنایہ نے بھی ڈھٹائی سے جواب دیا۔
"ویسے تم اپنے دوستوں سے بھی اسی انداز میں گفتگو کرتی ہو؟ اوہ یاد آیا میں نے تمہیں کبھی کسی کے ساتھ تو دیکھا ہی نہیں...... ہمم اس کا مطلب یہاں کوئی دوست نہیں تمہارا......صحیح کہا ناں؟ چلو اب غصہ نہ کرو آؤ دوستی کریں۔" عنایہ غصے سے اسے گھور رہی تھی اور بابر نے مزے سے ہاتھ آگے بڑھادیا تھا۔
"مجھے کوئی شوق نہیں تم جیسے فضول لوگوں سے دوستی کرنے کا۔"
"ارے میں فضول بھی بن گیا؟ مجھے تو پتا ہی نہیں تھا اور شوق نہیں تو اب پیدا کرلو دیکھو مجھ سا کہیں نہیں ملے گا ابھی سے بتا رہا ہوں۔" بابر اسے زچ کررہا تھا۔
"کیا مسئلہ ہے تمہارا؟"
"کافی پینی ہے۔" بابر نے کہا۔
"واٹ؟"
"کینٹین چلتے ہیں کب تک یہاں کھڑی مجھ سے لڑتی رہوگی؟ چلو وہاں کافی چائے ٹھنڈا جو دل کرے پینا اور پھر لڑنا......چلو۔" پیر پٹختی ہوئی وہ آگے چلنا شروع ہوگئی بابر بھی اس کے پیچھے ہولیا...... دونوں کینٹین پہنچے......بابر نے کافی لی جبکہ عنایہ کا موڈ خراب تھا جس وجہ سے کافی کیا کچھ بھی لینے کا

دل نہیں کیا۔

"تم میرے پیچھے کیوں پڑے رہتے ہو؟" عنایہ نے کافی دیر چپ رہنے کے بعد پوچھا۔

"اجی ہم کہاں آپ کے پیچھے ہیں...... بلکہ آپ کے ساتھ رہنا پسند کرتے ہیں۔" بابر نے شوخ ہوتے ہوئے کہا۔

"میں سیریس ہوں۔" آنکھیں میچتے ہوئے عنایہ نے کہا۔ بابر مزے سے کافی کے سپ لیتا ہوا اسے چھیڑ رہا تھا۔

"تم نہایت ہی بدتمیز قسم کے لڑکے ہو۔" عنایہ کا بس نہیں چل رہا تھا وہ اس کا منہ توڑ دے۔ بابر ہنسے جا رہا تھا...... وہی چمک تھی آنکھوں میں جسے آج غصے میں ہی سہی پر عنایہ نے پھر سے دیکھیں۔

"ہیلو کہاں گم ہوگئیں؟" بابر نے پکارا۔

"جی...... کہیں نہیں...... میں اب چلتی ہوں۔" عنایہ نے جھٹ سے کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"عنایہ...... میرے ساتھ بیٹھنے میں کوئی مسئلہ ہے؟"

"مجھے کلاس اٹینڈ کرنی ہے...... امتحان ہونے والے ہیں...... بائی داوے...... آپ کون سی کلاس میں ہیں؟"

"آج میرے بارے میں پوچھ رہی ہو خیر ہے ناں؟" بابر نے شوخی سے کہا۔

"آپ سے بات کرنا بھی فضول ہے آپ کی طرح۔" عنایہ نے زچ ہوتے ہوئے کہا۔

"اچھا بابا اچھا...... میں تو اے میں ہوں اور تم مجھے اچانک دکھیں یہاں...... اچھی لگ گئیں سوچا دوستی کرلی جائے کوئی حرج نہیں...... اپنا مت بتانا مجھے پتا ہے تم ون اے میں ہو......" بابر نے سپاٹ لہجے میں کہا عنایہ چپ چاپ بیٹھی رہی۔

"خیر کچھ دنوں کی بات ہے پھر امتحانوں کے بعد میں تو آؤں گا نہیں لیکن تم یاد ضرور آؤ گی۔"

"ہمم...... اس بات کا کیا مطلب ہوا؟" عنایہ نے پوچھا۔

"میں بھی نہیں جانتا...... بس دل میں آیا اور کہہ دیا۔" بابر نے ٹھنڈے لہجے میں کہا۔

"میں اب جاؤں؟"

"مجھ سے اجازت لینے کی کیا ضرورت پڑ گئی میڈم...... جاؤ کلاس لینے...... کل ملیں گے اب......" بابر بھی اٹھا بیگ تھامے بنا کچھ کہے چلا گیا۔

ضروری نہیں کہ میں کہہ دوں۔
مگر لازم ہے کہ تم سمجھو!

بابر چلا گیا تھا لیکن عنایہ وہیں کھڑی رہی...... اسے سوائے عائشہ کے کسی سے دوستی کرنے میں دلچسپی نہیں تھی لیکن بابر کے لیے اس کے خیالات عجیب تھے لیکن اچھا بھی لگ رہا تھا مگر جب وہ اسے تنگ نہ کرے۔

❀......❀❀......❀
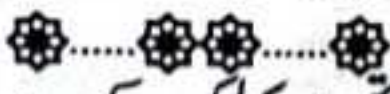
چھٹی ہو چکی تھی اس کی لیکن وہ کچھ دیر اور اسکول میں رہی تھی۔ اسکول کے سامنے ہی بک شاپ تھی چوکیدار کو بتا کر وہ شاپ میں چلی آئی۔ بکس کو دیکھتے ہوئے اس کی نظر سامنے رکھے ڈائجسٹ پر گئی۔

"آنچل۔" سوچتے ہوئے بولی اور دیکھنے لگی۔

"یہ کیا' سالگرہ نمبر...... اب ان ڈائجسٹ کی بھی سالگرہیں منائی جاتی ہیں...... انسان کافی نہیں تھے کیا؟" کوفت سے اس نے ڈائجسٹ تو اٹھایا تھا لیکن دل نہیں کیا کہ کھول کر پڑھے۔

"اب یہ سالگرہ نمبر میں کیا ہوتا ہوگا؟" تجسس کے مارے وہ ڈائجسٹ کاؤنٹر پر لائی اور پے کرکے بیگ میں رکھ لیا۔

وہ گھر پہنچی۔ حمیدہ بیگم سے بھی اچھے انداز میں بات کی، کھانا کھایا اور کمرہ نشین ہوگئی۔ کافی دیر یونہی لیٹی رہی کچھ دیر لیپ ٹاپ استعمال کیا، پھر یاد آیا کہ وہ ڈائجسٹ لے کر آئی تھی۔ بیگ کھولا اور آنچل نکالا۔

"دیکھوں تو سہی آخر اس میں ہے کیا جو سب تعریف کرتے ہیں۔" خود کلامی کرتی ہوئی اس نے آنچل کھولا اور انڈیکس دیکھا۔

عنایہ نے سب سے پہلے حمد اور نعت پڑھی۔ انہماک سے پڑھتی ہوئی وہ اپنے مطابق ایک ایسے ناول پر پہنچی جسے پڑھ کر اسے لگا کہ اس میں سب کچھ آنچل کے بارے میں لکھا ہوا ہے۔ وہ تھا زندگی پھولوں کی راہ گزر، عنایہ کو اس ناول کو پڑھ کر اندازہ ہوا کہ کیسے آنچل کے ذریعے اس لڑکی نے اپنے شوہر سے اظہار کیا۔

"اس رائٹر کا نام تو دوبارہ دیکھوں۔" وہ واپس ناول کے پہلے صفحے پر آئی۔

"فرح طاہر۔" وہ ڈائجسٹ پڑھ کر تھک گئی تھی نام پڑھتے ہی ڈائجسٹ ہاتھ میں ہی پکڑے آنکھیں بند کئے نیند کی وادیوں میں چلی گئی۔

❁......❁❁......❁

اگلی صبح عنایہ کی الگ تھی۔ ذہن میں گزشتہ دن پڑھا ہوا ناول تھا اور عائشہ اور امی کی باتیں تھیں جن سے وہ کوفت کھاتی تھی۔ بچپن سے ہی وہ الگ تھلگ رہی۔ کزنز میں بھی ملنا جلنا کم تھا جس کی وجہ سے کسی سے دوستی نہیں کی بس سلام دعا کی حد تک ہی رہی اور باقی وہی ٹی وی اس کے عجیب وغریب شوق۔ کچھ سوچتے ہوئے وہ مسکرائی تھی۔ اسکول جانے کے لیے تیار ہورہی تھی، چہرے پر مسکان لیے وہ کمرے سے باہر آئی حمیدہ بیگم کو گلے لگایا اور ناشتہ کیا۔

"کیا بات ہے آج تو لاڈورانی کے مزاج اچھے لگ رہے ہیں بلکہ خوش دکھائی دے رہی ہو کافی۔" حمیدہ بیگم نے اسے کنکھیوں سے دیکھا۔

"ایسے ہی ماں۔" عنایہ بہانہ بناگئی۔

"آف تو تھا تمہارا موڈ لیکن کل ایسا کیا ہوگیا کہ آج اچھا بھی ہوگیا۔" حمیدہ نے کھوجنا چاہا۔

"ہاں......اب آپ جاسوسی ڈائجسٹ پڑھنے لگ گئی ہیں کیا؟ آنچل کافی نہیں؟" کھلکھلاتے ہوئے عنایہ نے کہا۔

"مجھے تو کوئی گڑبڑ لگتی ہے......مت بتاؤ۔" حمیدہ نے بھی منہ پھیرلیا۔

"اچھا اب بس کریں۔" وہ اٹھی حمیدہ بیگم کے پاس گئی اور گلے لگایا۔

"ایسے ہی مسکراتی رہو عنایہ۔ خوش رہا کرو، تم ایسے ہی اچھی لگتی ہو۔" حمیدہ بیگم کے آنکھوں سے آنسو اُمڈ آئے۔

"اف میری ماں بھی ناں۔ اب ڈرامہ بند کریں میں جارہی ہوں آپ جاکر اپنے ڈرامے دیکھیں۔" حمیدہ بیگم کے گال پر پیار کرکے وہ چلی گئی۔

اسے واقعی اپنا آپ اچھا لگ رہا تھا۔ اسکول پہنچ کر کلاس میں آئی جہاں انوشہ اور سویرا آپس میں سر جوڑے باتیں کررہی تھیں۔

"ہیلو گرلز کیسی ہو؟" دونوں نے عنایہ کو دیکھا وہ مسکراتے ہوئے ان کے پاس آئی تھی۔

"ٹھیک ہیں تم بتاؤ کیسی ہو؟" انوشہ نے حیرانی سے کہا۔

"میں بھی ٹھیک ہوں۔ میں نے سوچا ہمیں ایک سال اور یہاں گزارنا ہے تو کیوں ناں اچھی سی دوستی کرلیں؟ اور اب تو امتحان بھی ہونے والے ہیں۔ تو ساتھ پڑھ بھی سکتے ہیں ایک دوسرے کی ہیلپ آؤٹ بھی کرسکتے ہیں۔" عنایہ کا یہ انداز یقیناً چونکا دینے والا تھا۔

"ہاں کیوں نہیں۔ یہ تو اچھی بات ہے کہ تم بھی ہمارے ساتھ شامل رہوگی۔" سویرا نے جھٹ سے کہا۔

"تو پھر فرینڈز؟" عنایہ نے ہاتھ آگے بڑھایا دونوں نے بھی آگے بڑھا کر ہاتھ ملایا اور تینوں ہنسنے لگیں۔

اسکول میں عنایہ اب ان دونوں کے ساتھ رہنے لگی تھی۔ انوشہ اور سویرا کو یہ تبدیلی اچنبھے سی لگی لیکن عنایہ کے ساتھ رہ کر اس کی حیران کن ذہانت کی بھی داد دیتے تھے ساتھ ساتھ ہلکا پھلکا مذاق بھی چلتا تھا۔ وہ دونوں کسی بھی ناول کا ذکر کرتیں تو عنایہ بھی شوق سے سنتی۔

دن گزرتے جارہے تھے بابر اسے اب تنگ نہیں کرتا تھا نہ اس کے پاس آتا تھا۔ عنایہ بھی اپنی نئی دوستوں اور پڑھائی میں مشغول ہوگئی تھی۔

عائشہ کے بھی امتحانات چل رہے تھے وہ وہاں مصروف تھی۔ عنایہ کے بھی امتحانات شروع ہوچکے تھے اور وہ پوری دل جمعی سے پڑھائی میں جت گئی تھی۔

❁......❁❁......❁

الوداعی پارٹی تھی۔ ہر سو شغل لگا ہوا تھا۔ جیسا کہ ان کے اسکول میں بوائز اور گرلز کے سیکشنز الگ تھے اسی طرح فیئر ویل بھی الگ تھی۔

"اب ہم سینئرز ہوں گے۔" انوشہ نے خوب چلا کر کہا۔

"آرام سے لڑکی۔ پتا ہے ہم سینئر ہوجائیں گے۔ کسے بتانا ہے یہاں؟" عنایہ نے بھی چھیڑا۔

"ہائے کاش کوئی ہوتا۔ ویسے ایسی پارٹی کا کیا مزہ لڑکے تو ہیں ہی نہیں۔" سویرا نے ٹھنڈی آہیں بھرتے ہوئے کہا۔

"توبہ کرو۔ ویسے شکر ہے لڑکے نہیں۔" عنایہ نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔

"ہیں کیوں کیوں......کیا ہوا؟" انوشہ نے پوچھا۔

"ایسے ہی یار۔ بس پھر ہم ایزی نہیں ہوپاتے ناں جیسے ابھی یہ سب لڑکیاں ناچ گانا ہنگامہ کررہی ہیں۔" عنایہ کی بات پر دونوں ہی متفق ہوئیں۔

ان کی چھٹیاں تھیں عنایہ مزے سے گھر پر تھی حمیدہ بیگم کے ساتھ ٹی وی دیکھنا ان کو چھیڑنا، ڈرامے دیکھنا کبھی کبھی کوفت ہوتی لیکن حمیدہ کے ساتھ بیٹھ کر ساتھ تبصرے کر کے اچھا لگتا تھا۔ عائشہ بھی ایک دن عنایہ سے ملنے گھر آئی۔

''اور سناؤ بابر کیسا ہے؟''

''تمہیں وہ لڑکا اب بھی یاد ہے؟'' عنایہ عائشہ کے سوال پر حیرت زدہ ہوئی۔

''ہاں کیوں نہیں۔ تمہاری لائف میں ایک ہی نمونہ آیا تھا اب یاد کیسے نہیں رہتا؟'' عائشہ نے بھرپور انداز میں چھیڑا۔

''توبہ ہے عائشہ..... ویسے تھا تو واقعی وہ نمونہ.....''

''کیا..... تھا..... اف میرے اللہ..... یہ کیا ہوگیا..... چلو تم نے بریانی کھالی ہوگی ناں؟'' عائشہ کی بات پر عنایہ نے پہلے ناسمجھی کا مظاہرہ کیا پھر جیسے ہی سمجھ آیا غصے سے گھورا۔

''بدتمیز کہیں کی۔ اللہ نہ کرے ایسا تو نہ بولو۔'' عنایہ نے کہا لیکن ایک دم اسے بابر والی بات یاد آگئی تو بے اختیار مسکرا اٹھی۔

''ہائے اوئے یہ کیا..... تم اتنا جو مسکرا رہے ہو کیا بات ہے جو چھپا رہے ہو؟'' عائشہ نے شرارتی انداز میں مصرعہ پڑھا۔

''ارے کچھ نہیں یار بس ایسے ہی کچھ یاد آگیا تھا تو.....'' عنایہ نے نظریں چرائیں۔

''کیا یاد آگیا تھا بھئی؟ ہمیں بھی تو بتاؤ۔''

''اہو یہ بریانی والی بات۔ ایک دن بابر کے ساتھ تھی تو اس نے کہا کہ بریانی نہیں چائنیز اور پزا رکھوانا۔'' عنایہ نے آدھی ادھوری بات کی۔

''کیا مطلب کہاں رکھوانا؟'' عائشہ نے پوچھا۔

''میرے تیجے پہ۔'' عنایہ بھی ہنس پڑی۔

''اللہ..... تم دونوں واقعی پاگل ہو۔'' عائشہ نے جھنجھلا کر کہا۔

''اچھا جی اب ہم پاگل ہوگئے آپ تو بہت سیانی ہیں ناں؟''

''ہاں اس میں تو کوئی شک کی بات ہی نہیں۔'' عائشہ نے فرضی کالر جھاڑے۔

''ایک بات بتاؤں؟'' عنایہ نے سرگوشی میں کہا۔

''ہاں ہاں بتاؤ۔''

''وہ..... میں نے ناں..... آنچل پڑھا..... پلیز ماں کو نہیں بتانا۔'' عنایہ نے انگلی لبوں پر رکھ کر چپ رہنے کا اشارہ کیا۔

''کیا کہہ رہی ہو.....! تم نے آنچل.....! کب کہاں کیسے کون سا میرا مطلب کوئی کہانی بھی پڑھی یا بس ایسے ہی؟'' عائشہ کی ملی جلی کیفیت ہو رہی تھی۔

''بس ایسے ہی شاپ پر گئی تھی تو لے لیا اور پڑھا۔ ہاں ایک ناول دل کو چھو گیا یار۔''

''اوئے جان عائشہ.....! کیا کہہ رہی ہو..... کون سا ناول تھا بھئی؟'' عنایہ نے اس کہانی کا بتایا عائشہ کو جس کے بعد عائشہ کو بھی یقین نہیں آیا جب کھانے کے وقت حمیدہ بیگم مزے مزے سے عنایہ کی تعریف کر رہی تھیں کہ کیسے اب میرے ساتھ ڈرامے دیکھتی ہے اپنی رائے بھی دیتی ہے۔ عائشہ کو خوشی ہوئی عنایہ کا یہ بدلاؤ دیکھ کر۔

اسکول کھل چکے تھے، عنایہ اپنی نئی کلاس میں جانے کے لیے بے صبری سے انتظار کر رہی تھی۔ وہ اسکول پہنچی، کافی دن بعد اسکول آئی تھی۔ وہی انوشہ اور سویرا کے ساتھ مستی مذاق۔ بریک کے وقت وہ کینٹین گئی، کافی عرصے بعد اسے کمی سی محسوس ہوئی۔ ہاں بابر کی کمی۔ وہ جو کینٹین پہنچ جاتا تھا، لائبریری آجاتا تھا، عنایہ کو بابر کی یاد ستانے لگی۔

''کاش میں اس سے دوستی ہی کر لیتی۔'' افسردہ سی عنایہ کینٹین میں بیٹھی سوچ رہی تھی۔

''اس نے کہا تھا وہ اے ٹو میں ہے یعنی اب وہ اسکول آیا ہی نہیں کرے گا۔'' کافی پیتے ہوئے وہ سب یاد کر کے مسکرا رہی تھی کس طرح بابر اسے چھیڑتا تھا۔ اب ہر جگہ اسے بابر اور اس کی باتیں یاد آنے لگی تھیں۔

دن گزرتے جا رہے تھے، حمیدہ بیگم نے عنایہ کو کسی فنکشن کے بارے میں بتایا تھا احمر صاحب کے دوست کے گھر تھا۔

''میرا وہاں کیا کام ماں..... آپ دونوں جائیں میں جا کر کیا کروں گی؟''

''اچھا لگے گا لوگوں سے ملوگی باتیں کروگی اچھے دوست بنالوگی کیا حرج ہے؟'' حمیدہ نے کھڑکا۔

''اف ماں..... وہاں میں کسی کو جانتی بھی تو نہیں ہوں گی ناں۔'' عنایہ نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

''تو بیٹا جان ایسی کون سی بات ہے۔ اب میں کچھ نہیں سنوں گی آپ کو چلنا ہے۔ پاپا بھی خوش ہوں گے۔'' حمیدہ بیگم نے کہا تو نارمل انداز میں تھا لیکن یہ حکم کی طرح عنایہ کو لگا۔

فنکشن میں جانے کے لیے وہ تیار ہو رہی تھی۔ سفید رنگ کے جوڑے میں گولڈن اور سلور کام کا امتزاج جس پر عنایہ نے اپنے بال کھول رکھے تھے اور محض آنکھوں میں کاجل اور ہلکی سی گلابی لپ گلوز لگا کر وہ کوئی پری لگ رہی تھی۔ حمیدہ بیگم تو اس کی بلائیں لے کر نہیں تھک رہی تھیں اور احمر صاحب کو بھی اپنی پھول سی بیٹی بے حد پیاری لگ رہی تھی۔ فنکشن میں پہنچتے ہی تھوڑا وہ نروس ہوئی تھی۔ کسی کو جانتی ہی نہیں تھی لیکن حمیدہ بیگم سب سے ملوا رہی تھی، ہر کوئی اسے بغور دیکھ رہا تھا اسے خود عجیب لگنے لگا۔ وہ اکیلے ایک جانب جا کر بیٹھ گئی تھی۔

''آپ اکیلی کیوں بیٹھی ہوئی ہیں؟''

''یہ آواز...... یہ تو جانی پہچانی آواز ہے۔'' عنایہ جو سر جھکائے ایک کونے میں بیٹھی ہوئی تھی یک دم پلٹی اور اٹھی۔

''بابر......!'' عنایہ کے چہرے پر خوشی بکھر گئی تھی اور بابر بھی یہ محسوس کر گیا تھا۔

''جی جی میں بابر ہی ہوں۔'' بابر نے اسے اب بغور دیکھا۔

''کیسی ہو؟''

''میں ٹھیک ہوں تم کیسے ہو؟''

''جیسا چھوڑا تھا ویسا ہی ہوں دیکھ لو۔'' بابر نے اپنی طرف اشارہ کیا۔

''میں نے تو نہیں چھوڑا تھا۔'' عنایہ نے جھٹ سے کہا۔

''اچھا......؟ ویسے آج کوئی خاص بات ہے جو اتنی خوب صورت لگ رہی ہو۔''

''ارے نہیں یہ تو بس ایسے ہی۔ اچھا تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' عنایہ نے خود کو نارمل کرتے ہوئے پوچھا۔

''بھئی میرا گھر ہے میں یہاں نہیں ہوں گا تو اور کہاں ہوں گا؟''

''اچھا یہ تمہارا گھر ہے یعنی میرے پاپا تمہارے پاپا کے فرینڈ ہیں۔''

''وہ دونوں تو ہوں گے لیکن ہم دونوں تو نہیں ہیں۔'' عنایہ نے جتنی خوشی سے کہا بابر کے اس جملے نے ایک دم حیران کر دیا۔

''کیا ہم دوست نہیں؟''

''یاد نہیں میں تو دوستی کرنا چاہتا تھا تم نے ہی میری آفر قبول نہیں کی۔'' بابر نے دیوار سے پشت ٹکائی اور افسردہ انداز میں کہا۔

''اس کے بعد تم اسکول بھی نہیں آئے ناں۔'' عنایہ نے بھی اداسی سے کہا۔

''تو تم کیا میرا روز انتظار کرتی تھیں؟''

''ہاں نہیں تو...... بس وہ تم دیکھتے نہیں تھے ناں بس۔'' بابر کو سوال کا جواب تقریباً مل گیا تھا لیکن وہ مزید جاننا چاہ رہا تھا۔

''اچھا تو پھر منتظر کیوں تھیں؟''

''میں نے کب کہا میں تھی؟'' عنایہ بابر کے سوال پر نظریں چرا گئی۔

''اچھا تو پھر مجھے دیکھ کر کہو مجھے یاد نہیں کرتی تھیں نہ میرا انتظار رہتا تھا؟'' بابر ہاتھ باندھے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے تھوڑا اور نزدیک ہو کر کھڑا ہو گیا۔

''اب جواب نہیں دو گی؟ ویسے تو منہ توڑ جواب دیتی تھیں اب کیا ہوا ہے؟''

''بابر مجھے تنگ کرنا بند کرو گے تم؟'' عنایہ کی بات پر بابر نے قہقہہ لگایا۔

''کہاں جا رہی ہو؟'' بابر نے روکنا چاہا۔

''ماں کے پاس تمہاری شکایت کرنے۔'' عنایہ نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

''اچھا یہ بات ہے چلو میں بھی چلتا ہوں۔'' بابر اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا۔

''چلو ناں اب رکی ہوئی کیوں ہو...... چلو۔'' عنایہ پھر سے آگے بڑھ گئی بنا کچھ بولے۔

دونوں ہجوم کے بیچ آ گئے تھے۔ عنایہ اپنی ماں کے پاس آ گئی۔

''ماں ان سے ملیں یہ ہیں......''

''آہا...... بابر بیٹا کیسے ہو؟'' حمیدہ بیگم نے عنایہ کو مزید بولنے کا موقع ہی نہیں دیا۔

''میں ٹھیک ہوں آنٹی آپ سنائیں اور یہ مس خوف ناک آپ کی بیٹی ہے؟ مجھے تو پتا ہی نہیں تھا بھئی۔''

''اچھا تمہیں پتا ہی نہیں تھا؟'' حمیدہ اور بابر آپس میں باتیں کر رہے تھے اور عنایہ ان دونوں کے بیچ خود کو کسی اور سیارے کی مخلوق سمجھ رہی تھی۔

''ماں میں نے آپ کو بتایا تھا ناں ایک لڑکے کا۔'' عنایہ نے ان دونوں کی باتوں کے بیچ میں کہا۔

"ہاں بتایا تھا تو؟" حمیدہ بیگم نے یاد کرتے ہوئے کہا۔
"وہ یہی موصوف تھے۔ جنہوں نے مجھے تنگ کیا تھا۔"
عنایہ نے شکایتی نظروں سے بابر کو دیکھا۔
"اوہ اچھا..... تو یہ تھا وہ لڑکا۔ کمال ہے تم دونوں ایک ہی اسکول میں تھے؟"
"جی آنٹی۔ یہ واقعی اتفاق تھا۔ خیر میں آپ سے ایک اجازت مانگنا چاہتا ہوں۔"
"ہاں ہاں کہو بیٹا۔" حمیدہ بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"کیا میں آپ کی صاحبزادی کو عمر بھر تنگ کرنے کی گستاخی کرسکتا ہوں؟" بابر کی صاف گوئی لیکن شرمیلا سا انداز حمیدہ کو یہ بات سمجھنے میں دیر بھی نہیں لگی لیکن ہائے ہماری عنایہ۔
"کیا مطلب..... تم مجھے تنگ کرتے رہنا چاہتے ہو؟ میں بات کرنا چھوڑ دوں گی آئی سمجھ۔"
"پاگل کہیں کی۔ بابر تم بے فکر رہو۔ میری طرف سے تو اجازت ہے اب تمہارے والدین سے باقاعدہ مل کر ہی اجازت دوں گی صحیح والی۔"
"دیکھ لو تمہاری امی بھی مان گئیں اب تمہیں تو اعتراض نہیں ہے ناں؟" بابر عنایہ سے مخاطب ہوا۔
"میری کبھی سنتی ہی کہاں ہے جو جی میں آئے کرو۔" بابر عنایہ کی بات پر کھل کر ہنسا۔

❁....❁❁....❁

عنایہ کو جب علم ہوا اسے غصہ تو آیا لیکن اپنے آپ کو بابر کے نام سے منسوب ہونا اسے بھی اچھا لگنے لگا تھا اور کیوں نہ لگتا بھئی آخر کو وہی تھا بے چارہ جو اس مس خوف ناک سے نبھا پاتا جو کہ بقول میری پیاری سی دوست عنایہ کے وہ مسٹر چیکو جو تھا۔
جب ہم کوئی کہانی لکھتے ہیں تو لکھنے کے لیے کردار اور الفاظ حقیقت سے لیتے ہیں، انہی کرداروں سے اور لفظوں سے کہانی بنتی ہے۔ ان کہانیوں میں سو فیصد حقیقت نہ بھی ہو مگر کچھ نہ کچھ سچائی تو ہوتی ہی ہے ناں کیوں کہ ان کہانیوں میں کوئی اپنا تو کوئی انجانا چھپا ہوتا ہے۔ میری خواہش تھی کہ میں بھی لکھوں اور نام کے لیے نہیں بلکہ اپنے اندر کے الفاظ کو زبان دینے کے لیے اور یہ موقع اپنی دوست کی شکل میں ملا۔ اس کی کہانی کو میں نے کاغذ پہ اتارا ہے۔ ہوسکتا ہے جب وہ یہ کہانی پڑھے تو شاید مجھے صلواتیں سنائے یا شاید اپنے پنجوں میں...... آہم...... یعنی اپنے مبارک ہاتھوں سے گلا دبا دے۔ پر امید پر دنیا قائم ہے۔ ہاہاہاہاہا اور کہتے ہیں ناں کہ دعاؤں سے تقدیر بدلتی ہے تو آپ کی دعائیں میرے ساتھ ہیں ناں؟ میں جانتی ہوں ہر کام کی طرح یہ کہانی لکھنا بھی شروع کرنا بہت انوکھا لگتا ہے، تعریف کی امید دل کو اکساتی ہے تو تنقید کا خوف ایک قدم پیچھے ہونے کی ترغیب دیتا ہے۔ چلیں اب مجھے آپ لوگ بھی بتایئے گا ضرور اور ایک اور بات یہ میری طرف سے آنچل کے نام

آپ کی اپنی پیاری سی رائٹر
عائشہ سلیم۔

پیارے آنچل
آج پھر سے یہ دن آیا ہے
جب چار سو خوشیاں چھائی ہیں
رنگوں میں ڈوبی شام یہ پیاری
یہ کیسی بہار لائی ہے
رنگین آنچل ہیں چار سو
سرخ گلابی دھانی آنچل
موسم کی خنکی سے بے نیاز
اس یخ سنہری ٹھنڈی شام میں
اک محفل سجی ہے آج پھر سے
ہماری پیاری مدیرہ کی ہیں سرگوشیاں
ہر فن مولا بنائے کچن، شاعری، بیوٹی ٹپس
مزے مزے کی کہانیاں سنائے ہے، ہمارا آنچل
پھر وہ سمیرا ہو، ندا ہو، سحرش ہو یا ہو صدف، فاخرہ، صائمہ
نازیہ، فرح، نزہت، سباس، عشنا سے مہکتا رہتا ہے آنچل
عفت کو ہر پل ہم یاد کرتے، اب تو دے دو تم بھی دستک
دانش کدہ سے لے کر ہماری صحت اور آنچل ہم جولیوں سے ملاقاتیں
ہر سو بکھیر رہا اپنی خوشبو سے بھرا یہ آنچل
یہ ہے ہمارا آنچل، سب کی جان ہے اس میں
دعا ہے، ہمیشہ خوشیاں بکھیرتا رہے، ہمارا آنچل!

احتیاط سے محتاط تک

کے ایم نور المثال

میری بزم دل تو اجڑ چکی، میرا فرشِ جاں تو سمٹ چکا
سبھی جا چکے مرے ہم نشیں مگر ایک شخص گیا نہیں
پس کارواں سرِ راہ گزر، میں شکستہ پا ہوں تو اس لیے
کہ قدم تو سب سے ملا لیے، مرا دل کسی سے ملا نہیں

"چیز اگر احتیاط سے چلائی جائے تو ہزار دن چلتی ہے بے احتیاطی سے آٹھ دن بھی نہیں چلتی۔" کرم دین نے چولہے کے پاس سیلی ہوئی ماچس کی تیلیوں کا ڈھیر لگا دیکھا تو بشریٰ کو احتیاط پسندی کا درس دینے لگا اور بشریٰ کو اس پنج حرفی لفظ احتیاط سے خدا واسطے کا بیر ہو چلا تھا اس لیے ابا کی اتنی سی بات پر منہ کے زاویے بگڑنے لگے۔

"وہ ابا رات کو ماچس کی ڈبی اندر رکھنی یاد نہیں رہی، تبھی باہر ہی رہ گئی اس مارے سیلن زدہ ہو کر جل نہیں رہی۔"

"بیٹی یہ ہی تو بات ہے اگر احتیاط سے اندر رکھی ہوتی تو کاہے کو اتنی مشقت اٹھاتی۔ اب مجھے دیکھ لو ستر سال ہو گئے اس سائیکل کو لیے ہوئے ابھی تک نئی نکور ہے احتیاط سے جو استعمال کی ہے۔"

(ہاں جو ایسا دھرنا دیتی ہے کہ عمران خان کے اٹھائے جانے پر وہ اٹھنے کا نام نہیں لیتی)۔ بشریٰ نے کڑھتے ہوئے سوچا۔

"اچھا ابا! آج یاد سے اندر رکھوں گی۔" اس نے جان چھڑانی چاہی وہ حقیقی معنوں میں باپ کی احتیاط محتاط کی گردان سے عاجز آ چکی تھی۔ ایسی بات نہیں تھی کہ وہ نافرمان اولادوں میں سے تھی ہر بات سر جھکا کر سننا اس کا شیوا تھا۔ بس ابا کی احتیاط کی گردان سے عاجز آ چکی تھی حالانکہ کرم دین کبھی اپنی کوئی بات بھی غصے سے نہیں کہتا تھا سادہ لفظوں میں اپنی بات پوری کر دیتا مثلاً بارش میں تالا دروازے سے لٹکا ہوا دیکھا تو اتنا سا کہہ دیا۔

"بیٹی تالا احتیاط سے اندر رکھ دیا ہوتا تو زنگ نہ لگتا۔" صحن میں جھاڑوں کے تنکے پڑے دیکھتا تو تنکے اٹھا کر جھاڑو میں لگاتے ہوئے اتنا سا کہہ دیتا۔

"جھاڑو کس کر باندھ لی جائے تو تنکے نہیں نکلتے' پر ان سادہ سادہ جملوں پر وہ کڑھتی رہتی لیکن کرم دین دن میں یہ لفظ "احتیاط" پچاس مرتبہ کہتا ہوا نہ

ٹھکتا نہ لڑتا' نہ جھگڑتا' نہ ڈانٹتا بس عام سے انداز میں بات کرتا۔

کرم دین کی بیوی اور بشریٰ کی امی کو فوت ہوئے تقریباً دو سال ہو چلے تھے۔ ماں کی وفات کے بعد امور خانہ داری سے منسلک تمام کاموں کی ذمہ داری بشریٰ کے ناتواں کاندھوں پر آپڑی جس نے ابھی آٹھویں کا امتحان بھی پاس نہیں کیا تھا وہ تینوں بہن بھائیوں کو سنبھالتی' سارے گھر کے کام کرتی اور آج کل بہت خوش رہتی تھی کہ پندرہ دن بعد اس کی شادی تھی اور اب اس کی اس لفظ احتیاط سے جان چھوٹ جانی تھی۔

چھوٹے بہن بھائیوں کا سوچتی تو آبدیدہ ہو جاتی کہ اب ابا کے کام کون کرے گا۔ چھوٹے بہن بھائی کی دیکھ بھال کون کرے گا' اپنے باپ کو خاموش دیکھتی تو خوب آنسو بہاتی اپنے باپ سے اس کو محبت بھی تو بے حساب تھی۔

❀......❀......❀

بشریٰ کی شادی کو تقریباً ایک مہینہ ہو چلا تھا وہ سارے گھر کے کام نبٹا کر کچن میں آ گئی اور سالن پکانے کے لیے پیاز وغیرہ نکالنے لگی۔ پیاز باریک کاٹ کر چھلکے باسکٹ میں پھینکے اور ماچس نکال کر برنر جلایا اور ویسے ہی واپس ماچس رکھ دیا تاکہ پہلے ہانڈی پکا کر سائیڈ پر رکھ کے اور پھر آٹا نکال کر گوندھنے لگی باہر بشریٰ کی ساس محلے سے آنے والی خاتون سے محو گفتگو تھیں اس خاتون کی گفتگو کا لب لباس اس کی بہو تھی۔ آواز اتنی بلند تھی کہ بشریٰ کی سماعت تک آسانی سے پہنچ رہی تھی۔

''بس بہن کیا بتاؤں۔'' باہر سے آنے والی خاتون نے دوبارہ سے سلسلہ کلام جوڑا جو پانی پینے کی وجہ سے منقطع ہو چکا تھا۔

''میری بہو تو بڑی ہی بے پروا ہے' ہانڈی چولہے پر چڑھائے گی تو نیچے تک جلا کر چمچہ چلانا بھول جائے گی۔ کپڑے استری کرے گی تو استری آدھا آدھا گھنٹہ فضول چلتی رہے گی' موٹر چلا کر بند کرنا ہے نہیں جانتی۔ پانی سے گلی بھر جاتی ہے' ہمیں لوگوں کی باتیں سننی پڑتی ہیں۔'' وہ خاتون ٹھنڈی آہ بھر کر خاموش ہو گئی جبکہ زہرہ بیگم (بشریٰ کی ساس) گویا ہوئیں۔

''شکر ہے اللہ کا جس نے مجھے اتنی احتیاط پسند بہو دی بہن بڑھائی والی بات نہیں ہے۔ میری بہو تو اتنی ذمہ دار اور محتاط ہے کہ آگ جلا کر کبھی ماچس چولہے کے پاس نہیں چھوڑتی فوراً اٹھا کر رکھتی ہے' آلو کے چھلکے اتنے باریک کاٹتی کہ ذرا گودا ساتھ نہیں ہوتا۔ پہلے تو مجھے دھڑکا ہی لگا رہتا تھا بن ماں کی بچی ہے پتا نہیں کیسی تربیت ہوگی پر باپ نے ایسی تربیت کی ہے کہ مجھے تو کسی چیز کی ٹینشن ہی نہیں ہے۔ ہر چیز کو بڑی احتیاط سے استعمال کرتی ہے' غلطی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

کچن میں آٹا گوندھتی بشریٰ کا سر فخر سے بلند ہوتا چلا گیا اور اسے اپنے ابا کی بے تحاشا یاد آئی اور دل چاہا کاش ابا کے لفظ احتیاط کی گردان کی مالا بنا کر گلے میں پہن لے اس لفظ نے آج اسے سسرال میں تحفظ دیا تھا اس کا دل چاہا کہ ابا پھر سے کہے بیٹی احتیاط سے کام لیا کرو۔

❀

آنچل کے ستارے

حنا اشرف

ہم سوچتے ہی رہ جاتے تھے
پر کچھ سمجھ نہ پاتے تھے
جانے وہ ہمارے آنچل میں
کیسے رنگ بھر جاتے تھے

مجھے لہجوں کے بدلنے سے ہمیشہ خوف آتا ہے
کہ جب لہجے بدلتے ہیں کوئی اپنا نہیں رہتا

''اوئے کیا ہوا...... خیر تو ہے نا آج منہ پر بارہ کیوں بجے ہیں؟ ساتھ میں دکھی شاعری' سب ٹھیک ہے تو ہے نا' کس کا لہجہ بدلا ہے کون اپنا نہیں رہا؟''

''توبہ ہے حوری آپی! اب ایک ساتھ میں اتنے سوالوں کے جواب کیسے دوں؟ آپ بھی نہ حد کرتی ہیں۔'' زرنش نے حورین کے پوچھنے پر روٹھے پن سے کہا۔

''لو کر لو گل' ایک تو تمہارے دکھ میں شریک ہونے کو پوچھ لیا اور پر سے باتیں بھی مجھے سنا رہی ہو اور یہ دیدے پھاڑ کے کیا دیکھ رہی ہو ایسا لگتا ہے جیسے ابھی زندہ نگل لو گی۔'' زرنش جو اس کو گھور رہی تھی' حوری آپی نے اس کی بڑی بڑی آنکھوں پر چوٹ کی۔ زرنش کی آنکھیں بڑی اور بے پناہ خوب صورت تھیں جب وہ گھور کر یا حیرت سے کسی کی طرف دیکھتی تو آنکھیں پھیل کر مزید دلکش لگتیں۔

''جائیں میں نہیں بولتی آپ سے۔'' زرنش نے ناراضگی سے چہرے کا رخ دوسری طرف کر لیا۔

''اچھا سوری...... پیاری بہن نہیں ہو اب تو بتا دو ہوا کیا ہے...... افسردہ کیوں بیٹھی ہو یہاں اور باقی سب کہاں ہیں؟''

''امی نے ڈانٹا ہے۔'' جھکی نظروں کے ساتھ بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

''کیوں ڈانٹا ممانی جان نے؟''

''مائیں کیوں ڈانٹتی ہیں؟'' جھٹ سے سوال کیا۔

''میری امی مجھے نہیں ڈانٹتیں' بے شک جا کر پوچھ لو۔''

''اچھا ادھر میری طرف دیکھ کر بتائیں کیا واقعی نہیں ڈانٹتیں؟''

''کہا تو ہے یار بالکل بھی نہیں۔'' گڑبڑا کر وہ ادھر اُدھر دیکھنے لگیں۔

''چل جھوٹی۔'' اس کے بازو پر ہلکا سا مکا مار کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''باہر کیوں بیٹھی تھیں؟'' اندر جاتے ہوئے حوری آپی نے دوبارہ پوچھا۔

''اندر چڑیلیں بیٹھی ہیں' دیکھئے گا مجھے دیکھ کر کیا ری

ایکشن ہوگا۔" زرنش نے غصے سے کہا۔
ابھی کچھ دیر پہلے امی نے اس کی ٹھیک ٹھاک درگت بنائی تھی وہ بھی سب کے سامنے‘ اصل غم تو اسی ہی بات کا کھائے جارہا تھا۔
"پتا نہیں وہ کیسی مائیں ہوتی ہیں جو اپنی اولاد کی تعریفوں میں زمین آسمان کے قلابے ملانے شروع ہوجاتی ہیں۔ ایک میری ماں ہے جسے سارے جہاں کی خامیاں مجھ معصوم میں نظر آتی ہیں۔" امی نے اسے ذرا سی دیر کچن میں ٹھہرنے کو کہا مگر وہ آ کر سب کے ساتھ مووی دیکھنے لگی جب تک امی دوبارہ کچن میں پہنچیں تب تک ان کا سالن جل چکا تھا جو وہ خاص ابو جی کی فرمائش پر پکا رہی تھیں‘ بغیر کسی کا لحاظ رکھے امی نے ایسا ڈانٹا کہ اس کا دل کیا چلو بھر پانی میں ڈوب مرے۔ امی کے جانے کے بعد جو ہنگامہ برپا ہوا وہ بے چاری وہاں سے بھاگ کر یہاں آ چھپی تھی۔ دکھ تھا کہ ختم ہونے کا نام نہ لے رہا تھا‘ وہ جیسے ہی ٹی وی لاؤنج میں آئیں اندر بیٹھی چڑیلیں ہنسی سے لوٹ پوٹ ہوگئیں۔
"حوری آپی! آج بڑا مزہ آیا‘ بچی آپ نے ایک زبردست سین مس کردیا جس کا افسوس مجھے ساری زندگی ہوگا۔" یہ زرنش کی سگی بہن کا فرمان تھا۔
"پتا نہیں وہ کون خوش نصیب تھا جس نے کہا تھا "بہنیں پریوں جیسی ہوتی ہیں۔ مجھے تو چڑیلیں ہی ملی ہیں۔" زرنش نے زوناشیہ کے قریب آ کر اسے دھپ رسید کی۔ وہ پھر بھی دانت نکالے ہنستی رہی۔
"زری ڈارلنگ چھوڑو‘ ذرا سی ڈانٹ کو دل پر لے بیٹھی ہو۔ تم جانتی تو ہو سب مائیں ظالم ہوتی ہیں‘ ابھی کل ہی تو بڑی امی نے میرب کو چپل ماری......" زرناب نے شرارت سے کہتے میرب کو آنکھ ماری۔ زرنش نے بے ساختہ میرب کی طرف دیکھا جو اس کی سمت متوجہ تھی۔ اثبات میں سر ہلا کر میرب مسکرانے لگی۔
حوری آپی زوناشیہ کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئیں‘ زرناب نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے اور میرب کے ساتھ نیچے کارپٹ پر بٹھالیا۔ ذرا سی دیر بعد ان سب کی کھلکھلاہٹیں باہر تک سنائی دے رہی تھیں۔ ماؤں کی ڈانٹ کا اثر تو تھوڑی دیر تک ہوتا ہے‘ بیٹیاں تو ہوتی ہی ڈھیٹ ہیں۔

❀.......❀.......❀

زرنش اور زوناشیہ دو بہنیں جب کہ ان کا ایک بھائی مغیث بھی تھا۔ زرناب ان کے بڑے چاچو کی اور میرب چھوٹے چاچو کی بیٹی تھی۔ حورین آپی ان کی پھوپو کی اکلوتی اولاد تھیں‘ جوائنٹ فیملی سسٹم تھا سب مل جل کر رہتے تھے۔ پھوپو کی شادی چونکہ اپنوں میں ہوئی تھی اسی لیے حورین آپی کا گھر ان کے گھر کے ساتھ ہی تھا۔ یہ سب کزنز ڈائجسٹ کی رسیا تھیں‘ فیملی میں دور دور تک ڈائجسٹ پڑھنے والوں کا کہیں نام نہ تھا سوائے حورین کی امی کے جو شادی کے بعد پڑھنا چھوڑ چکی تھیں۔
ایک دن اسٹور کی صفائی کے دوران زرنش کے ہاتھ ڈائجسٹ لگا جو بوسیدہ حالت میں تھا۔ رائٹر اور ناول کا نام تو معلوم نہ ہوسکا مگر وہ دن اور آج کا دن ڈائجسٹ پڑھنے کی ایسی لت لگی جو بیان سے باہر ہے۔ رفتہ رفتہ یہ حال تھا کھانے کو نہ ملے مگر ہر ماہ ڈائجسٹ ضرور ملے‘ پاکٹ منی جمع کرکے وہ ریگولر ڈائجسٹ منگواتیں‘ کیسے یہ الگ داستان ہے۔ حوری آپی اکثر انہیں کوستی۔
"بدتمیز لڑکیو! تم لوگوں نے مجھے کہیں کا نہ چھوڑا‘ کیسی اچھی بھلی زندگی گزر رہی تھی مگر جب سے ان ناولوں کا دیدار ہوا ہے سلیبس کی کتابیں بھی پڑھنے کو دل نہیں کرتا اور جو روزانہ مجھے خواب میں نت نئے ہیرو نظر آتے ہیں جو میری چاہت میں جاں تک قربان کرنے کو تیار ہوتے ہیں‘ یہ بھی تو انہی ناولوں کی وجہ سے ہوا۔" زرناب پیچھے رہ جائے کسی سے یہ کیسے ہوسکتا ہے۔
"ارے واہ ایک تو تم لوگوں کو نئی دنیا سے متعارف کروایا‘ اوپر سے باتیں بھی مجھے سناتی ہو۔" زرنش کو جی بھر کر غصہ آیا تھا ان سب پر۔
"بھئی میں تو اس ڈائجسٹ نگری سے بہت خوش ہوں‘ اردو ادب میں تو کچھ ایسے ناولز ہیں جن کے بارے میں کہا

گیا والدین کو چاہیے ہر بیٹی کو جہیز میں دیں۔" میرب کی منطق ہی نرالی تھی۔

"جیو میری شیرنی...... اب مجھے دعائیں دو۔" فرضی کالر کھڑے کرتے زرنش نے کہا۔ زوناشیہ چونکہ ان سے چھوٹی تھی اسی لیے اسے صرف مخصوص ناولز پڑھنے کو دیئے جاتے ہیں۔

❀......❀......❀
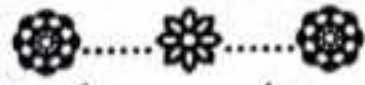
"زرناب' میرب اٹھو میں نے ابھی ایک خواب دیکھا ہے۔" زرنش نے پانی کا گلاس ان پر انڈیلتے انہیں اٹھنے پر مجبور کردیا۔

"کیا مصیبت ہے ایک ہی دن تو سکون کا ملتا ہے' وہ بھی تم خراب کرنے پر تلی ہوئی ہو۔" میرب نے اسے پیچھے کی طرف دھکا دے کر اس کے دوپٹے سے منہ پر آیا پانی صاف کیا۔

"یار میں نے ابھی اتنا اچھا خواب دیکھا ہے۔"

"اب بتا بھی دو زری...... کیا خواب میں دیکھا ہے جو اتنی ایکسائٹڈ ہورہی ہو۔" زرناب نے مندی مندی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"میں نے دیکھا ہم رائٹرز سے مل رہی ہیں اور ان سے آٹوگراف بھی لیا ہے۔" وہ پُرجوش سی خواب بتائے جارہی تھی جب زرناب نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"میں کیسی لگ رہی تھی' ڈریس تو پیارا تھا نا؟" اسے اپنی فکر پہلے ہوئی۔ زرنش کو بہت کم خواب آتے مگر جب بھی آتے ان میں ایک آدھ بات ضرور پوری ہوجاتی۔ زرناب تو اسے اپنا گرو مانتی تھی۔

"چل ہٹ پرے' تیرا یہ خواب کبھی پورا ہونے والا نہیں......" میرب کہتے ہی دوبارہ سونے کے لیے لیٹ گئی۔

"دیکھ لینا میرا خواب سچا ہوگا میں تو ابھی سے تیاریاں شروع کردوں گی جب رائٹرز سے ملوں گی تو کیا' کیا بات کروں گی۔" وہ اٹھ کر باہر چلی گئی۔

❀......❀......❀
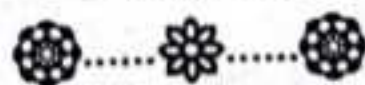
"جی ممانی جان آپ نے مجھے بلایا۔"

"حورین بیٹا میری دوست ثانیہ کی بیٹی کی شادی ہے اس نے بہت اصرار کیا کہ گھر کی بچیوں کو ساتھ لے آؤں تم بھی ساتھ چلو۔" حورین کی امی نے اسے بھی تیار ہونے کو کہا چونکہ عین وقت پر جانے کا بتایا گیا تھا بھاگم بھاگ سب نے اپنی تیاری مکمل کی۔ میرج ہال میں بہت رش تھا' دلہا والے آچکے تھے۔ ثانیہ آنٹی اور ان کے بچوں سے مل لینے کے بعد وہ چیئرز پر آ بیٹھی تھیں۔

"بڑی زوروں کی بھوک لگی ہے یار...... آخر یہ کھانا کب تک لگے گا۔ میرے پیٹ میں تو چوہے دوڑ رہے ہیں۔" زرناب بھوک کی کچی تھی۔

"بھوکی ندیدی' چپ کرکے بیٹھ ابھی آئے ہوئے دس منٹ بھی نہیں ہوئے اور تیرا ندیدہ پن ابھی سے شروع ہوگیا۔" حوری آپی جو اس کے ساتھ والی چیئر پر بیٹھی تھیں' انہوں نے اسے کہنی ماری۔

"ہائے...... شرم کریں مجھ معصوم کو اتنے زور سے مارا ہے ذرا بھی ترس نہ آیا اگر مجھے کچھ ہوجاتا تو......"

"کچھ نہیں ہوگا جو تمہارے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہیں وہ سکون سے ایک طرف بیٹھ جائیں گے۔" زرنش جو اسٹیج پر بیٹھے لوگوں کو دیکھ رہی تھی ان کی طرف متوجہ ہوکر بولی۔

"ہائے بچی' بہت بھوک لگی ہے' کوئی کچھ لادے۔"

"زرنش اسے چوہے مار دوائی لادو کہیں سے۔" میرب نے غصے سے اسے دیکھا۔

"اب اگر تمہاری آواز آئی تو پٹائی لگادوں گی اور ہاں تمہارا لائنر ذرا سا پھیل رہا ہے۔" یہ سننا تھا کہ اس نے جلدی سے بیگ سے چھوٹا سا آئینہ نکالا اور اپنا میک اپ درست کرنے لگی۔ اپنی تیاری کی فکر اسے ہمیشہ ستاتی رہتی تھی' میرب نے حوری آپی کو دیکھتے آنکھوں سے زرناب کی طرف اشارہ کیا۔

"ارے یہ زوناشیہ کہاں گئی؟" کافی دیر بعد انہیں زوناشیہ کی غیر موجودگی کا علم ہوا۔

"ارے وہ رہی زوناشیہ مگر یہ ساتھ کون ہے؟" میرب نے اسٹیج کے ڈائیں طرف چیئرز پر بیٹھی زوناشیہ کی طرف دیکھا جو ایک ڈیسنٹ سی خاتون کے ساتھ ہنس ہنس کر باتیں کررہی تھی۔

"ارے وہ دیکھو ہیرو!" زرناب نے حیرت سے دیکھتے انہیں اس لڑکے کا بتایا جو ابھی آ کر اس خاتون سے کچھ کہہ رہا تھا۔

"ارے یہ تو ثانیہ آنٹی کی بڑی بہن نوشین آنٹی ہیں' میں پہلے بھی ان سے مل چکی ہوں مگر یہ ساتھ لڑکا کون ہے۔" حوری آپی کو بھی اسی کی فکر تھی۔

"یہ نوشین آنٹی کے چھوٹے صاحب زادے ہیں شایان بھائی مگر یہ زوناشیہ اس سے کیوں بات کررہی ہے۔"

"یہ بھی اسے پہلے سے جانتی ہے۔" زرناب نے زرنش کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"جی ہاں جب ہم لاسٹ ٹائم یہاں آئے تھے تو نوشین آنٹی کی فیملی بھی آئی ہوئی تھی شایان بھائی سے گفتگو ہوئی تھی' بہت ڈیسنٹ اور ویل مینرڈ ہیں۔ اچھا پھر میں دعا سلام کرکے ابھی آئی۔"

"اوہو میڈم..... تم کہاں جارہی ہو؟" زرناب اٹھ کر جانے لگی تو میرب نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"تمہیں نظر نہیں آرہا وہاں نوشین آنٹی بیٹھی ہیں انہیں سلام کرنے جارہی ہوں۔"

"آنٹی تو تمہیں بھی نظر نہیں آئی تھیں ہاں ان کا بیٹا ضرور نظر آ گیا۔" میرب نے جواباً دانت نکالتے ہوئے کہا۔

"شٹ اپ میرب..... زرناب کی بچی بہت تیز ہو تم بڑی امی سے تمہاری شکایت لگانی پڑے گی۔ اردگرد کے نظارے کچھ زیادہ ہی دیکھنے لگی ہو۔" اس کی دھمکی کو نظر انداز کرتے اپنا ہاتھ چھڑا کر وہ وہاں جا پہنچی' میرب اور حوری آپی اسے دیکھ کر مسکراتی رہیں۔

"زوناشیہ مما کہاں ہیں؟" سلام دعا کرنے کے بعد اس نے زوناشیہ کو مخاطب کیا۔

"ارے وہ سامنے ہی تو ہیں ثانیہ آنٹی کے ساتھ تمہیں نظر نہیں آئیں کیا؟"

"زوناشیہ آئی تھنک آپ کی سسٹر کی آنکھیں کمزور ہیں۔" شایان جو اسے دیکھ رہا تھا شرارت سے کہنے لگا۔

"آپ انہیں ڈاکٹر کے پاس لے جائیں فوری علاج سے افاقہ ہوگا۔"

"ایکسکیوز می مسٹر..... حد میں رہیں آپ سے کسی نے مشورہ نہیں مانگا۔" زرناب کو اس کے ہنسنے پر بہت غصہ آ گیا تھا۔

"قریب سے دیکھ آئی ہو ہیرو کو؟" پھولے ہوئے منہ کے ساتھ جب وہ واپس آئی تو انہوں نے پوچھا۔

"شٹ اپ میں اس بدتمیز انسان کو دیکھنے نہیں آنٹی سے ملنے گئی تھی۔"

"ارے غصہ کیوں کررہی ہو؟" اس کے خفگی سے کہنے پر میرب نے پوچھا۔

"میں بتاتی ہوں محترمہ کے ساتھ کیا ہوا۔" زوناشیہ ہنستے ہوئے انہیں بتانے لگی جبکہ وہ ابھی تک بار بار شایان کو غصے سے گھور رہی تھی جو اب زرنش کی مما سے بات کررہا تھا۔

"اس اسٹوپڈ کو تو میں دیکھ لوں گی۔"

❁......❁......❁
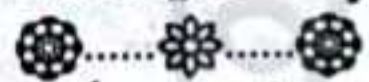
"میں آج اکیڈمی نہیں جاؤں گی میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں۔"

"کیوں کیا ہوا ہے تمہاری طبیعت کو اچھی بھلی تو دکھ رہی ہو۔" مغیث بھائی کے آنے پر وہ اچھل ہی تو پڑی تھی۔

"بھائی مجھے بخار ہے سچی مچی کا۔"

"مجھے تو لگ رہا ہے بہانہ بنا رہی ہو جھوٹ موٹ کا۔"

"آ..... آپ کو میری بات کا یقین کیوں نہیں ہے؟" زرنش نے آنکھوں میں زبردستی نمی لاتے ہوئے کہا۔

"کیونکہ جب تم جھوٹ بولتی ہو تمہارے چہرے

پر صاف لکھا نظر آتا ہے کہ جھوٹ بول رہی ہو۔ جھوٹ بولنے کے بھی سوطریقے ہوتے ہیں مائی ڈیئر سویٹ سسٹر!''

''آپ کو تو جیسے وہ طریقے رٹے ہوئے ہیں' چلیں شاباش ان میں سے دو چار طریقے مجھے بھی بتادیں تاکہ میں بھی کوئی اچھا سا بہانہ بنا کر اکیڈمی نہ جاسکوں۔''

''اب آئی ہونا لائن پر......'' وہ ہنستے ہوئے کہنے لگا۔

''بھائی آپ نے مجھے بے وقوف بنایا؟''

''میں بنے بنائے پر محنت نہیں کرتا۔'' زرناب جو اس وقت ناشتا بنارہی تھی ان کی باتیں سن کر مسکراتی رہی۔

''گلابو ایک کپ زبردست سی چائے بنادو۔''

''مغیث بھائی کتنی بار آپ سے کہا ہے مجھے گلابو نہیں کہا کریں اتنا خوب صورت میرا نام ہے مگر یہ گلابو اُف! یہ تو میری پرسنلٹی سے بالکل بھی میچ نہیں کرتا۔''

''اچھا جی جو آپ کا حکم۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''تم کن سوچوں میں گم ہو؟'' مغیث نے زرنش کے سامنے ہاتھ لہراتے ہوئے کہا۔

''میں سوچ رہی ہوں امی سے کہہ کر آپ کی ہونے والی شادی کینسل کروادوں' آپ بگڑتے جارہے ہیں۔'' اس نے پرسوچ انداز میں کہا۔

''ارے یہ ظلم مت کرنا' پہلے ہی امی حضور مشکل سے اس رشتے پر راضی ہوئی ہیں انہیں وہ نک چڑھی چڑیل اپنے شہزادے بیٹے سے کچھ زیادہ ہی پیاری ہے۔''

''اچھا تو آپ اس لیے ریگولر آفس جاتے ہیں تاکہ جلدی شادی ہوجائے۔''

''اچھا اب یہ ہنسنا بند کرو اور جلدی سے ناشتا بنادو آفس بھی جانا ہے ویسے محترمہ ہیں کہاں نظر ہی نہیں آتیں' پردہ کروانا شروع کردیا ہے کیا؟'' وہ زیرلب مسکراتا ہوا گویا ہوا۔

''وہ چھوٹی امی کو میڈیسن دینے گئی ہے۔''

''کس نے یاد فرمایا ہم حاضر ہیں جناب!'' میرب کی آواز پر مغیث نے بے ساختہ پیچھے مڑ کر دیکھا۔ میرب جو شاہانہ انداز میں اپنی آمد کا بتارہی تھی جلدی سے ہاتھ نیچے کیا۔

''زرنش! حوری آپی کہہ رہی ہیں آج جلدی تیار ہوجانا ہر روز تمہاری وجہ سے ہم لیٹ ہوجاتے ہیں۔'' اس نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ مغیث خاموش نظروں سے اسے دیکھتا مسکراتا رہا میرب اسے نظرانداز کرنے کی ناکام کوشش کررہی تھی۔

''لڑکیوں کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔'' وہ دل میں سوچتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ ''میں چھوٹی امی کے پاس جارہا ہوں' ناشتا ریڈی کرکے وہیں دے جانا۔'' مغیث کے جانے کے بعد وہ جلدی سے کچن کے کام نمٹانے لگیں۔

❁......❁......❁

''یار کتنا ہی اچھا ہو اگر اس بار ایگزامز میں یہ سوالات آجائیں ''مجھے ہے حکم اذاں کا'' تھیم ''یہ جو ریگ دشت فراق ہے'' کا خلاصہ ''محبت دل پہ دستک'' سے معید حسن اور ضحیٰ معید کا مکالمہ لکھیں۔ واہ مزہ ہی آجائے گا۔'' آنکھیں میچے زرنش مزے سے بولی۔ زرناب نے ہاتھ میں پکڑا ناول زور سے اس کے سر پر مارا وہ بے چاری ہڑبڑا کررہ گئی۔

''اُف کتنی ظالم ہو مجال ہے جو ایک پل کی خوشی نصیب ہونے دو۔'' زرنش کوفت سے بولی۔

''بی بی کتنی بار سمجھایا ہے شیخ چلی والے خواب مت دیکھا کرو۔''

''او میڈم...... سپنے اپنے ہوتے ہیں جو چاہے دیکھوں تمہیں کیا؟'' زرنش نے اگلا فرمان جاری کیا۔

''یہ ناول کس خوشی میں پڑھ رہی ہو' کل ٹیسٹ ہے کبھی تیاری بھی کرلیا کرو۔'' اس کے ہاتھ سے ''محبت دل پہ دستک'' لیتے ہوئے وہ بولی۔

''تم ہو نا میری مدد کرنے کو جب تم میرے ساتھ ہو مجھے کسی کی پروا نہیں۔'' اس کے کاندھے پر سر ٹکائے زرناب نے خوشامد سے کہا۔

''پرے ہٹ بدتمیز' کبھی عقل کا استعمال بھی کرلیا کرو۔''

''کیا ہے یار بہنیں ہی مشکل وقت میں بہنوں کے کام آتی ہیں پھر کیا فائدہ ایک ساتھ پڑھنے کا۔'' زرنش منہ بنا کر بولی۔

''دیکھ ہاتھ جوڑتی ہوں تیرے سامنے' کہتی ہو تو پاؤں بھی پکڑ لیتی ہوں مگر تمہیں بہن نہیں بنا سکتی۔ ایک چڑیل ہی کافی ہے جس نے میرا سکون غارت کر رکھا ہے۔'' زرناب اس کے معصومانہ انداز پر ہنس دی ''محبت دل پہ دستک'' اس نے زیر لب پڑھا۔

''کاش انس نہ مرتا......'' اس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی نمودار ہوئی۔ وہ جو ناول کھولے بیٹھی تھی اسے زرناب نے پکارا۔

''زرنش تمہیں یاد ہے جب انس مرا تھا تو تم کتنی ڈیپریس ہوگئی تھی' تمہارا رونا ختم نہ ہو رہا تھا۔ بھائی لوگوں کو بھی معلوم ہوگیا تھا تمہاری یہ حالت ناول کی وجہ سے ہوئی ہے۔''

''حالت خراب ناول کی وجہ سے نہیں امی کی ڈانٹ کی وجہ سے ہوئی تھی۔ ہاں یاد ہے مجھے انس کا دکھ بھلائے امی کی ڈانٹ کو دل سے لگا بیٹھی تھی تم اور بیمار پڑ گئی تھیں۔''

''جی نہیں بیمار تو میں موسمی تبدیلی کی وجہ سے ہوئی تھی۔'' ناول ایک طرف رکھتے زرنش نے بک اٹھالی۔

''زرناب میں کہہ رہی ہوں سدھر جاؤ اس بار تمہیں چیٹنگ بالکل نہیں کرواؤں گی۔'' مگر دوسری طرف اسے جیسے کوئی فرق نہ پڑا تھا وہ بے فکری ناول میں گم ہو چکی تھی' زرنش روہانسی ہو کر دوبارہ بک کی طرف جھک گئی۔

❁......❁......❁

''بھابی نوشین کی کال آئی تھی' جمعہ کو قرآن خوانی ہے سب بچیوں کو ساتھ لانے کو کہا ہے۔''

''کوئی ضرورت نہیں ان لڑکیوں کو وہاں جانے کی۔'' بڑی امی نے سختی سے منع کیا۔

''امی کبھی کبھار ہی کہیں آنے جانے کا موقع ملتا ہے' جانے دیں نا۔'' میرب سب کی کچھ زیادہ ہی چہیتی تھی شاید اس کی وجہ ہمیشہ اس کا اسی گھر میں رہنا تھا۔

''اچھا میری جان اب تمہیں تو انکار نہیں کرسکتی۔'' انہوں نے محبت سے میرب کا ماتھا چوما۔

''اچھا ٹھیک ہے پھر ہم ابھی سے تیاری شروع کر دیتے ہیں' دو دن ہی رہتے ہیں۔'' زوناشیہ نے خاص زرناب کی طرف دیکھا اور مسکرا دی۔

''بیٹا جی قرآن خوانی میں جانا ہے کسی شادی میں نہیں سو احتیاط لازم ہے۔ جو بھی فیشن کرنے ہوں فی الحال ملتوی کردو سارے شوق اگلے گھر جا کر پورے کر لیجیے گا۔'' زرناب نے روتی صورت بنا کر اپنی ماں کی طرف دیکھا جن کی باتوں سے وہ بالکل بھی متفق نہیں تھی۔

''کیا مسئلہ ہے بھئی جب بھی ہم بے چاری لڑکیاں کوئی شوق پورا کرنے لگیں ہمارے ماؤں کے حکم نامے شروع ہو جاتے ہیں یہ کرو' وہ نہ کرو' ایسے کرو' ویسے نہ کرو..... آخر ہم کریں تو کریں کیا؟ ہر وقت کی یہ پابندیاں بھی اچھی نہیں ہوتیں۔ پہلے ماؤں کی جھڑکیاں سنو اگلے گھر جا کر ساس صاحبہ کے طعنے ہم بے چاری معصوم لڑکیاں گھن چکر بنی رہتی ہیں۔'' زوٹھے لہجے میں کہہ کر وہ اپنے روم میں چلی گئی۔

❁......❁......❁

نوشین آنٹی نے سارا اہتمام سادگی سے کروایا تھا۔ قرآن خوانی اور کھانے کے بعد ثمانیہ آپی نے اپنے کچھ جاننے والوں خاص طور پر انہیں ملوایا۔ ان آنٹی نے جب زرناب کو خود سے لپٹا کر پیار کیا اور ماتھا چوم کر اس کی تعریف کی تو سب مسکرانے لگیں۔

''معاملہ گڑ بڑا ہے۔'' میرب نے آہستگی سے کہا۔ زرناب بے چاری کی صورت دیکھنے والی تھی' اوپر سے سب کی ہنسی جلتی پر تیل کا کام کر رہی تھی۔

''زرنش آؤ آپ لوگوں کو مما کی فرینڈ سے ملواتی ہوں۔ یہ ہیں قیصرا آنٹی آنچل ڈائجسٹ کی مدیرہ ہیں۔ آپ لوگ ڈائجسٹ تو پڑھتی ہی ہیں نام سے بھی واقف ہوں گی۔

باقی اپنا تعارف تم لوگ کرواؤ میں مما کو دیکھوں کہاں ہیں۔" نمانیہ آپی کہہ کر وہاں سے چلی گئیں۔ ان کے محبت بھرے انداز پر ذرا سی دیر میں ہی انہیں یقین آ گیا یہ واقعی آنچل کی مدیرہ ہیں۔ کافی دیر گپ شپ کرنے کے بعد زرنش نے جھجکتے ہوئے ان کا پرسنل سیل نمبر لے لیا' ان پیاری سی بچیوں نے جلد ہی انہیں اپنی سمت متوجہ کرلیا تھا۔ آج کا دن بہت یادگار تھا اس دن کے تاثرات انہوں نے ڈائری میں لکھ دیئے تھے۔

❀......❀......❀
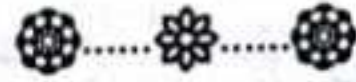
"میرب' زری' آپی! جلدی آؤ سب ایک گڈ نیوز ہے۔" زوناشیہ کمرے میں آتے ہی اونچی آواز میں بولی۔

"کیا ہوا ہے کیوں چیخ رہی ہو؟"

"وہ......وہ......"

"اب بتا بھی دو۔" میرب جو اپنا ڈریس پریس کررہی تھی اس کی طرف آئی۔

"نوشین آنٹی آئی ہوئی ہیں۔" زوناشیہ کی اطلاع پر میرب نے بے ساختہ زرناب کی طرف دیکھا۔

"جاؤ زرناب آنٹی کو سلام کرآؤ۔"

"میں کیوں جاؤں بھلا تم چلی جاؤ۔" اس کے جواب پر میرب کو بہت ہنسی آئی۔

"بھئی کیا زمانہ تھا وہ بھی جب لوگ سلام دعا کرنے کو مرے جاتے تھے اور اب تو جیسے جانتے بھی نہ ہوں۔" اس نے زوناشیہ کو دیکھا۔

"یار میری بات تو مکمل ہونے دو پہلے' میں یہ بتانے آئی تھی کہ آنٹی شایان بھائی کا رشتہ لے کر آئی ہیں۔"

"کس بدنصیب کی اس بدتمیز سے قسمت پھوٹی ہے' ہم ان کے دکھ میں برابر کے شریک ہیں۔" زرناب نے زوناشیہ کی بات مکمل ہونے کے بعد شاہانہ انداز میں کہا۔

"وہ بدنصیب آپ ہیں محترمہ زرناب صاحبہ!"

"کیا کہا ذرا دوبارہ کہنا' مجھے ٹھیک سے سنائی نہیں دیا۔" اس نے بے یقینی سے زوناشیہ کا ہاتھ تھاما۔

"وہی کہا جو آپ سن چکی ہو۔"

"نہیں......یہ ہرگز نہیں ہوسکتا پلیز کہہ دو جو تم نے کہا وہ سب جھوٹ ہے۔ وہ تو معید حسن کے برابر بھی نہیں نہ ہی شجاع حسن جیسا ہے۔"

"خیر ہے یار وہ جیسا بھی ہے اسی پر گزارا کرلینا۔" حوری آپی جو ابھی آئی تھیں انہوں نے اچانک کہا۔

"اور ڈرامہ بازی بند کرو۔ زرناب میں تمہارے ساتھ ہوں ہماری مرضی کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں ہوگا۔" میرب نے قریب آ کر اسے تسلی دی جو ٹکر ٹکر سب کو دیکھ رہی تھی ایسا لگتا تھا جیسے ابھی گر جائے گی' زوناشیہ نے ان کی ایکٹنگ کو بھرپور سراہا۔

"میں نے بھی تمہارے بھائی سے شادی نہیں کرنی جا کر کہہ دو اپنے ابا حضور کو۔"

"شرم نہیں آتی میرے ہینڈسم بھائی کے لیے انکار کرتے ہوئے۔" زرنش نے اسے دھپ رسید کرتے ہوئے کہا۔

"کیا کمی ہے میرے بھائی میں؟"

"بس میں نے کہہ دیا مجھے نہیں پسند۔"

"وجہ بتاؤ پھر انکار قبول ہوگا۔"

"تمہارا بھائی بزنس مین ہے مجھے پولیس والے پسند ہیں۔ سمیرا شریف طور کے ناول میں مصطفی کو دیکھا ہے کتنا زبردست بندہ ہے اس کی شاندار پرسنیلٹی اس کی گفتگو کا انداز سراپا محبت ہے وہ۔"

"ہاں ہے مگر صرف شہوار کے لیے' میرا بھائی بھی مصطفی سے کم نہیں ہزاروں لڑکیاں مرتی ہیں اس پر۔ شکر کرو وہ تم سے شادی کرنے کے لیے راضی ہے ورنہ تمہارے لیے کسی ایاز جیسے کا رشتہ آتا۔" زرنش کے کہنے پر سب کا قہقہہ بلند ہوا۔

"مرو سب تم' اڑا لو میرا مذاق......دیکھ لوں گی میں تم لوگوں کے لیے کون سے شہزادے آتے ہیں۔"

"حوری آپی کا شہزادہ اگلے ماہ مستقل پاکستان آرہا ہے' زرناب کا پرنس بھی آ چکا ہے' زوناشیہ ابھی بچی ہے۔ زرنش کا بھی ان شاء اللہ جلد آجائے گا سب بولو آمین۔" زرنش کی

شرارت کو سب نے انجوائے کیا۔

''مصطفیٰ شاہزیب تا ہی سمعان احمد تو ہے ہی ہمارا مغیث! اب بتاؤ قبول ہے؟'' حوری آپی کے پوچھنے پر وہ مسکرا دی۔

''جو آپ لوگوں کی مرضی وہی میری' میں ٹھہری مشرقی لڑکی اب انکار کرتی اچھی تھوڑی نہ لگوں گی۔'' اس نے شریانے کی بھرپور ایکٹنگ کی کمرے میں ان کی ہنسی گونجنے لگی تھی۔ انہوں نے ایک دوسرے پر تکیے اور کشن اچھالنے شروع کردیئے۔

❀......❀......❀

''زرنش تمہارے نام ڈاک آئی ہے۔'' آج سنڈے تھا سب اس وقت لاؤنج میں بیٹھے تھے جب مغیث نے لفافہ اس کے حوالے کیا۔ ڈاک کھولنے پر حیرت سے اس کی چیخ نکل گئی۔

''میرا خواب سچ ہوگا ہم رائٹرز سے ملیں گے۔'' سب اس کے خوشی سے دمکتے چہرے کو دیکھنے لگے۔

''ابو جی یہ دیکھیں آنچل ڈائجسٹ کی مدیرہ نے ہمیں آنچل کی سالگرہ کی تقریب میں انوائٹ کیا ہے۔'' اس نے کارڈ دکھایا۔ ''ابو جی آپ ہمیں وہاں جانے دیں گے نا؟ پلیز انکار مت کیجیے گا' آپ کی شہزادیوں کا برسوں پرانا خواب پورا ہونے والا ہے۔'' اس نے باقی سب کی طرف دیکھا۔ یہی موقع اچھا تھا جب انہیں اجازت مل جاتی' سب ساتھ تھے کسی نہ کسی کی سفارش چل ہی جاتی۔

''مگر بیٹا جی......''

''پلیز ماموں جان کوئی بہانہ نہیں چلے گا ہماری دیرینہ خواہش کو پورا ہونے دیں۔'' حوری آپی ان کے ساتھ آ کر بیٹھ گئی۔

''چلیں سوچتے ہیں ابھی تو تقریب میں کافی دن باقی ہیں۔'' انہوں نے کارڈ دیکھ کر ایک طرف رکھا اور بھانجی کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھا۔ انہیں اپنی اکلوتی بھانجی بہت عزیز تھی خوشی سے سب لڑکیوں کے چہرے تمتمار ہے تھے۔

❀......❀......❀

''میں کیسی لگ رہی ہوں؟'' آئینے کے سامنے خود کو مختلف زاویوں سے دیکھتی زرناب نے زرنش سے پوچھا۔

''جلدی کرو بھئی ابھی تک تیاری مکمل نہیں ہوئی کیا؟'' میرب ابھی ان کے پاس آئی تھی۔

''بس پانچ منٹ اور......'' زرناب نے بالوں پر دوبارہ برش پھیرتے ہوئے کہا اور یہ پانچ منٹ پچھلے پندرہ منٹ سے ختم ہونے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

''ہمیں تقریب شروع ہونے سے پہلے وہاں جانا چاہیے تاکہ رائٹرز سے تعارف اور گپ شپ بھی ہوجائے۔'' میرب کے کہنے پر وہ جلدی سے باہر نکلی تھیں۔ سب کے اصرار پر ابو جی نے انہیں جانے کی اجازت دے دی تھی۔

مغیث بھائی میرب کے کہنے پر ان کے ساتھ جانے کے لیے راضی ہوگئے تھے اسی بہانے وہ کراچی میں اپنے ایک دوست سے بھی مل لیتے۔ وہ جو وہاں پہنچ کر کنفیوژ ہورہی تھیں' ذرا دیر بعد انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اپنی فیملی کے کسی فنکشن میں آئی ہیں۔

''میم آپ کی محبت واپنائیت کے لیے بے حد شکریہ۔'' پھولوں کا بوکے قیصر آرا کو تھماتے ہوئے حوری آپی نے اپنا بڑا پن دکھاتے شکریہ ادا کیا۔

''کچھ مہمان آچکے ہیں کچھ ابھی آنے والے ہیں۔ تقریب شروع ہونے کے بعد میں مصروف ہوجاؤں گی' ان شاء اللہ جیسے ہی فری ہوئی آپ لوگوں سے بات ہوگی۔ یہاں آیا ہر مہمان ہی ہمارے لیے خاص ہے' نازیہ......'' انہوں نے دبلی پتلی سی بڑی بڑی آنکھوں والی لڑکی کو پکارا۔

''جناب مہمانوں کو ویلکم کہنے میں ہمارا ساتھ دیں' یہ آپ سب کی اپنی تقریب ہے۔'' شرارت بھرے انداز سے کہتے انہوں نے اس لڑکی کو اپنے حصار میں لے لیا یہ عقدہ کچھ دیر بعد کھلا کہ وہ پیاری سی بڑی بڑی آنکھوں والی ہماری نازیہ کنول نازی تھیں جن کی کمپنی کو ہم نے بھرپور انجوائے کیا۔

”وہ دیکھو حوری آپی کس کے ساتھ ہیں؟“ زوناشیہ ان کا ہاتھ تھام کر وہاں لے جانے لگی۔ لڑکی کی ان کی طرف پشت تھی‘ زرناب ہونقوں کی طرح اسے تکے جارہی تھی جبکہ وہ مسکراتے ہوئے ان سے ملنے لگیں۔ معصومیت کا پیکر ریڈ اینڈ بلیک کنٹراسٹ کے ڈریس میں سلیقے سے سر پر دوپٹہ جمائے وہ بہت خوب صورت لگ رہی تھیں۔ تعارف ہونے پر معلوم ہوا وہ ام مریم ہیں۔

”ارے آپ تو بہت ینگ ہیں۔“ زرناب کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ اس کے کہنے پر وہ کچھ دیر تک ہنستی رہیں۔

”کیوں آپ نے کیا سمجھا تھا ام مریم کوئی بزرگ خاتون ہوں گی۔“

”ارے نہیں‘ جس طرح آپ لکھتی ہیں میں سمجھی شاید آپ زیادہ ایج کی ہوں۔“ بات تو منہ سے نکل ہی چکی تھی سو اس نے مزید وضاحت دی۔

”آپ سکندر اعظم کی لاریب کی طرح پیاری ہیں‘ سچی مجھے یقین ہی نہیں آرہا آپ مریم ہیں۔“ وہ باتیں کرتے ہوئے سمیرا شریف طور کے پاس آگئیں‘ جہاں زرنش ان سے آٹوگراف لے رہی تھی۔

”سمیرا جی آپ بہت سویٹ ہیں۔“

”جزاک اللہ ڈیئر! آپ بھی بہت کیوٹ ہو آپ کی کمپنی کو میں بہت انجوائے کررہی ہوں۔“

”سمیرا جی میرا دل کررہا ہے آپ کو کڈنیپ کرکے اپنے ساتھ لے جاؤں۔“

”اُف بھئی آپ جانتی نہیں ہو میرے شوہر کو وہ پاتال سے بھی ڈھونڈ نکالیں گے مجھے۔“ ان کے کہنے پر وہ سب ہنس دی تھیں۔

تقریب کا آغاز تلاوت قرآن پاک سے طاہر احمد قریشی صاحب نے کیا تھا۔ فرحت آراء صاحبہ کی یاد نے وہاں بیٹھے سب لوگوں کی آنکھیں پرنم کردی تھیں۔ نزہت جبیں ضیاء نے اپنی خوب صورت آواز میں محترمہ فرحت آراء کے لیے لکھی گئی نظم سنا کر سب کو سحر زدہ کردیا۔ سباس گل اور راحت وفا کو آنے میں کچھ دیر ہوگئی تھی مگر تقریب ختم ہونے سے پہلے پہنچ گئیں۔

صدف آصف‘ اقراء صغیر احمد‘ عشنا کوثر سردار‘ سمیرا غزل صدیقی‘ سندس جبین‘ طلعت نظامی‘ عالیہ حرا‘ عفت سحر طاہر اور ام ثمامہ اور دیگر کچھ رائٹرز بھی تقریب کا حصہ بنی تھیں جن کی وجہ سے رونق میں مزید اضافہ ہوگیا تھا۔

صائمہ قریشی اور فاخرہ گل پردیس میں ہونے کی وجہ سے شامل نہ ہوسکیں۔ آخر میں قیصر آراء کے چند خوب صورت لفظوں نے محفل کو خوش گوار بنادیا تھا۔

”اللہ رب العزت کی پاک ذات کا جتنا شکر ادا کریں کم ہے مالک کا بڑا احسان و کرم ہے اس نے ہماری توقعات سے بڑھ کر ہمیں نوازا ہے۔ آپ سب کی حوصلہ افزائی و پذیرائی کے لیے ہم تہہ دل سے مشکور ہیں‘ آپ اس تقریب کا حصہ بنے‘ ہمیں دلی خوشی محسوس ہوتی۔ آنچل آپ کا ہے اور آپ ہی اس آنچل کے ستارے ہیں‘ آنچل کو سجانا سنوارنا آپ کا کام ہے۔ اس چھوٹی سی تقریب کو یادگار بنانے کے لیے آپ کے بھرپور تعاون کے لیے بہت شکریہ۔ یہ ایوارڈ بہنوں کو مقابلے کی بنیاد پر نہیں بلکہ مستقل لکھنے والوں کو دیا گیا ہے‘ ان شاء اللہ اب ہم ہر سال یہ تقریب منعقد کروائیں گے جہاں خوب صورت تحریریں لکھنے والوں کو خراج تحسین پیش جائے گا۔ فیصلہ ہمارے قارئین کریں گے‘ ہم اپنے قارئین کو بھلا کیسے بھول سکتے ہیں‘ رائٹرز کے ساتھ ساتھ قارئین بھی آنچل کا قیمتی سرمایہ ہیں جو ہر گھڑی ہمارے ساتھ رہتے ہیں۔ بہت اچھا لگ رہا ہے یہاں آپ سب کے ساتھ‘ ہمیشہ ہی آنچل کے ساتھ رہیے گا دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔“ تالیوں کی گونج میں انہوں نے الوداعی کلمات کہے تھے۔

❀......❀......❀
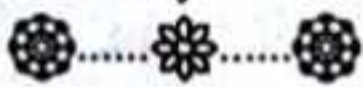
”ہم بہت لکی ہیں یار!“ ڈائری سامنے رکھے وہ باری باری سب رائٹرز سے لیے گئے آٹوگراف دیکھ رہی تھیں۔

”اے تم کن سوچوں میں گم ہو؟“ زوناشیہ نے زرناب کو کہنی ماری۔

"میں ایک بات سوچ رہی ہوں۔"
"وہ کیا؟"
"یہی کہ آٹوگراف ایک ہی ڈائری پر لینے کا آئیڈیا کس کا تھا۔"
"میں بڑی ہوں ظاہر ہے میرے آئیڈیاز زیادہ مانے جاتے ہیں۔" حورین نے فخر سے کہا۔
"اچھا جناب پھر یہ بھی بتادیں یہ ڈائری رکھے گا کون؟" زرنش کے ہاتھ سے ڈائری لے کر اس نے پوچھا۔
"ظاہری بات ہے میں ہی رکھوں گی۔" حورین نے چہکتے ہوئے کہا۔
"ہرگز نہیں۔" وہ ایک ساتھ چیخیں۔ اس نے دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ لیے۔
"آپی یہ فاؤل ہے۔"
"بالکل بھی نہیں۔ اچھے بچوں کی طرح خاموش بیٹھی رہو جب بڑے بات کررہے ہوں تو چھوٹوں کو نہیں بولنا چاہیے۔" اس کے رعب کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔
"میں کہہ رہی ہوں آپی اپنے بڑے ہونے کا ناجائز فائدہ نہ اٹھایا کریں۔"
اگلی صبح پھر ایک نئی خبر تھی' زرنش نے پھر ایک خواب دیکھ لیا تھا ہوا کچھ یوں تھا وہ سب پھوپو کے گھر ہیں' ڈائجسٹ میرب کی گود میں تھا وہ ایوارڈ کی تقریب کا احوال پڑھ کر سنا رہی تھی جہاں ان کا نام بھی تھا۔ دوست کا پیغام آئے اور آئینہ میں بہت سے قارئین کے ان کے نام پیغام تھے۔ اب شدت سے ان کو اس دن کا انتظار تھا آیا کہ ان کا یہ خواب بھی سچ ہوتا ہے یا نہیں۔

❁......❁......❁

"شایان بھائی تم سے بات کرنا چاہتے ہیں؟" وہ تکیے کا کور تبدیل کررہی تھی جب زرنش سیل اس کے پاس لے کر آئی۔
"مجھے اس سے کوئی بات نہیں کرنی' جو ہو چکا بھول جاؤ وہ صرف ایک مذاق تھا۔"
"ہرگز نہیں' اس نے میری بے عزتی کی تھی وہ بھی سب کے سامنے۔"
"مگر وہاں تو صرف ہم تھے نا؟"
"ہاں یہی تو سب سے بڑا دکھ ہے وہاں تم لوگ تھے۔"
"یہ دیکھو ان کی دوبارہ کال آرہی ہے وہ بھی کیا سوچتے ہوں گے کیسی اناڑی قاصد ہے جو دو منٹ کی بات بھی نہیں کرواسکتی۔"
"کیا مصیبت ہے بھئی جب میں بات نہیں کرنا چاہتی تو یہ زبردستی کیوں؟" اس نے بے بسی سے زرنش کو دیکھا۔
"پاگل دو تین منٹ بات کرلو پھر کال ڈراپ کردینا۔ میں تو ادھر ہی ہوں گھبرانے کی ضرورت نہیں آرام سے بات کرلو۔" کال اٹینڈ کرکے زرنش نے سیل اس کے کان کے ساتھ لگادیا۔
"کیسی ہو زرناب؟" اس کا دل چاہا کہہ دے ماشاءاللہ بہت خوب صورت مگر بولی تو فقط یہی۔
"الحمدللہ بالکل ٹھیک ہوں' آپ سنایئے آنٹی کا کیا حال ہے؟"
"اتنی بھی کیا جلدی ہے آنٹی کا حال پوچھنے کی؟ پہلے میرا حال دل تو سن لیں۔" مسکراہٹ روک کے وہ بولا تو زرناب نے سیل کان سے ہٹا کر ایسے گھورا جیسے سیل کی بجائے اس کے سامنے شایان ہو۔
"آئی ایم ریئلی ویری سوری زرناب! آئی تھنک آپ ابھی تک ناراض ہیں۔ میں نے وہ مذاق آپ کو تنگ کرنے کے لیے کیا تھا آپ تو دل پر ہی لے بیٹھی ہیں اگر آپ کہیں تو میں گھر آکر معذرت کرنے کو تیار ہوں۔"
"اٹس اوکے۔" وہ آہستگی سے بولی۔
"زرناب ڈیئر! آپ جیسا بھی کہیں گی میں وہ کرنے کو تیار ہوں' ریگولر ڈائجسٹ بھی لے کردوں گا آپ کہیں گی تو ڈائجسٹ نگری کا حصہ بھی بن جاؤں گا۔ یہ میرا آپ سے وعدہ ہے پلیز کچھ تو بولیں ایسے خاموش نہ رہیں۔"
"دیکھیے شایان صاحب وعدے ٹوٹنے کے لیے

ہوتے ہیں ایسے وعدے مت کریں۔" زرناب کی سنجیدگی پراسے لگا وہ اپنی ہنسی مزید ضبط نہیں کرسکے گا۔
"وعدہ ٹوٹ جانے کا اتنا دکھ نہیں ہوتا ڈیئر! جتنا مان ٹوٹنے کا ہوتا ہے۔ مائنڈ اٹ...... میں یقین سے کہہ سکتا ہوں آپ مجھ سے ناامید نہیں ہوں گی۔ میں آپ کا بھرپور ساتھ دوں گا' ہر وعدہ نبھانے کی مکمل کوشش کروں گا۔ آپ ایک بار یقین تو کریں۔"
"اچھا جب وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا۔"
"اور یہ وقت ان شاء اللہ بہت جلدی آئے گا' میں محبت کا دعویٰ تو نہیں کرتا ہاں مگر یہ سچ ہے کہ تم مجھے بہت اچھی لگی ہو۔" اسے لائن سے ہٹتا دیکھ کر وہ گھبرا سی گئی۔
"سنو...... "بڑے دلکش انداز میں اسے پکارا گیا۔
"جی......"
"کبھی جب آنکھ چھلکے تو
کبھی جب دل نہ سنبھلے تو
مجھے آواز دے لینا......
کبھی جب دور ہو کوئی
بہت مجبور ہو کوئی
کوئی آواز نہ دے تو
مجھے آواز دے لینا
کوئی آنسو نہ پونچھے تو
کوئی ہنسنے سے روکے تو
کوئی تم کو ستائے تو
مجھے آواز دے لینا
کبھی جب دن نہ گزرے تو
کبھی جب رات تڑپائے تو
کبھی دن میں اندھیرا ہو
مجھے آواز دے لینا
میں تیرے ساتھ رہتا ہوں
مگر پھر بھی گزارش ہے
مجھے آواز دے لینا......!"
"کم بخت کی آواز بہت زبردست ہے۔" وہ دل میں سوچ کر رہ گئی۔
"زرناب آپ اب ناراض تو نہیں ہیں نا؟" شایان نے بے تابی سے پوچھا۔
"آپ بہت بُرے ہیں بچی......" اس نے تیزی سے کہہ کر کال ڈراپ کردی۔ دوسری جانب وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔
"کیا کہہ رہے تھے شایان بھائی؟"
"کچھ بھی نہیں' بس کہہ رہے تھے زرنش انتہائی بدتمیز لڑکی ہے۔"
"اچھا میں سمجھی اعتراف محبت کیا ہوگا' سرخ انار جو لگ رہی ہو۔"
"زرنش سدھر جاؤ۔"
"ہم تو بھئی جیسے ہیں ویسے رہیں گے۔" وہ گنگناتے ہوئے باہر چلی گئی۔

❁......❁......❁

"ایک کپ چائے مل سکتی ہے؟" وہ جو برتن دھونے میں مشغول تھی مغیث کی آواز پر چونک کر پلٹی۔ کچن کے دروازے کے بیچوں بیچ کھڑا وہ اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔
"میں زرناب کو بلاتی ہوں وہ بنادے گی۔" وہ سارے برتن دھو چکی تھی جانے میں ہی عافیت سمجھی ویسے بھی جب سے مغیث سے نسبت طے ہوئی تھی اسے حیا محسوس ہوتی اگر کبھی سامنا ہو بھی جاتا تو وہ کترا کر گزر جاتی۔ اس کے قریب سے گزر کر جب وہ باہر جانے لگی مغیث نے اس کے آنچل کے کونا تھام لیا اس نے گردن موڑ کر حیرت اور بے یقینی سے دیکھا اس کے دیکھنے پر وہ مسکرا دیا۔
"مجھے تمہارے ہاتھ سے بنی چائے پینی ہے میرب!" مغیث خاموشی سے آکر ٹیبل کے ساتھ رکھی چیئر پر بیٹھ گیا۔ میرب اس کی ضد اور رویے پر پریشان سی ہوگئی۔ کیتلی چولہے پر رکھتے اس نے دودھ ڈالا۔
"اپنے لیے بھی بنالو۔" وہ جو اسی سمت دیکھ رہا تھا دودھ کی مقدار دیکھ کر بولا۔
"اسٹڈیز کیسی جارہی ہیں تمہاری' کوئی پرابلم تو نہیں

ہوتی؟" میرب نے نفی میں سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ "اگر کوئی پرابلم ہو بھی تو بلا جھجک مجھ سے ہیلپ لے سکتی ہو۔"

"جی......" آہستگی سے کہہ کر وہ کپ میں چائے ڈالنے لگی۔

"میرب مجھے تم سے بات کرنی ہے۔" وہ چائے اسے تھمانے کے بعد دوسری طرف رکھی چیئر پر آ بیٹھی۔ مغیث نے اس کی طرف دیکھا جو عجیب سی کشمکش میں مبتلا لگ رہی تھی' بیٹھنے کا انداز ایسا تھا جیسے ابھی بھاگ جائے گی۔

"ٹیک اٹ ایزی' ریلیکس ہو کر بیٹھو۔"

"پتا نہیں آج اسے کیا ہو گیا ہے۔" حیران پریشان سی وہ سوچنے پر مجبور تھی۔

"تم اپنے اور میرے رشتے پر خوش ہو نا؟" اس کی طرف دیکھتے مکمل سنجیدگی سے پوچھا گیا جواباً وہ خاموش رہی۔

"دیکھو میرب یہ دو چار دن کا نہیں ساری زندگی کا سوال ہے' اگر محبت ہو تو زندگی بہت خوب صورت گزرتی ہے اگر تم راضی نہیں ہو تو میں امی جان سے بات کرلوں گا۔ تم پر کوئی الزام نہیں آئے گا۔"

"آپ نے ایسا سوچ بھی کیسے لیا بھلا میں راضی کیوں نہیں ہوں گی۔ امی ابو نے میرے لیے جو فیصلہ کیا ہے مجھے وہ منظور ہے۔ آپ کو میرے لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"وہ دراصل...... تمہیں پولیس والے اچھے لگتے ہیں نا' اگر مجھے پہلے پتا ہوتا تو میں پولیس فورس جوائن کرلیتا۔" چہرے پر مسکینیت سجائے وہ بولا۔ میرب کے چہرے پر شرمیلی سی مسکراہٹ سج گئی۔

میرے دل کی ساری شدتیں
میرا خلوص میری چاہتیں
اے دوست فقط تیرے لیے
میرا دکھ میرے سارے غم
میرا سکھ اور ساری راحتیں
اے دوست فقط تیرے لیے
میری ہنستی اکھیاں' کھلتے لب
میری روح میرا دھڑکتا دل
اے دوست فقط تیرے لیے
یہ ہوا اور جگنو تتلی شبنم
اے دوست فقط تیرے لیے
یہ پھول کلیاں یہ چاند تارے
میری دعائیں میرے سجدے اور عبادتیں
میرے خواب میری ساری ریاضتیں
اے دوست فقط تیرے لیے
میری زندگی کا ہر ایک لمحہ
اور میرے دل کی ساری حکایتیں

خوب صورت لب و لہجہ میں اس نے نظم مکمل کی' وہ نظریں جھکائے بیٹھی رہی۔ پلکوں پر جیسے منوں بوجھ آ گرا تھا' اس محبت اور پذیرائی کے لیے شکریہ یہ خالی کپ اس کے سامنے رکھتے مسکرا کر کہتا وہ وہاں سے چلا گیا۔ مغیث اور شاعری کے موڈ میں اتنی بڑی تبدیلی آئی کیسے؟

پاس آؤ اک التجا سن لو
پیار ہے تم سے بے پناہ سن لو

زرش نے چہکتے ہوئے شعر پڑھا۔

"توبہ توبہ کیسا زمانہ آ گیا ہے؟ لوگ یہاں چھپ چھپا کر ملاقاتیں کررہے تھے اور ہمیں کانوں کان خبر تک نہ ہوئی۔"

"بکو مت ایسا کچھ نہیں جیسا تم سمجھ رہی ہو۔" لرزتی پلکوں کے ساتھ وہ رخ موڑ گئی۔

"تم اس قدر جو شرما رہی ہو کیا بات ہے جو چھپا رہی ہو۔" وہ چھیڑتے ہوئے اس کے پاس آ ئی۔

"زرنش پلیز......"

"کیا ہوا؟" اسے تنگ کرنے میں بہت مزہ آ رہا تھا۔

"دفعہ ہو......" اسے سامنے سے ہٹاتے وہ باہر چلی آئی۔

"حوری آپی! زرنش سے کہیں مجھے تنگ مت کرے۔"

"یار بھابی! بہت کیوٹ لگ رہی ہو اس طرح
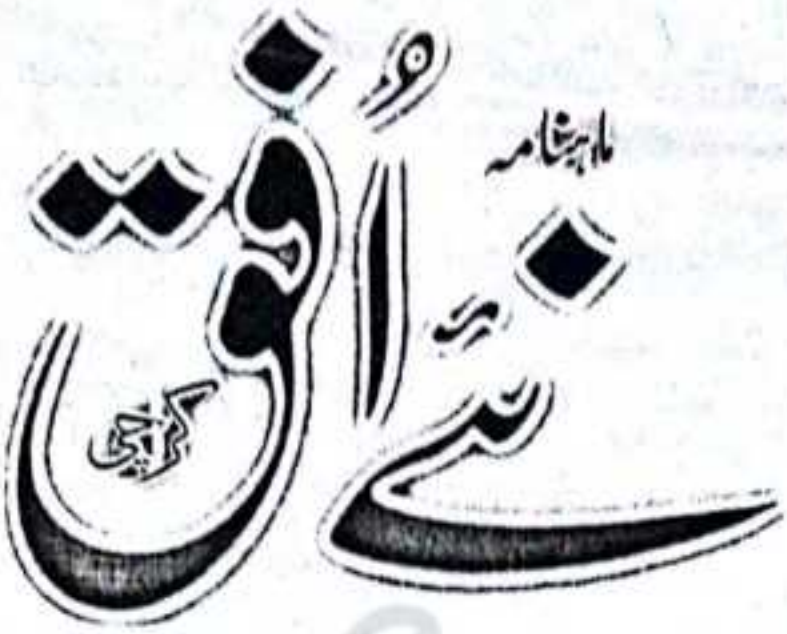
شرماتے ہوئے۔'' زرنش نے وہاں آ کر اسے گلے سے لگالیا۔

حورین نے وکٹری کا نشان بنایا ان کا پلان کامیاب ہوگیا تھا' زرناب کی شایان سے کال پر بات' مغیث کی میرب سے فرمائش اور ساتھ میں رومینٹک شاعری...... یہ ان دونوں کے پلان میں شامل تھا۔ انہوں نے تو بس دونوں کی فرمائش کا ذکر کیا تھا اور اپنی پیارے بھائیوں کی تھوڑی سی مدد' کچھ دن پہلے ہی تو میرب اور زرناب نے اظہار محبت وہ بھی شاعری کے ساتھ کا سرسری ساذکر کیا تھا مگر بھلا ہو حوری آپی کا جنہوں نے ان کی دل کی خواہش پوری کردی تھی مگر وہ بے چاریاں حواس باختہ سی خود کو سنبھال رہی تھیں آخر یہ ہوا کیسے؟

❁......❁......❁
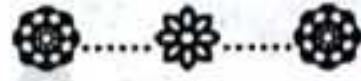
''پیاری کزن میرب کے لیے دعاؤں اور خلوص کے ساتھ۔''

''زری کی بچی اگر تم نے میرا گفٹ کھولا تو اچھا نہیں ہوگا' یادرکھنا۔'' خونخوار تیور لیے وہ تیز لہجے میں بولی۔

''جو کرنا ہے کرلو میں واپس نہیں کرنے والی۔ ابھی سب کو آنے دو پھر کھلے گا تمہارا گفٹ۔ آخر ہم بھی تو دیکھیں مغیث صاحب نے محترمہ کو برتھ ڈے گفٹ میں کیا دیا ہے۔''

''کسی کی پرسنل چیز بغیر اجازت کی اٹھاتے شرم نہ آئی تمہیں؟''

''ارے بھئی مجھے بھلا کیوں شرم آئے گی' آخر میرے پیارے راج دلارے بھائی کا تحفہ ہے۔''

''ہاں ہے تو سہی مگر میرے لیے ہے نا کہ تمہارے لیے اب شرافت سے واپس کرو۔''

''اچھا' کتنی چالاک ہو تم اپنی باری آئی تو پرسنل ہوگیا جب حوری آپی کے گفٹ کا کباڑا کیا تھا تم نے وہ بھی تو پرسنل تھا۔ یادنہیں کتنے پیار سے ان کے منگیتر صاحب نے اسپیشل اتنی دور سے ان کے لیے ڈریس اور پرفیوم بھیجا تھا۔ اب باقی سب کو آنے دو پھر کھولوں گی میں تب تک خاموشی

سے اچھی بچی بن کر بیٹھ جاؤ۔“
”ارے واہ کس کا گفٹ ہے۔“ زرنش نے فوراً لپک کر خوب صورت پیکنگ والا ڈبہ اٹھایا جہاں ”پیاری کزن میرب کے لیے دعاؤں اور خلوص کے ساتھ“ لکھا ہوا تھا۔
”میرب......!“
”خبردار جو کسی نے مجھ سے بات کی تو......“ وہ نروٹھے پن سے بولی۔
”دفعہ کرو اسے تم لوگ ادھر آؤ ہم بھی تو دیکھیں کیسا شاہکار گفٹ ہے۔“ میرب رخ موڑے کن اکھیوں سے اسی طرف دیکھ رہی تھی۔
”زری یہ کارڈ مجھے دو اپنی خوب صورت، سریلی آواز کا جادو جگادوں گی ابھی۔“ زرنش کو برتھ ڈے کارڈ کھولتے دیکھ کر اس نے کہا۔
”ہاں دے دو اس بے چاری معصوم لڑکی کی کچھ پریکٹس ہوجائے گی۔“ زوناشیہ نے اسے چڑایا۔
”شٹ اپ کتنی بار تمہیں سمجھانا پڑے گا کہ بڑوں کی باتوں میں بچے نہیں بولتے۔ چلو شاباش باہر جاؤ۔“
”نہیں جی مجھے بھی ادھر رہنا ہے آخر آپ کی بہن ہوں۔ محبت کا اثر مجھ پر ہی ہونا ہے۔“ اس کی حاضر جوابی پر زرناب دانت کچکچا کر رہ گئی۔ کارڈ ہاتھ میں لیے اس پر بچی تحریر کو وہ معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگی۔
”کیا لکھا ہے اب پڑھو بھی۔“ میرب مارے تجسس کے ان کے ساتھ نیچے کارپٹ پر آ بیٹھی۔
(ہپی برتھ ڈے ٹو یو مائی ڈیئر کزن میرب

اٹھا کے ہاتھ اپنے رب سے
بس مانگی یہی دعا
نصیب ہوں خوشیاں تمہیں
تم خوش رہو سدا
تم کو راحت ملے تم کو چاہت ملے
سارے جہاں میں سب سے اچھے ہوں تمہارے نصیب
کوئی دکھ کبھی نہ آئے تمہارے قریب
دل کی ہر آرزو پوری خدا کرے
تمہیں چاہنے والوں سے کبھی بھی نہ جدا کرے
مل جائیں تم کو تمہاری خوشیاں
بس یہی دعا ہے میری اپنے رب سے
تمہارے لیے“

پڑھنے کے ساتھ وہ بار بار میرب کو دیکھے جارہی تھی۔ باقی سب کی نظریں بھی اسی پر مرکوز تھیں۔
”چلو شاباش! اب تم یہ خود کھولو۔“ زرنش نے سخاوت کا مظاہرہ کیا۔ میرب نے کانپتے ہاتھوں سے گفٹ کھولا۔ اندر تین خوب صورت اس کے پسندیدہ ناولوں کا سیٹ تھا اور ساتھ میں آنچل ڈائجسٹ کا نیا شمارہ۔ خوشی سے ان کی چیخ نکل گئی۔
”دیکھ لو! ایک بار پھر میرا خواب سچ ہوا لو اب جلدی سے ڈائجسٹ سنبھالو اور تقریب کا احوال ہمیں سناؤ۔“ زرنش نے ناولز اپنے قبضے میں کرتے ترنگ سے کہا۔
”رائٹرز نے تقریب کے حوالے سے جو تاثرات قلم بند کیے تھے وہ بھی شائع ہوئے ہوں گے کیا؟“ زوناشیہ نے اس کے قریب آتے ہوئے کہا۔ وہ پانچوں سر جوڑے بیٹھی تھیں، سامنے واضح الفاظ میں لکھا تھا۔
”آنچل میں ستارے“ بڑے بڑے خوب صورت الفاظ جگمگا رہے تھے، میرب پڑھ رہی تھی اور وہ سن......
ان پیاری لڑکیوں کے چہروں پر بجی، بجی خوشی بہت دلکش لگ رہی تھی۔

ہومیوکارنر

ڈاکٹر طلعت نظامی

"وجودِ زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ"

یہ حقیقت ہے کہ عورت اس جہاں کا وہ خوش رنگ پھول ہے جس کی خوشبو سے فضا مسحور ہے لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ "عورت" کو یہ احساس نہیں کہ اگر اس کی خوشبو بے کیف ہوجائے اور رنگ مدھم پڑ جائیں تو اس کی ذات کتنی بے رونق ہوجائے۔

عورت طبعی طور پر ناتواں ہوجائے تو گھر گرہستی کا نظام درہم برہم ہوجاتا ہے عورت ہی ہے جس کی ذات سے عالم وجود میں آیا لیکن اگر یہی ہستی کسی مرض میں مبتلا ہوجائے تو بے اطمینانی پورے نظام کو تہہ و بالا کردیتی ہے خود عورت ذات چڑچڑاہٹ میں مبتلا ہوجاتی ہے لیکن کہیں غربت، مفلسی، کہیں شرم و حیا اور کہیں اپنی ذات سے بے پروائی امراض کو بڑھانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

اسی صنف نازک سے وابستہ ایک مہلک بیماری "لیکوریا" ہے جس میں ہر تین میں سے ایک عورت اس کا شکار ہے اور یہ ہماری عورت کو گھن کی طرح کھا رہی ہے۔

لفظ (Leocorrhoea) دو یونانی الفاظ کا مجموعہ ہے۔ Leueo کے معنی سفید اور Rhoea کے معنی اخراج ہیں۔ طبی اصطلاح میں Vegina (رحم) سے رسنے والے ایک محدود اخراج کو لیکوریا کہتے ہیں جو اس حد تک ہو کہ رحم کو تر رکھ سکے۔ صحت مند لیکوریا سفید رنگ، بے بو ہوتا ہے اور اگر اس کا اخراج زرد اور گاڑھی شکل کا ہو اور اس میں سے بو آئے تو یہ مرض لیکوریا ہے یہ خراش دار بھی ہوتا ہے جس کے بہت سے اسباب ہیں جن میں ایک خاندانی ہے اس کے علاوہ مندرجہ ذیل اسباب ہیں۔

اسباب لیکوریا: کمی خون، سوزاک، آتشک، خنازیر، تپ دق، جوڑوں کا درد، عام کمزوری، حیض کا بند ہونا، رحم کا ورم، اندام نہانی کا ورم، اوائل عمری میں حمل قرار پانا، چوٹ، ایک طویل عرصے تک بچے کو دودھ پلاتے رہنا، صدمہ، ٹینشن، بچوں میں کم وقفہ ہونا، مقعد میں کیڑوں کا ہونا گردے کی مزمن سوزش، وغیرہ۔

علامات مرض

کمر درد، پیڑو میں بوجھ اور درد، کمزوری محسوس ہونا، چکر، بخار، رحم سے سفید، گاڑھا اور بدبودار، خراش دار اخراج یا پتلا پانی کی طرح جس میں زیادتی ہو، سستی، کسلمندی اگر یہ مرض زیادہ عرصہ تک رہے تو اکثر حمل قرار نہیں پاتا۔ بعض اوقات یہ مرض حمل کے دوران بھی ہوجاتا ہے۔ چہرے کا رنگ پیلا پڑ جاتا ہے ہاضمہ میں نقص ہوتا ہے۔ ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں، بعض اوقات چھیلنے والی رطوبت کا اخراج ہوتا ہے۔ زیادتی اتنی کہ ٹانگوں تک قطروں کی طرح گرتی ہو، یہ سیلان آغاز میں پانی کا سا اور خون سا ہوتا ہے لیکن جلد ہی گاڑھا، زردی مائل یا سبزی مائل ہوجاتا ہے سوکھنے پر زردی مائل یا سبزی مائل داغ کپڑے پر رہ جاتے ہیں کچھ دنوں بعد یہ سیلان سفیدی مائل دودھ کی طرح کا ہوجاتا ہے اور مریضہ کمزور سے کمزور تر ہوتی جاتی ہے۔

طبعی تاثر اور مزاجی کیفیت رحم کے لیکوریا کا پیش خیمہ ہوتے ہیں بلغمی مزاج کی لڑکیاں اکثر اس مرض کا شکار ہوتی ہیں، یہ طبیعتیں ذرا سی سردی لگ جائے اور مرطوب موسم میں تکلیف دیتی ہیں۔

لیکوریا کی کئی قسمیں حیض کی بے قاعدگی کی وجہ خیال کی جاتی ہیں۔

ایک نوجوان عورت جونازک مزاج ہے اسے حیض سے قبل مسلسل دو تین مہینہ سیلان الرحم رہتا ہے یہ سیلان حیض کا پیش خیمہ خیال کیا جاتا ہے دوسری حالت میں حیض رک جاتا ہے اس کے بجائے سیلان الرحم شروع ہوجاتا ہے یہ سیلان ٹھیک ایک مہینے کے وقفے کے بعد شروع ہوکر اتنے ہی دن رہتا ہے جتنے دن حیض کو رہنا چاہیے اور حیض کے دنوں میں یہ سیلان حیض کی مقدار کے برابر کم وبیش ہوتا رہتا ہے ایسی بھی مریضائیں ہیں جن کے حیض بالکل درست اور باقاعدہ ہوتے ہیں ان میں لیوکوریا ٹھیک وقفے پر شروع ہوجاتا ہے جس کی مقدار حیض کی نمود سے قبل بڑھ جاتی ہے یا حیض کے بند ہونے کے بعد بڑھتی ہے۔ اس قسم کا سیلان ماہ بہ ماہ حیض پر حاوی ہوتا جاتا ہے اور وقت آتا ہے جب حیض کے بجائے صرف سیلان الرحم ہوتا ہے سخت حالات میں اس قسم کا لیوکوریا رحم سے سیلان خون کا باعث ہوتا ہے۔

ایسی بھی مریضائیں ملتی ہیں جن کو ہمیشہ حیض کے بجائے سیلان الرحم ہوتا ہے اور وضع حمل یا اسقاط کے بعد کئی کئی مہینے تک جاری رہتا ہے اسقاط کے بعد جب لیوکوریا شروع ہوکر کئی کئی مہینے تک جاری رہتا ہے تو یہ لیوکوریا بانجھ پن کا باعث بنتا ہے۔

حفاظتی تدابیر

صحت کے اصولوں پر سختی سے کاربند رہا جائے۔

متوازن خوراک کا استعمال کیا جائے قبض نہ ہونے دی جائے، مرچ، مصالحہ، کھٹی، ٹھنڈی، بادی اشیا کے استعمال سے پرہیز کیا جائے، پھلوں کا استعمال زیادہ کیا جائے رنج وغم وتفکرات سے دور رہا جائے۔

علاج بالمثل

ایلومینا:۔ حیض سے قبل اور بعد میں سیلان الرحم زرد چھیلنے والی رطوبت کے ساتھ اس قدر خارج ہو کہ ٹانگوں سے ایڑیوں تک پہنچ جائے۔

اووسٹا:۔ لیکوریا زیادہ مقدار میں اور بدبودار خارج ہوکر کمر میں درد کے ساتھ۔

بوریکس:۔ صاف رنگ کا گاڑھا پانی کی طرح مقدار میں زیادہ اور گرم ہو۔

پلساٹیلا:۔ رطوبت گاڑھی، انڈے کی سفیدی کی طرح، مریضہ کا رونے کی طرف رجحان، جلن دار لیکوریا۔

کریازوٹ:۔ مقدار میں زیادہ، خراش دار، بدبودار، جہاں لگے خراش پیدا کرلے۔

سیپیا:۔ زرد سبزی مائل اور بدبودار لیکوریا حیض سے پہلے ہو، بلوغت کے وقت یا حمل کے دوران سیلان الرحم، پیڑو میں بوجھ، رحم میں نیچے کی طرف دباؤ، کمزور دبلی پتلی، چہرے پہ چھائیاں۔

سائنا:۔ چمونوں (پیٹ کے کیڑے) کی وجہ سے لیکوریا۔

سلفر:۔ خنازیری مزاج والی عورتیں جن کے ہاتھ اور پاؤں میں جلن ہو، رطوبت پتلی اور زردی مائل، جلد میلی کچیلی خارش زدہ۔

کمکلیر یا کارب:۔ کم عمر لڑکیوں میں لیکوریا کی شکایت رطوبت دودھیاں رنگ کی، حیض آنے سے قبل، زیادتی اور خارش ہو ٹھنڈی ہوا سے زیادتی ہو۔

بیاض دل

میمونہ رومان

فصیحہ آصف خان...... ملتان

کیسے کیسے رنگ بدلتا ہے آدمی
موم سے پتھر میں ڈھلتا ہے آدمی
تجھے کیا ہے برباد حالات نے
آسانی سے ورنہ کب بکھرتا ہے آدمی

حرا قریشی...... ملتان

کوئی ملتا ہے تو اب اپنا پتا پوچھتا ہوں
میں تری کھوج میں تجھ سے بھی پرے جا نکلا
توڑ کر دیکھ لیا آئینہ' دل تُو نے......
تیری صورت کے سوا اور بتا کیا نکلا

مدیحہ نورین مہک...... برنالی

میں بس جاؤں تیری خوشبو میں جانم
تیری الفت میں' میری آبرو ہے

سیدہ لوبا سجاد...... کہروڑ پکا

ہم سے نفرت واجب تھی انہیں
یہ نہ کرتے تو پیار ہوجاتا

کرن شہزادی...... مانسہرہ

وہ زمان و مکاں کی وسعتیں تجھ دیکھنے کو ترس گئیں
وہ میرے نصیب کی بارشیں کسی اور چھت پر برس گئیں

ایس انمول...... بچہ کلاں

ہم زمانے میں فقط اس وجہ سے بدنام ہیں
کہ موسموں کی طرح ہمیں بدلنا نہیں آتا

بی بی اسماء سحر...... راولپنڈی

بھلائے سے جو نہ بھولے وہ کہانی چھوڑ جاؤں گا
زمانے بھر کی آنکھوں میں پانی چھوڑ جاؤں گا

لاریب انشال...... اوکاڑہ

ہمارے عجز کو سمجھا نہیں گیا محسن
ہم آزما کے اب اپنی انا دیکھتے ہیں

صدف مختار...... بوسال سکھا

تُو میرے بعد ہوا ہے تنہا
میں تیرے ساتھ بھی اکیلا تھا

نورین انجم...... کراچی

نہ زندگی کی فضاؤں میں یاد رکھنا
نہ دل کی سداؤں میں یاد رکھنا
یہی تحفہ بہت ہوگا آپ کا میرے لیے
ہر نماز کے بعد اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا

پاکیزہ نواز...... حافظ آباد

میری خاموش نگاہوں کو یوں حسرت سے نہ دیکھ
میں رو پڑا تو دلوں کے طبق ہلا دوں گا
نواز اس طرح اداس رہا تو اک دن
میں سارے شہر میں تنہائیاں بچھا دوں گا

مسرت فاطمہ شہباز...... فیصل آباد

تم کیا جانو محبت کے میم کا مطلب
اگر مل جائے تو معجزہ اگر نہ ملے تو موت

راہ منزل نواز......

کبھی تو دل کا کہا مان لیا کرتے ہیں
وہ مجھ کو دیکھ کر پہچان لیا کرتے ہیں
اب تو انسان کی عظمت کوئی چیز نہیں
لوگ پتھر کو خدا مان لیا کرتے ہیں

سعدیہ رشید بھٹی...... روڈا' فیصل آباد

گزر گیا وہ وقت جب ہم تمہارے طلب گار تھے
اب زندگی بھی بن جاؤ تو ہم قبول نہیں کریں گے

غزل عبدالخالق...... فیصل آباد

یوں تجھ کو یاد کرتے ہیں ہم صاحب
جیسے امتحان میں آؤ گے تم

کاجل شاہ...... خانیوال

اپنے خالی ہاتھوں سے اوروں کا دامن بھرتے رہے
تاریک رہا اس دل کا آنگن سورج پر دستک دیتے رہے

آبرو چوہدری...... کولووال سرگودھا

ہر نظر بس اپنی اپنی روشنی تک جا سکی

ہر کسی نے اپنے اپنے ظرف تک پایا مجھے

لائبہ میر...... حضرو

چہرہ سازوں سے الگ ہے میرا معیار کہ میں
زخم کھاؤں گا تو کچھ اور نکھر جاؤں گا

کرم بی بی...... گجرات

ٹوٹ نہ جائے بھرم ہونٹ ہلاؤں کیسے
حال جیسا بھی ہے لوگوں کو بتاؤں کیسے
پھول ہوتے تو تیرے در پر سجا دیتا
زخم لے کے تیری دہلیز پر آؤں کیسے

پاکیزہ علی...... جتوئی

ہم کو اچھا نہیں لگتا کوئی ہم نام تیرا
کوئی تجھ سا ہو تو نام بھی تجھ سا رکھے

شمع فیاض...... بستی بزدار

ضرورت جب بھی تھی مجھ کو کسی کے ساتھ ہونے کی
انہی مخصوص لمحوں میں مجھے اپنوں نے چھوڑا ہے

ایس اے صنم......

اگر مناسب سمجھو تو ہم سے بھی ہم کلام ہونا ایس
سنا ہے تم وفا کی باتیں آج کل بہت کرتے ہو

طیبہ نذیر...... شادیوال گجرات

قیامت تک رہے سجدے میں سر میرا اے خدا
کہ تیری نعمتوں کے شکر کے لیے یہ زندگی کافی نہیں

ایس گوہر طور...... تاندلیانوالہ فیصل آباد

وہ آنکھیں تھیں کہ دریا
میں ڈوبا جو پھر تیر نہ سکا

آسیہ اشرف...... گنگاپور

کبھی ہم ان سے کبھی وہ ہم سے روٹھ جاتے ہیں
ہوا چلتی ہے ایسی کے کنارے چھوٹ جاتے ہیں
سمندر کی گہرائی سے بھی ہوتے ہیں جو گہرے
پل بھر میں کیوں وہ رشتے ٹوٹ جاتے ہیں

رابعہ عمران چوہدری...... رحیم یار خان

مدتوں سے یہی عالم ہے نہ توقع نہ امید
دل پکارے ہی چلا جاتا ہے جاناں جاناں

اب ترا ذکر بھی شاید ہی غزل میں آئے
اور سے اور ہوئے درد کے عنوان جاناں

اسماء نور عشاء...... بھوج پور

مجھ سے ممکن ہی نہیں تجھ کو سمجھ پانا یارب
جس کا بندہ محمد ﷺ جیسا وہ رب خود کیسا ہوگا

نورین مسکان سرور...... سیالکوٹ ڈسکہ

پہلے مٹی سے پھر مٹی پر اور پھر مٹی میں
سمجھ گئے تو چھوڑ دوناں مغروری

سمیہ کنول...... مانسہرہ

کسی اور کو میرے حال سے نہ غرض ہے نہ واسطہ
میں بکھر گیا ہوں سمیٹ لو میں بگڑ گیا ہوں سنوار دو

فوزیہ سلطانہ...... تونسہ شریف

پچھلے برس تھا خوف تجھے کھو نہ دوں کہیں
اب کے برس دعا ہے تیرا سامنا نہ ہو

صدف سلیمان...... شورکوٹ

عشق دے اپنے وکھرے موسم
ٹھنڈا جون، گرم دسمبر

عائشہ مسکان...... رحیم یار خان

زمین واقف نہیں ہوتی فلک سایہ نہیں دیتا
کسی کو اپنی ذات کا کوئی لمحہ نہیں دیتا
اٹھانا خود ہی پڑتا ہے تھکا ہارا بدن اپنا
کہ جب تک سانس چلتی ہے کوئی کاندھا نہیں دیتا

سمیرا یوسف...... ایف بی ایریا، کراچی

کاش تیرا گھر میرے گھر کے قریب ہوتا
ملنا تو دور، دیکھنا تو نصیب ہوتا

فائقہ سکندر رفائی...... لنگڑیال

میری کتاب حیات سے فقط لفظ تم نکال دو
یقین مانو یقین مانو کہ باقی کچھ نہیں رہتا

طلعت آغاز

ماربل کیک

اشیاء:۔

میدہ	ایک سو گرام
چینی	ایک سو گرام
مکھن یا تیل	ایک سو گرام
بیکنگ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
ونیلا ایسنس	آدھا چائے کا چمچ
کوکو پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچ

ترکیب:۔

انڈوں کی سفیدیاں علیحدہ کر کے اتنا پھینٹیں کہ جھاگ بن جائے پھر زردیاں' چینی اور مکس (گرم کر کے) یا تیل ملا کر پھینٹ لیں اب میدہ اور بیکنگ پاؤڈر چھان کر آہستہ آہستہ ملاتے جائیں۔ جب مرکب تیار ہو جائے تو اس کا تیسرا حصہ علیحدہ کر کے اس میں کوکو پاؤڈر (ایک کھانے والا چمچ دودھ میں گھول کر) ملا دیں۔ باقی ماندہ مرکب میں ونیلا ایسنس ملا دیں' اب کیک کے سانچے کو چکنا کر کے اس میں ونیلا والا مرکب ڈال کر کوکو والا مرکب ڈال دیں چھری کی نوک سے اس مرکب کو زگ زیگ کر دیں اوون کو 180c پر رکھ کر صرف نیچے کی راڈ آن کر کے پکائیں۔ جب کیک پھول جائے تو اوپر والی راڈ بھی آن کر دیں اور درجہ 160c حرارت 160c پر کر کے تقریباً 30 منٹ کریں کوکو پاؤڈر چھڑک کر ایک دو چیری یا اسٹرابری بھی سجا سکتے ہیں۔

طلعت نظامی...... کراچی

چکن بریانی

اجزاء۔

چکن	سوا کلو
چاول	ایک کلو
ادرک لہسن پسا ہوا	دو کھانے کے چمچ
نمک	حسب ذائقہ
پیاز (باریک کٹی ہوئی)	تین عدد درمیانی
ٹماٹر (باریک کٹے ہوئے)	چھ عدد درمیانے
دہی (پھینٹا ہوا)	ایک پیالی
سفید زیرہ	ایک چائے کا چمچ
ہلدی پسی ہوئی	ایک چائے کا چمچ
لال مرچ پسی ہوئی	دو کھانے کے چمچ
دھنیا پسا ہوا	ایک کھانے کا چمچ
گرم مصالحہ پسا ہوا	ایک کھانے کا چمچ
ہری مرچیں (باریک کٹی ہوئی)	چھ سے آٹھ عدد
ہرا دھنیا (باریک کٹا ہوا)	آدھی گٹھی
پودینہ (باریک کٹا ہوا)	آدھی گٹھی
ثابت گرم مصالحہ	دو کھانے کے چمچ
زردے کا رنگ	ایک چٹکی
دودھ	ایک پیالی
کیوڑہ ایسنس	چند قطرے
کوکنگ آئل	ایک پیالی

ترکیب:

دیگچی میں کوکنگ آئل کو درمیانی آنچ پر تین سے پانچ منٹ گرم کر کے ثابت گرم مصالحہ ڈال دیں۔ جب کڑکڑانے لگے تو پیاز ڈال کر سنہرا فرائی کر لیں۔

ادرک' لہسن' ہلدی اور زیرہ ڈال کر دو سے تین منٹ تک چمچ چلائیں اور پھر ٹماٹر شامل کر کے اتنی دیر پکائیں کہ ٹماٹر گل جائیں۔

جب ٹماٹر اچھی طرح گل جائیں اور ایک پیسٹ کی شکل میں آ جائیں تو چکن' نمک' لال مرچ' پسا ہوا دھنیا' پسا ہوا گرم مصالحہ' ہری مرچیں' ہرا دھنیا اور پودینہ ڈال دیں۔ پھر دہی ڈال کر اچھی طرح ملائیں اور درمیانی آنچ پر بارہ سے پندرہ منٹ تک پکائیں۔

چاولوں کو تھوڑے سے ثابت گرم مصالحے کے ساتھ ایک کنی (مکمل ابلنے سے تین چار منٹ پہلے) ابال کر چھلنی سے پانی چھان لیں۔

بڑے سائز کی دیگچی میں چکن کو پھیلا کر رکھیں اور اس کے اوپر چاولوں کی تہہ لگا دیں۔ دودھ میں زردے کا رنگ اور کیوڑہ ایسنس ملا کر چاولوں پر چھڑک دیں۔

دیگچی کو ڈھک کر پندرہ سے بیس منٹ کے لیے گرم توے پر رکھ کر ہلکی آنچ پر (دم پر دیں) مزیدار چکن بریانی

تیار ہے۔

آمنہ نور...... کراچی

چکن جلفریزی کریمی

اجزاء:۔

چکن	ایک کلو (بون لیس)
کریم	ایک پیکٹ
پیاز (چھوٹے سائز کے)	تین عدد (باریک کاٹ لیں)
ٹماٹر (بیج نکال دیں)	چار عدد (چوکور کاٹ لیں)
سبز مرچ چوپ کرلیں	آٹھ عدد (۴ درمیان سے کٹ لگالیں)
کالی مرچ	1/2 چائے کا چچ
سفید مرچ	ایک چائے کا چچ
لہسن	چار جوئے
ادرک	ایک چچ کٹی ہوئی
نمک	حسب ذائقہ
مکھن	تین چائے کے چچ
تیل	ایک چچ
شملہ مرچ	دو عدد (باریک کاٹ لیں)

ترکیب:۔

ایک کڑاہی میں تیل گرم کریں پھر چکن ڈال کر بھونیں بعد میں لہسن، ادرک اور چوپ کی ہوئی سبز مرچ شامل کریں اور ساتھ میں کالی مرچ، سفید مرچ اور نمک ڈال دیں۔ جب گوشت گل جائے پھر آنچ ہلکی کر کے مکھن شامل کریں اور سبز مرچ کٹ لگی ہوئی بھی شامل کریں۔ آخر میں کریم شامل کریں، اب ایک الگ فرائنگ پین میں تھوڑا سا آئل گرم کر کے اس میں ٹماٹر بھون کے ڈال دیں اور پھر اسی آئل میں شملہ مرچ باریک کٹی ہوئی بھون کے چکن میں شامل کر دیں، گرم گرم نان کے ساتھ لطف اٹھائیں۔

زینب اسلم...... ہارون آباد

چٹ پٹے بینگن اچاری مصالحہ

اجزاء:۔

بینگن (لمبے والے)	ڈیڑھ پاؤ
ٹماٹر	آدھا کلو
لہسن ادرک پیسٹ	دو چائے کے چچ
کڑی پتے	پندرہ عدد
نمک	حسب ذائقہ
پسی ہوئی لال مرچ	ایک چائے کا چچ
دھنیا پسا ہوا	ایک کھانے کا چچ
ہلدی	آدھا چائے کا چچ
تیل	حسب ضرورت
ہینگ	ایک چٹکی
سونف	ایک چائے کا چچ
رائی	ایک چائے کا چچ
کلونجی/میتھی دانہ	آدھا آدھا چچ

ترکیب:۔

بینگن کو لمبائی میں کاٹ لیں پھر گرم گہرے تیل میں سنہرا ہونے تک تلیں، ایک ساس پین میں تین کھانے کے چچ تل گرم کریں۔ ادرک لہسن کا پیسٹ ڈال کر کڑی پتے شامل کریں، کڑکڑانے لگیں تو اس میں ہینگ، سونف، کلونجی، رائی، میتھی دانہ ڈالیں جب میتھی دانہ بھون جائے تو اس میں ہلدی، لال مرچ، دھنیا اور نمک شام کر دیں۔ آدھا منٹ تک بھون کر اس میں ٹماٹر ڈال دیں (باریک چوپ کیے ہوئے) ٹماٹر گل جائیں، تیل الگ ہو جائے تو اس کے اندر فرائی کیے ہوئے بینگن شامل کر دیں، ہلکی آنچ پر کچھ منٹ تک پکائیں، گرم گرم تندروی نان کے ساتھ پیش کریں۔

کرن شبیر...... کراچی

پالک اور پنیر کا پزا

اجزاء:۔

خمیر	دو چائے کے چچ
میدہ	ڈھائی کپ
نیم گرم پانی	ایک کپ
سوجی	1/4 کپ
کاٹیج چیز	ایک کپ
چینی	ایک چائے کا چچ
نمک	آدھی ٹی اسپون
زیتون کا تیل	دو چائے کا چچ
عمدہ نرم پالک	آدھا کلو

ترکیب:۔

حسب سابق خمیر کی جھاگ بنا کر میدہ گوندھ کر چکنے

پیالے میں رکھ دیں' جب سائز میں دگنا ہو جائے تو دوبارہ سوجی لگے ہاتھوں سے مل کر پیڑا بنالیں۔ آدھی سوجی پزا ٹرے میں چھڑک دیں اور آٹا بیل کر ٹرے میں ہاتھوں سے پھیلادیں (پزا ٹرے 13 انچ چوکور سائز میں ہوگا) پالک کو دھو کر تھوڑے تیل (دو چائے کے چمچ) میں ڈال کر گرم کر کے نرم کرلیں۔ پانی اچھی طرح خشک ہو جائے (چٹکی بھر نمک وسیاہ مرچ بھی ملالیں)۔ پزا بیس پر ٹماٹو پیسٹ پھیلائیں' اس پر پالک پھیلادیں اور اس پر کاٹیج چیز کو ہاتھ سے چھوٹا چھوٹا کر کے چھڑک لیں اور ایک ٹماٹر کے قتلے کاٹ کر سجادیں' گرم اوون میں 220c پر بیک کرلیں۔ چھری کی نوک سے دیکھیں کہ پزا نیچے سے گولڈن براؤن ہو گیا ہے تو پزا تیار ہے۔

طیبہ نذیر......شادیوال' گجرات

بادام کی برفی

اجزا:۔

بادام (پسے ہوئے)	دو پیالی
کھویا	نصف پاؤ
مکھن	ایک پیالی
کریم	چار چھٹانک
چینی سفید	دو پیالی
کیوڑہ	چند قطرے

ترکیب:۔

ایک دیگچی میں پسے ہوئے بادام ڈالیں پھر کھویا شکر اور مکھن بھینٹ لیں اب مکھن کے آمیزے میں کریم شامل کر کے ہلکی آنچ پر پکائیں لیکن چمچ مسلسل چلاتی رہیں۔ آمیزہ اچھی طرح پک جائے اور سخت ہونے لگے تو چند قطرے کیوڑہ ڈال کر ملائیں اور پھر چولہا بند کردیں پھر ایک تھال میں تیار شدہ گرم گرم آمیزہ ڈال کر ہلائیں تاکہ آمیزہ برابر ہو جائے۔ اس کے بعد تھال کو فریج میں رکھ دیں' ٹھنڈا ہو جائے تو چھری کی نوک سے حسب منشا کاٹ لیں۔ مکمل طور پر ٹھنڈا ہو جائے تو نوش فرمائیں۔

سعدیہ رمضان سعدی......186 پی

ٹماٹر والے سیخ کباب

اجزا:۔

قیمہ	آدھا کلو
نمک	حسب ذائقہ
ادرک لہسن کا پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
لہسن کے جوئے	تین سے چار عدد
فرائی پیاز	آدھی پیالی
کٹی ہوئی لال مرچ	ایک چائے کا چمچ
سفید زیرہ	ایک کھانے کا چمچ
کالی مرچ پسی ہوئی	آدھا چائے کا چمچ
ٹماٹر	چار سے پانچ عدد
کوکنگ آئل	حسب ضرورت

ترکیب:۔

قیمے کو دھو کر اچھی طرح خشک کرلیں اور اس میں ادرک' لہسن' لال مرچ ایک چائے کا چمچ' بھنا ہوا زیرہ' کالی مرچ اور فرائی پیاز ڈال کر چاپر میں پیس لیں پھر ایک کوئلے کا ٹکڑا دہکا کر قیمے کے درمیان میں رکھیں اور اس پر دو کھانے کے چمچ کنولا آئل ڈال کر ڈھک دیں۔ پانچ سے سات منٹ بعد کوئلہ نکال لیں اور قیمے کو اچھی طرح ملا کر آدھے گھنٹے کے لیے رکھ دیں' پھیلے ہوئے پین میں دو سے تین کھانے کے چمچ کنولا آئل گرم کردیں اور اس میں ٹماٹر کے قتلے رکھیں ان پر تیار کیے ہوئے سیخ کباب رکھ کر ڈھک دیں۔ شروع میں آنچ ہلکی رکھیں جب ٹماٹر کا پانی نکلنے لگے تو آنچ درمیانی کردیں اور پین کو کپڑے سے پکڑ کر ہلالیں (چمچ بالکل نہ لگائیں) جب ٹماٹر گلنے پر آجائے تو چار کھانے کے چمچ کنولا آئل میں ایک چائے کا چمچ زیرہ اور باریک کٹے ہوئے لہسن کے جوؤں کو فرائی کر کے سیخ کباب کے اوپر بگھار ڈال دیں۔ ہلکی آنچ پر پانچ سے سات منٹ دم پر رکھ کر اتارلیں۔ اس طرح سے بنائے گئے سیخ کباب بغیر کسی چٹنی یا رائتے کے حسب پسند پراٹھے یا پوریوں کے ساتھ بھی لطف دوچند کردیتے ہیں۔

حرا قریشی......ملتان

بیوٹی گائیڈ

روبین احمد

بالوں کو دھوپ سے بچائیں

گرمی کا موسم بالوں کے لیے کافی نقصان دہ ہوتا ہے کیونکہ تیز اور سخت دھوپ بالوں کی تمام چمک دمک کو ختم کردیتی ہے۔ بالوں میں ایسے اجزا پائے جاتے ہیں جو سخت دھوپ کے باعث متاثر ہوتے ہیں اور تیز دھوپ کے باعث بال روکھے پھیکے اور بے جان لگنے لگتے ہیں۔ بالوں کو دھوپ سے بچانے کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ سخت دھوپ کے اوقات میں باہر نکلنے سے پرہیز کریں تاہم اگر گھر سے نکلنا پڑے تو پھر بال اچھی طرح ڈھک کر نکلیں' سیاہ رنگ کا دوپٹہ یا چادر بال ڈھکنے کے لیے بہت مفید رہتا ہے اس طرح بال دھوپ اور گرم ہوا سے محفوظ رہیں گے اور ان کی قدرتی چمک اور تر و تازگی برقرار رہے گی۔ گرمیوں میں بالوں کے لیے ایک اور مسئلہ اضافی چکنائی کا ہے' ایسی خواتین جن کے سر کی جلد چکنی ہوتی ہے ان کے بالوں میں گرمیوں کے موسم میں بہت زیادہ چکنائی آجاتی ہے۔ بال دھونے کے دو گھنٹے بعد ہی ایسے لگتے ہیں جیسے کئی دن سے نہ دھوئے ہوں۔ اس صورتحال سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ نہانے سے قبل بالوں میں 10 سے 15 منٹ تک دہی لگائیں اور پھر نہائیں' اس کے علاوہ اگر لیموں کا رس بھی پندرہ بیس منٹ بالوں میں لگا رہنے دیا جائے تو اس سے بھی بال دھونے کے ساتھ اضافہ چکنائی بہہ جائے گی اور اگلے آٹھ سے دس گھنٹے تک بال بالکل تازہ اور چمکدار رہیں گے۔

چہرے کے داغ دھبے

خواتین کی چہروں پر اکثر موسم یا جلد کی کسی بیماری سے داغ دھبے پڑجاتے ہیں جن کی وجہ سے چہرے کے نقش اپنی جاذبیت کھودیتے ہیں ان کو ختم کرنے کے لیے بلیچ لگائیں' لیموں کا رس بھی ہلکا بلیچ ہے جو رنگت کو صاف کرنے' داغ دھبے دور کرنے کے لیے موثر دوا ہے اس کو لگانے کا طریقہ یہ ہے کہ لیموں کا رس چہرے پر لگا کر اسے خشک ہونے دیں' جب خشک ہوجائے تو منہ ہرگز نہ دھوئیں بلکہ اس کو اسی طرح رہنے دیں' چند روز کے استعمال سے داغ دھبے دور ہونا شروع ہوجائیں گے۔ کدوکش کی ہوئی مولی چار کھانے کے چمچ لے کر اس میں چند قطرے سرکے کے ملا کر لئی سی بنالیں اسے داغ دھبوں پر لگائیں اس کے علاوہ مکھن اور دودھ بھی ایک ہلکا بلیچ ہے اسے داغ دھبوں پر لگایئے لیکن خشک ہونے سے قبل مت دھویئے یہ نسخہ روز استعمال کریں۔ اپنے چہرے کو داغ دھبوں سے بچانے کے لیے روزانہ کلینزنگ کو اپنا معمول بنائیں تاکہ جلد کی تر و تازگی بھی برقرار رہ سکے۔

چہرے کے لیے فیشل اور ماسک

ماسک جلد کو قبل از وقت ڈھلکنے سے محفوظ رکھتا ہے اس کے علاوہ چہرے کو چھائیوں' داغ دھبوں اور دانوں سے بچانے کے لیے ماسک استعمال کرنا ضروری ہے۔ ماہرین کے خیال میں ماسک چہرے کی تمام کثافتوں کو دھو ڈالتا ہے اور آپ کی جلد بے داغ اور ہر قسم کے نقص سے پاک ہوجاتی ہے۔ ماسک لگانے سے چہرے کی جلد پر تناؤ پیدا ہوتا ہے اس لیے اس دوران بات چیت سے گریز کریں۔ ایک اہم بات یہ ہے کہ ماسک چہرے کے مسامات کو بند نہیں کرتا بلکہ ان کی صفائی کرتا ہے' کلینزنگ ہو یا جلد کی صفائی اور ماسک لگانا اس عمل میں چہرے کے مسامات کھل جاتے ہیں انہیں بند کرنے کے لیے اسٹرجنٹ یا اسکن ٹانک دستیاب نہ ہو تو چہرے پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے لگانے چاہئیں۔ آج ہم آپ کو کچھ ایسے ماسک تیار کرنے کا طریقہ بتارہے ہیں جو آپ باآسانی گھر پر تیار کرسکتی ہیں اور اس طرح اپنی جلد کی خوب صورتی کی حفاظت کرسکتی ہیں اگر آپ کی جلد حساس ہے اور کالے مسام اور چھائیاں پڑگئی ہیں تو درج ذیل ماسک آپ کی پریشانی کو دور کرنے میں مفید ہوسکتا ہے۔ اس مقصد کے لیے مندرجہ ذیل اشیاء لیجیے۔

انڈے کی زردی	آدھی پیالی
بالائی	ایک کھانے کا چمچ
بادام پسے ہوئے	ایک کھانے کا چمچ

ان تمام اشیاء کو یک جان کرکے دس منٹ سے پندرہ

منٹ تک چہرے پر لگائیں پھر نیم گرم پانی سے دھوڈالیں اور چہرے پر اسکن ٹانک لگالیں اس ماسک سے جلد گہرائی تک صاف ہوجاتی ہے۔

آنکھوں کے نیچے سوجن

آنکھیں خدا کی بڑی نعمت ہیں اور ان کی حفاظت کرنا بھی آپ کا فرض ہے۔ آنکھوں کے نیچے سوجن کا ہوجانا آپ کے جسم میں پانی کی کمی اور نمک کا زیادہ استعمال بھی ہوسکتا ہے۔ اس لیے آپ کو چاہیے کہ پانی زیادہ سے زیادہ پئیں تاکہ اس بیماری سے دور رہیں۔ آنکھوں میں سوجن کی ایک بڑی وجہ زیادہ کام بھی ہوسکتا ہے اس لیے آپ کو چاہیے کہ آپ کام کے بعد آنکھوں کو آرام بھی دیں۔ آپ اپنی آنکھوں کی حفاظت کے لیے دودھ کا ماسک بھی گھر پر تیار کرسکتی ہیں' آنکھوں کی سوجن دور کرنے کے لیے آپ آلو کا گودہ بھی آنکھوں پر لیپ بنا کر لگاسکتی ہیں اس سے آپ کی آنکھوں کو سکون ملے گا اور آنکھوں کی سوجن بھی کم ہوجائے گی۔ ان سب چیزوں کے استعمال کے بعد بھی اگر آپ کی آنکھوں کی سوجن برقرار رہے اور آنکھیں بری طرح دکھ رہی ہوں تو آپ کو چاہیے کہ فوراً آنکھوں کے ڈاکٹر سے رجوع کریں اور اپنے ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق دوائیوں اور ڈراپس کا استعمال کریں تاکہ آنکھوں کے نیچے سوجن کو ختم کیا جاسکے۔

لپ اسٹک کا استعمال ایک آرٹ

ماہرین حسن کی رائے میں لپ اسٹک لگانا ایک فن کی حیثیت رکھتا ہے جس میں وہی خواتین طاق ہوسکتی ہیں جو اپنے ہونٹوں کی ساخت سے درست طور پر واقف ہوں۔ ماضی میں خواتین محض لپ اسٹک کے استعمال کو ہی عام حالات میں کیا گیا سنگھار تصور کرتی تھیں تاہم اب لپ اسٹک سنگھار کا اہم جز کی حیثیت رکھتا ہے اس کا استعمال آئی میک اپ اور بلش آن کے بعد کیا جاتا ہے اس کے لیے آپ نیم شفاف پاؤڈر کی ہلکی سی تہہ اپنے ہونٹوں پر لگائیں اس سے آپ کی لپ اسٹک ہونٹوں پر طویل عرصے تک قائم رہے گی اس کے بعد پنسل یا لائنر کو اوپری ہونٹوں پر لگائیں پھر نچلے ہونٹ کے مرکزی حصے سے آغاز کرتے ہوئے ہونٹ کے بیرونی کنارے تک لائن بنا کر اسے اوپر کے کناروں سے ملائیں۔ اگر آپ کی لپ اسٹک لائنر کی نسبت گہری ہے تو پھر اندرونی کنارے کے رنگ کو اپنے ہونٹوں سے ہم آہنگ کریں اس کے لیے صاف برش کی مدد سے اس کو آہستہ آہستہ پھیلائیں یوں شیڈ ہلکا ہوتا ہوا ہونٹوں کے ساتھ ہم آہنگ ہوجائے گا۔ آج کل مارکیٹ میں جدید انداز کی لپ اسٹک خواتین کی اولین پسند بنی ہوئی ہیں لیکن ان لپ اسٹک کے ساتھ مارکیٹس میں ناقص قسم کی میک اپ کٹس اور لپ اسٹکس بھی موجود ہیں۔ آپ ناقص اشیاء خریدنے سے گریز کریں کیونکہ اس سے جلد بہت جلد خراب ہوجاتی ہے۔

لپ اسٹک احتیاط سے لگائیں

خوب صورت ہونٹوں کو زیادہ گہری لپ اسٹک لگانے کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن ناہموار ہونٹوں کو بھی لپ اسٹک کے خوب صورت استعمال سے پرکشش بنایا جاسکتا ہے۔ ناہموار ہونٹوں کو اپنی مرضی سے شیپ دینے کے لیے سب سے پہلے فاؤنڈیشن لگائیں اس کے لپ پنسل کی مدد سے اسے مناسب شیپ دیں' عام طور پر لپ پنسل گہرے رنگ کی لگائی جاتی ہے اور اس کے اندر اس سے ہلکے رنگ کی لپ اسٹک لگائی جاتی ہے۔ اس طریقے سے ہونٹ کی شیپ تو بن جاتی ہے لیکن وہ پرکشش نہیں لگتے' کوشش کریں کہ جو لپ اسٹک آپ کو لگانی ہو اس سے ملتے جلتے رنگ کی لپ پنسل سے ہی آؤٹ لائن بنائیں۔ نیچرل کلر لائنر سے آؤٹ لائن بنا کر ہونٹوں پر لپ گلوز بھی لگایا جاسکتا ہے جس سے لپ اسٹک کا تاثر نہیں ملتا اور ہونٹ بھی خوب صورت لگتے ہیں۔ باریک ہونٹوں کے لیے ہلکے اور نیچرل رنگ کی لپ اسٹک استعمال کریں جبکہ موٹے ہونٹوں کے لیے گہرے رنگوں کی لپ اسٹک استعمال کریں۔ موٹے ہونٹوں کے لیے ہونٹوں کی لکیر کی اندر کی طرف پنسل سے لکیر بنائیں اور پھر اس کے اندر لپ اسٹک لگائیں اس سے ہونٹ موٹے نہیں لگیں گے۔

ہالہ وعائشہ سلیم......کراچی

ایمن وقار

غزل

درد سینے میں ضم کرو
ابھی جگہ ہے تم اور ستم کرو
یہ کس نے کہا تم سے
میری بربادی کا ماتم کرو
تمہی نے فاصلے بڑھائے تھے
تمہی یہ فاصلے کم کرو
روشن ہیں آنکھوں کے دیے
لو چراغوں کی مدھم کرو
مجھے پکارنے سے پہلے ذرا تم
گزرے دنوں کا ماتم کرو
شب غم منتظر ہے آؤ
دل توڑنے کی رسم کرو
ساتھ رہنے کا جو وعدہ ہے
اک بار پھر میرے صنم کرو

فصیحہ آصف خان...... ملتان

غزل

درد کے دائرے میں رہتا ہے
دل عجب زاویے میں رہتا ہے
ہر گھڑی خوش تو ہو نہیں سکتا
سکھ بھی اک حاشیے میں رہتا ہے
پیار ہونے کی دیر ہے اور پھر
ہر کوئی رت جگے میں رہتا ہے
خوف و دہشت کی ہے فضا ہر سو
امن کس راستے میں رہتا ہے
نہ یقین ہے نہ اب بھروسہ ہے
آدمی وسوسے میں رہتا ہے

کیسی قسمت ہے میرے دیس کی گل
آئے دن سانحے میں رہتا ہے

سباس گل...... رحیم یار خان

کیا ہے زندگی

کہیں سسکتی بلکتی ہے زندگی
تو
کہیں تربیہ نغمات گنگناتی مسکراتی ہے زندگی
کہیں آہ وفغاں مچاتی ہے زندگی
تو
کہیں مستی میں جھومتی اٹھلاتی ہے زندگی
کہیں تمام تر آسائشوں سے پُر ہے زندگی
تو
کہیں تمام تر ضرورتوں سے محروم ہے زندگی
کہیں عالی شان محلوں میں مسرور ہے زندگی
تو
کہیں چھوٹی سی کٹیا میں مجبور ہے زندگی
کہیں مذہب سے بے خبر بے لگام ہے زندگی
کہیں اللہ کے حضور شرم وندامت سے شرمسار ہے زندگی
تارعنکبوت...... یا پھر کیا ہے زندگی؟

مسز نگہت غفار...... کراچی

اے معصوم لڑکی

اے معصوم لڑکی!
مجھ سے اب کیوں؟
نگاہیں چراتی ہو
کیوں اب......
اشک اپنے چھپاتی ہو
اے معصوم لڑکی!
یاد کرو کبھی کہا تھا میں نے
نہ وادی عشق پر قدم رکھو تم
نہ پیار و محبت پر یقین کرو تم
اس وادی کا ہر راستہ

خاردار ہے
ہر طرف خزاں ہے نہ کہیں
بہار ہے
نہ چل سکو گی تھک جاؤ گی
کیا تم سماج سے ٹکراؤ گی
مگر تم فخر سے مسکرائی تھیں
سب جانتے ہوئے بھی
ساتھ جینے کی قسمیں کھائی تھیں
پھر اچانک تمہیں کیا ہوا
میری ذات کو......
انتظار کا موسم دان کیا
اے معصوم لڑکی!
اب ملی ہو تو
تمہیں دیکھ کر لگتا ہے
یہ تو بنت حوا کی وہی
تصویر ہے......
جس کے پاؤں میں
سماج کی زنجیر ہے

باسط ساحل...... کوٹ رادھا کشن

نظم

یہ جو زیست ہے دھوپ چھاؤں سی' جو بدلتی ہے رنگ ہزار
یہ وصل ہے یا عہد فراق کوئی؟
جہاں پل دو پل کی میں "مہمان" ہوں
یہ جو موسم ہے تیری یاد کا' میرے دل کا جو مکیں بنا
یہ خزاں ہے یا بہار کوئی؟
تیری ذات کے بدلتے موسموں سے "پریشان" ہوں
یہ جو ذات ہے میری ادنیٰ سی
یہ محبتوں کی کتاب ہے یا پیچیدہ نصاب کوئی؟
مجھے حرف حرف پڑھو اگر نہیں مشکل میں "آسان" ہوں
یہ جو صحرا صحرا ہے اڑتی پھرتی
یہ دعا ہے یا کٹی پتنگ کوئی؟
جو آسمان تک نہ پہنچ سکے ایسی میں "اڑان" ہوں
آنکھ میں تیری جو ٹھہر سا گیا
یہ کھارا پانی ہے یا اشک کوئی؟
جس میں ڈوبتی آوارہ ناؤ کا پھٹا ہوا سا میں "بادبان" ہوں
یہ جو دریا دریا ہے بہتا رہتا
یہ دل ہے یا میرا ٹوٹا ہوا خواب کوئی؟
جہاں قید ہیں ہزاروں ان کہی خواہشوں کے جگنو
ایسا میں "زندان" ہوں

دیا احمد...... چکوال

ترا ساتھ نبھانا مشکل ہے

ہم پیار میں تیرے کھو بیٹھے
ہم جان سے غافل ہو بیٹھے
میں تم سے محبت کرتا ہوں
اب تم کو بھلانا مشکل ہے
فرقت میں تیری روتا ہوں
ایک پل بھی نہیں میں سوتا ہوں
دنیا کو لٹانا آساں ہے
چاہت کو مٹانا مشکل ہے
کچھ دیر ذرا ٹھہرو نا
دو پیار کی باتیں کر لو نا
جب آ ہی گئے ہو پاس مرے
اب لوٹ کے جانا مشکل ہے
ترے عشق میں ایسے کھو گیا
اب صرف تمہارا ہو گیا
وہ پیار کا جام پلایا کہ
اب ہوش میں آنا مشکل ہے
مت چھوڑ کے مجھ کو چلے جانا
مت میرے دل کو تڑپانا
تم جان سے پیارے ہو مجھ کو
اب جان بچانا مشکل ہے
بس میرا مقدر تم ہی تو ہو

تقدیر بدلنا مشکل ہے
دیکھا ہے میں جب سے تجھے
اچھا نہیں لگتا کوئی مجھے
کیا صورت رب نے دی ہے تجھے
ترے سامنے آنا مشکل ہے
جب یاد تمہاری آتی ہے
شب و روز مجھے تڑپاتی ہے
ملنے کی تمنا کیسے کروں
ترا ساتھ نبھانا مشکل ہے
محمد شفیق اعوان...... شمس آباد

بھلادیں گے

بھلا دیں گے اس کو یقین کتنا
ہے وہ جو دل کے قریب اتنا
دل کے موسم اجڑ گئے ہیں
ہے آندھیوں کا گمان کتنا
بھولنے نہیں دیتا یہ دل اس کو
ہے یہ میرا رقیب کتنا
یہ دل کے آنگن کی ویرانی
سلگ رہا ہے یہ دل غریب کتنا
سیدہ عبادت راج...... ڈیرہ اسماعیل خان

غزل

ہوں پھول تو پھر تتلیاں کیا کیا نہیں کرتیں
اس رت میں تو لڑکیاں کبھی سویا نہیں کرتیں
آگے قدم بڑھائیں جو منزل انہی کی ہے
مڑ کر پیچھے وہ پھر کبھی دیکھا نہیں کرتیں
جلوس کے بغیر بھی آتی ہے کیا حیا
شاخیں خزاں میں ایسے شرمایا نہیں کرتیں
فطرت سے آنکھیں پھیر کے تبدیلیاں کیسی
ایسی حقیقتیں کبھی بدلا نہیں کرتیں
خون جگر سے جلتے ہیں جو بھی دیئے تمثیلہ!
ان کو تو آندھیاں بھی بجھایا نہیں کرتیں
تمثیلہ لطیف...... پسرور

بھرم

سنو جاناں!
بھرم توڑا نہیں کرتے
بھرم ٹوٹ جائے تو
ہاتھوں سے ہاتھ چھوٹ جاتے ہیں
کچے دھاگوں سے بندھے
یہ رشتے ٹوٹ جاتے ہیں
آنکھوں میں سجے کبھی
سپنے بکھر جاتے ہیں
کہ بھرم ٹوٹ جائے تو
بڑا ہی درد ہوتا ہے
کسی سے یوں بچھڑ جانا
بڑا پریشان کرتا ہے
سنو جاناں!
بھرم توڑا نہیں کرتے......!
پری...... طور جہلم

غزل

پاس آؤ ذرا دل کی بات بتاؤں تجھ کو
کیسے دھڑکتا ہے دل آواز سناؤں تجھ کو
آ کے تو دیکھ لے دل پر لکھا ہے تیرا نام
اگر کہے تو دل چیر کے دکھاؤں تجھ کو
جتنا جلایا ہے تو نے پیار میں
دل تو کرتا ہے میں بھی ستاؤں تجھ کو
غیر ہوتا تو ایسا کر بھی لیتی شاید
مگر تُو تو اپنا ہے کیسے رلاؤں تجھ کو
آزما سکتا ہے پیار میں
جتنا بھی آزما لے مجھ کو
ہوسکتا ہے وقت آنے پر
میں بھی آزماؤں تجھ کو
مسرت فاطمہ...... فیصل آباد

میں سو نہیں پاتی ہوں

میں اکثر گہری نیند سے
گھبرا کر اٹھ جاتی ہوں
لہولہان پاک ارض وطن کے
زخمی شکستہ حال پر
میں اکثر سو نہیں پاتی ہوں......
ہسنا ہنسانا میرا جیسے
اب ایک خواب ہی ہو
میں بھوک سے بلکتے بے سہارا
مرجھائے پھول دیکھ کر
بس اپنا دل جلاتی ہوں......
چہرے کی خوشی کہاں
اب تو مردنی ہی چھا گئی
میں مسجدوں میں نمازیوں کے
خون کی ندیاں دیکھ کر
اکثر گھبرا جاتی ہوں
لوگ تو کہتے ہی ہیں
پاگل دیوانہ مجھے جاذبہ
پاک دھرتی کو ان ظالموں میں گھرا دیکھ کر
میں سچ میں سنورنا بھول جاتی ہوں......!

جاذبہ عباس...... مری

نظم

میں نہیں نصیب تیرا
مجھے مانگنا نہ رب سے
کبھی سوچ چکے ہیں سپنے
میرے دل کے آئینے میں
انہیں پھر سے مت جگانا
تم آج سے اپنی دنیا نئی بنالو
میرا ہاتھ میرے ساتھی
اسی موڑ پر چھڑالو
میری التجا ہے تم سے
مجھے مانگنا نہ رب سے
یہی سچ ہے جانِ جاناں
میں نہیں نصیب تیرا......

سیدہ لوبا سجاد...... کہروڑ پکا

غزل

اس عشق نے کیا کمال کیا
مجھے حال سے بے حال کیا
میں جو سوچنے پر بھی نہ سوچتی تھی
مجھے گھنٹوں سوچ میں ڈال دیا
میں جو سمجھنے پر بھی نہ سمجھتی تھی
مجھے پل بھر میں سمجھادیا
میں جو بات بات پر ہنستی تھی
مجھے بات بات پر رلادیا
میں جو چپ کرانے سے بھی نہ ہوتی تھی
مجھے بات کرنا بھلا دیا
میں جو نیند کی دیوانی تھی
مجھے سونا تک بھلا دیا
میری کمال کی حس مذاق تھی
مجھے مذاق میں اڑا دیا
میں جو نازاں تھی اپنے آپ پر
مجھے منہ کے بل گرادیا
اس عشق نے کیا کمال کیا
مجھے حال سے بے حال کیا

مہر ماہ ارشد بٹ...... گوجرانوالہ

نظم

میری تنہا ذات کے بیابان صحرا میں
دور تلک تا حد نگاہ
تیرے وصل کی جاگتی پیاس ہی
پیاس......

میرے وجود شکستہ کی بین کرتی آہوں میں
تیرے لوٹ آنے کی آس ہی
آس......
تیرا ہجر و غم' تیرا ہر ستم
بے سکون لمحوں کی آہٹیں ہر پل
نم آنکھ دیکھے یہی خواب
تو پاس ہی پاس......

سامعہ ملک پرویز...... خان پور' ہزارہ

تم آجاؤ

ان لمحوں میں اک ہی
آرزو ہے میری
رات کی چادر پھیلنے
سے پہلے......
اس سے پہلے کہ میرے آنسو
میرے رخسار بھگو جائیں
کبھی قصے پرانے' نئے ہو جائیں
میری آس کا جگنو
دم توڑ دے
میری سانسوں کی ڈوری
الجھ جائے
ہونٹوں کی لالی مدھم پڑ جائے
تم اچانک بھولی ہوئی یاد کی طرح
آجاؤ کہ......
میرے سبھی خدشے مٹا جاؤ
بس یہ ہی ہے میری آرزو
بس تم آجاؤ......!

مدیحہ نورین مہک...... برنالی

نئی امید سحر

ٹوٹے خوابوں کو پھر سے سہارا دینا ہے
دل کی اجڑی دنیا کو پھر سے آباد کرنا ہے
پھر سے آنکھوں نے کوئی نیا خواب دیکھا ہے
بکھرے ارمانوں کو خوشیوں کی خوشبو سے بھگونا ہے
چلو مان لیا اے گل! دنیا بڑی بے حس ہے
پھر بھی اک نئی امید سحر دل میں جگا کے دیکھتے ہیں

کائنات گل...... گوجر خان

ایک سوال

اگر میں تم سے کچھ مانگو......؟
اگر میں تم سے یہ بولوں......؟
اگر میری تمنا ہو......؟
میرے دل کی یہ خواہش ہو
کہ......
زندگی میں جب کبھی تم کو پکاروں میں
تمہارا ساتھ چاہوں میں......؟
تمہارے پیار کی تھوڑی سی جو خیرات مانگوں میں......؟
اپنی مانگ بھرنے کو
تمہارے پاؤں کی کبھی خاک مانگوں میں......؟
تو......؟
وصل کے ان خوابیدہ لمحوں میں
تم!
ہماری چھوٹی چھوٹی خواہشوں کو بانٹ لو گے ناں......؟
ہمارا ساتھ دو گے ناں......؟

نزہت جبیں ضیاء

دوست کا پیغام آئے

ہما احمد

سمیرا شریف طور کے نام

السلام علیکم! کیسی ہو آپی؟ امید کرتی ہوں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آپ بھلی چنگی ہوں گی۔ اُف آپی یہ کیا کردیا آپ نے، میرے موسٹ فیورٹ ناول ”یہ چاہتیں یہ شدتیں“ کو آپ نے ٹی وی پردے دیا، یقین کرو بجو! پتا ہے میرے دل پہ اس وقت کیا گزر رہی ہے، میں آپ کو بتا نہیں سکتی۔ پچھلے ماہ فیس بک پر یہ خبر ملی میری طرح بہت سی لڑکیوں نے احتجاج کیا۔ میں سب کے کمنٹس پڑھتی رہی، اُف اپیا! یہ کیا کیا آپ نے۔ میں بارہ سال کی تھی جب یہ چاہتیں یہ شدتیں کی شاید بائیسویں قسط ایک فرینڈ کے گھر پر پڑھی تھی، اس کے بعد میں اس ناول کو کبھی بھول نہیں پائی پھر پندرہ سال کی عمر میں میں نے اپنی پاکٹ منی جوڑ کر آپ کا ناول خریدا جو آج تک میرے پاس محفوظ ہے۔ یقین کریں سمیرا آپی! آپ کے ناول کے بعد میں نے کوئی پچاس ساٹھ ناول مزید خریدے جن میں نمرہ احمد، عمیرہ احمد، رخسانہ نگار عدنان، عشنا کوثر سردار، نبیلہ عزیز، عفت سحر طاہر اور بھی بڑی بڑی رائٹرز ہیں جن کے ناولز اس وقت میرے پاس موجود ہیں مگر میں آج تک آپ کے ناول یہ چاہتیں یہ شدتیں کے سحر سے نکل نہیں پائی اور نہ ہی نکلنا چاہتی ہوں۔ خاص کر زرش اور سمعان کے کردار ہے۔ سنا ہے صرف نویرہ اور شارق کا کردار ہوگا ڈرامے میں مگر ہم قارئین کیا کرسکتے ہیں آپ کا ناول ہے آپ جو چاہیں اس کے ساتھ کرسکتی ہیں۔ آپی میں نے سوچا تھا اس ناولز پر مبنی ڈرامے کو نہیں دیکھنا، مگر کیا ہے ناں آپ سے محبت اتنی ہے کہ آپ سے ریلیٹڈ کسی بھی چیز کو اگنور نہیں کرسکتی اور نازو آپی آپ کو بہت بہت مبارک ہو بھئی آپ کے قدموں تلے جنت جو آ گئی ہے۔ نازو آپی میں نے آپ کی فیس بک پر آپ کے بیٹے عبدالہادی کی تصویر دیکھی ہے، ماشاء اللہ بہت پیارا ہے اللہ اسے لمبی زندگی دے آمین۔ باقی سب کو سلام۔

ندا علی عباس...... سوہاوہ، گجرخان

پیاری لاریب انشال کے نام

السلام علیکم! پیاری لاریب انشال کیسی ہو؟ لاریب! آپ نے مجھے اپنی فرینڈ لسٹ میں شامل ہونے کو کہا تو لو جناب ہم تو حاضر ہوگئے اب دوستی کرہی لی ہے تو پکی والی دوستی کرنی پڑے گی اور نبھانی بھی پڑے گی ویسے تو میری بہت سی فرینڈز ہیں لیکن قلمی فرینڈ کوئی نہیں ہے۔ مجھے بہت اچھا لگا جب آپ کا پیغام پڑھا اور اس میں میرا نام تھا اور اسی خوشی میں میں فوری جواب بھی نہیں دے سکی اس کے لیے معذرت کرتی ہوں، اب دوستی ہوگئی ہے تو اپنے بارے میں تھوڑا سا تو تعارف کروانا آپ۔ نام تو سویٹ ہے اور دوستی بھی ایسے ہی رہے، آمین۔ آپ جواب ضرور دیجیے گا، دعاؤں میں یاد رکھنا، اس امید کے ساتھ اجازت کہ دوبارہ ملاقات ہوگی۔

پاکیزہ علی...... جتوئی

لولی سسٹر مریم کے نام

آپی سمیرا، معظمہ اینڈ ماریہ اسٹارٹ کریں ون ٹو تھری اینڈ گو پھولو کا تاروں کا سب کا یہ کہنا ہے ایک ہزاروں میں ہماری بہنا ہے، آپ سب سوچ رہے ہوں گے کہ سمیرا، معظمہ، عظمیٰ اینڈ ماریہ میں سے کسی کا برتھ ڈے ہوگا، ناں ناں (تسی سارے ٹوٹلی ای رونگ او)۔ یہ برتھ ڈے ہے ہمارے گھر کی انوسینٹ اینڈ بیوٹی فل گرل مریم کا، سو تالیاں بجائیں اور وش بھی کریں۔ میری سویٹ بہنا کو ہیپی برتھ ڈے ٹو یو لولی مریم، اللہ تمہیں ڈھیروں خوشیاں اور کامیابیاں عطا کرے، آمین۔ ہر سال تمہیں آنچل کے ذریعے برتھ ڈے وش کرتی ہوں، دیکھ لو اس سال بھی نہیں بھولی، معظمہ کہہ رہی ہے مریم یکم مئی کو اس دنیا میں آئی تھی سب لوگ اس دن مزدوروں کا عالمی دن منا رہے ہوتے ہیں اور ہم مریم کا برتھ ڈے سلیبریٹ کررہے ہیں۔ ماما پاپا کی طرف سے سالگرہ بہت بہت مبارک ہو بھیا بلال،

اچھی اور پیاری بھابی نیلم شاہ کی طرف سے سالگرہ مبارک ہو اور کہہ رہے ہیں ہم تگڑا گفٹ نہیں بہت تگڑا گفٹ دیں گے پہلے کیک کھلاؤ' اوکے گائز دعاؤں میں یاد رکھیے گا اب ہم چلتے ہیں کیک کھانے۔

عظمیٰ بٹ...... سمندری

آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم! فوزیہ سلطانہ میں آپ کو بھولی نہیں' میرا لیٹر شائع نہیں ہوا پھر آپ کیسے پڑھتیں ویسے آپ کی دھونس بھری دھمکی اچھی لگی۔ گڑیا آپ بھولنے والی چیز نہیں ہو (ہاہاہا)' ہمیشہ خوش رہو۔ تمنا بلوچ شادی کی ڈھیروں ڈھیر مبارک باد' سدا آباد رہو۔ عظمیٰ رفیق جی کہاں ہیں آپ' نازیہ کنول جی بیٹے کی مبارک باد۔ بہت پیارا نام رکھا آپ نے عبدالہادی بہت سی دعائیں آپ دونوں ماں بیٹے کے لیے۔ کرن ملک سویٹی کیسی ہو' عظمیٰ فریدہ کیسی گزر رہی ہے زندگانی۔ فائقہ سکندر پیاری لڑکی کیسی ہو؟ جویریہ یسین' شگفتہ خان' آنسہ شبیر' اقصیٰ وشنیاں زرگر' جیا عباس' کشور بلوچ' ایس انمول' آمنہ امداد' آمنہ غلام نبی' زویا خان بخش' نورین لطیف' ارم کمال' پروین افضل' شازیہ فاروق احمد' ایس بتول شاہ' شمیم ناز صدیقی آپ سب کی طرف سے نو لفٹ کا بورڈ لگا ہوا نظر آرہا ہے (آہم)۔ مدیحہ نورین آپ کیسی ہیں' شمع مسکان ہمیشہ خوش رہو۔ عائشہ نور محمد' عائشہ خان' امبر گل' ام ثمامہ' ثوبیہ کوثر' تسلیم شہزادی' اقرا گوندل' بختاور ناز' حمیرا نوشین' شاہ رسول ہاشمی' کوثر خالد' فریدہ جاوید فری' مسز نگہت غفار' فصیحہ آصف خان' لائبہ میر' پارس شاہ' سباس گل' خنساء عباس' روبی علی' شاہ زندگی' جاناں' عائشہ پرویز' عروسہ شہوار' عائشہ نور عاشا' سارہ چوہدری' نورین مسکان' فریحہ شبیر' بشریٰ باجوہ' نجم انجم' نورین انجم' دعائے سحر' انا احب (کہاں گم ہو)۔ آپ سب کے لیے پرخلوص دعائیں' ہمیشہ خوش رہیے آپ سب کی زندگی میں کبھی بھی کوئی غم نہ آئے' جن کے نام نہیں لکھے ان سب کے لیے بھی مجھ ناچیز کو بھی دعاؤں میں یاد رکھیے گا پلیز۔

طیبہ نذیر...... شادیوال' گجرات

آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم! فرینڈز کیا حال چال ہیں؟ امید ہے سب خیریت سے ہوں گی' الحمدللہ میں ٹھیک ہوں۔ کافی ٹائم بعد محفل میں حاضر ہو رہی ہوں پتا نہیں کوئی پہچانے گا بھی کہ نہیں۔ یار شادی کے بعد لائف بہت بزی ہو گئی ہے' کچھ فرینڈز نے مجھے یاد کیا ان کا بہت بہت شکریہ۔ اب ان شاء اللہ ریگولر حاضر ہوتی رہوں گی' ہاں ایک گڈ نیوز ہے' آپ لوگ خالہ بننے والی ہیں۔ شمع فیاض سویٹ فرینڈ میں آپ سے رابطہ کرنا چاہتی ہوں کوئی طریقہ بتاؤ اور دعاؤں کے لیے شکریہ' سیم ٹو یو۔ میری بھی خواہش ہے کہ اپنی سب فرینڈز سے ملوں ان کو دیکھوں' ان سے ڈھیر ساری باتیں کروں مگر مجبوریاں۔ عظمیٰ شاہین' صائمہ سکندر' نور سحر شاہ' سونیا کنول سین' رابعہ رحمان' سمیرا التعبیر' صدیقہ خان' عائشہ خان' آمنہ امداد' انیقہ ملک' شمع مسکان' عمارہ رباب' ماریہ کاشف' سباس گل آپی' فصیحہ آصف آپی' ایس بتول شاہ' طیبہ نذیر' طیبہ افضل' نبیلہ نازش میری ان سب سویٹ فرینڈز کو پُر خلوص سلام اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے' آمین۔

ایس انمول...... بوچھ کلاں

کچھ دوستوں کے نام

محفل پیغام دوست میں مصروفیت کی شاہراہ سے گزرتے عزیزی آنچل اور نوخیز کلیوں کو پیار بھرا اسلام اور دعاؤں کے بادلوں کے سائے ان پر رواں کرتی کچھ لمحے راہِ زندگی سے چراتی حاضر خدمت ہوں۔ لمحے بیتے' آئے دن' گزرے مہینے' بن گئے سال اور اسی طرح ہر سال کو زندگی کے شجر سے چراتی دو کلیوں (سلمیٰ اقبال 22 مارچ اور ساجدہ منیر 23 مارچ) کو دعاؤں کے تحفے اور سالگرہ کی مبارک باد پیش کرتی ہوں۔ اپریل کے ستاروں (فیاض الحق 3 اپریل' حمنہ سحر 29' کے ایم نور المشال 4' سارا ملک 11' سمیرا خان 6' سیدہ فرزین حبیب 21 اور سلمیٰ عنایت 13 اپریل) کو اپریل کے ماہ میں' آسمان

حیات پر چمکنے پر ڈھیروں مبارک باد سند قبولیت کی منتظر۔ آنچل کے گھنے پیڑ تلے بٹھاتی سایہ کیے مختلف احباب آنچل کی یادیں قلب میں شور مچاتی قلم کے دیدار کی منتظر آس بھری نگاہوں سے مجھے تکتی گھائل کردینے کو تیار تھیں۔ سو عزیزی قلم سے ناطہ جوڑتی، دعائے سحر کی عقل پر ماتم کناں نگاہوں کو صبر کی تلقین سے پہل کی۔ اپنے تین نام دعا زاہد، دعا ہاشمی، دعائے سحر سے خود کو متعارف کرواتی محفل آنچل میں حاضر خدمت تھیں۔ دعائے سحر (کچھ عرصہ پہلے) اب ایک اور آنچل سہیلی دعا ہاشمی کے نام سے پکارتی نظر آئیں تو پے در پے سوالات کی بوچھاڑ (تم نے دعا قریشی کہاں پڑھا؟ دعائے سحر کا نام بتادو ورنہ یہ نظروں کے تیر سے تمہیں ہلاک کرنے کا فل پلان بنائے بیٹھی ہے)۔ دعائے سحر حافظہ بیچ کر کیا خریدا سچ سچ بتانا، ہاہاہا (شانِ سحر میں گستاخی کی معذرت)۔ دعاؤں کے پھول بزم آنچل کی ہر قاری اور لکھاری پر نچھاور کرتی آئندہ ملاقات کی امید کے ساتھ اجازت کی طالب (پھر ملیں گے چلتے چلتے)۔

تحریم اکرم چوہدری...... پرل کوئین

آنچل کے چاند چہروں کے نام

السلام علیکم فرینڈز کیا حال ہیں؟ شاہ گروپ کو ڈھیر سارا پیار اور سلام۔ ثمر عباس، لیلیٰ شاہ آپ کو ہارٹ پرابلم ہے، یہ جان کر بہت دکھ ہوا اللہ آپ کو صحت دے، آمین۔ کاجل شاہ کیا حال ہے اور کہاں غائب ہیں آج کل؟ رشک حنا، ماہ رخ سیال تو ہمیں بھول ہی گئیں۔ نورین شاہد کافی عرصے سے آپ بھی غائب ہیں پلیز آنچل میں انٹری دو۔ جاناں (چکوال)، سویٹ شاہ زندگی، شمع مسکان، سارہ یہ چوہدری، سباس گل، سیدہ جیا عباس، ملالہ اسلم، طیبہ نذیر، تانی چوہدری، انا احب، دعائے سحر، لاڈو ملک، زرش بخاری، سونیا و اقصیٰ زرگر، لیلیٰ شاہ، جیزی شاہ، ابرش اور باقی سارے دوست کو بھی سلام اینڈ دعائے سحر آپ نے پوچھا کہ مجھے آپ کا اصل نام کیسے پتا چلا تو مجھے خود حیرانگی ہوئی آپ کی بات سن کر میں نے دعا قریشی کا نام آنچل میں ہی پڑھا تھا شاید وہ کوئی اور ہو۔ میرے خیال میں دعا قریشی، انا احب کی سسٹر ہیں مگر لگتا ہے مجھے غلط فہمی ہوگئی تھی سو اس کے لیے معذرت۔ میں آپ کو بالکل بھی نہیں جانتی اور میرے کالج فرینڈز کو بھی ڈھیر سارا پیار و سلام۔ او کے جی اللہ حافظ۔

پارس شاہ...... چکوال

قارئین اینڈ رائٹرز کے نام

لمحہ بہ لمحہ تسلسل سے ہوتی بارش کی طرح پیارے، بہت پیارے، بے حد پیارے قارئین کی محبتوں کا سمندر میرے چھوٹے سے حساس دل کو پر خلوص جذبوں کی لذت سے مربوط کررہا ہے۔ ہاتھ کھولوں تو خالی نہیں لگتے کہ ہتھیلیوں پر بے لوث چاہتوں کے لفظ جا بجا بکھرے ہیں۔ آنکھیں کھولوں تو کئی پُر شوق نگاہیں منتظر فرد ادیارِ تحریر پر محسوس ہوتی ہیں۔ سماعتیں گر جو حاضر کروں تو حرا کا نام سنتے دیکھتے بہت سی روح پرور، خوش کن، شوخ کھلکھلاہٹیں سرگوشیاں کرتیں، افکار کو جھنجھوڑتی صدائیں چلتی پھرتی دکھائی دیتی ہیں۔ جو کھوں مٹھی تو اس خوف سے بند کرلیتی ہوں کہیں یہ میٹھے میٹھے لطیف لمحات کے موتی فرار نہ ہوجائیں۔ یہ سب تخیلی نہیں میری حقیقی ذات کی تفسیر کے لیے معتبر ہیں۔ ان نعمتوں کی طرح جن کا کوئی نعم البدل نہیں۔ ان خواہشوں کی طرح جو تکمیل کی سیڑھی پر ایستادہ ہیں۔ ان واجب الاحترام موسموں سے جن کی بہاریں سرسبز پتوں سے مشابہ ہیں پھر کیونکر ناں میں ان گلاب کی پتیوں سے خوشبو سمیٹوں......!

یادوں کو محبت کے گلابوں میں پرو کر
ہم کتنی نفاست سے تمہیں سوچ رہے ہیں!

یہ رب سوہنے کی رحمت کا اثاثہ ہی ہے دامن میں کہ اتنی ڈھیر ساری محبتوں کو ایک عام سی، بہت عام سی لڑکی کی جاگیر میں رکھ دیا ہے حال ہی میں ایف بی پر اکاؤنٹ بنایا جس کا بنیادی مقصد رائٹرز سے شناسی تھا۔ اس سوشل نیٹ ورک کو دیکھا، وقت تو خوب لگا پر مطلوبہ لوگوں تک رسائی حاصل کر ہی لی جن لوگوں نے قبولیت کی سند بخشی، تذکرہ

ان کا ملاحظہ کیجیے۔ ابتدا "کنیز نبوی" سے ہوئی (اس قدر خوشی کہ نیند بے وفا ہوگئی) ستارہ امین کومل اور آمنہ ولید نے تو چہار سو رونقوں کے گلوں میں اضافہ کیا۔ حنا یاسمین، ام طیفور، نوشین اقبال نوشی، ماہا ملک نے تو وال پر جان ہی ڈال دی۔ آسماں دل کا یقین کامل سے منور ہونے لگا۔ بادل آنکھوں کے بھیگتے مناظر کا عکس منعکس کرنے لگے۔ روشنی کا پرندہ، چہکتے چہکتے دور تک اڑان بھرنے لگا۔ ظاہر و باطن کی گہری حسیات کی مزید کیا تشریح کروں؟ (کافی ہے ناں)۔ صائمہ اکرم، عمیرہ احمد، نمرہ احمد، ندا حسنین، فرحت اشتیاق، راحت جبیں، عنیزہ سید، ایمل رضا، اقبال بانو، فاخرہ گل، فاخرہ جبیں، سمیرا احمید، سندس جبین اور دیگر (رابطہ بحال کیجیے نا آپ بھی، سواری تیاری ہے عرفان و محبت کی، سوار ہو جایئے عزیزم)۔

حرا قریشی...... بلال کالونی، ملتان

بنام یارم آنچل

عنقا زیست کے اڑتیس سال مکمل ہونے پر بے بہا تہنیت ہو ادارہ ہذا کی از حد نوازش کہ جس نے قارئین کو ایسا مختصر جریدہ ودیعت کیا جس میں متنوع افسانہ و ناول نے ہر لحاظ سے ہمیں ادبی تفریح بہ سہولت فراہم کی۔ ان کوششوں اور کامیابیوں کا تاج مصنفین ہیں جن کی قلم کی ورش نے قارئین کے شوق کو ابھارا۔ میں زنہار قابل ستائش نہ تھی مگر مجھ جیسی مشت خاک کو صلاحیت اسی نے بخشی شاید کسی کو یہ طرفہ لگے مگر حقیقت در حقیقت یہی ہے آنچل قارئین تمنا بلوچ، کوثر خالد، عائشہ پرویز، حرا قریشی، طیبہ نذیر، پارس شاہ، پروین افضل بجو، دعائے سحر، نجم انجم، ارم کمال، حمیرا نوشین، گل مینا خان، دیا آفریں سب کو نشاط انگیز آداب اور میرے حلقہ احباب سے عروسہ، سمعیہ انعم، افشاں، سسٹر اقراء شاہ، میری تمام نویں اور دسویں جماعت کی طلبہ کو بوئے سمن سا سلام۔

مونا شاہ قریشی...... کبیر والہ

نازیہ کنول نازی اور کسی خاص کے نام

السلام علیکم! نازیہ کنول نازی آپی آپ کو بیٹے کی پیدائش کی بہت بہت مبارک باد۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ماں کے مرتبے پر فائز کیا ہے، میری دعا ہے اللہ آپ کے آنگن میں اس طرح خوشیاں اتارتا رہے اور میری پیاری دوست شازی کی شادی کو دو سال ہوگئے ہیں تم دونوں کو شادی کی سالگرہ مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ تم دونوں کو سدا خوش رکھے۔

نیناں خان...... شاہدرہ، لاہور

آنچل کی شہزادیوں، پریوں کے نام

پیاری، پیاری شہزادیوں، پریوں، تتلیوں، کیا حال ہیں آپ کے؟ امید کرتی ہوں کہ سب مزے سے اپنے اپنے گھروں میں خوش باش ہوں گی۔ سب سے پہلے پیاری سی تتلی دعائے سحر ہاں جناب کیسی ہیں آپ؟ کیسی گزر رہی ہے زندگی۔ ہمیں یاد رکھنے کے لیے بہت بہت شکریہ، اللہ تعالیٰ آپ کو کامیابیوں سے نوازے۔ کرن ملک، طیبہ نذیر، ماہ رخ سیال، رشک حنا، نادیہ مسکان، سیدہ جیا عباس آپ سب کو بہت بہت سلام عرض کرتی ہوں ہمیشہ آباد رہو۔ ریشماں کنول (ڈیئر) آپ کیسی ہیں؟ امید کرتی ہوں کہ خیریت کے ساتھ ہوں گی۔ ثانیہ مسکان آپ کی فروری کی اشاعت بے حد اچھی لگی۔ عزیز کوثر خالد! اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کے بچوں کو لمبی عمر عطا کرے، ہمیشہ آباد رہو، شاد رہو۔ تسلیم شہزادی آپ ہمیں بہت یاد آتی ہیں، حمیرا نوشین آپ کے قلم سے لکھی تحاریر بے حد اچھی لگتی ہیں۔ اللہ آپ کو ترقی دے، چمکتا ہوا ستارہ بنا دے، آمین۔ علمہ شمشاد حسین آپ کو دل کی گہرائی سے سلام عرض کرتی ہوں آنچل میں آتی جاتی رہا کرو۔ مدیحہ نورین مہک، دیا آفریں، علوینہ چوہدری آپ کے پیغام پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی، ہمیشہ پھولوں کی طرح مسکراتی رہو، آمین۔ لائبہ میر میری شاعری پسند کرنے کا بے حد شکریہ۔ کرن شہزادی ڈھیر ساری دعائیں، حافظہ کشف ہم تو آپ کو یاد ہی کرتے رہتے ہیں، آپ بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا۔ ارم کمال (سویٹی) ہمیشہ خوش رہو، جب میاں صاحب گرجیں تو آپ برسنا مت کیوں کہ ایسے ماحول میں بچوں

کا مستقبل خراب ہوتا ہے (ہی ہی ہی) اور یہ تو بتایئے کہ صرف شمائلہ سے شدید قسم کی "وہ" ہوئی ہے یا کسی اور سے بھی؟ ویسے آپس کی بات ہے شمائلہ سے تو مجھے بھی "وہ" ہوگئی ہے۔ ڈیئر فریحہ شبیر! آپ کو ہم بھی یاد کرتے ہیں' آپ کی لکھی تحاریر پڑھتے بھی ہیں اور اپنی پسند سے آگاہ بھی کرتے ہیں بہرحال آج سے آپ بھی ہماری دوستوں میں شامل ہوگئیں، خوش۔ پروین افضل آپ کے میاں کے ولیمے کے لیے میں نے بھی ڈریس تیار کروالیے' میرے لیے سواری کا کوئی پرابلم نہیں کیونکہ شاہی سواری ہے نا۔ پتا نہیں کہ شوہر کے منہ سے پھول کیسے جھڑتے ہیں' میرے ملک صاحب کے منہ سے تو جلتے ہوئے انگارے اور نوک دار کانٹے جھڑتے ہیں' ہاہاہا۔ عائشہ حورین آپ کا پیغام دعائے سحر کے لیے بے حد اچھا لگا' اللہ تعالیٰ آنچل کی تمام ٹیم اور پڑھنے لکھنے والیوں کو خوش رکھے' والسلام۔

نجم انجم اعوان...... کراچی

تمام آنچل فرینڈز کے نام

تمام قارئین آنچل' اسٹاف اور رائٹرز کو السلام علیکم! کیسے ہیں آپ سب؟ ایک طویل غیر حاضری کے بعد آج آپ کے روبرو ہیں' کچھ مصروفیات کچھ وقت و حالات کے تقاضے...... بہرحال جنہوں نے یاد رکھا ان کا شکریہ جو بھول گئے ان کا بہت ہی زیادہ شکریہ۔ صائمہ سکندر سومرو' پارس شاہ' علمہ اکمل خان' اقصیٰ' دشمنیاں زرگر آپ لوگوں کا شکریہ مس کرنے کا' بہت خوشی ہوئی مجھ ناچیز کو یاد کیا۔ فوزیہ سلطانہ تونسہ اور طیبہ نذیر آپ کا سلام پہنچ گیا' وعلیکم السلام' باقی تمام فرینڈز کو سلام۔ اب ہمارا بھی یہی دستور جو جیسا یاد کرے گا ہم ویسا یاد کریں گے۔ ثمینہ کوثر عطاری! یار شادی بہت بہت مبارک ہو' اللہ پاک صدا خوش رکھے اور نصیب اچھا کرے' آمین۔ ثومیہ زمان آپ کو بیٹے (محمد عدنان) کی بہت مبارک باد۔ سمعیہ (حافظ آباد) نادیہ اقبال' نورین اقبال' سمیرا آپی (ڈوگہ) اسپیشل تھینکس امید چوہدری جو بھول کر بھی نہیں بھولتی یو آر گریٹ۔ مائی سویٹ فرینڈ تحریم' امائمہ' مسکان (قصور) اور کرن وفا' عائشہ ملک بے مروت لوگو بندہ یاد بھی کرلیتا ہے۔ باقی تمام آنچل فرینڈز کو سلام اور اینڈ میں ام مریم آپ نے اچھا نہیں کیا' کوئی یوں بھی کرتا ہے؟ لڑائی کسی سے اور غصہ ہم پر' یاد کرنا ہی چھوڑ دیا۔ جلدی سے یاد کریں' مجھے۔ اللہ حافظ۔

ساریہ چوہدری...... ڈوگہ' گجرات

مبین ناز اور مریم عروج کے نام

السلام علیکم! کیا حال ہے جناب اتنے حیران کیوں ہو۔ مبین مریم میں جانتی ہوں جب آپ کو میرا پیغام ملے گا تب میں اور فضیلہ آپ کے پاس نہیں ہوں گی' مبین ناز اب گھر میں سب سے بڑی تم ہو' ارے رکو' دادا' دادی سے نہیں بلکہ بچوں میں اب پلیز تم بچوں والے کام چھوڑ دو کیونکہ اب بہت سے کام تیرے ذمہ ہیں۔ تم دادا ابو سے لے کر اسماء تک سب کا خیال رکھا کرو' تم جانتی ہونا اب تمہیں گھر بھی سنبھالنا ہے اور اپنی پڑھائی پر بھی توجہ دینی ہے۔ مریم عروج تم مبین کا کہا مانا کرنا آپ نی آپس میں لڑتا نہیں مل جل کر کام کیا کرنا ہے اور نماز کی پابندی کرنی ہے' کبھی بھی کسی بھی حال میں نماز نہیں چھوڑنی' یاد رکھنا بیماری میں بھی نماز چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے۔ مزمل بھائی مجھ سے آج تک جو بھی غلط ہوئی ہے آپ کا دل دکھایا پھر بلاوجہ ڈانٹا یا مارا ہو تو پلیز اپنی آپی کو معاف کرنا پلیز' مبین' آپ نے کہا تھا نہ آپی عقیلہ تم بے وفا ہو تو قسم سے آج تک دل سے کبھی کوئی بے وفائی نہیں کی اگر کبھی غصہ میں آپ کو کچھ کہا ہے تو وہ بھی آپ کی بھلائی کے لیے کیونکہ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔ آپ کو کوئی کچھ کہے آپ کی طرف انگلی اٹھے اس لیے آپ کو ڈانٹا کرتی تھی' سوری' پلیز اپنی بہن کو معاف کرنا۔ دادا' دادی' ابو جی' چاچو جی' امی جان' نبیلہ' عدیلہ' فضیلہ میں نے آج تک جو غلطیاں کی ہیں آپ کا دل دکھایا آپ کی بات نہیں مانی آپ سے لڑتی رہی ہوں پلیز آپ بھی مجھے معاف کرنا' میں جانتی ہوں میں لڑتی تھی آپ کو دکھ دیتی میں آج آپ

کے درمیان نہیں ہوں۔ اسماء تم کہتی تھی جاؤ آپی عقیلہ اپنے سسرال ہماری جان چھوڑو آج تم خوش ہو آج میں اپنے سسرال میں ہوں۔ بہت مشکل ہے آپ سے دور رہنا' آپ کی آپی اور بیٹی۔

عقیلہ رضی......فیصل آباد

آنچل پریوں کے نام

السلام علیکم! امید کرتی ہوں آپ سب خیریت سے ہوں گی' جی الحمدللہ! میں بھی ٹھیک ہوں۔ جی تو ڈیئر نزہت جبیں ضیاء' عائشہ نور عاشا اینڈ فائقہ (لنگڑیال) آپ نے دوستی کی آفر قبول کی' شکریہ۔ آج سے ہم اچھی والی اور پکی والی فرینڈز ہیں۔ سوری آپ کو جواب دینے میں دیر ہوگئی' آپی پروین افضل شاہین آپ کے لیے دعا ہے کہ اللہ آپ کو نیک اور صالح اولاد نرینہ عطا فرمائے اور آپ ہمیشہ اسی طرح ہمارے ساتھ ہنستی مسکراتی رہیں۔ آپ بھی مجھ سے دوستی کریں ناں۔ آپی ارم کمال آپ کی بیٹی کی شادی ہوگی ہے آپ کو بہت بہت مبارک باد۔ ویسے میرے خیال میں آپ چلبلی سی' شرارتی سی اور ہنسنے ہنسانے والی لڑکی ہو۔ کیا آپ میری فرینڈ بنو گی' شاہ زندگی یار آپ کہاں غائب ہو پلیز واپس آجاؤ۔ دعا قریشی آپ پہ دعائے سحر نام بہت جچے گا۔ میں یہ ہی نام بلاؤں گی' ٹھیک ہے ناں اور جو بھی دوستی کرنا چاہیے' ہمارے دل کے دروازے ہمیشہ کھلے ملیں گے۔ آپی نازیہ کنول نازی آپ کو بیٹے کی بہت مبارک باد اینڈ عاصمہ اقبال آپ کو بھتیجے کی مبارک باد۔ اللہ آپ سب کو خوشیوں بھری زندگی عطا فرمائے اور ہمارے پیارے وطن پاکستان کی حفاظت فرمائے آمین اللہ نگہبان۔

ایم فاطمہ سیال......محمود پور

اپنوں کے نام

السلام علیکم! فرینڈز امید کرتی ہوں کہ سب خیریت سے ہوں گے۔ صبیحہ شہریار کیم' شائلہ ناصر میری آپی جانی 25' حجاب 16 آپ سب کو سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔ صبیحہ شہریار آنچل میں انٹری دو نہ میں ویٹ کررہی ہوں۔ کیسی ہو طیبہ آپی! جیا آپی! آپ دونوں میری دعا میں ہمیشہ شامل ہو تو بیہ (ملتان) کہاں ہو آپ؟ میں پریشان ہوں اتنی خاموش کیوں بھئی۔ کیفی کب آؤ گی آئی مس یو شائلہ رانی (لنگڑیال) حجاب میں آپ کا تعارف پڑھا' ارے بھئی میں آپ کو نہیں جانتی جبکہ ہم ایک ہی گاؤں کی ہیں ڈیئر! پری خان بولتی ہے سحری اور تمہارے عشق کی حد کا اندازہ ایک لفظ سے ہو جائے میں نے کہا' کون سا لفظ تو بولی جب تم بولتی ہو سحری جاناں۔ ہائے میں صدقے میری شہزادی سحری! آئی لو یو سوچ' یہ پیار کبھی کم نہیں ہوگا۔ سحری تم میری ذات میں شامل ہو روح کی طرح۔ اقصیٰ نور' محمد صائم میرے جانو' محمد غفران وصی' پھول فاطمہ وردہ' عائشہ اشعر' مانو' محمد احمد علی آپ سب کی پھوپو اور خالہ کی آپ میں جان ہے۔ ایمان فاطمہ عرف مانو کیا ہوا ڈیئر! پھوپو سے ناراض نہ ہو جی۔ میں تمہیں کیسے بھول سکتی ہوں اینڈ مائی فیملی آئی لو یو سوچ۔

فائقہ سکندر رفائی......لنگڑیال

دوستوں کے نام

السلام علیکم ڈیئر دوستوں میں آپ کی اپنی ریما نور رضوان پہچانا' میں آپ لوگوں کی وجہ سے آنچل میں آئی ہوں۔ افشاں علی مبارک ہو یار تمہاری تحریر حجاب میں پڑھی تھی بہت خوب صورت لکھا اور انعم خان تمہاری تحریر ابھی آنچل میں پڑھی مزہ آگیا۔ کنول خان اپنی شاعری آنچل اور حجاب میں بھی بھیجو نہ مجھے حجاب' آنچل' نئے افق میں تم نے ہی بھیجا ہے ورنہ میں تو بس' آپ کی خاطر ہی میں آنچل میں آئی ہوں' اب یہاں ہم ملتے رہیں گے ان شاء اللہ عزوجل۔

ریما نور رضوان......کراچی

dkp@aanchal.com.pk

یادگار لمحے

جویریہ سالک

میرے لفظوں میں

ہم لوگ غلط ہوتے ہیں جب کہتے ہیں کہ اللہ ہماری دعا نہیں سنتا' وہ ضرور سنتا ہے۔ میں تم لوگوں کو اپنا ایک چھوٹا سا تجربہ بتاتی ہوں کہ میرے دو کزن (جو بہت چھوٹے ہیں) غباروں کے ساتھ کھیل رہے تھے ایک کے پاس گیس والا غبارہ تھا اور دوسرے کے پاس بغیر گیس والا' پہلے والے نے اس غبارے کے ساتھ دھاگا باندھا اور وہ بلند سے بلند ہوتا گیا اور دوسرا والا رونے لگا۔ میں ان سے کچھ فاصلے پر بیٹھی تھی میں یہ سب دیکھتی رہی اور سوچتی رہی تو پھر اچانک میرے ذہن میں خیال آیا کہ کوئی بھی دعا رب کے پاس سے رد نہیں کی جاتی بلکہ وہ تو کہیں خلاؤں میں رہ جاتی ہے۔ دعا بھی گیس کے غبارے کی طرح ہے' غبارے میں جتنی گیس ہوگی وہ اتنا بلندیوں کو چھوئے گا اور جس کی دعا میں جتنا یقین ہوگا وہ اتنا قبولیت کا درجہ حاصل کرے گا' اس لیے مایوس مت ہوں' دعا یقین کے ساتھ کریں وہ ان شاء اللہ قبول ہوگی۔ اللہ سب کو سوچ و بچار کرنے کی توفیق دے آمین۔

ایس گوہر طور...... تاندلیانوالہ' فیصل آباد

اللہ کی بندگی

خواجہ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے بصرہ میں ایک غلام خریدا' وہ غلام بھی ولی اللہ' صاحب نسبت اور تہجد گزار تھا۔ حضرت حسن بصری نے اس سے پوچھا کہ "اے غلام! تیرا نام کیا ہے؟"

اس نے کہا کہ "حضور غلاموں کا کوئی نام نہیں ہوتا۔ مالک جس نام سے چاہے پکارے۔"

آپ نے فرمایا۔ "اے غلام! تجھ کو کیسا لباس پسند ہے؟"

اس نے کہا کہ "حضور! غلاموں کا کوئی لباس نہیں ہوتا' جو مالک پہنادے وہی اس کا لباس ہوتا ہے۔"

پھر انہوں نے پوچھا کہ "اے غلام! تو کیا کھانا پسند کرتا ہے؟"

غلام نے کہا کہ "حضور غلاموں کا کوئی پسندیدہ کھانا نہیں ہوتا جو مالک کھلادے وہی اس کا کھانا ہوتا ہے۔"

خواجہ حسن بصری چیخ مار کر بے ہوش ہوگئے جب ہوش میں آئے تو فرمایا۔

"اے غلام! میں تجھ کو آزاد کرتا ہوں۔"

غلام نے پوچھا کہ "کس نعمت کے بدلے میں آپ مجھ کو آزاد کررہے ہیں؟"

آپ نے فرمایا "تم نے ہم کو اللہ کی بندگی سکھادی۔"

حرا قریشی...... بلال کالونی' ملتان

ایک خوب صورت بات

دنیا اگر ہاتھ سے نکل جائے تو بندہ غریب ہوجاتا ہے اور اگر یہی دنیا دل سے نکل جائے تو بندہ ولی ہوجاتا ہے۔

ایس انمول...... بچہ کلاں

چٹکلے

بیوی: "ہفتے کو شاپنگ پر چلیں گے' اتوار کو امی کے گھر جائیں گے۔ سوموار کو پارلر جائیں گے' منگل کو ڈنر کرنے جائیں گے۔ بدھ کو موی دیکھنے چلیں گے اور جمعرات کو پکنک پر جائیں گے' ٹھیک ہے۔"

شوہر: "اور جمعہ کو مسجد چلیں گے۔"

بیوی: "وہ کیوں؟"

شوہر: "بھیک مانگنے۔"

پاکیزہ علی...... جتوئی

حکایت سعدی

ایک درویش ساری رات عبادت کرتا ہے' صبح ہوئی تو دعا مانگی لیکن غیب سے آواز آئی کہ "تیری دعا قبول نہ ہوگی' فضول وقت برباد نہ کر۔"

دوسری رات وہ پھر عبادت میں مصروف رہا اور صبح کے وقت پھر دعا مانگنے لگا۔ اس کے ایک مرید کو یہ بات معلوم ہوگئی تھی کہ اس کی دعا رد ہوگئی ہے۔ وہ درویش کو عبادت میں مصروف دیکھ کر بولا۔

"جب آپ کو معلوم ہوگیا ہے کہ آپ کی دعا قبول نہ ہوگی تو کیوں مشقت اٹھاتے ہیں؟"

درویش کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے' بولا۔ "تو ٹھیک کہتا ہے لیکن میں کیا کروں کہ اس دروازے کے سوا کوئی اور دروازہ بھی تو نہیں ہے۔"

آسیہ اشرف...... گنگاپور

پتوں سے خوشبو آئے

- خوشیاں بھی ساون کے بادلوں کی طرح ہوتی ہیں کوئی نہیں جانتا کہ کب اور کہاں برس جائیں۔
- جو راستوں کے عشق میں گرفتار ہو جاتے ہیں منزلیں ان سے دور ہو جایا کرتی ہیں۔
- ہر چھوڑ کر جانے والا شخص بے وفا نہیں ہوتا اسی طرح ہر ساتھ رہنے والا آپ کا اپنا نہیں ہوتا۔
- انسان مایوسی کی انتہا پر جا کر معجزوں کو آواز دیتا ہے۔
- جو تمہیں خوشی کے موقع پر یاد آئے سمجھ لو کہ تم اس سے محبت کرتے ہو اور جو تمہیں غم کے موقع پر یاد آئے سمجھ لو وہ تم سے محبت کرتا ہے۔

فائزہ بھٹی...... پتوکی

حدیث مبارکہ

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس کا مقصد آخرت ہو تو اللہ اس کے دل کو بے پروا کر دیتا ہے اور دنیا اس کی خاطر جمع کر دیتا ہے پھر دنیا خود اس کے پاس ذلیل ہو کر آتی ہے۔

اور

جس کا مقصد دنیا ہو تو اللہ اسے محتاج بنا دیتا ہے اور اس کے سامنے پریشانیاں پھیلا دیتا ہے اور دنیا اس کے پاس اتنی ہی آتی ہے جتنی اس کے مقدر میں ہو۔

(سنن ترمذی 2465:4 صفات القیامہ)

غزل عبدالخالق...... فیصل آباد

نرمی نیک بختی کی علامت

- ہشام بن عروہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے ''حکمت و دانش کی کتابوں میں لکھا ہے کہ عقل مندی اور دانائی کی بنیاد نرمی اور شفقت میں ہے۔
- ابن خالد رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ لوگوں کے ساتھ نرمی اور شفقت نیک بختی ہے۔
- امام غزالی کا قول ہے کہ بہترین ایمان وہ ہے جو علم سے مزین ہو اور بہترین عمل وہ ہے جو نرمی اور شفقت و محبت سے مزین ہو۔

اسماء سحر...... راولپنڈی

واصف علی واصف

بڑی عجیب بات یہ ہے کہ

سبب فرعون ہو تو نتیجہ موسیٰ نکلتا ہے
اور یہی بات اہل ظاہر کی سمجھ میں نہیں آتی
جہاں سبب اور نتیجہ کی سائنس ختم ہوتی ہے وہاں سے رضا اور نصیب کی حد شروع ہو جاتی ہے اور رضا رضا ہے چاہے تو منت کو مراد دے اور چاہے تو منت کے بغیر بامراد کر دے۔

(بلا سبب قطرہ قطرہ قلزم سے اقتباس)

کرن شبیر...... کراچی

انمول باتیں

زندگی میں اپنا پن تو ہر کوئی دکھاتا ہے
پر اپنا ہے کون؟
یہ وقت ہی بتاتا ہے؟
چھوٹی چھوٹی باتیں دل میں رکھنے سے بڑے رشتے کمزور ہو جاتے ہیں۔
مسرتیں بانٹیے یہ سوچنا غلط ہے کہ ہمیں زمانے سے کیا ملا۔
محبتوں کا اصول درگزر کرنا ہے۔
محبت کو جمع کی طرح پھیلاؤ اور جتنی ملے اس سے زیادہ دو اور نفرت کو نفی کی طرح کم کرتے جاؤ۔

سمیہ کنول...... مانسہرہ

کچھ لوگ

کچھ لوگ خود کو کسی کے قابل نہیں سمجھتے اس طرح کے لوگ خود کو اہمیت نہیں دیتے شاید ان میں خود اعتمادی کا فقدان ہوتا ہے اگر کوئی ایک بار انہیں نظر بھر کے دیکھ لے تو یہ اپنی ہی نظر میں خود کو معتبر سمجھنے لگتے ہیں لیکن یہ پل بڑے مختصر سے ہوتے ہیں کبھی کبھی انسان خود کو ہواؤں میں محسوس کرنے لگتا ہے اور کبھی کبھی خود کو زمین پر بھی محسوس نہیں کرتا وہ خود کو گگن اور زمین کی درمیان معلق محسوس کرتا ہے ویسے ہر انسان کے ساتھ مختلف واقعات رونما ہوتے ہیں۔ ہر انسان کی الگ الگ سوچ ہوتی ہے جو دور دور تک بھٹکتی رہتی ہے ہر انسان کا ایک الگ ہی معیار ہوتا ہے۔ یہ سارا میرا اپنا تجزیہ ہے آپ سب بہنیں کیا کہتی ہیں آپ کو کیسا لگا بتایئے گا ضرور۔

طیبہ نذیر...... شادیوال گجرات

سنہری بات

- کسی کو اتنا دکھ مت دو کہ اسے جینے سے نفرت ہو جائے۔
- اگر آپ کا دل برا ہے تو آپ کو سب برے نظر آئیں

گے۔

+ کسی کو خوش دیکھ کر مسکرانا بھی صدقہ ہے۔

+ دوست کی تلاش چاہتے ہو تو اپنے اندر کا دوست باہر لاؤ۔

سیدہ امبر اختر بخاری...... چندی پور

اچھی باتیں

+ انسان اپنی توہین معاف کرسکتا ہے، بھول نہیں سکتا۔

+ جس شخص سے محبت کی جائے اس سے مقابلہ نہیں کیا جاتا۔

+ نرمی جس چیز میں بھی ہوتی ہے اسے سنوار دیتی ہے اور سختی ہر چیز کو بگاڑ دیتی ہے۔

+ علم کے ساتھ عمل اور دولت کے ساتھ شرافت نہ ہو تو دونوں بے کار ہیں۔

مدیحہ نورین مہک...... برنالی

جنت پکی

جس کی نماز اچھی
اس کی زندگی اچھی
جس کی زندگی اچھی
اس کی موت اچھی
جس کی موت اچھی
اس کی قبر اچھی
جس کی قبر اچھی
اس کی آخرت اچھی
جس کی آخرت اچھی
اس کی جنت پکی اس لیے
نماز ہمیشہ ادا کرو

فائقہ سکندر رفائی...... لنگڑیال

قطعہ

یوں بھی دور دور رہتے تھے
یوں بھی دل میں اک کدورت تھی
تم نے رسماً بھلا دیا ورنہ
اس تکلف کی کیا ضرورت تھی

کاجل شاہ...... خانیوال

لفظ بنے دل کے مکیں

❁ اگر زندگی کے باغ سے غم کے کانٹے چن لیے جائیں تو وہ سراپا گلدستہ مسرت بن جائے۔

❁ چلتے وقت خیال رکھو گے تمہارے پاؤں کی دھول سے کسی کا راستہ نہ کھو جائے۔

❁ شرافت وہ خزانہ ہے، جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔

❁ مصائب سے کبھی نہ گھبراؤ کیونکہ ستارے اندھیرے میں ہی چمکتے ہیں۔

❁ بادل کی طرح رہو جو پھولوں کے ساتھ کانٹوں پر بھی برستا ہے۔

❁ تم اللہ کے گھر کو اپنی عبادت سے آباد رکھو وہ تمہارے گھر کو رحمتوں سے آباد رکھے گا۔

❁ ہمیشہ وہ آدمی بہار کی قدر کرتا ہے، جس نے خزاں میں زخم کھائے ہوں۔

❁ اگر ہارنا چاہتے ہو تو اس کے آگے ہارو جو تمہاری خطاؤں کی میل کو اپنی محبت و رحمت سے دھو دیتا ہے۔

❁ کسی کا دل توڑ کر معافی مانگنا بہت آسان ہے لیکن اپنا دل ٹوٹ جائے تو کسی کو معاف کرنا بہت مشکل ہے۔

مسرت فاطمہ شہباز...... فیصل آباد

تلاش

مٹی کے بُت بنا کر کیوں ان کو پوجتے ہو
پوجو اسے کہ جس نے مٹی کو ہے بنایا
جگنو کو میں نے پرکھا لیکن نہ جان پایا
اس کے بدن میں شعلہ یہ کس نے ہے جلایا
شمع کے سر پر جلتا تڑپتا ہوا شعلہ
پروانے کا دل اس نے دیوانہ ہے بنایا
وہ کون ہے کہ مجھ کو آتا ہے نظر ہر سو
وہ جس نے خود کو ہر ایک منظر میں ہے چھپایا
کیوں ملتا نہیں مجھ کو جس کی تلاش میں ہوں
سعدی وہ انسان ہے یا پھر ہے کوئی سایہ

انتخاب: پاکیزہ نواز...... حافظ آباد

نظم

سنو ہم عام سے لوگ ہیں
ہمارا عام سا لہجہ
ہمارا عام سا چہرہ
عام سی باتیں

عام سی چاہتیں
عام سی راہیں
عام سے دن
ہمارے پاس تو کچھ بھی خاص نہیں ہے
پھر ہمیں کیسے رکھ پاؤ گے یاد
شاید اس طرح کہ وہ شخص
کتنا عام سا تھا......

اقصیٰ مریم...... فتح جنگ

سلام جانثارانِ وطن

پھر کوئی ان سا نہ اٹھا تھا ان کے بعد
مقتلِ جاں کو سجا کر یوں گئے
تاقیامت اب وطن آزاد ہے
رسمِ شبیریؑ نبھا کر یوں گئے

راؤ تہذیب حسین تہذیب...... رحیم یار خان

خوشیاں

خوشیاں چاہتوں سے ملتی ہیں، چاہتیں رشتوں سے ملتی ہیں، رشتے بندھنوں میں باندھتے ہیں، بندھن جینے کا حوصلہ دیتے ہیں۔ جینے کا حوصلہ خوب صورت زندگی دیتی ہے، خوب صورت زندگی خوشیوں سے بھری ہوتی ہے اور خوشیاں چاہتوں سے مزین ہوتی ہیں۔

ریما نور رضوان...... کراچی

معصوم لڑکی

سنو......!
اسے کہنا کہ
تیرا انتظار کرتے کرتے
ایک معصوم لڑکی
دنیا کی بھیڑ میں
کھو نہ جائے کہیں......

شازیہ اختر شازی...... نور پور

دشمنانِ مملکت

سنو اے دشمنانِ مملکت!
میرے وطن کی
سرزمین پر لہلہائے گی
امن کی فصل
گونجے کا کلمہ ہر کوچہ و دریچے میں
میرے ملک کا ایسا حال ہوگا
کونہ کونہ چپہ چپہ خوشحال ہوگا
میرے ملک کا ہر گوشہ ایسی بستی ہوگی
جہاں روٹی زہر سے سستی ہوگی

سامعہ ملک پرویز...... خان پور ہزارہ

یقین

ہارون رشید نے بہلول سے کہا
"ہم چاہتے ہیں کہ آپ کی روزی کا بندوبست کردیں۔"
بہلول نے اپنی نگاہ آسمان کی طرف اٹھا کر کہا۔
"امیر المومنین! میں اور تم خدا ہی کے پروردہ ہیں تو پھر یہ ناممکن ہے کہ وہ تم کو یاد رکھے (تمہیں نوازے) اور مجھے بھول جائے۔"

فوزیہ سلطانہ...... تونسہ شریف

کام کی باتیں

☆ مصیبت پر صبر کرنا دشمن کے لیے خود بڑی مصیبت ہے۔
☆ تعجب ہے کہ انسان توبہ کے ہوتے بھی مایوس ہے۔
☆ کوئی شیشہ انسان کی اتنی حقیقی تصویر پیش نہیں کرسکتا جتنی اس کی گفتگو۔
☆ وفا کے موتی پروتے رہو گے تو نفرت کے کانٹوں سے پاک ہے۔
☆ سب سے پاکیزہ مال وہ ہے جس سے آخرت خریدی جائے۔
☆ اپنے عقل مند دشمن سے مشورہ کرو اور اپنے جاہل کی رائے سے بچو۔
☆ جسے جس کا عمل پیچھے چھوڑ دے اسے اس کا حسب و نسب آگے نہیں کرتا۔
☆ اپنے کانوں کو موت کی آواز سنا دو اس سے قبل کہ تمہیں آواز دی جائے۔

حنا اشرف...... کوٹ ادو

شہلا عامر

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! ابتدا ہے رب ذوالجلال کے بابرکت نام سے جو ارض وسماں کا خالق ومالک ہے۔ مئی کا شمارہ سال گرہ نمبر 2 پیش خدمت ہے۔ سابقہ شمارے کو سراہنے، پسند کرنے اور اپنی آراء وتجاویز سے آگاہ کرنے کا بے حد شکریہ۔ امید ہے یہ شمارہ بھی آپ کے حسب منشاء ہوگا' آیئے اب چلتے ہیں آپ بہنوں کے دلچسپ تبصروں کی جانب جو بزم آئینہ کی شان بڑھا رہے ہیں۔

طیبہ نذیر...... شادیوال، گجرات۔ السلام علیکم! شہلا آپی کیسی ہیں اور آنچل فرینڈز آپ سب کیسی ہیں' امید ہے بالکل ٹھیک ہوں گی۔ آنچل مجھے 24 کو مل گیا تھا' سب سے پہلے آنٹی قیصر آراء کی سرگوشیاں سنیں پھر حمد ونعت سے فیض یاب ہوکے درجواب آں میں جھانکا تو میں تو غائب تھی' آنٹی مجھے دو ماہ سے اگنور کررہی ہیں (چلو کوئی گل نہیں اسی کی آکھناوے) ہمارا آنچل میں داخل ہوئی تو چاروں بہنوں نے خوب رونق لگائی' بہت مزہ آیا پڑھ کے اس کے بعد "موم کی محبت" اچھی جارہی ہے آگے دیکھتے ہیں کیا بنتا ہے۔ "ٹوٹا ہوا تارا" ولید اتنا پتھر دل کیوں بن رہا ہے' مجھے تو انابہ بہت ترس آرہا ہے۔ "شب ہجر کی پہلی بارش" ایک اچھے موڑ پر جارہی ہے۔ نازی آپی زاویار اور عائلہ کی کہانی بھی زیادہ سے زیادہ لکھیں۔ "تمیں ہزار روپے" نادیہ فاطمہ جی بہت اعلیٰ اسٹوری تھی' دل بہت دکھی ہوگیا پڑھ کے۔ "پیارکی بازی" ہر تیسرے گھر کی ایسی اسٹوری ہے کافی ابجھن کا شکار تھی' یہ اسٹوری "گود کی ڈھال" شبینہ گل جی زبردست بہت سبق آموز اسٹوری تھی۔ "کیک اور سالگرہ" سمیرا غزل سو نائس۔ "بہاریں جھوم کے آئیں" عروسہ عالم جی بہت بہت مزہ آیا' پڑھ کے کیپ اٹ اپ۔ "اے ہم نوا" طلعت نظامی جی گریٹ' بڑی پیاری اسٹوری تھی' بہت سلیقے سے بڑھایا آپ نے اسٹوری کو' ریئلی نائس۔ "ف سے فیس بک" فاخرہ گل آپ کی اسٹوری مزہ دے گئی' کافی ہٹ کے لگی۔ "صلیب انتظار" اقبال بانو آپ کی اسٹوری نے تو رُلا دیا' کسی کے ساتھ ایسا نہ ہو انتظار بہت بُری چیز ہے ہر انسان کو چاہیے بہت سوچ سمجھ کے کوئی بھی فیصلہ کرے۔ اپنے کان اور آنکھیں ہمیشہ کھلی رکھے' نہیں تو انتظار کے ساتھ ساتھ پچھتاوؤں کو بھی گلے لگانا پڑجاتا ہے۔ "سانسوں کی مالا پہ" اقراء صغیر جی (تسی گریٹ او) بہت یونیک سی اسٹوری لکھی آپ نے مزہ دے گئی وہ بھی بھرپور۔ "کام کی باتیں" حریم فاطمہ' اریبہ منہاج' حنا مہر' بالہ' عائشہ سلیم' جویریہ ضیاء آپ سب نے کافی معلومات میں اضافہ کیا' بہت زبردست باتیں بتائی آپ سب نے۔ "ہم سے پوچھیے" میں پروین افضل' عائشہ پرویز' شازیہ فاروق احمد' میمونہ ناز' سمیعہ سیف' سندس رفیق' مدیحہ نورین' لاریب' عندلیب آپ سب نے تو دماغ کی سچ چولیں ہلا دیں' بہت مزہ آیا پڑھ کے۔ آئینہ میں افشاں علی' عنبر مجید' مونا شاہ قریشی آپ سب کا تبصرہ جاندار تھا۔ یادگار لمحے میں ثناء رسول ہاشمی' عائشہ مغل' فوزیہ سلطانہ' عابد محمود' سیدہ لوبا سجاد' پروین افضل آپ سب نے لمحوں کو یادگار بنادیا۔ نیرنگ خیال میں نازیہ کنول' وجیہہ سحر' افشاں شاہد' مدیحہ نورین آپ سب نے بہت اعلیٰ لکھا۔ بیوٹی گائیڈ میں ثناء سعد آپ نے بھی کافی معلومات میں اضافہ کیا۔ ڈش مقابلہ میں سحرش فاطمہ' نزہت جبین ضیاء' طلعت نظامی آپ سب کی ڈشز مزے کی لگیں۔ بیاض دل فضہ جٹ' مائرہ جٹ' اقراء ماریہ' فوزیہ سلطانہ' مدیحہ نورین' ثمینہ ناز آپ سب کی پسند لاجواب تھی۔ ہومیو کارنر جتنی تعریف کی جائے کم ہے' ڈاکٹر طلعت نظامی کافی اصلاحی باتیں بتائیں آپ نے ایک اچھی کاوش ہے۔ اس ماہ کا آنچل بہت لاجواب تھا' ہر بہن دوسرے پر بازی لے گئی۔ کہانیوں کے حوالے سے بات کررہی ہوں' بہت مزے کی اسٹوریز تھی۔ میری دعا ہے اللہ تعالیٰ آنچل کو تاقیامت ایسے ہی جگمگاتا ہوا رکھے اور ہمیشہ ترقی کی راہوں میں رواں دواں رہے اینڈ پہ آنچل سے وابستہ ہر بہن کے لیے ڈھیروں ڈھیر دعائیں' اللہ سب کی پریشانیاں دور فرمائے اور زندگی میں آسانیاں پیدا فرمائے اور سب کو سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق دے آمین' اللہ حافظ۔

☆ ڈیئر طیبہ! آپ کا مکمل تبصرہ دل میں گھر کرگیا۔ دعا کے لیے جزاک اللہ۔

کنول گل...... گجرات۔ السلام علیکم! سویٹ ہارٹ شہلا آپی...... خیریت موجود و خیریت مطلوب، تعلیم سے فراغت کے بعد گھر کے کام جو کہ نہ ہونے کی برابر ہیں اور اپنی ہابی کے مطابق مختلف لٹریچرز کا مطالعہ کیا لیکن مطلوب لاحاصل، آنچل ڈائجسٹ کئی بار نظروں سے گزرا فرینڈز اور کزنز وغیرہ کے ہاں پائے جانے کی وجہ سے لیکن آج پہلی دفعہ اس خوب صورت بلکہ میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ اس پیارے سے ڈائجسٹ کے لیے پڑھتے ہی آپ کو لکھنے کی جسارت کی ہے، ساتھ دیجیے گا۔ میں نے جب یہ ڈائجسٹ پڑھا تو مطلوب حاصل ہوا انٹرٹینمنٹ، گائیڈنس، غرض تمام سلسلے خوب سے خوب تر ہیں۔ دل سے دعائیں ہیں میری اس ڈائجسٹ کے لیے، آپ کے لیے اور تمام معاونین کے لیے۔ وہ کیا کہتے ہیں ناں ذوق اپنا اپنا، مختلف لائبریریوں کی چھان پھٹک تو اپنی بچپن سے عادت ہے آج جب اتنا خوب صورت ڈائجسٹ پڑھا تو فیصلہ کیا ہے کہ بھئی میری تو نسلیں اس خوب صورت لٹریچر، خوب صورت اندازِ رہنمائی اور خوب صورت تفریح سے فائدہ اٹھائیں گی۔ پہلی نظر میں محبت والا معاملہ ہوگیا ہے آنچل کے ساتھ اہم وجہ خط لکھنے کی ایک یہ بھی ہے کہ آنچل کے سابقہ شمارے مجھے مل سکتے ہیں؟ پتا بتا دیجیے گا، نیز شعروں میں سے کچھ انتخاب بھی زیرِ خدمت ہے، بتایئے گا پسند آنے نہ آنے کے بارے، آپ کی رہنمائی کے لیے مشکور ہوں گی۔ سمیرا شریف طور میری فیورٹ رائٹر ہیں ان کے ناولز میں پڑھ چکی ہوں۔ ''محبت یقین اعتماد'' بہت بیسٹ ہے آج کل ''یہ چاہتیں یہ شدتیں'' پڑھ رہی ہوں بلکہ ساتھ میں یہ والا ''ٹوٹا ہوا تارا'' بھی شامل ہوگیا ہے اب راحت وفا کا بھی انداز بہت خوب ہے، اللہ حافظ۔

✿ بہت دیر کی مہرباں آتے آتے۔ پرانے ڈائجسٹ کے لیے آفس کے نمبر پر رابطہ کریں۔

رابعہ عمران چوہدری...... رحیم یار خان۔ آنچل کا سرورق بہت زبردست لگا، سباس گل اور فاخرہ گل کی حمد و نعت بہت خوب صورت اور روح کو سکون دینے والی تھی۔ دانش کدہ ہمیشہ کی طرح ہماری معلومات میں اضافے کا سبب بنا، ہمارا آنچل میں مہوش نواز، ماریہ کنول، ایس گوہر اور ادیبہ ارشد سے ملاقات اچھی لگی۔ نگہت عبداللہ سے باتیں اچھی لگیں، میری موسٹ فیورٹ ہیں نگہت عبداللہ۔ سروے میں سب دوست اپنے خوب صورت لفظوں کے ساتھ چھا گئیں۔ اقبال بانو کی تحریر بے حد پسند آئی، کتنا کمینہ بن کر جاتا ہے مرد جس راہ پر چلنے کے بعد واپسی کے تمام تر نشانات مٹا ڈالتا ہے عورت کو کہتا ہے کہ وہ انہی مٹے ہوئے نقشِ پا کو تلاش کرکے اسے تلاشے اور اس تک پہنچے۔ بہت گہرے الفاظ اور بہت خوب صورت اندازِ بیاں، ماشاء اللہ۔ ف سے فاخرہ کی فیس بک، واہ واہ کمال لکھا، لاجواب کردیا۔ ہنس ہنس کے میں تو بس پاگل ہوگئی اتنا زبردست مشاہدہ اور اندازِ بیاں کا کیا کہنا، ویل ڈن آؤٹ کلاس لکھا فاخرہ گل۔ طلعت نظامی کی تحریر اچھی لگی ارتضیٰ کا کردار پوری کہانی میں چھایا رہا، سمیرا غزل صدیقی، عروسہ عالم، عالیہ حرا نے خوب صورت تحریریں لکھیں اور جب پڑھی شبینہ گل کی تحریر تو بے اختیار کہا کہ کمال لکھا۔ ''گود کی ڈھال'' ہر لفظ لاجواب کرتا ہوا نظر آیا، اندازِ بیاں بے حد مضبوط ویل ڈن ڈیئر، تمام سلسلے لاجواب رہے آئینہ میں طیبہ نذیر، افشاں علی، ڈکشی مریم کا شکریہ جو میرے لیے تعریفی کلمات ادا کیے ابھی دوستوں مصروفیت کی بنا پر مکمل تبصرہ نہیں لکھا۔ عائشہ پرویز نے آئینہ میں اپنی ماما کی صحت خرابی کا بتایا، اللہ پاک ان کو صحت و تندرستی والی زندگی دے آمین۔ باقی سب فرینڈز کو آنچل ٹیم کو میری طرف سے سلام، اللہ نگہبان۔

سلمیٰ ناز...... لیاری، کراچی۔ السلام علیکم! سب سے پہلے تو حمد و نعت سے اپنے دل کو منور کرتی ہوں، پہلی دفعہ آپ کی بزم میں شامل ہو رہی ہوں۔ 15 سال سے آنچل پڑھ رہی ہوں، کبھی خط نہیں لکھ پائی لیکن آج ہمت کی ہے۔ جس تحریر نے لکھنے پر مجبور کیا وہ ہے سمیرا شریف طور کا ناول ''ٹوٹا ہوا تارا'' اگر آج میں نے قلم نہیں اٹھایا تو سمیرا کے ساتھ ناانصافی ہوجائے گی۔ کیا اس ناول کی تحریر ہے 40 اقساط ہوچکی ہیں، اللہ تعالیٰ نظرِ بد سے بچائے۔ بابا صاحب کے ایک خواب کو لے کر اس نے پورے ناول پر اپنی گرفت مضبوط رکھی، اتنی سوچ، اتنا شعور، اتنا دماغ لڑانا، اتنے رشتوں کو ساتھ لے کر چلنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ مارچ کی قسط میں شہوار اور مصطفیٰ کی شاعری نے دل لوٹ لیا، کبھی کبھی تنقید بھی کرتی ہیں، تنقید بُری لگتی ہے لیکن یہ سوچیں ہماری یہ بہن میکے کو دیکھنا، سسرال کا خیال رکھنا، شوہر پر توجہ دینا، گھر کو دیکھنا اور اس بیچ ہمارے لیے ٹائم نکال کر کہانی لکھنا، دل گردے کا کام ہے۔ ماشاء اللہ اس کا نیم بہت اچھا چیتا ہے، میری دیوانگی کا اندازہ اس بات سے لگا سکتی ہیں، میرے پاس پورے 40 اقساط کے ڈائجسٹ موجود ہیں، میں کبھی اکیلی ہوتی یا بور ہوجاؤں تو شروع سے کہانی پڑھنا شروع کردیتی ہوں۔ رائے ضرور دیجیے گا کہ آئندہ میں تبصرہ لکھ سکتی ہوں یا نہیں۔

☆ پہلی بار آمد پر خوش آمدید اور ساتھ ہر ماہ آنے کی تاکید۔

ایس گوہر طور...... تاندلیانوالہ' فیصل آباد۔ السلام علیکم! آپی شہلا کیسے ہیں آپ؟ آنچل کے تمام قارئین آپ سب کیسی ہیں؟ اللہ سے دعا ہے کہ وہ آپ سب کو خوش رکھے' آمین۔ اس بار آنچل 28 کو ملا اور ٹائٹل دیکھ کر میں اتنا خوش ہوئی کہ مت پوچھیے' بہت اچھا تھا ٹائٹل' سب سے زیادہ خوشی تب ہوئی جب اپنا تعارف دیکھا' تھینکس آنچل پھر جلدی سے دوڑ لگائی "ٹوٹا ہوا تارا" کی طرف' واہ آپی مزہ آ گیا' برے لوگوں کا یہی انجام ہوتا ہے۔ میرے خیال میں لالہ رخ بھی زندہ ہے وہ جو ہادیہ کی آنٹی (یعنی ٹیچر) بار بار رابعہ کو دیکھ رہی تھی مجھے پتا نہیں کیوں لگ رہا ہے کہ وہ لالہ رخ ہے۔ "شب ہجر کی پہلی بارش" یار آپی یہ شہزاد کچھ زیادہ نہیں اوور ہو رہی' مجھے صیام کے کردار سے بہت عشق ہے میں کسی قیمت پر اسے شہزاد کو نہیں ملنے دوں گی۔ مجھے ذمہ داریوں کو اپنے کندھوں پر اٹھائے' لوگ بہت پسند آتے ہیں خوددار لوگ (گریٹ آپی)۔ "موم کی محبت" بھی اچھی تھی۔ "چراغ خانہ" آپی پلیز پیاری کے ساتھ کچھ برا مت کیجیے گا۔ مکمل ناول سب بہت اچھے تھے' افسانوں میں "گود کی ڈھال" بازی لے گیا۔ پر شبینہ بہت اچھا تھا' سبق بھی مل گیا اور مزہ بھی آ گیا' افسانے بھی اچھے تھے۔ یادگار لمحے میں ثمینہ ناز' شبانہ امین' پروین آپی' امامہ اور مشی ان سب کی نگارشات بہت پسند آئیں۔ بیاض دل میں شاہی رحمان' اقراء ماریہ' ثناء اعجاز' نورین مسکان' کرن شہزادی اور ندا مسکان کے شعر پسند آئے۔ اس ماہ کا سارا آنچل ہی زبردست تھا' اللہ آپ سب کو خوش رکھے' آمین۔ اگلے ماہ تک کے لیے اجازت چاہتی ہوں رب راکھا۔

بی بی اسماء سحر...... راولپنڈی۔ السلام علیکم! زندگی میں پہلی بار شریک محفل ہوں آنچل کی پرانی قاری ہونے کے باوجود آئینہ میں شرکت کی جسارت کے بارے میں کبھی نہیں سوچا۔ ہم کیا کسی لکھاری خصوصاً آنچل میں لکھنے والیوں کی تعریف یا تنقید کریں گے مگر اس بار جس خوب صورت تخلیق نے قلم اٹھانے پر مجبور کر دیا وہ ہے "چراغ خانہ" اس میں تخلیق محبت کے رنگوں کی پاکیزگی ہو یا معاشرے کے ناسوروں کی نوک قلم سے سرجری مزاح اور سبق آموزی کے ساتھ جملوں کی برجستگی موتی نما الفاظ کے خوب صورت چناؤ محاوروں اور خوب صورت استعاروں نے تحریر کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ بہتے جھرنوں جیسی روانی اور بادلوں کے ساتھ اٹھکیلیاں کرتے سورج جیسے سسپنس نے تحریر میں خوب دلچسپی پیدا کی ہے۔ اس تحریر کی مصنفہ محترمہ رفعت سراج کو مبارک باد' دعا ہے کہ محترمہ کا زور قلم اور زیادہ ہو اور دیگر لکھاری بہنوں کو اسی طرز کی پاکیزہ اور سبق آموز تحریریں لکھنے کی توفیق ہو' آمین۔ دیگر تمام سلسلوں کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے مگر ہمارے خیال سے ٹائٹل کی مصوری گری میں جدت اور نئے ٹرینڈ کا خیال رکھا جائے تو یہ اور پُر بہار ہو جائے گا' فی امان اللہ' اللہ حافظ۔

☆ ڈیئر اسما! خوب صورت لفظوں سے سجا آپ کا تبصرہ پسند آیا۔

شمائلہ رفیق...... سمندری۔ السلام علیکم! آئینہ میں پہلی بار حاضر خدمت ہوں' آنچل کی تعریف یہ کہ آنچل...... آنچل ہے چاہے ڈائجسٹ کی صورت میں ہو یا آنچل (دوپٹے) کی صورت میں' بنا آنچل کے کوئی بھی حیا کے قریب نہیں لگتی کوئی بھی پاکستانی لڑکی۔ جی تو آنچل کی بات ہو اور ہم بیان کرتے جائیں روک لو ہم بیان شروع ہو گیا۔ چلیں جی اب باری ہے "ٹوٹا ہوا تارا" کی بہت اچھا جا رہا ہے' مجھے اس طرح کی کہانیاں بہت پسند ہیں جو خاندان کے الجھاؤ کی وجہ سے دوبارہ بن جائیں۔ درشہوار کا ولید کے گلے لگ جانا بھائی کہہ کر واہ واہ۔ "موم کی محبت" مکالمے جیسی لگتی ہے' نازیہ جی گھوماتے والی کہانیاں نہ لکھا کریں۔ آپ کو بیٹے کی مبارک باد۔ ابتدائیہ سے لے کر آخر تک رسالہ لاجواب ہوتا ہے آپ سے عرض کرنی تھی کہ کوئی انعامی سلسلہ شروع کریں کیونکہ میرے خیال میں میں بھی مقابلہ جیت سکتی ہوں' انعام گھر میں شرکت کر سکتی تھی اگر وہ سمندری میں ہوتا ہاہاہا۔ تمام رائٹرز سدا خوش رہیں آباد رہیں کہ تم سے شان ہے ہماری۔ جیسا آنچل صبح و شام دن و رات' دوپہر اور سہ پہر۔

☆ ڈیئر شمائلہ! مقابلے کے لیے حجاب میں شرکت کریں۔

سنبل ملک اعوان...... لاہور۔ تمام اسٹاف ممبر اور قارئین کو میری طرف سے السلام علیکم! آنچل اپریل کا میرے ہاتھ میں ہے سب نے پیغام بھیجے ہیں' مگر میں کس کو پیغام دوں میرا کوئی بھی نہیں ہے نہ دوست اور نہ آنٹی۔ "تیس ہزار روپے" نادیہ فاطمہ رضوی کا دل دہلا دینے والا افسانہ۔ "پیار کی بازی" گود کی ڈھال' کیک اور سالگرہ" آنچل کی سالگرہ کے حوالے سے اچھا اور

مزے کا افسانہ۔ ''اے ہم نوا'' نے سوچ کے بہت سے راستے کھولے واقعی ہم کو ڈگریوں اور سفید گاؤن کی ضرورت نہیں ہوتی اگر ہم کچھ کرنا چاہیں تو خدمت خلق انسانیت کی معراج ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کو ہی منتخب کرتا ہے۔ یہاں میں اللہ پاک کا لاکھ بار شکر ادا کرنا چاہوں گی جس مالک نے مجھے بھی انسانوں کی خدمت کے لیے چنا ہے الحمدللہ۔ سلسلے وار ناولوں میں ''موم کی محبت' ٹوٹا ہوا تارا' شب ہجر کی پہلی بارش'' زبردست ناول ہیں۔ ہومیو کارنر' بیاض دل' ڈش مقابلہ میں پلیز کوفتے بھی شامل کریں (مجھے بنانا نہیں آتے)۔ بیوٹی گائیڈ سے استفادہ کیا ''نیرنگ خیال' دوست کا پیغام آئے'' میرا پیغام ہی شامل نہیں تھا (افسوس)۔ یادگار لمحے' آئینہ میں بھی ہم کو آؤٹ کردیا۔ کام کی باتیں' کترنیں سب لاجواب' جیسے ہی میں بک شاپ پر گئی اور آنچل مانگا تو یہ موٹا تازہ ڈائجسٹ میرے حوالے کردیا۔ میں دیکھ کر ہی حیران ہوگئی کہ آنچل بھی صحت مند ہوگیا۔ آپ سب سے درخواست ہے کہ میری والدہ کے لیے دعا کریں پلیز اللہ ان کو اولاد کا سکھ دیکھنا نصیب کرے میرے بھائی واپس لوٹ آئیں اپنے آشیانے میں۔ میری دعا ہے کہ آنچل مزید ترقی کرے اور میں بطور مصنفہ اس میں شامل ہوتی رہوں آمین ہاہاہا۔ آنٹی رفعت سراج کا ''چراغ خانہ'' اچھا جارہا ہے مگر مجھے وہ جملہ بہت اچھا لگا کہ ''رات کے ڈھائی بجے کا عمل تھا آپا تہجد کے نوافل ادا کر کے خشوع وخضوع کے ساتھ دعا مانگ رہی تھیں' اللہ پاک سب کی دعائیں قبول کرے آمین' والسلام۔

فریدہ فری...... لاہور۔ سویٹ شہلا جی السلام علیکم! اپریل کا آنچل ملا ٹائٹل بے حد دلکش لگا۔ سب سے پہلے اقبال بانو کا افسانہ صلیب انتظار پڑھا' واہ کیا افسانہ لکھا ہے' بانو جی بے حد سلام دعا۔ ''سانسوں کی مالا' بہاریں جھوم کے آئیں' کیک اور سالگرہ' تیس ہزار روپے'' نادیہ فاطمہ کی یادگار تحریر لگی' خوش رہو فاطمہ جی۔ سوال جواب میں اپنی جانو پروین افضل شاہین کے سوال اور میمونہ ناز کے سوال پسند آئے۔ بس اتنا ہی لکھا جارہا ہے۔ بہت زیادہ بیمار ہوں مگر آنچل سے محبت ہی ایسی ہے لکھے بغیر نہیں رہ سکتی' تمام دوستوں کو قارئین کو بے حد دعا اور سلام۔ پروین افضل آپ کا لیٹر پڑھ کر اچھا لگا' پرنس بھائی کو بے حد سلام اور دعا۔ اچھا جی اللہ حافظ۔

☆فری اللہ آپ کو صحت عطا کرے آمین۔

عائشہ پرویز...... کراچی۔ السلام علیکم! آنچل کے قارئین کو بہت بہت سلام اور آنچل کی سالگرہ مبارک۔ سب سے پہلے تو شہلا آپی کا شکریہ ادا کروں گی' خوش رہیں آباد رہیں۔ مجھ ناچیز کو آپ نے پھر موقع دیا' میرا آنچل سے بہت گہرا مضبوط اور خوب صورت رشتہ ہے اور یہ اٹوٹ رشتہ ہے جو بھی آپ کی رہنمائی میں چھوٹ نہیں سکتا' ان شاء اللہ۔ اب آتے ہیں اپریل کے آنچل کی طرف دلہن کا روپ دھارے ماڈل دل پر بجلیاں گرا گئیں۔ حمد ونعت سے مستفید ہوکر مشتاق انکل کے دانش کدہ سے فیض یاب ہوئے۔ بہنوں کی عدالت میں نگہت عبداللہ سے مل کر اچھا لگا۔ سلسلے وار ناول میں ''ٹوٹا ہوا تارا'' سمیرا آپی بہت اچھے طریقے سے اینڈ کررہی ہیں' اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ ''شب ہجر کی پہلی بارش'' نازیہ آپی کا ناول اپنی مثال آپ ہے پلیز درمکنون اور صیام کو ملادیں۔ ''موم کی محبت'' راحت آپی کچھ ٹرن لائیں۔ مکمل ناول میں ''چراغ خانہ'' رفعت آپی بہت عمدہ لکھ رہی ہیں' پیاری کا ہیرو عالی جاہ کو بنائیے گا پلیز کیونکہ مجھے دانیال سے زیادہ عالی جاہ پسند آئے۔ ''سانسوں کی مالا'' اقراء آپی نے مزے دار اسٹوری لکھی آگے شدت سے انتظار ہے۔ ''ف سے فیس بک'' فاخرہ آپی نے ہمیشہ کی طرح بہت اچھا لکھا کہ انسان سحر زدہ ہوجائے۔ ناولٹ ''ترے عشق نچایا'' میں نشا کے ساتھ بہت برا ہوا ایک نئی آزمائش کا سامنا ہے۔ افسانے تمام ہی بیسٹ تھے اسپیشلی ''گود کی ڈھال'' شبینہ گل کا اسلوب اور لفظوں کا چناؤ بہت منفرد لگا۔ یادگار لمحے تو سارا ہی لاجواب تھا۔ بیاض دل سب کے دل میں بس گئے' آئینہ میں سب کے خطوط پڑھ کے مزہ آیا۔ دوست کا پیغام آئے میں حسرت ہی رہتی ہے کہ کوئی پیغام ہمارے نام بھی آئے لیکن ساڈی قسمت' چلو جی کوئی گل نہیں۔ ہم سے پوچھیے شمائلہ آپی سب کو ہنساتی' ڈانٹتیں نظر آئیں۔ ڈش مقابلہ میں سحرش فاطمہ کی ڈش سویوں کا قلفہ مجھے لالچ دلا گئی۔ نیرنگ خیال اور کام کی باتیں زبردست۔ اچھا تو اب ہم چلتے ہیں اللہ حافظ۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر۔ اس بار سالگرہ نمبر کا سرورق نازیہ علی کے دلکش انداز سے سجا پسند آیا۔ حمد ونعت اور دانش کدہ پڑھ کر ایمان کو تازہ کیا' بہنوں کی عدالت میں نگہت عبداللہ کے جوابات مزہ دے گئے۔ سلسلے وار ناولز کے ساتھ ہی ''چراغ خانہ' ف سے فیس بک' سانسوں کی مالا' تیرے عشق نچایا' صلیب انتظار' کیک اور سالگرہ'' پسند آئے۔ یاسمین کنول کی والدہ

کواور سمیرا شریف طور کی دادی ساس کو اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں جگہ دے۔ شازیہ فاروق آپ کو اور فریدہ جاوید فری اور عائشہ پرویز کی والدہ کو اللہ صحت دے۔ میں نے اپنے میاں جانی سے کہا کہ ''ہم دونوں ہی جنتی ہیں۔'' میرے میاں نے پوچھا ''وہ کیسے؟'' میں نے کہا ''آپ مجھے دیکھ کر شکر کرتے ہیں اور میں آپ کو دیکھ کر صبر کرتی ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ صابر و شاکر جنتی ہیں۔''

مانو...... گوجرہ۔ آداب! طویل غیر حاضری کے لیے معافی' سب سے پہلے آنچل کو سالگرہ مبارک ہو' بائے دا وے میری بھی سالگرہ تھی یکم اپریل کو۔ ٹائٹل پر آتے ہیں بے حد زبردست جی۔ ''ترے عشق نچایا'' بے حد زبردست بٹ مونی کو کچھ مت کہیے گا۔ صبا اور آصف جاہ کی شادی' نگار کی بربادی اس بار میرے ساتھ بہت بڑا دھوکہ ہوگیا آپی جی! میرے آنچل کو گنتی بھول گئی' صفحات آگے پیچھے تھے۔ آدھی ''موم کی محبت'' پڑھی اس لیے کچھ سمجھ نہیں آرہی رہی۔ ''چراغ خانہ'' اُف مانو آپا غلط ٹریک پر جارہی ہیں اور دانیال کی مدد کا بھی اللہ ہی حافظ ہے۔ ''ٹوٹا ہوا تارا'' اینڈ چل رہا ہے فیضان بھی مل گیا' بابا صاحب کو۔ انا اور ولید کی شادی ہوگئی' حماد صاحب چھٹی کریں۔ ''شب ہجر کی پہلی بارش'' پر شہزاد خوش فہمی میں مبتلا ہورہی ہے (صیام کو اس سے محبت) اور ابھی ماضی کھل رہا ہے باقی تبصرہ ادھار رہا' اپنا خیال رکھیے گا' اللہ حافظ۔

اسماء نور عشاء...... بھوج پور۔ السلام علیکم! کیسے مزاج ہیں شہلا جی؟ اپریل کا ٹائٹل اگر اچھا نہیں تھا تو برا بھی نہیں تھا۔ حمد و نعت پڑھ کر ہمیشہ کی طرح دل کو سکون آگیا۔ ''ٹوٹا ہوا تارا'' بہت خوب صورت ناول' سب کچھ اچھا ہوتا جارہا ہے' بس ولید اور انا ایک ہوجائیں تو کیا ہی بات ہے۔ نازیہ جی شہزاد کی غلط فہمی دور کریں' فاخرہ جی آپ کا ہر ناول سبق آموز ہوتا ہے۔ ''ترے عشق نچایا'' اس ناول کی تعریف کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں' ویل ڈن نگہت جی۔ ابھی بھی ہمارا دل چاہتا ہے کہ نشاء احسن کی ہوجائے حالانکہ ہم یہ جانتے ہیں اب یہ بات غلط ہے۔ ''صلیب انتظار گود کی ڈھال' ف سے فیس بک' بہاریں جھوم کے آئیں' اے ہم نوا' پیار کی بازی' کیک اور سالگرہ' تیس ہزار روپے'' سب ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ بیاض دل میں حمیرا قریشی کا شعر دل کو بھایا۔ یادگار لمحے میں عابد محمود اینڈ میمونہ ناز مونا نے بہت اچھا لکھا۔ تمنا بلوچ آپ کو شادی بہت بہت مبارک ہو' اللہ سے دعا ہے آپ کی ازدواجی زندگی بہت اچھی' خوشگوار گزرے آمین۔

سمیہ کنول...... مانسہرہ۔ السلام علیکم! پیارے پیارے سویٹ دوستو' کیسے ہو سب؟ آپ سوچ رہے ہوں گے یہ کیا پیپرز اتنی جلدی ختم؟ نہ نہ جی ابھی تو ہوئے ہی نہیں آج آف تھا تو سوچا کیوں نہ آنچل میں خط لکھوں' پر لکھوں کیا بیاض دل پڑھا (سارے مستقل سلسلے پڑھے ہیں گھر والوں سے چھپ چھپا کے)۔ کرن شہزادی کا شعر اچھا لگا' مدیحہ نورین آپ کے نام تو بہت کچھ لکھ سکتے ہیں پر شائع نہیں ہوتا۔ نیرنگ خیال میں مدیحہ نورین مہک کی نظم اچھی لگی۔ بالوں کی حفاظتی تدابیر پڑھی پر عمل نہیں کرنا (آل ریڈی پیارے ہیں ہاہاہا)۔ شاہی رحمان آپ کو بہت مبارک ہو شادی کی (سب مبارک دو نہ) اینڈ سمیرا سواتی تھینک یو پھر ملاقات ہوگی خوش رہیں اور دوسروں کو خوش رکھیں' پاکستان زندہ باد' اللہ حافظ۔

مشی خان...... مانسہرہ۔ السلام علیکم شہلا آنی! کیسی ہیں اور باقی آنچل ممبرز کیسے ہیں؟ اس دفعہ آنچل 28 کو ملا' بھاگم بھاگ کھول کر دیکھا اپنا نام دیکھ کر خوشی ہوئی۔ سب سے پہلے ''اک شمع فروزاں'' میں سب کے جوابات پڑھے' سب نے کچھ الٹے سیدھے جوابات دیئے۔ سوائے میرے اور کرن شہزادی کے خوش فہمی' اقراء ماریہ نے پہلے دو سوالوں کے جوابات سیم میرے جیسے دیئے اچھا لگا جان کر۔ پھر موسٹ فیورٹ ''ٹوٹا ہوا تارا'' پڑھا بہت ہی زبردست قسط تھی۔ کاشفہ اور دریہ کو سزا ضرور ملنی چاہیے تھی سو مل گئی۔ رابعہ کو باپ مل گیا' شہوار کو ولید بھائی مل گیا' اب لگتا ہے کہانی اینڈ کی طرف گامزن ہورہی ہے۔ باقی کہانیاں پڑھی نہیں سو کیا تبصرہ کروں۔ باقی سلسلے اچھے تھے یادگار لمحے میں ثمینہ ناز' پروین افضل' مسرت بشیر نے سب لمحوں کو یادگار بناڈالا۔ بیاض دل میں شاہی رحمان' نوشین' کرن شہزادی' حنا فرمان کے اشعار پسند آئے۔ آئینہ میں مونا شاہ قریشی کا تبصرہ میرے دل کو چھو گیا' ویسے تو ان کی ہر بات مجھے اچھی لگتی ہے' اور اب اجازت چاہتی ہوں زندگی نے وفا کی پھر اگلے ماہ حاضر ہوں گی' ان شاء اللہ۔

مہناز یوسف...... اورنگی ٹاؤن' کراچی۔ اس بار کا آنچل میرے لیے خوشیوں کی نوید لایا' در جواب آں پڑھ کر معلوم ہوا کہ میری تحریریں جلد ہی شائع کردی جائیں گی۔ اس کے علاوہ سروے میں بھی میں موجود تھی' ہم سے پوچھیے میں بھی مجھے جگہ دی گئی اور آئینہ میں بھی شریک محفل کیا گیا' آپ کا بے حد شکریہ۔ سرورق بے حد خوب صورت تھا پر ماڈل کا صرف چہرہ ہی

دکھایا جاتا ہے اکثر آنچل کے ٹائٹل پر۔ ہر مہینے کچھ مختلف ہونا چاہیے۔ ''سانسوں کی مالا پہ'' بے حد خوب صورت تحریر لگی امید ہے کہ آئندہ ماہ بھی دلچسپی برقرار رکھ سکے گی یہ تحریر۔ ''چراغ خانہ'' خاصا دلچسپ ہوتا جارہا ہے لیکن یہ تحریر اس بار قدرے مختصر تھی۔ ''گود کی ڈھال'' شبینہ گل نے اتنے زیادہ حساس موضوع کو تحریر کیا ہے کہ داد نہ دینا زیادتی ہوگی۔ آج کل کی ماں مقابلے کی دوڑ میں خود بھی بھاگ رہی ہے ساتھ ہی بچوں کو بھی تھکا رہی ہے۔ بچوں کا بچپن تو جانے کہاں کھو گیا ہے' تین سال کے ہوتے نہیں کہ اسکول میں ڈال دیا جاتا ہے۔ جتنی زیادہ فیس اتنی اچھی پڑھائی بہر حال انہوں نے بہت پیاری تحریر لکھی ہے۔ آج کل بچیاں تو کیا لڑکوں کا بھی خیال رکھنا بے حد ضروری ہے۔ ''ف سے فیس بک'' زبردست ناول تھا اور ''صلیب انتظار'' بھی بہترین' اللہ حافظ۔

مسز امتیاز...... السلام علیکم شہلا جی پہلی بار شرکت کی ہے امید ہے آئینہ خانے میں جگہ ضرور ملے گی۔ جی اب آتے ہیں آنچل کی طرف تو سب سے پہلے حمد و نعت پڑھ کر دل کو سرور آ گیا پھر جلدی سے چھلانگ لگائی اور مشتاق احمد کی تحریر پڑھ کر خوش ہو گئے مجھے مدیرہ جی کے جواب اور شمائلہ جی کے جواب بہت متاثر کرتے ہیں۔ اب آتی ہوں ناولوں کی طرف تو ''ٹوٹا ہوا تارا'' میں انا کے ساتھ جو سلوک ہوا ہم بہت پریشان ہوئے پلیز سمیرا جی آپ انا کو سب حقیقت بتانے دیں اور شہوار کا کردار مجھے بہت بھایا۔ ''موم کی محبت'' میں پلیز اب زیبا کے ساتھ کچھ اور برا مت کیجیے' غلطی انسانوں سے ہوجاتی ہے باقی سب رائٹرز بہت اچھا لکھتی ہیں کیونکہ میں کسی کا دل نہیں توڑتی۔ کسی ایک کا نام لے کر جو بھی رائٹرز لکھتی ہیں ان کا دل کہتا ہے کہ اچھا لکھوں اسی لیے جتنے بھی ناول افسانے ناولٹ پڑھے مجھے سب پسند ہیں' اچھا اب اجازت چاہوں گی اس دعا کے ساتھ کہ رب کریم ہماری پاک سرزمین ہمارے پاکستان اور ہماری سب ماؤں بہنوں کی حفاظت کرے' ہم سب لڑکیوں کو ماں باپ اور شوہر کی عزت رکھنے والا بنائے' آمین ثم آمین۔

☆ خوش آمدید...... اور آئندہ اپنے شہر کا نام لکھنا نہ بھولیے گا۔

مدیحہ نورین مہک...... برنالی۔ آداب عرض ہے آپی جی سالگرہ نمبر بہت ہی اچھا لگا ماڈل کا میک اپ اچھا لگا۔ نعت اور حمد میں سباس گل اور فاخرہ گل نے اپنے لفظوں کے جادو سے دلوں کو منور کیا' ماشاء اللہ بیاض دل میں جیا آپی' حنا فرحان کے اشعار پسند آئے۔ نیرنگ خیال میں آنچل کے لیے لکھا گیا سب اچھا لگا اور اپنی نظم دیکھ کر بہت خوشی ہوئی مجھے' دوست کا پیغام آئے میں اپنوں کی محفل بھرپور تھی خوشیوں بھری۔ یادگار لمحے میں سب کے ارسال کردہ مواد اچھے تھے۔ آئینہ میں تبصرے پہ تبصرے بہت خوب رہا' ہم سے پوچھیے میں شمائلہ آپی میری شادی نہیں ہوئی اور آپ ایسے جواب دیتی ہیں کہ میں شادی شدہ ہوں' ہاہاہا' پلیز آئندہ خیال رکھیے گا۔ طیبہ نذیر آپ نے میری وجہ سے قہقہہ لگایا واؤ جی۔ حبا اعوان آپ کا شکریہ میرے اشعار پسند کرنے کا۔ سمیہ کنول بہنا اللہ سے دعا ہے آپ کو کامیاب کریں آپ بھی مجھے دعا میں یاد رکھیے گا۔ سلسلے وار تحاریر کے علاوہ فاخرہ گل' عالیہ حرا' رفعت سراج' اقراء کی تحاریر اچھی لگیں تمام پڑھنے والوں کو سلام' اپنا خیال رکھیے گا اور دعاؤں میں یاد رکھیے گا' رب راکھا۔

ندا علی عباس...... **سوہاوہ' گجر خان**۔ السلام علیکم قارئین کیسی ہیں سب؟ امید ہے ٹھیک ٹھاک ہوں گی۔ اس بار اپریل کا شمارہ بہت لیٹ ملا سب سے پہلے ہمیشہ کی طرح ''ٹوٹا ہوا تارا'' کی طرف دوڑ لگائی۔ استانی جی کی نئی انٹری' مجھے لگتا ہے یہ لالہ رخ ہوں گی۔ سمیرا آپی انا اور ولید کی شادی دھوم دھام سے کرنی ہے۔ ہاں یہ جو چپکے چپکے شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں نا یہ میرے خیال سے انا اور ولید کی ہی ہے۔ انا بے چاری کو خوامخواہ تنگ کیا جارہا ہے۔ ''شب ہجر کی پہلی بارش'' نازو آپی پلیز سدید کو کچھ مت کیجیے گا' مجھے لگتا ہے آپ عائلہ کو زاویار سے جوڑنے والی ہیں۔ ''ترے عشق نچایا'' نگہت آپی محسن کو جلدی سے واپس لائیے نشاء بے چاری بہت پریشان ہے۔ ''چراغ خانہ'' رفعت آپی دانیال کو پیاری ہی ملنی چاہیے ان کو الگ مت کیجیے گا اور مشہود میاں کب واپس آئیں گے۔ اقراء آپی اس بار بھی دل لوٹ لیا تبصرہ ادھار رہا۔ طیبہ نذیر' حبا اعوان آپ دونوں کو میری شاعری پسند آئی یقین کرو مجھے خود پتا نہیں میری غزل لگی ہے۔ آپ دونوں کے خطوط سے مجھے پتا چلا تھینکس اینڈ شکریہ۔ سب کو سلام۔

انعیم زرین' سارہ زرین...... **چکوال**۔ السلام علیکم! ڈیئر آنچل اسٹاف' ہر دلعزیز رائٹرز اور سویٹ قارئین بہنوں کو ہمارا محبت بھرا اسلام قبول ہو۔ امید ہے سب ہی خیر و عافیت سے ہوں گے' اس دفعہ کا سالگرہ نمبر واقعی بمباسٹک' فنٹاسٹک' سوپر ڈوپر تھا۔ ایک سے بڑھ کر ایک مزے دار کہانی' تبصرے' سروے واہ' سب کچھ مکمل۔ کہیں کوئی کمی نہیں چھوڑی' خوب تیاریوں سے سجا

آنچل ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ ٹائٹل ہمیشہ کی طرح خوب صورت' شاذونادر ہی ایسا ہوا کہ ہمیں ٹائٹل پسند نہ آئے۔ سب سے پہلے قیصر آپی کی سرگوشیاں سنیں پھر حمد ونعت سے ایمان کو منور کیا۔ اس کے بعد درجواب آں میں داخل ہوئی۔ سمیرا شریف ہماری طرف سے تعزیت قبول کیجیے' یاسمین کنول آپ کے لیے یہ بہت بڑا سانحہ ہے' ہماری طرف سے تعزیت۔ صندل' سونیا' عائشا آپ کا غم دل سے محسوس کیا ہے اللہ آپ کو صبر عطا فرمائے۔ عقیلہ رضی آپ کو ہماری طرف سے ایک پُرمسرت زندگی کی مبارک باد۔ ہمارا آنچل میں مہوش نواز' ماریہ کنول' ایس گوہر' ادیبہ ارشد سب ہی کا تعارف مزہ دے گیا۔ آخر کار نگہت عبداللہ بہنوں کی عدالت میں پہنچ ہی گئیں' پڑھ کر مزہ آیا۔ سروے میں افشاں علی' طیبہ نذیر' میزاب' اقرا... شمع مسکان' کرن شہزادی کو پڑھ کر اچھا لگا۔ اس دفعہ سلسلے وار کہانیوں کا جیسے تانتا ہی بندھ گیا لیکن بُرا نہیں لگا کیونکہ بورنگ نہیں ہیں۔ "ٹوٹا ہوا تارا" کی اس دفعہ کی قسط خاصی جاندار تھی' آخر کار بابا صاحب نے حقیقت سب کو بتادی۔ دریہ کا ایک جیل کا چکر لگتا تو مزہ آتا لیکن وہی خاندان کی عزت کی وجہ سے اسے رعایت ملی۔ عبدالقیوم کے لیے سچ میں مکافات عمل ہے۔ شہوار کو یہ پتا لگنا کہ ولید اس کا بھائی ہے اس کا ملنا ایک ایموشنل سین تھا۔ "شب ہجر کی پہلی بارش" میں اُف...... تینوں ایک سے بڑھ کر ایک ہیں کسی کو بھی کسی کے دل کا حال نہیں معلوم۔ "ترے عشق نچایا" کندن لگتی تو ایک بے ضرر سی لڑکی ہے نجانے آگے چل کر خطرہ بنتی ہے یا خطرہ سے بچنے کا ذریعہ۔ "سانسوں کی مالا پہ" پہلی قسط دلچسپ تھی۔ "چراغ خانہ" میں کہیں عالی جاہ ہی تو نہیں جس نے مشہود کو اغوا کیا ہے اگر ہاں تو اسٹوری بڑی زبردست ہوجائے گی۔ "تیس ہزار روپے" ہمارے معاشرے کا ایک کڑوا سچ ہے۔ "پیار کی بازی" عالیہ حرا میں ذاتی طور پر آپ کی ہم خیال ہوں ایسا لگا میرے خیال کو آپ نے لفظ پہنا دیئے' کہانی پڑھ کر ازحد خوشی ہوئی۔ "گود کی ڈھال" شبینہ کی ایک اچھی کہانی تھی۔ آخری سین دل کو چھو لینے والا تھا' عائزہ کی معصوم دعائیں بے ساختہ پیار آ گیا۔ دوست کا پیغام آئے میں تمنا بلوچ' فریدہ جاوید فری' اقصیٰ کشش' تانیہ جہاں کے پیغام اچھے لگے۔ یادگار لمحے میں ثناء رسول' مسرت شبیر مغل' عائشہ پرویز' ثمینہ ناز' سعدیہ رمضان کے انتخاب پسند آئے۔ نیرنگ خیال میں سباس گل کی نظم پسند آئی۔ ہم سے پوچھیے' میں پروین افضل' عروج ناز' عائشہ پرویز' ثمینہ ناز کے سوالات پسند آئے۔ آخر میں ایک بار پھر آنچل کو سالگرہ کی ڈھیروں مبارک باد۔ دعا ہے آنچل کا سفر ہمیشہ کامیابی وکامرانی کے ساتھ عروج کی طرف گامزن رہے' اگلے ماہ تبصرے کے ساتھ حاضر ہوں گی اللہ نگہبان۔

☆خوش آمدید!

عظمیٰ شفیق...... جڑانوالہ۔ آنچل ڈائجسٹ کی محفل میں پہلی بار آئی ہوں' سرورق بہت خوب صورت لگا کہ بس۔ تعارف ادیبہ ارشد اور فرحت اشرف گھمن کا اچھا لگا۔ مکمل ناول میں "چراغ خانہ" بہت زبردست ہے۔ فاخرہ گل کا ناول بھی بیسٹ تھا۔ افسانوں میں "بہاریں جھوم کے آئیں" میں شاداب پر بہت غصہ آیا' نادیہ فاطمہ کا افسانہ بھی لاجواب تھا نمبرون افسانہ شبینہ گل کا تھا' ویل ڈن۔ فائزہ جیسی بے پروائی برتنے والی ماؤں کے لیے بہترین سبق تھا' ناولٹ "اے ہم نوا" بھی خوب رہا۔ سروے میں مہناز یوسف اور سلمٰی عنایت حیا کے جوابات پسند آئے۔ تبصرہ نورین مہک کا اچھا لگا جو کہ ہمیشہ لگتا ہے' فوزیہ سلطانہ کا شعر اچھا تھا' اب اجازت دیں۔

حمیرا نوشین...... منڈی بہاؤالدین۔ السلام علیکم! خیریت بخیریت احوال آنکہ' بہت دنوں کے بعد آئینہ کے روبرو ہوئی ہوں اب پتا نہیں رخ تحریر کو برداشت کر پائے گا یا نہیں بہرحال امید کی لو دل میں جلائے مختصر سے تبصرے کے ساتھ حاضر ہوں۔ من موہنی سی دوشیزہ حسین جیولری شوخ پیراہن اور سر پر آنچل سجائے نجانے کس کو مسکراتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ سب سے پہلے دو گلوں (فاخرہ گل' سباس گل) کے لفظوں سے مہکتی حمد ونعت سے فیض یاب ہوئے۔ درجواب آں میں ماشاء اللہ بہت سی بہنوں کی قیصر آرا آپی نے حوصلہ افزائی کرتے ہوئے تحاریر کی اشاعت کی نوید سنائی۔ سب سے پہلے اپنی دوست شبینہ گل کی تحریر کی جانب نظروں نے رخ کیا' اُف شبینہ! آپ کی تحریر نے ماؤں کے دل ودماغ کو جھنجھوڑ ڈالا۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ اب ایسا دور آ گیا ہے جب ماؤں کو خواب میں بھی چشم وا رکھنی پڑتی ہے۔ بہت سبق آموز تحریر تھی میرے تو رونگٹے کھڑے ہوگئے' زبردست۔ شبینہ گل سے دوسرے گل کے پاس پہنچے تو ف سے فاخرہ اور "ف سے فیس بک" نے دل پر چھائی اداسی وکثافت کو دھو ڈالا۔ واہ فاخرہ جی! جو جو آپ نے لکھا میں نے یوں جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے' اثر دیر لطف تحریر۔ رفعت سراج کی

"چراغ خانہ" تسلسل کے ساتھ آگے کی طرف گامزن ہے ہر قسط میں ان کے قلم کا سحر قاری کو بری طرح جکڑ لیتا ہے۔ نادیہ فاطمہ رضوی کی "تیس ہزار روپے" پڑھ کر دل دکھ سے بھر گیا آج کے دور میں رشتوں سے خلوص' وفاداری' رحم دلی سب عنقا ہو چکی ہے۔ فی الحال یہی کہانیاں پڑھ پائی ہوں بوجہ پرنسپل اپنے عہدے کی ذمہ داریاں اور کچھ نا سازی طبع مطالعے میں حائل ہو رہی ہے۔ نیرنگ خیال میں نازیہ کنول نازی کی نظم کو نجانے کتنی مرتبہ دہرایا۔ ایک ایک لفظ ایک ایک سطر دل سے لکھی ہوئی۔ یادگار لمحے میں سب نے بہت عمدہ مراسلات بھیجے سبھی بہترین تھے خاص طور پر میمونہ ناز کا۔ آئینہ میں قاری بہنیں بہت عمدہ و جامع تبصرہ کرتی ہیں' مونا قریشی اور افشاں علی کے تبصرے بھائے' خوب صورت لفاظی نے تبصروں کا حسن دوبالا کر دیا۔ میری طرف سے تمام آنچل قارئین اور ادارہ کارکنان کی خدمت میں ہدیہ خلوص۔

☆ ڈیئر حمیرا! آپ کا شگفتہ و برجستہ انداز میں لکھا تبصرہ پسند آیا۔

افشاں علی...... ای میل۔ محبت کی چاشنی میں ڈوبا پُرخلوص سلام الفت قبول ہو۔ سالگرہ ایک خاص دن، ہماری زندگی کے لیے دعاؤں کا، تحائف کا ایک خاص تہوار۔ بالکل ویسے ہی آنچل کا سالگرہ نمبر ہاتھ میں آتے ہی باہر کے سرورق سے اندازہ ہو گیا کہ سالگرہ نمبر خاص الخاص ہوگا اور آنچل کو پھیلائے اس میں جھلملاتے ستاروں کو دیکھا بے ساختہ سراہنے کو جی چاہا اور ہم ایک بار پھر سے آنچل کے سنگ محبتوں کے دھنک رنگ لیے آئینہ میں افشاں بکھیرنے چلے آئے۔ میٹھی میٹھی سرگوشیاں سنیں اور پھر سباس آپی اور فاخرہ آپی کی لکھی گئی حمد اور نعت سے مستفید ہوتے آگے بڑھے تو سالگرہ کا دعائیہ تحفہ بطور جواب منتظر ملا، اتنے پُرخلوص اپنائیت بھرے انداز و محبت کے لیے تہہ دل سے مشکور ہیں اور ساتھ ہی ہمارے خط و سروے کو شامل محفل کرنے کے لیے بہت بہت شکریہ آپی! نگہت آپی سے کیے گئے سوالات کے پیارے سے جوابات پڑھ کے مزہ آیا۔ اک شمع فروزاں ہے سبھی بہنوں کے سروے بہت پسند آئے۔ سالگرہ نمبر کا خوب صورت سا سرپرائز اقرا صغیر احمد کی آمد کے سنگ ملا اتنا زبردست ناول واؤ مزہ آ گیا مگر باقی آئندہ کا انتظار پھر سے طویل مدت دن پر محیط ہو گیا۔ ف سے فاخرہ گل نے "ف سے فیس بک" ف سے فیبولس لکھا۔ اقبال بانو جب بھی لکھتی ہیں ہمیشہ بہت خوب لکھتی ہیں۔ آزر نے جو کیا بہت غلط کیا اور خیال آیا بھی تو ۱۳ سال بعد، مگر وہیں شادو کا کیا گیا فیصلہ حق بجانب تھا۔ طلعت نظامی سبق دیتے "ہم نوا" کے سنگ نظر آئیں۔ "بہاریں جھوم کے آئی" اور "کیک اور سالگرہ" ہلکے پھلکے افسانے اچھے رہے۔ شبینہ گل کو پہلی بار پڑھنے کا اتفاق ہوا' بہت اچھا سبق دیتا افسانہ لکھا' واقعی بچے کے لیے ماں کی گود سے بڑھ کے اور کوئی ڈھال نہیں۔ عالیہ حرا کا افسانہ بھی ہلکے پھلکے موضوع کے سنگ تھا۔ اس ماہ کا شاندار افسانہ "تیس ہزار روپے" بہت ہی عمدہ تحریر۔ معذرت کے ساتھ ابھی سلسلے وار ناول پڑھے نہیں۔ ہومیو کارنر اس بار کافی کارآمد معلومات سے بھرپور تھا۔ ڈش مقابلہ میں اتنی مزے مزے کی ڈشیں واہ کیک تو ٹرائے کرنے سے رہے سو ہم نے آمنہ نور کی بتائی گئی ریسپی ٹرائے کی شکریہ آمنہ۔ بالوں کے بارے میں بیوٹی گائیڈ کارآمد تھی۔ نیرنگ خیال میں سبھی کی شاعری پسند آئی جبکہ آئینہ میں مونا شاہ، گل مینا، طیبہ نذیر، عائشہ پرویز ان سب کا عکس خوب جھلملایا۔ جاتے جاتے ایک بات کہنا چاہوں گی، آنچل میں ہر اسٹوری کی مناسبت سے لکھا گیا شروعاتی شعر ہر بار دل کی سند پہ براجمان ہو جاتا ہے۔ اب ڈھیر ساری دعاؤں کے سنگ اجازت چاہوں گی پھر حاضر محفل ہوں گے۔

☆ اب اس دعا کے ساتھ اگلے ماہ تک کے لیے رخصت کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہمیشہ ناگہانی آفات و مصائب سے محفوظ رکھے' آمین۔

aayna@aanchal.com.pk

ہم سے پوچھیے

شمائلہ کاشف

مدیحہ نورین مہک...... برنالی

س: آپی کیسے دن گزر رہے ہیں آپ کے میرے بن؟

ج: بہت اچھے و مزے کے تھے لیکن پھر سے تم آ گئیں......

س: جتنے ستارے ہیں اتنے چاند ہوتے تو آسمان کتنا پیارا لگتا۔

ج: آسمان ہی پیارا لگتا نا......

س: آپ چاند میں مجھے کیوں دیکھتی ہیں؟

ج: شاید میرے دیکھنے سے تم نیچے آ جاؤ اور چاند پورا روشن ہو جائے۔

س: پسینہ گرمیوں کی دھوپ میں سوکھتا کیوں نہیں؟

ج: گرمیوں کی دھوپ نے تمہاری مت ماردی ہے تب ہی ایسے سوال کررہی ہو۔

س: ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا' ناچ کا آنگن سے کیا تعلق؟

ج: یہ اپنی اماں سے پوچھو اور پھر ان کا جواب ہمیں بتانا۔

مہوش کلی...... بورے والا

س: آپی سوچا تھا اگر پہلی بار آپ کی محفل میں انٹری دوں گی تو ذرا دھماکے دار انداز میں ''مگر اب ہم وہ کہاں'' اب تو ہم خود آندھیوں کی زد میں آ گئے ہیں؟

ج: کیوں کیا الیکٹرک والے بجلی کاٹ گئے' اس لیے کہتے ہیں وقت پر بل جمع کرایا کرو۔

س: آپی اللہ کا دیا سب کچھ ہے مگر پھر بھی ایسا ہمیشہ ہی کیوں محسوس ہوتا ہے کہ کہیں کمی سی ہے' دل تنہا ہو گیا ہے شاید......؟

ج: ناشکری مت کرو کمی تمہاری سوچ میں ہے۔

اقراء بٹ...... دیرینہ

س: شمائلہ جی پہلی دفعہ انٹری ماررہی ہوں پلیز پارٹی تو دیں؟

ج: میں تو پارٹی دے دوں لیکن تم خوشی میں کہیں پاگل نہ ہو جاؤ اس لیے رہنے دو۔

س: میری بہن سب کو ہنسانے میں ماہر ہے لیکن میں اس کام میں چور ہوں پلیز کوئی مشورہ دیں؟

ج: جلدی سدھر جاؤ نہیں تو سسرال میں کیا منہ دکھاؤ گی' مس کام چور۔

نورین مسکان سرور...... سیالکوٹ' ڈسکہ

س: کیا میں آ جاؤں؟

ج: آ تو گئی ہو اب جاؤ۔

س: آپی آپ ماڈلنگ بھی کرتی رہی ہیں؟

ج: نہیں میرے جواب دیکھ کر جس طرح آپ منہ بگاڑتی ہیں اس کے لیے آپ ٹھیک ہیں۔

س: آپی! زندگی کیا ہے؟

ج: زندگی تمہاری سمجھ سے بہت دور ہے بچے۔

مہناز یوسف...... اورنگی ٹاؤن' کراچی

س: پیاری شمائلہ! مجھے آپ سے ''وہ'' ہو گیا ہے بتاؤ تو کیا؟

ج: محبت کا بخار تو نہیں چڑھ گیا تمہیں بھی۔

س: پیاری شمائلہ اتنی موٹی تازی چھپکلی کیا بتاؤں کتنی موٹی تازی چھپکلی کچن میں گھس گئی ہے' کیسے نکالوں باہر؟

ج: خود کچن میں چلی جاؤ' تمہیں دیکھ کر یہ سوچتی ہوئی باہر نکل جائے گی اس کے ہوتے میں کیوں آ گئی۔

س: پیاری شمائلہ میں نے آپ کی باتوں میں آ کر اپنے شوہر (نعیم) کی پٹائی لگادی' اس دن سے نعیم مجھ سے ناراض ہیں اور مجھ سے زیادہ وہ آپ سے ناراض ہیں۔

ج: آہستہ آہستہ عادی ہو جائیں گے تو ناراضگی بھی ختم ہو جائے گی۔

نیلی ظہیر...... کوٹلہ جام

س: ایسے کیا دیکھ رہی ہیں پہلی بار شرکت کررہی ہوں۔

ج: دیکھ رہی ہوں کہ وہ تم ہی ہو ناں جو لوگوں کی بیل بجا کر بھاگ جاتی ہو۔

س: اب ایسے بھی مت گھوریں آپ نے تو دی نہیں اپنی لائی ہوئی چاکلیٹ کھارہی ہوں۔

ج: اپنی لائی ہوئی یا ساتھ بیٹھی بچی کی چاکلیٹ...... ندیدی ہونے کے ساتھ جھوٹی بھی ہو۔

س: اگر میرے سوال ردی کی ٹوکری کی خوراک بنے تو پھر...... جان لے لوں گی۔

ج: اپنے میاں کی شرم کرو بے چارہ ویسے ہی دھان پان سا ہے۔

شہزادی......راولپنڈی

س: میں ہوں شہزادی اور آپ؟

ج: شہزادیوں کی شہزادی۔

س: یہ بتایئے حسین لوگ بے وفا کیوں ہوتے ہیں؟

ج: میں تو نہیں ہوں جب ہی تو ہر کوئی میرے پاس چلا آتا ہے۔

س: آنچل کو سر سے سرکنے نہ دینا ورنہ...... جملہ پورا کریں۔

ج: پیمانہ دکھائی میں ٹھینگا دے گا۔

س: دل بچہ بن کر روتا ہے اکثر جب تمہاری یاد ستاتی ہے بہت، کیوں اچھا لگا شعر؟

ج: یہ شعر تھا اور میں خوامخواہ بلی سمجھی، سچی، جھوٹ نہیں بول رہی۔

س: محبت محبت نہیں بلکہ سر دردی ہوتی ہے کیوں آپی ٹھیک کہا نہ؟

ج: جی بالکل اب ہمارے درد سر کا سبب مت بننا۔

رومہ رانا......گوجرانوالہ

س: آپی پہلی بار آپ کے آستانے پر حاضر ہوئی ہوں، کیسا لگا؟

ج: ٹھیک لگا لیکن جو شادی کا تعویز لینے آئی ہو وہ میں نہیں دیتی۔

س: شمائل آپی! لوگ غم دے کر شریک غم کیوں نہیں ہوتے؟

ج: کیونکہ ادھار لے کر بندہ واپس نہیں کرتا اس لیے۔

س: آپ نے طنزیہ بات میں پی ایچ ڈی کس یونیورسٹی سے کی ہے؟

ج: آپ کی ہونے والی ساس کی یونیورسٹی سے، یہ ہی سنانا چاہتی تھی ناں۔

س: اب اجازت دیں پھر کبھی نا آنے کے لیے اور ایگزامز کے لیے دعا بھی؟

ج: جیسے نقل کے لیے عقل ضروری ہے ایسے ہی دعا کے ساتھ پڑھائی بھی ضروری ہے۔

پروین افضل شاہین......بہاولنگر

س: میرے میاں جانی پرنس افضل شاہین بہت اسٹائل سے اپنے بال سیٹ کر رہے تھے کہ مجھے دیکھ کر رک گئے اور رونے لگے، کیوں؟

ج: کیونکہ آپ نے ان کے سر پر چند بال جو مشکل سے چھوڑے ہیں انہیں دیکھ کر اب وہ رو ئیں بھی کیا......

س: آج کل انہیں ہری ہری کیوں سوجھ رہی ہے؟

ج: ان کا پیٹ چیک کرواؤ کہیں کوئی اور مسئلہ تو نہیں۔

س: میرے میاں نے مجھ سے پوچھا ہے کہ ہوائی جہاز میں ہارن کیوں نہیں ہوتا، آپ ہی بتائیں میں انہیں کیا جواب دوں؟

ج: وہاں تم نہیں ہوتی ناں اسی لیے ہوائی جہاز میں ہارن کی بھلا کیا ضرورت۔

ایس اینڈ این......کھدروالہ

س: مجھے نیند نہ آئے مجھے چین نہ آئے، بتائیں کیا کروں؟

ج: اپنی ساس کی تصویر گلے میں لٹکا لو چین اور نیند بہت مزے کی آئے گی۔

س: آپی میں اتنی خوب صورت کیوں ہوں، ہاہاہا؟

ج: چڑیلوں کی ملکہ جو ہو خوف صورت تو ہو گی ہی۔

س: غزل چھیڑنے پر تو داد ملتی ہے لیکن کسی لڑکے کو چھیڑنے پر کیا ملتا ہے؟

ج: اماں ابا کے جوتے اتنی بار کھا چکی ہو لیکن تم سدھرنا مت۔

س: میری آواز بھی بھاری ہے اور مجھے گانے کا بھی شوق ہے کیا کروں؟

ج: یہ شوق اپنے سسرال جا کر پورے کرنا پھر دیکھنا کیسے داد ملتی ہے۔

زیبا امانت......خانیوال

س: آپی جی آپ کے "ان" کا نام کیا ہے، پلیز بتائیں نا؟

ج: میرے ان کا نام ابھی رکھا نہیں گیا جیسے ہی رکھ دیا آپ کو بتاؤں گی۔

س: آپی یہ لاریب جو ہے نا اس کا وزن دن بدن بڑھتا ہی جا رہا ہے اس نے جم بھی جوائن کیا ہے، ایسا کیوں ہے آپی؟

ج: اس کے وزن کو چھوڑو اپنی فکر کرو تم کیوں باسی روٹی کی طرح سوکھ رہی ہو۔

سعدیہ رشید بھٹی......روڈ، فیصل آباد

س: آپی کل میں نے بازار میں ایک ضعیف عورت کو دیکھا

تو مجھے آپ بہت یاد آئی بھلا کیوں؟

ج: کیونکہ انہوں نے بھی تمہیں دیکھ کر میری طرح منہ بنایا ہوگا کہ اچھی بھلی ہو کر مانگتی ہو۔

س: آپی میں سب کو چالاک ہی کیوں نظر آتی ہوں؟

ج: شکر کرو صرف چالاک ہی نظر آتی ہو ورنہ اگر میں نے تمہاری خامیاں بتانی شروع کیں تو پھر نظر ہی نہیں آؤ گی۔

حرا قریشی...... ملتان

س: آپی کی خیریت مطلوب کرنے آ ہی پہنچے آخر؟

ج: مطلوب جو شخص ہے وہ یہاں نہیں وظیفہ ابھی جاری رکھو جلد ہی مٹھی میں آ جائے گا۔

س: کہانی ایک ایسی بنؤ سوال جس میں حرا کریں، جواب شمائل دیں تو مزاح کا رنگ......؟

ج: تمہارے حسن کی مانند دو آتشہ ہو جائے گا۔

س: غصہ اور وہ بھی اتنا؟ کبھی کبھی تو حرا کی تشریف آوری ہوتی ہے؟

ج: اس کبھی کبھی پر اگر غصہ نہ ہوں تو کیا پیار کروں جب بھی آتی ہو پیار جتا کر ادھار لے جاتی ہو۔

س: ہر سوال کے جواب میں ڈھیر ساری مرچیں؟ زیادتی ہے ناں۔

ج: یہ مرچیں سنبھال کر رکھو اپنے اُن کے کھانے میں ملا دینا پھر دیکھنا کمال۔

س: یاد آئی آپ کی تو سوچا لبیک کہہ دیں، طبیعت نازک پر گراں تو نہیں گزرا؟

ج: گراں گزرتا ہے ان کا کبھی کبھی آنا
اے دل جانے دے ناراضگی، پیار ابہت ہے

نورین انجم...... کراچی

س: کہتے ہیں کہ قسمت تو پہلے سے ہی لکھی جا چکی ہے تو پھر دعا کرنے سے کیا ملے گا؟

ج: اچھا سا رزلٹ...... اب فیل ہو کر تھک تو گئی ہو گی اس لیے دعا پر تکیہ کرلو۔

س: ایک بکرا ہندوستان اور پاکستان کے بارڈر پر کھڑا ہے، پانی پاکستان سے پیتا ہے اور گھاس انڈیا کی کھاتا ہے، بتائیے بکرے پر کس ملک کا حق بنتا ہے؟

ج: بکرے پر نظر چھوڑ کر امتحان کی تیاری کرلو ورنہ بکرے کی طرح میں میں کرتی نظر آؤ گی۔

س: جب آپ کو غصہ آتا ہے تو کیا کرتی ہیں ضرور بتایئے گا؟

ج: جو آپ کی امی کرتی ہیں، کان پکڑ کر روم سے باہر نکال دیتی ہوں۔

نجم انجم...... کراچی

س: آپ کی محفل میری فطرت بدل نہیں سکتی کروں میں کیا؟ مجھے عادت ہے بے تکی بات کرنے کی

ج: چلو تم نے اس بہانے اپنی سچائی کا اعتراف تو کرلیا۔

س: جب بھی آنچل میں میری شاعری چھپتی ہے تو میرے ملک صاحب کہتے ہیں کہ جس شاعر کا کلام اپنے نام چھپوایا ہے اس شاعر کی روح قبر میں بھی تڑپے گی، پلیز آپ کہہ دیں نا کہ وہ شاعری میری اپنی لکھی ہے تاکہ انہیں یقین آ جائے پلیز......؟

ج: اتنے کم پیسوں میں اتنا بڑا جھوٹ بلوا رہی ہو۔

س: دوستی کا مطلب کیا ہوتا ہے؟

ج: ادھار سمجھ گئی میں...... لیکن اب تم بھی سن لو روٹی تندور کی اچھی دوستی دور کی اچھی۔

طیبہ نذیر...... شادیوال گجرات

س: جب دماغ بالکل خالی محسوس ہو کچھ بھی سمجھ میں نہ آئے تو اس کیفیت کو آپ کیا نام دیں گی؟

ج: بھئی شادی ہو گئی ہے سچی بات کہو بات کو گھما کیوں رہی ہو۔

س: آپی جی جب دل کی بات کسی کو بھی کہنے کو دل نہ کرے تو ایسے میں کیا کرنا چاہیے؟

ج: اپنا چہرہ کسی دوسرے کے سامنے کر کے کہنا زور سے دو لگاؤ پھر دل کی بات بتاؤں گی۔

س: آپ کے خیال میں دل کی ماننی چاہیے یا دماغ کی ویسے میں زیادہ دماغ کی مانتی ہوں؟

ج: سچ بتانا دل کیا کسی اور کو دیا ہوا ہے؟

ارم کمال...... فیصل آباد

س: پیار کا درد شروع میں میٹھا ہوتا ہے اور شادی کے بعد؟

ج: شادی کے بعد صرف درد ہی درد ہوتا ہے اور دوا کوئی بھی نہیں۔

س: کوئی ایسی بات کریں جسے سن کر میں جھوم اٹھوں؟

ج: روز کے برعکس آج بہت اچھی لگ رہی ہو۔

❀

ہومیوڈاکٹر ہاشم مرزا

تنویر بلقیس منڈی بہاؤالدین سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ موٹاپے کا ہے اب تو پیٹ بھی کافی بڑھتا جارہا ہے میرا ماہانہ نظام بھی ٹھیک نہیں ہے میں آنچل کی مستقل قاری ہوں پلیز اس کا علاج بتادیں میرا دوسرا مسئلہ چہرے پر بالوں کا ہے میں بہت پریشان ہوں۔

محترمہ آپ PHYTOLACCA BARY-Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں 900 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال فرمائیں۔ بال ختم کرنے والی دوا APHRODITE آپ کے گھر پہنچ جائے گی۔

مسز سرفراز ڈیرہ غازی خان سے لکھتی ہیں کہ میری بیٹی کو گھٹنوں کا درد ہے اور کھانے پینے کی چور ہے شاید اسی وجہ سے کمزوری ہے سیلان کی شکایت بھی ہے۔

محترمہ آپ بیٹی کو CALC PHOS-6X کی 4,4 گولی تینوں وقت کھانے سے پہلے دیا کریں ان شاءاللہ صحت بہتر ہوگی۔

صبا حسن سیالکوٹ سے لکھتی ہیں کہ میرا بھتیجا جس کی عمر بارہ سال ہے اور وہ ساتویں کلاس میں پڑھتا ہے اس کا قد چھوٹا ہے وہ کرکٹر بننا چاہتا ہے برائے مہربانی قد بڑھانے کی دوا بتائیں۔

محترمہ آپ اپنے بھتیجے کو CALC PHOS-6X کی 4,4 گولی تینوں وقت کھانے سے پہلے دیں اور BARIUM CARB-200 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر آٹھویں دن ایک بار دیں چھ ماہ کا پورا کورس کروائیں۔

ارمش نور لاہور سے لکھتی ہیں کہ میرا خط شائع کیے بغیر علاج بتا دیں۔

محترمہ آپ PULSATILLA-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں اور 900 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال فرمائیں، منی آرڈر فارم کے آخری کوپن پر اپنا مکمل پتا بمع فون نمبر اور مطلوبہ دوا کا نام APHRODITE ضرور لکھیں الفروڈائٹ آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔

عظیم ملک لکھتے ہیں کہ میری عمر اٹھارہ سال ہے مجھے جسم پر بہت خارش ہوتی ہے پچھلے تین سال سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کوئی بدن میں سوئیاں چبھو رہا ہو اور ایسا صرف سردیوں میں ہوتا ہے جب تیز چلتا ہوں یا کوئی کام کرتا ہوں یا کوئی مجھے جسم پر تھپڑ مارے تو جسم پر چھالے سے بن جاتے ہیں اور قد چھوٹا ہے۔

محترم آپ DOLICHUS-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں قد بڑھانے والی دوا اوپر لکھی ہے آپ بھی استعمال کریں۔

اقراناز سمندری سے لکھتی ہیں کہ مجھے سیلان الرحم کی شکایت ہے اور والدہ کا بلڈ پریشر کا مسئلہ ہے دونوں کے لیے کوئی علاج تجویز فرمائیں۔

محترمہ آپ BORAX-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں اور والدہ کو BRYTA MUR-3X کی ایک ایک گولی تینوں وقت کھانے سے پہلے دیا کریں اس کے علاوہ 600 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال فرمائیں منی آرڈر فارم کے آخری کوپن پر اپنا مکمل پتا بمع فون نمبر اور مطلوبہ دوا کا نام BREAST BEAUTY ضرور لکھیں بریسٹ بیوٹی آپ کے گھر پہنچ جائے گا ان شاءاللہ آپ کا مسئلہ حل ہوجائے گا۔

رقیہ تبسم وہاڑی سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتائیں۔

محترمہ آپ THILASPI-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں بری عادت کو قوت ارادی سے ختم کریں۔

مسز جواد بھکر سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتادیں۔

محترمہ آپ شوہر کو STAPHISGRIA-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پلایا کریں۔

سہد الرسول۔ K بلاک سے لکھتے ہیں کہ میں اپنا ایک مسئلہ لکھ رہا ہوں اس کا مناسب علاج بتادیں۔

محترم آپ کے جلنے سے جو پٹھے کمزور اور چھوٹے ہوگئے ہیں اس کا کوئی علاج نہیں ہے اور تندوا کا آپریشن کروالیں۔

ارسلان علی فتح پور لیہ سے لکھتے ہیں کہ مجھے پیشاب کے بعد قطرے گرتے ہیں اس کا کوئی علاج بتائیں۔ محترم آپ ACID PHOS-3X کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں۔

محمد اسد اللہ رحیم یار خان سے لکھتے ہیں کہ مجھے گرنے سے آنکھ کے گرد چوٹ لگی تھی اس کا نشان آج تک نہیں گیا اور دوسرا مسئلہ میری بہن کے بالوں کا ہے اس کے بال بہت روکھے اور بے رونق ہیں بال

بڑھ بھی نہیں رہے اس کا علاج بتادیں۔
محترم آپ کی چوٹ کا نشان ہے وہ وقت کے ساتھ ہلکا ہوتا جائے گا اس کے علاوہ 700 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال فرمائیں۔ HAIR GROWER آپ کے گھر پہنچ جائے گا تین چار بوتل کے استعمال سے بال لمبے گھنے سلکی اور خوب صورت ہوجائیں گے۔
تارا خانیوال سے لکھتی ہیں کہ میرے بچوں کا قد نہیں بڑھ رہا اس کا علاج بتادیں۔
محترمہ قد کی دوا اوپر لکھی دی ہے اس کو استعمال کریں۔
محمد عمر ٹانک سٹی سے لکھتے ہیں کہ میں آپ کا ہیئر گروور آئل استعمال کررہا ہوں میرے بالوں کی حالت بہت بہتر ہے مگر ابھی خشکی ہے کوئی اچھا سا شیمپو بھی بتادیں کہ جلدی اثر ہو اور دوسرا مسئلہ میرے والد کا ہے ان کی عمر 72 سال ہے ان کی دائیں ٹانگ میں درد رہتا ہے اور چلنے پھرنے سے بڑھ جاتا ہے اس کا بھی علاج بتادیں۔
محترم آپ ہیئر گروور کا استعمال جاری رکھیں کسی شیمپو وغیرہ کی ضرورت نہیں ہے اور والد صاحب کو BRYONIA-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے دیا کریں ان شاء اللہ مسئلہ حل ہوجائے گا۔
بنت عبدالسلام لکھتی ہیں کہ میرے اور میری بہن کے بال بہت گرتے ہیں چوٹی بہت چھوٹی رہ گئی ہے اور میرا جسم بہت کمزور ہے موٹا ہونے کی دوا بتائیں۔
محترمہ آپ ALFALFA (Q) کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں مبلغ 1400 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال فرمائیں۔ 2 بوتل ہیئر گروور آپ کے گھر پہنچ جائیں گی آپ دونوں بہنیں استعمال کریں بال لمبے گھنے سلکی اور خوب صورت ہوجائیں گے۔
مسکان ندیم گجرات سے لکھتی ہیں کہ میرے دو مسئلے ہیں اس کا علاج بتادیں میرا معدہ ٹھیک نہیں رہتا ہر وقت ڈکاریں آتی ہیں کھانا ہضم نہیں ہوتا دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ فیملی پلاننگ کے بعد میرا پیٹ بہت بڑھ گیا ہے۔
محترمہ آپ CARBO VEG-6 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں اس کے علاوہ CALC PHOS-6X کی چار چار گولی تینوں وقت کھانے کے بعد کھایا کریں۔
آمنہ اقبال قصور سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتادیں۔

محترمہ آپ PHYTOLACCA BARRY-Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں اور مرغن غذا سے پرہیز کریں روزانہ ایک گھنٹے پیدل چلا کریں۔
عالیہ لکھتی ہیں کہ مجھے دس سال سے ماہواری کا مسئلہ ہے شروع میں کچھ ماہ کے وقفے کے بعد ہوتے تھے اور اب دوا کے بغیر نہیں ہوتے میری عمر 35 سال ہے اور غیر شادی شدہ ہوں اور دوسرا مسئلہ میری بہن کا ہے اس کے بریسٹ بہت تیزی سے بڑھ رہے ہیں اس کا علاج بتادیں۔
محترمہ آپ SENECIO-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں اور بہن کو CHIMA PHILA-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے دیا کریں۔
سمیہ رمضان ملتان سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتائیں۔
محترمہ آپ ALFALFA (Q) کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں اور والدہ کو PHYTOLACCA BARRY (Q) کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے دیا کریں۔
ابوبکر عثمانی فیصل آباد سے لکھتے ہیں کہ میں بڑی امید سے خط لکھ رہا ہوں کہ آپ میرے مسائل کا بھی کوئی حل بتائیں گے۔ میرے چہرے پر چار سال سے دانے نکل رہے ہیں موٹے سرخ رنگ کے دانے نکلتے ہیں پھر ختم ہونے کے بعد نشان چھوڑ جاتے ہیں میں نے بہت علاج کرایا مگر افاقہ نہ ہوا دوسرا مسئلہ مجھے پیشاب کے بعد قطرے آتے ہیں قبض بھی رہتا ہے۔
محترم آپ GRAPHITES-30 اور ACID PHOS-3X کے پانچ پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں تین ماہ کا کورس مکمل کرلیں دونوں دواؤں کا۔
محمد ارسلان ساہیوال سے لکھتے ہیں میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتادیں۔
محترم آپ SALIXNIGRA-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں ان شاء اللہ مسئلہ حل ہوجائے گا۔
عبدالباسط جہلم سے لکھتے ہیں کہ میں بڑی امید کے ساتھ خط لکھ رہا ہوں میں نے آپ کی تجویز کردہ اسٹفی سگریا اور ڈمیانہ کھائی مجھے

بہت فائدہ ہوا پھر میری شادی ہوگئی اور ہمیں امید بھی لگ گئی لیکن ہماری بیٹی فوت شدہ پیدا ہوئی اب مجھے سرعت انزال کا مسئلہ ہے ٹائمنگ بہت کم رہ گئی ہے۔ دوسرا مسئلہ میری بیوی کا ہے ان کا وزن بہت بڑھ گیا ہے علاج بتادیں۔

محترم آپ STAPHISGRIA-30 کا استعمال ابھی جاری رکھیں اور تین ماہ کا کورس مکمل کرلیں اور اپنی وائف کو وزن کم کرنے والی دوا اور لکھی ہے وہ استعمال کرالیں۔

نائلہ فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ میری عمر چوبیس سال ہے میں غیر شادی شدہ ہوں دو سال سے میرے بریسٹ کے سائز میں فرق آ گیا ہے ایام کے دنوں میں فرق زیادہ ہوجاتا ہے۔

محترمہ آپ 600 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال فرمائیں، BREAST BEAUTY آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔ اس کے استعمال سے افاقہ ہوگا۔

عاصم علی لکر کہار سے لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتادیں۔

محترم آپ SELENIUM-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں اور دونوں بہنوں کو OVATESTA-3X کی ایک ایک گولی تینوں وقت کھانے سے پہلے دیا کریں۔

نازیہ گوجرانوالہ سے لکھتی ہیں کہ مجھے سیلان کی شکایت ہے اس کے علاوہ ہاضمہ خراب ہے کچھ کھاتے ہی موشن ہوجاتے ہیں۔ کمزور بہت ہوگئی ہوں ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گئی ہوں بھوک زیادہ لگتی ہے۔

محترمہ آپ BORAX-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں اور JODUM 200 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر آٹھویں دن ایک بار پیا کریں۔

ملک محمد عمر قصور کے گھر سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر دانے نکلتے ہیں جو نشان چھوڑ جاتے ہیں اور میرے چہرے پر فالتو بال بھی ہیں جو بہت برے لگتے ہیں۔

محترمہ آپ GRAPHITES-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں اور مبلغ 900 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال فرمائیں الیفروڈائٹ آپ کے گھر پہنچ جائے گا دو تین بوتل کے استعمال سے چہرے کے بال مکمل طور پر ختم ہوجائیں گے۔

چوہدری اسلم گجر جھنگ سے لکھتے ہیں کہ میں بہت پریشان ہوں گھر والے شادی پر زور دے رہے ہیں مگر میری حالت اس قابل نہیں ہے اب آپ سے امید لگائی ہے آپ میری رہنمائی فرمائیں۔

محترم آپ STAPHISGRIA-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں اور بری عادت سے پرہیز کریں۔

مسز علی فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ اپنا اور بیٹی بیٹے کا مسئلہ لکھ رہی ہوں بہت پریشان ہوں میری رہنمائی فرمائیں۔

محترمہ آپ USENEA BARB-3X کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں اور CONIUM-200 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر آٹھویں دن ایک بار پیا کریں بیٹی کو KALI PHOS-6X کی چار چار گولی تینوں وقت کھانے سے پہلے دیا کریں اور بیٹے کو ANA CARDIUM-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے دیا کریں۔

انور علی ملتان سے لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتا دیں بڑی امید سے آپ کو خط لکھ رہا ہوں۔

محترم آپ RUTA-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں۔

فرزانہ کراچی سے لکھتی ہیں کہ میں بہت بیمار رہتی ہوں ہر عضو بیماری میں مبتلا ہے، بہت علاج کرائے مگر کوئی فائدہ نہیں ہوتا میرے لیے کوئی مناسب دوا تجویز کردیں۔

محترمہ آپ اپنی تمام رپورٹ کے ساتھ میرے کلینک پر تشریف لائیں ان شاءاللہ آپ کے تمام امراض کا علاج ہوجائے گا۔

نعیم بخاری ننکانہ صاحب سے لکھتے ہیں کہ مجھے بادی بواسیر کا مرض ہے تکلیف دہ چبھن رہتی ہے تکلیف سخت ہے بیٹھ بھی نہیں سکتا۔

محترم آپ AESCULUS HIP-6 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں ثقیل چیزوں سے پرہیز کریں قبض نہ ہونے دیں۔

محمد سعید سکھر آپ PHYTOLACCA BARYY-Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں روزانہ کم از کم ایک گھنٹے واک کریں۔

ملاقات اور منی آرڈر کرنے کا پتا۔

صبح 10 تا 1 بجے شام 6 تا 9 بجے فون نمبر 021-36997059 ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک دکان نمبر C-5 کے ڈی اے فلیٹس فیز 4 شادمان ٹاؤن نمبر 2، سیکٹر B-14 نارتھ کراچی 75850

خط لکھنے کا پتا

آپ کی صحت ماہنامہ آنچل پوسٹ بکس 75 کراچی۔

حنا احمد

آٹیزم

AUTISM

Autism Spectrum Disorder

(ASD) Autism

آج میں نے یہ موضوع اس لیے چنا ہے کہ یہ ہمارے نئے شادی شدہ جوڑوں کو آگاہی دے اور وہ شیر خوار بچوں کو اس سے بچاسکیں۔ یہ برین سے تعلق رکھتی ہے۔ آٹیزم ایک Genetic بیماری ہے اور اس میں ماحول سے ایڈجسٹ کرنا' بولنا میل ملاپ اس سب میں بچے کو مشکل ہوسکتی ہے اور یہ ذہنی حالت ہے جو شیر خواری اور اٹھارہ ماہ تک پیدا ہوتی ہے۔ آپ جتنی جلدی اس مرض کو اپنے بچے میں محسوس کرلیں تو علاج ممکن ہوسکتا ہے۔ Genetic defect کے علاوہ ابھی ایکسپرٹ اور ڈاکٹرز پتا نہیں لگا سکے ہیں کیا وجہ ہے۔

AsdSignrsymptoms کو نارملی تین کیٹگری میں بانٹا جاتا ہے۔

1۔ کسی سے مخاطب ہونے کی صلاحیت بول کر یا نہ بول کر۔

2۔ لوگوں اور دنیا سے تعلق جو کچھ ان کے اردگرد ہے۔

3۔ سوچنا اور اپنے آپ میں لچک پیدا کرنا۔

ہر بے بی یا بچہ ان تین کیٹیگریز میں سے کسی ایک کا حامی ہوسکتا ہے۔ ہر ڈاکٹر کی رائے ہے کہ جلد از جلد Diagnosis سے بچہ کو فائدہ ہوسکتا ہے۔

والدین کا رول

بطور والدین آپ سب سے بہترین پوزیشن میں ہیں کہ Asd ڈائیگنوز کرسکیں۔ آپ اپنے ننھے بچے کو زیادہ بہتر جانتے ہیں آپ جب بچوں کے ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں تو دس پندرہ منٹ میں بچے کو دیکھ کر وہ کچھ اندازہ نہیں لگا سکتا۔ وہ آپ کے بچے کا بہترین معالج ہوسکتا ہے مگر اصل مسئلہ والدین ہیں انہیں بچے کے رویے پر غور کرنا ہے۔

1۔ والدین کو اپنے آپ کو تعلیم دینا ہے اور انہیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ان کے بچے کے Milestones کیسے ہیں یعنی بچہ کا دیکھنا' سننا کسی آواز پر Response (رسپانس) کرنا مسکرانا ہنسنا وغیرہ شامل ہیں۔ اگر یہ Milestones نارمل بچوں کی طرح Develope نہیں ہورہے ہوں تو پھر لمحہ فکریہ ہے۔

2۔ آپ اس وقت ایکشن لیں جب آپ محسوس کریں کہ بچہ آپ کے اشاروں یا آواز دینے پر رسپانس نہیں دے رہا مگر آپ Panic نہ ہوں کچھ بچے دیر سے بولتے اور چلتے ہیں۔ مگر وہ ایک تندرست بچے کی طرح ہوتے ہیں اور اپنی Age گروپ کو میٹ کرتے ہیں اس کے برعکس اگر آپ کا بچہ اپنی ایج گروپ سے کم ہے تو یہ پرابلم کی بات ہے۔ آپ کو فوراً بچوں کے ڈاکٹر سے رجوع کرنا چاہئے۔

3۔ یہ بات بتانا بہت ضروری ہے کہ بہت سے معالج کہہ دیتے ہیں کہ گھبرائیں نہیں جسٹ ویٹ اینڈ سی مگر آپ کو ویٹ اور سی میں خاصی دیر ہوسکتی ہے۔ اب بچے کے Milestone کسی اور وجہ سے دیر سے ہوں یا Autism کی وجہ سے علاج ضروری ہے آپ کا بچہ اپنی پرابلم سے باہر آسکتا ہے مگر اسے ایکسٹرا مدد اور خاص علاج چاہئے ہے۔

4۔ اپنے بچے کی نشوونما سے آپ کا کنسن ہونا چاہئے اور اگر تفصیلی معائنے کے بعد ایک ڈاکٹر لال جھنڈی دکھا دے تو مطمئن ہوکر نہ بیٹھے۔ دوسرے تیسرے ڈاکٹر سے سیکنڈ آپشن لیں اور ان سے کہیں کہ آپ کو ریفر کریں ان اسپشل ڈاکٹر کے پاس جو اپنے

بچوں کے اسپشلسٹ ہوں۔ آپ اپنی چھٹی حس کے بارے میں سوچیں اور اس پر عمل کریں۔

مرض کا بڑھنا

12-24 ماہ کے بچوں میں جو اچھا رسپانس دیتے تھے جیسے موم کہنا یا بائی بائی کہنا اچانک بولنے کی صلاحیت کھو دینا اس بات کی علامت ہے کہ مرض بڑھ رہا ہے اور اس پر پوری توجہ دینا چاہیے۔

شیر خواری میں یا 24 ماہ کی عمر سے پہلے Autism کا Diagnose کرنا مشکل ہے۔ پھر بھی بارہ اور اٹھارہ ماہ کے دوران یہ پہچان لی جاتی ہے اور بہت جلد علاج سے یہ بیماری کنٹرول کی جاسکتی ہے۔ ابتدائی Autism کی علامت میں نارمل برتاؤ کی کمی یا غائب ہونا ہے۔ وہ ایب نارمل حرکتیں بھی نہیں کرے گا' خاموش اور کسی چیز کے لیے ضد نہیں کرے گا۔ جب انہیں گود میں لیا جائے تو کوئی اظہار نہیں کریں گے اور جب ماں دودھ پلائے گی تو بھی اچھا تاثر نہیں دیں گے۔

چند ضروری نکات تو ہر ماں باپ کے لیے جاننا بے حد ضروری ہیں اور یہ نکات بے بیز اور Toddlers کے لیے ہیں۔

*ماں جب دودھ پلائے تو بچہ آئی Contact نہ کرے یعنی ماں کی طرف دیکھے بھی نہیں۔

*جب بچہ کا نام پکاریں تو وہ اس پر رسپانس نہ دے۔

* کسی بھی کھلونے یا چیز کو آنکھوں سے دیکھ کر فالو نہ کرے۔

*اگر آپ بچے کی توجہ کسی چیز کی طرف دلا کر بتا رہے ہیں تو وہ توجہ نہ دے۔

*وہ کبھی آوازیں نہیں نکالے گا تاکہ آپ کی توجہ حاصل کرسکے۔

*جب آپ اسے گلے لگائیں گے تو بھی کوئی اظہار نہیں کرے گا۔

*آپ کے چلنے پھرنے اور چہرے کے تاثرات پر بھی کوئی اظہار نہیں کرے گا۔

* کبھی خود سے نہیں آئے گا کہ آپ اسے گود میں لیں۔

*دوسرے بچوں یا لوگوں سے کچھ شیئر نہیں کرے گا۔ کوئی خوشی کا تاثر یا کوئی دلچسپی نہیں دکھائے گا۔

*وہ کبھی مدد نہیں مانگے گا۔

Milestones میں آپ کو اب جلدی سے بتاتی ہوں کہ آپ کے بچوں کے ڈاکٹر کو توجہ کب دینا چاہیے اور آپ کو بھی۔

* چھ ماہ کا بچہ اگر مسکرائے نہیں اور خوشی کا کوئی اظہار نہ کرے۔

*9 ماہ کا بچہ اگر آپ کی آواز پر مسکرائے نہیں اور فیس ایکسپریشن نہ دے۔

*بارہ ماہ میں نام پر رسپانس نہ کرنا۔

*بارہ ماہ میں بچہ آواز نہ نکالے یا آپ سے بات نہ کرے۔

*سولہ ماہ میں اگر ایک لفظ بھی نہ بولے۔

*چوبیس ماہ میں اگر کوئی ایسے دو لفظ بولے جن کا کوئی مطلب نہ ہو اور بار بار دہرائے۔

اس کے بعد جب بچے تھوڑے اور بڑے ہوتے ہیں تو ایک لال جھنڈی Autism کی مضبوط ہو جاتی ہے میں یہاں کچھ والدین کے لیے معلومات فراہم کرنا چاہتی ہوں۔ آگاہی ضروری ہے ایسے بچوں کو عدم توجہی نہ دیں

علامات

ایسے بچوں کو کوئی خبر نہیں ہوتی کہ ان کے اطراف کیا ہو رہا ہے۔ وہ لوگوں سے لاتعلق رہتے ہیں۔ انہیں دوست بنانا نہیں آتے اور میل ملاپ کرنا نہیں آتا۔ کھیلتے بھی نہیں ہیں۔ پسند نہیں کرتے کہ انہیں چھوا جائے یا گلے لگایا جائے یا گود میں اٹھایا جائے۔ وہ بھی گروپ گیمز نہیں کھیلتے۔ دوسروں کی توجہ اپنی طرف

لانے کی کوشش نہیں کرتے۔ انہیں بات کرنے اور کچھ سمجھنے میں پریشانی ہوتی ہے اور اپنے جذبات بیان نہیں کرسکتے۔ انہیں دوسروں کی بات چیت سنائی نہیں دیتی۔ وہ اپنا کوئی کھلونا یا ڈرائنگ کسی سے شیئر نہیں کرتے۔ ایسے بچوں سے سوشل انٹرایکشن خاصا مشکل ہوتا ہے۔ ASD والے بہت سے بچے اپنی دنیا میں گم رہنا چاہتے ہیں' اکیلے تنہا کسی سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔

ASD بچوں میں بولنے اور لینگوج سمجھنے کی پرابلم ہوتی ہے۔

علامات

آواز کی ٹون ایب نارمل ہوگی یا اٹک اٹک کر بولیں گے اور ہر جملہ ایک سوال پر ختم ہوگا۔ آپ کو ایسا محسوس ہوگا کہ بچہ سوال کررہا ہے۔ بار بار بچہ اپنے جملوں کو دوہراتا رہے گا یا اسی الفاظ پر بار بار تکرار کرے گا۔

اگر آپ بچہ سے سوال کریں گے تو جواب دینے کے بجائے آپ کے سوال کو دوہرائے گا اور بار بار ایسا کرے گا۔ وہ اپنے آپ کو کوئی تیسرا شخص محسوس کرے گا۔ آدھے ادھورے گرامر کی غلطیوں سے بھرے جملے ادا کرے گا۔ اسے مشکل ہوگی کسی سے بھی کمیونیکیٹ کرنے کے لیے اور اس کی خواہش بھی نہیں ہوگی کہ وہ کسی سے رابطہ رکھے وہ آسان سے اشارے' سوالات بھی نہیں سمجھ سکتا۔ ایسے بچے ادبی طور پر کہا جائے تو طنز ومزاح یا ہیومر سے دور ہوتے ہیں۔

نہ بولنے والے بچے یعنی Non verable

علامات

نظر سے نظر نہیں ملائیں گے یعنی آئی Contact نہیں کریں گے۔ اپنے چہرے سے ایسے ایکسپریشن ظاہر کریں گے جس کا کچھ مطلب نہیں ہوگا۔

دوسرے لوگوں کی آواز پک نہیں کرسکتے اور ان کے چہرے کے تاثرات بھی نہیں سمجھ سکتے۔ کبھی کبھار کوئی اشارہ کرسکتے ہیں مگر وہ ایسے ٹھنڈے مزاج ہوتے ہیں جیسے Robot like ہوں خوشبو' بدبو یا تیز آوازوں پر ری ایکٹ کرسکتے ہیں۔ ایب نارمل طریقے سے چلنا' گھومنا پھرنا خاص طور پر پنجوں کے بل چلنا چاہتے ہیں۔

ASD والے بچوں کو جو بول نہیں سکتے حالات سے سمجھوتا کرنا بہت مشکل ہوتا ہے اور سوشل کونٹیکٹ بھی خاصہ مشکل ہوتا ہے۔ آٹزم کے بڑے بچوں کی اکثر یہ علامات بھی ہوتی ہیں۔ یعنی چھ سات سال یا اس کے بڑے بچے۔

علامات

وہ اسی روٹ سے اسکول جانا چاہیں گے۔ جس سے روز جاتے ہیں...... اور اس پر زور بھی دیں گے۔ اگر بچے کا ماحول یا کمرے میں کوئی تبدیلی کی جائے گی۔ فرنیچر ادھر ادھر کیا جائے گا تو انہیں ناگوار گزرے گا...... اگر ان کے سونے کے ٹائم میں تبدیلی کی جائے گی تو بھی ناگوار ہوگا۔

ان کا لگاؤ ایسی چیزوں سے ہوگا جو آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔ جیسے چابیاں، لائٹ سوئچ یا ربڑ بینڈ اور کچھ کھلونے۔ غیرارادی طور پر چیزوں کی لائن بنائیں گے اور بگاڑیں گے اور پھر نئے طریقے سے انہیں ارینج کریں گے۔

وہ ایسی چیزوں میں pre occupied ہوتے ہیں جیسے کسی اسپورٹس کے بارے میں دوہرائیں گے۔ کوئی نقشہ دیکھیں گے تو دیکھتے ہی رہیں گے۔ ایسے بچے کافی وقت کھلونے ارینج کرنے میں لگاتے ہیں اور ہلنے والی چیزوں کو دیکھتے ہیں۔ جیسے کھلونا کا پہیہ یا پھر چھت کا پنکھا۔ وہ بچے کبھی کبھی تالیاں بجاتے ہیں، آپ ہی آپ گھومنے لگتے ہیں۔ یعنی چکر لگاتے ہیں۔

ASD بچوں کی خاص کیفیات میں سے چند آپ کو رہنمائی کے لیے بتاتی ہوں۔

تالیاں بجانا
کان پر ہاتھ رکھ کر بجانا
نوچنا
Rocking کرنا یعنی آگے پیچھے ہلنا
فضاؤں میں گول گول دائرے بنانا
انگلیاں گھمانا
سر کسی چیز پر دھم سے دے مارنا
روشنی یا لائٹ کو گھورنا
آنکھوں کے سامنے انگلیاں گھماتے رہنا
کیمرے کی طرح انگلیوں سے فوٹو لینے کا ایکشن بنانا
کھلونوں کو لائن سے لگانا
بجلی کے سوئچ کھولنا اور بند کرنا
ہلتے ہوئے object کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا
آوازیں نکالنا یا الفاظ بار بار دھرانا

AUTISM کے بارے میں SCIENTIST یہی سمجھتے ہیں کہ یہ GENETIC FACTOR سے ہوتا ہے۔ مگر مزید تحقیقات کے بعد معلوم ہوا ہے کہ ماحول کا بھی اثر ہوتا ہے۔ آپ کے اطراف یا ماحول ان کی وجہ سے بھی AUSTISM ہوسکتا ہے۔ ایسا بھی مانا جاتا ہے کہ GENEEITIC FACTOR کو AUTISM کا ذکر کرتا ہے۔ مگر جب بچہ ماں کے پیٹ میں یا بچہ دانی میں ہوتا ہے تو بھی یہ بات ماحول کے لحاظ سے بڑھتی ہے یا پھر ماحولیاتی اثر پیدائش کے فوراً بعد بچے پر ہوتا ہے۔

دراصل یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ماحول سے مطلب باہر کی فضا۔ جب بچہ ماں کے پیٹ میں پرورش پاتا ہے تو زچگی سے پہلے کا ماحول یعنی ہم اسے Prenatal factors کہیں گے اور وہ یہ ہوسکتے ہیں۔

زچگی کے پہلے تین ماہ یعنی فرسٹ ٹرم میں ماں کوئی ڈپریشن دور کرنے والی دوا لے رہی ہیں۔

زچگی کے دوران خوراک کی کمی یعنی Folic Acid کی گولیاں نہیں کھا رہیں اور Anaemea کا شکار ہیں۔

ماں کی عمر اگر کم ہے اور باپ زیادہ عمر کا ہے تو ایسے بچے AUTISM کی طرف رسک میں ہوتے ہیں۔

پیدائش کے وقت نومولود کا وزن بے حد کم ہو یا پھر اسے پیدائشی Anaemea ہو۔

حمل کے دوران ماں کو کوئی ایسا انفیکشن ہوجائے جو بچے پر اثر انداز ہو۔ e.g Jerman Measles۔

حمل کے دوران ماں کسی قسم کے کیمیکل آلودگی inhale کرے۔ جیسے کیڑے مکوڑے مارنے کی دوائیں۔

والدین کے لیے جو حمل سے خواتین ہیں یا جو بچہ کے لیے پلان کررہے ہیں۔ چند پوائنٹس بے حد ضروری ہیں۔

حمل والی مائیں اپنی خوراک ٹھیک رکھیں اگر الٹی متلی کی وجہ سے شروع کے دنوں میں نہیں کھایا جاتا تو پھر ڈاکٹر سے متلی کی دوائیں لکھوائیں اور پھر کھانا کھائیں۔ پھل سب لیں۔ تھوڑی، تھوڑی دیر بعد کھائیں اگر ایک دم نہیں کھایا جاتا۔

ڈاکٹر کے مشورے سے بتائی ہوئی طاقت کی گولیاں ضرور لیں۔ یعنی Multi vitamin۔ خاص طرف سے Folic Acid کی گولیاں بے حد ضروری ہیں۔ بچے کی نشوونما کا وقت ہوتا ہے اور آپ کو لاپروائی نہیں کرنا چاہیے۔ اگر کوئی حاملہ عورت ڈپریشن کا شکار رہے تو وہ بغیر ڈاکٹر کے مشورے کے کوئی گولی نہ کھائے۔ کیونکہ ماں کے اس عمل سے بچہ کو نقصان ہوسکتا ہے۔

❁......❁......❁......❁

VACCINATION

نومولود بچوں سے لے کر جو بچے کی vaccination کی عمر ہے لاپروائی نہ کریں۔ انہیں vaccine ضرور لگوائیں۔ ابھی تک ریسرچ نہیں ہوئی ہے کہ بچوں کو مہلک بیماریوں سے بچانے والے ٹیکوں نے کوئی نقصان دیا ہو اور یہ بھی کھل کر سامنے نہیں آیا ہے کہ vaccines آٹزم کی وجہ ہو سکتے ہیں۔

Vaccination بچوں کو مہلک بیماریوں سے بچاتا ہے جیسے:

خسرہ
پولیو
Tetanus
کالی کھانسی
چکن پوکس
ہیپاٹائٹس
نمونیا وغیرہ وغیرہ

❀......❀......❀......❀
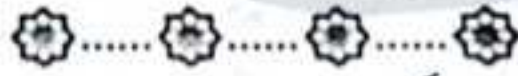
باپ، ماں اگر پریشان ہیں کہ بچے کے Milestones ٹھیک نہیں ہیں تو آپ اپنے بچوں کا ڈاکٹر سے مکمل چیک اپ کروائیں 9 ماہ 18 ماہ اور 30 ماہ کے بچوں کی screening اور چیک اپ کروائیں۔

بہت سارے ایسے ٹولز ہیں۔ جن سے آپ بچے کے AUSTIM کو چیک کر سکتے ہیں اور وہ جلدی اور سادے جواب ہوتے ہیں۔ لیس اور نو جو عمل ڈاکٹر آپ کو بتائے۔ اس کی فیڈ بیک اپنے ڈاکٹر کو ضرور بتائیں۔

اگر آپ کا بچہ یہ detect ہوتا ہے کہ وہ Autism کا شکار ہے تو پھر Autism کے ماہر ڈاکٹر کے پاس جانا چاہیے۔ وہ دوسرے مختلف ٹیسٹوں سے علامات سے آپ کو Diagnose کر کے بتائیں گے اور تب علاج ممکن ہو جائے گا۔ صرف والدین کی توجہ ضروری ہے۔

والدین آج کل نومولود سے لے کر بچپن تک کم وقت دیتے ہیں۔ بچے نزدیک آتے ہیں تو ماں باپ جھنجھلا جاتے ہیں۔ آپ اپنے بے بی کو پیار دیں۔ اس کی حرکات وسکنات پر غور کریں۔ نوکروں اور آیاؤں کی گود میں بچوں کو ڈال کر آپ Autism کا پتہ نہیں لگا سکتے۔

یہ مضمون میں نے اس لیے بھی لکھا ہے کہ میں نے اپنے اردگرد Autism کے خاصے بچے دیکھے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ کہیں نہ کہیں معاشرے کی خرابی یا کہیں لاپرواہی ہے۔ بچے عدم توجہی کا شکار ہیں۔ انہیں عدم تحفظ ہے اور وہ بچے ماحول سے ڈر کر کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ والدین یعنی میں ماں باپ دونوں سے کہوں گی کہ اگر عورت حاملہ ہو تو شوہر اس کے کھانے پینے، دوا وغیرہ کا خیال رکھے، لڑائی جھگڑوں سے حاملہ عورت ڈپریشن میں آجاتی ہیں اور غلط سلط گولیاں کھاتی رہتی ہیں۔ بغیر ڈاکٹر کے مشورے کے اور سکون کے بجائے حاملہ عورت کے بچے کو نقصان دیتی ہیں۔

❀......❀......❀......❀

زچگی کے بعد آپ کا نومولود آپ کے پیار کے لیے دنیا میں آیا ہے۔ اس پر توجہ دیں۔ اسے وقت دیں۔ تب ہی ماں یا باپ بچے کے Milestones اور حرکات پر غور کر سکتے ہیں۔ اگر working mother ہیں تو بھی انہیں آیا کے ساتھ بچے کو اکیلا نہیں چھوڑنا چاہیے، نانا، نانی، دادا، دادی، پھوپی کوئی بڑا ضرور ہو۔ تاکہ بچہ گھر والوں کو دیکھ کر تحفظ کا احساس کرے۔

❀......❀......❀......❀
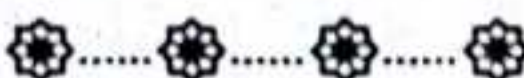
میں ایک دو قصے سناتی ہوں کہ ایک ورکنگ لیڈی نے آیا رکھی وہ فیڈر بھی بچے کا بنا کر یعنی دودھ کی بوتلیں

بنا کر جاتی تھیں۔ ہوا کچھ یوں کہ کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے محسوس کیا کہ ان کا بے بی جو چھ ماہ کا تھا۔ کمزور ہورہا ہے اور جب دیکھو سوتا رہتا ہے۔ ڈاکٹر کو لے جا کر چیک کرایا تو معلوم ہوا کہ ننھے سے بچے کے ٹیسٹ میں افیم آئی ہے۔ وہ آیا اپنے پلو میں افیم کا ٹکڑا لاتی تھی اور اس بچے کو دودھ بھی نہیں پلاتی تھی۔ ایک آدھ بوتل کے علاوہ باقی سب خود پی جاتی تھی اور بچے کو افیم دے کر سلا دیتی تھی۔ وہ آیا تو جیل چلی گئی مگر ورکنگ لیڈی نے اپنا کام چھوڑ دیا اور بچوں کی پرورش میں لگ گئیں۔ اس معصوم بے بی کا علاج کرایا اور وہ ٹھیک ہوگیا۔

❁......❁......❁......❁

ایک اور دل دہلانے والا سچا قصہ سناتی ہوں۔ بے فکرے ماں باپ کے لیے۔ ان خاتون کی بے بی چار ماہ کی تھی۔ وہ carry cot میں تھی۔ یہ بھی ورکنگ لیڈی تھیں۔ تھک گئی ہوگی۔ خاصی امیر تھی مگر جاب کرتی تھیں...... جب وہ آئیں تو وہ بے بی carry cot میں غوں غاں کرنے لگی اور ہاتھ اٹھا کر اشارہ کرنے لگی کہ ماں سینے سے لگالیں۔ ماں نے آیا سے کہا کہ تم بے بی کو دودھ پلاؤ میں ذرا نہا کر آتی ہوں۔ وہ نہانے گھس گئیں۔ پندرہ منٹ کے بعد وہ باہر نکلیں اس وقت بے بی سو چکی تھی۔ انہوں نے آیا سے کہا کہ بے بی کو کمرے میں لاؤ۔

''کیا یہ سوگئی ہے۔''

''ہاں بیگم صاحبہ بے بی سوگئی۔'' وہ بڑے آرام سے بولی اور چلی گئی۔

تھوڑی دیر کے بعد جب وہ خاتون فارغ ہوئیں تو سوچ کہ بے بی ہل جل نہیں رہی ہے۔ وہ carry cot کے پاس آئیں کہ اسے اٹھا کر اپنے پاس لٹالیں۔ مگر ان کی بے بی تو زندہ ہی نہیں تھی۔ وہ ننھی سی پیاری سی گڑیا انہیں چھوڑ کر جا چکی تھی۔ وہ بلک بلک کر روئیں شوہر بھی آئے، رشتے دار بھی، آیا صاف منع کر گئی کہ مجھے نہیں پتا۔

قصہ مختصر یہ کہ جب گھر میں لگے CCTV کیمرے سے دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ ماں کے نہانے جانے کے بعد وہ بچی خاصی روئی۔ اس آیا نے اسے گود میں لے کر چپ کرانے کے بجائے اس کے منہ پر تکیہ رکھ دیا اور یوں وہ ننھی کلی سانس گھٹنے سے فوت ہوگئی۔ ماں کی لاپروائی اور آیا کا جھوٹ سب سامنے آگئے۔ آیا کو پولیس لے گئی۔

❁......❁......❁......❁

یہ دو مختصر قصے میں نے اس لیے سنائے کہ یہ والدین کی عدم توجہی کی مثالیں ہیں۔ آپ ورکنگ لیڈی ہیں تو کام چھوڑ دیں اور بے بی کو پالیں وہ بے بی ماں باپ کی فل توجہ چاہتا ہے۔ وہ بچہ یا کوئی بھی بچہ دنیا میں خود نہیں آتا اسے آپ دنیا میں لاتے ہیں۔ بس وہ بے بی تھوڑا سا وقت، پیار، چاہت اور آغوش مانگتا ہے۔ وہ اسے دے کر آپ AUTISM کا پتہ لگا سکتے ہیں اور بروقت علاج بھی کرواسکتے ہیں۔ اگر کسی کے بچوں میں AUTISM کی علامات ہیں تو پریشان نہ ہوں، اسلام آباد، لاہور، کراچی جیسے شہروں میں Autism Rehablitation Centre موجود ہیں اور بچوں کو وہاں لے کر جائیں اور داخل کرائیں۔ ایسے بچے Special Children کہلاتے ہیں اور وہ ان اسپیشل بچوں سے ڈیل کرتے ہیں۔

مجھے امید ہے کہ میرا یہ مضمون بہت سارے والدین کو گائیڈ لائین دے گا اور ان کی رہنمائی بھی ہوگی۔ ان شاءاللہ۔

❁